جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ

خیر الفتاویٰ

جلد اوّل

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ

و دیگر مفتیان خیر المدارس کے علمی و تحقیقی فتاویٰ کا منتخب مجموعہ

اہتمام

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہ

مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

مرتبہ

حضرت مولانا مفتی محمد انور مدظلہ

ناشر

مکتبہ امدادیہ ملتان، پاکستان

نام کتاب : **خیر الفتاویٰ** (جلد اول)

باہتمام : حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ

مرتب : مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ

کل صفحات : ۶۱۶ صفحات

ناشر : **مکتبہ امدادیہ ملتان** ۴۲۸ھ

(Phone No. 061-4544965)

لاہور میں ملنے کا پتہ

مکتبہ رحمانیہ ---------- غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

کراچی میں ملنے کا پتہ

قدیمی کتب خانہ ---------- آرام باغ کراچی

اس کتاب کی تصحیح کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔
اگر اس کے باوجود کسی غلطی پر مطلع فرمائیں تو
ممنون ہوں گے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جاسکے۔
فجزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدارین (ادارہ)

فہرست مضامین "خیر الفتاوی" جلد اوّل

۷

مَا يَتَعَلَّقُ بِالْحَدِيْثِ

ما یتعلق بالانبیاء والعلماء

ذکر و اوراد، دعاء اور تعویذات

مایتعلق بالسلوک

نمبر شمار	مَا یتعلقُ بالفِرَقِ المختلفۃ	صفحہ نمبر

مایتعلق بالتاریخ

ما یتعلق بالسنۃ والبدعۃ

عرضِ مرتب

بندۂ عاجز نے صرف یہ سوچ کر اس علمی مجموعہ کو بزعم خویش ترتیب دینے کی کوشش کی ہے کہ اللہ علیم و خبیر کے ہاں حسن نیت اور حسب ہمت سعی و کوشش کی بھی بڑی قدر ہوتی ہے ورنہ میں اپنے علم و فہم کی بناء پر ہرگز ہرگز اس ذمہ داری کا اہل نہ تھا۔

لعل و جواہر جہاں بھی ہوں اور جیسے بھی ہوں اہل نظر کے لئے متاعِ دل و جان ہوتے ہیں اس عاجز نے بھی اہل علم و فضل کے لئے علم و تحقیق کے یہ جواہر خیر المدارس کے قدیم رجسٹر فتاویٰ سے منتخب کئے اور جیسے کیسے ہو سکا ہدیۂ ناظرین کر دیئے اس ساری کدو کاوش میں نہ تو کسی صلہ کی تمنا پیش نظر تھی اور نہ ہی کوئی ستائش مقصود تھی، اور ہوتی بھی تو کس بناء پر؟ بلکہ صرف اور صرف یہ نیت تھی کہ حضرات اساتذۂ کرام کا یہ علمی و تحقیقی ورثہ اور علوم و معارف کا یہ گنجینہ دفتروں ہی تک محدود نہ رہے۔

ترتیب سے متعلق حتی الوسع ہر امر میں تصحیح کا پورا خیال رکھا گیا ہے تاہم ناظرین کرام سے گزارش ہے کہ کسی غلطی پر مطلع ہوں تو متنبہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے۔

راقم السطور

خاکپائے درویشاں و محب ایشاں

فقیر بوتراب

محمد انور عفا اللہ عنہ

خادم الافتاء والحدیث بجامعہ خیر المدارس ملتان

کلمۂ تشکر

از: حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری مدظلہ مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

جامعہ خیر المدارس ملتان کے دارالافتاء کو اندرون و بیرون ملک ایک مرکزی مقام حاصل ہے۔ اس سے جاری ہونے والے فتاویٰ کو علمی تحقیق و ثقاہت کے پیش نظر تمام دینی حلقوں میں سند اعتماد حاصل ہے۔ جامعہ کی نشأۃ ثانیہ سے تا دم تحریر تمام جاری کردہ فتاویٰ رجسٹروں میں محفوظ ہیں۔ حضرت جد امجد مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نور اللہ مرقدہ نے بڑے التزام و اہتمام کے ساتھ "نقل فتاویٰ" کا کام اپنی نگرانی میں کرایا جس سے آپ کے حسن انتظام کے ساتھ اس امر پر بھی دلالت ہوتی ہے کہ آپ اس علمی ذخیرہ کو افادۂ عام کے لئے محفوظ کرا رہے تھے۔

میرے والد حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی دلی خواہش و تمنا تھی کہ یہ علمی خزینہ رجسٹروں کی زینت نہ رہے بلکہ منظر عام پر آ کر اہل علم اور عامۃ الناس کے استفادہ کا باعث بنے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے حضرت مفتی محمد انور صاحب مدظلہ کو متوجہ فرمایا۔ اس سلسلہ میں پیشرفت آپ کے دور اہتمام ہی میں ہوئی لیکن آپ کی زندگی میں اس تمنا کی تکمیل نہ ہو سکی۔ اب ان کی وفات کے بعد بحیثیت ایصال ثواب ان کی اس نیک تمنا کی تکمیل کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

"خیر الفتاویٰ" کی اہمیت اور اس میں شامل فتاویٰ کے علمی تحقیقی ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب، حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ، حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ، حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ جیسے فقہائے عظام کے فتاویٰ اس کی زینت ہیں۔

اس عظیم علمی خدمت کی تکمیل پر حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ کا صمیم قلب سے ممنون ہوں کہ جنہوں نے شبانہ روز محنت کر کے اس کٹھن و مشکل ترین کام کو تن تنہا سرانجام دیا ہے۔ جزاہم اللہ عنا وعن سائر المسلمین۔

علاوہ ازیں حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ، حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ جن کی سرپرستی و راہنمائی سے جامعہ کو یہ اعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ ناسپاسی ہو گی اگر مولانا محمد ازہر صاحب مدیر الخیر و دیگر رفقاء کا شکریہ ادا نہ کروں جن کے تعاون کی وجہ سے "خیر الفتاویٰ" منصۂ شہود پر آیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بقیہ جلدوں کی جلد اشاعت کی توفیق عطا فرمائیں اور اسے مقبولیت عامہ عطا فرمائیں۔ آمین

از
محمد ازہر، مدیر "الخیر" خیر المدارس
(ملتان)

پیش لفظ

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

فقہ عربی زبان میں کھولنے اور پھاڑنے، تحقیق و جستجو، غور و تامل، ذہانت و فطانت اور فہم و ادراک وغیرہ معانی میں استعمال ہوتا ہے، اصطلاح شریعت میں اپنے دینی فرائض و مناصب کا علم، رسوخ فی العلم، رسوخ فی الدین، حدود و مقاصد شریعت سے آگہی، اصول اربعہ پر فروعی مسائل و حوادث کے انطباق وغیرہ کو فقہ کہا جاتا ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے معرفۃ النفس ما لہا و ما علیہا کے جامع الفاظ سے "فقہ" کی تعریف فرمائی ہے علم فقہ کی حیثیت و اہمیت اور عظمت و وسعت اس کی تعریف و معانی سے عیاں ہے۔

یہ علم جتنا وسیع، عظیم اور عمیق ہے اتنا ہی نازک، پیچیدہ اور حزم و احتیاط کا متقاضی ہے علماء راسخین فی العلم و فقہاء کرامؒ نے اس کے ذریعے شریعت کے رموز و غوامض کی نقاب کشائی کے ساتھ کتاب و سنت کی بنیاد پر متنوع مسائل و حوادث، مختلف جزئیات اور حالات و طبائع کے تغیرات کو ملحوظ رکھتے ہوئے احکام صادر فرمائے۔

الحمد للہ جو مسلمان اپنے دل میں احساس مسئولیت اور دین پر عمل کی کچھ تڑپ رکھتے ہیں وہ پیش آمدہ مسائل و جزئیات متفرقہ کے احکام معلوم کرنے کے لئے عصر حاضر کے دانشوروں "دین و دنیا کے علوم سے آشناؤں" "علوم اسلامیہ میں ..... ڈاکٹریٹ کی ڈگری ہولڈروں" اور ملکی و بیرونی یونیورسٹیوں کی تعلیم پانے والے وسیع النظروں کی "تحقیقات و اجتہادات" پر اعتماد کرنے کی بجائے مساجد و مدارس کے ان بوریا نشین علماء کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں جن کے وجود سے اس مایوس کن مادی ماحول میں بھی دین کی کچھ آبرو قائم ہے۔ مدارس عربیہ کے دار الافتاء اس کے شاہد ہیں جن سے اب تک لاکھوں [illegible] مسائل و نوازل میں تحقیق و تفتیش کر کے عمل کی دنیا منور کر چکے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ روز اول کی طرح جاری ہے۔

لیکن اس سلسلہ سوال و جواب میں یہ بات شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ اس کا نفع انفرادی لازم

اور مسائل و فقہی جزئیات تک محدود رہتا ہے۔ اگر یہ تمام علمی ذخیرہ منظر عام پر آجائے تو ایک ایک استفتاء سے سینکڑوں افراد مستفید ہو سکتے ہیں۔ متعدد اہل علم حضرات نے اس کا احساس فرمایا اور ان نوادرات و مخطوطات کو جو کتب خانوں اور فائلوں کی زینت تھے افادۂ عام کے لئے شائع فرما دیا۔ امداد الاحکام، امداد الفتاویٰ، فتاویٰ خلیلیہ، کفایت المفتی، فتاویٰ دار العلوم دیوبند اور احسن الفتاویٰ اس سلسلہ کی روشن مثالیں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ متفرق و منتشر اوراق میں بکھرے ہوئے ان موتیوں کو ایک لڑی میں پرونا مہارت و حذاقت، دیدہ ریزی، محنت و سلیقہ اور حوصلے کا محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان سے اب تک ان متعدد اہم عربی مدارس جو دینی، علمی، ملی خدمات میں مصروف و معروف ہیں کی جانب سے اس قسم کی علمی دستاویزات سامنے نہیں آئیں۔ اگر چہ بہر حال ایک تسامح اور کمی ضرور تھی اوّل الذکر تمام فتاویٰ کا تعلق بھی ہندوستان کے تعلیمی اداروں یا شخصیات سے ہے۔

الحمد للہ پاکستان میں اس سلسلہ کی اوّلین سعادت ملک کے ممتاز دینی ادارہ جامعہ خیر المدارس کو حاصل ہوئی ہے جس کا دار الافتاء زادہ اللہ شرفاً فقہ و فتاویٰ میں مسلک اعتدال، علمی تحقیق و تدقیق میں مثالی اور مسلک اہل سنت والجماعت دیوبند کے ترجمان کی حیثیت سے عالمگیر شہرت کا حامل ہے۔

دار الافتاء مذکور میں قیام پاکستان سے اب تک تقریباً ۴۰ سال کے فتاویٰ جو عارف باللہ فقیہ العصر حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ، فاضل محقق حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحبؒ، و دیگر مفتیان خیر المدارس کی نادر علمی تحقیقات کا ماحصل ہیں محفوظ تھے متعدد اہل علم حضرات نے انکی اشاعت و طباعت کی خواہش کی لیکن اس گرانقدر علمی خزانہ کو منظر عام پر لانے کے لئے کئی ہفت خواں سر کرنے پڑتے ہیں۔ فتاویٰ سے انتخاب، اصل سے مراجعت، حوالوں کی تصحیح، صفحات کی درستگی، عبارت کی نوک پلک، جوابات پر نظر ثانی، مکررات کا حذف، تخریج، اضافہ، ماخذ سے مطابقت ان خالص علمی کاموں کے علاوہ کاغذ، کتابت، تصحیح، طباعت، اشاعت وغیرہا متعدد مراحل کی وجہ سے یہ کام اپنی اہمیت کے باوجود نہ ہو سکا۔

کل امر مرهون باوقاتها کے تحت توفیق ایزدی مخدومی حضرت مولانا محمد شریف صاحب قدس سرہٗ کے دور اہتمام میں اس کی تحریک اور مخدوم زادہ مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری کے دور میں تکمیل ہوئی اس سلسلہ میں مذکورہ بالا تمام امور برادر محترم مولانا مفتی محمد انور صاحب زید مجدہم نائب مفتی جامعہ ھذا کے سپرد کئے یہ ایک حقیقت ہے کہ موصوف محترم نے اپنی تعلیمی و تدریسی مصروفیات کے باوجود یہ فریضہ باحسن طریق انجام دیا ہے اور ہزاروں صفحات پر مشتمل اس علمی خزینہ سے خیر الفتاویٰ کا حسین انتخاب فرما کر علمی جواہر و فقہی نوادر کو طعمۂ کرم بننے سے محفوظ کر دیا ہے۔ یہ علمی کاوش مفتی صاحب کی محنت شاقہ کے بعد ہدیۂ ناظرین ہیں

ہی ہے، جس میں ایمان وعقائد، القرآن وما یتعلق بہ، الحدیث وما یتعلق بہ، بدعات، تاریخ، مختلف طبقیں اور کتاب السلوک کے ابواب کے تحت سیکڑوں مسائل اور ان کے حل آگئے ہیں۔

کتاب کی افادیت اور علمی مقام کے اندازہ کے لیے چند سرخیاں ملاحظہ ہوں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو نورِ خداوندی کا جزء کہنا صحیح نہیں۔
(۲) ائمہ مذہب سے نفی سماع موتی صراحۃً منقول نہیں۔
(۳) سُنّت کی توہین کفر ہے۔
(۴) حیاتِ انبیاءؑ پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی وجہ سے وارد ہونے والے شبہ کا شافی جواب۔
(۵) "ان اللہ علی کل شیء قدیر" کے عموم میں ہر ممکن داخل ہے۔
(۶) یزید کے بارے میں عادلانہ رائے۔
(۷) تفسیر بلغۃ الحیران کے متعلق معتدل رائے۔
(۸) تفسیر بالرائے کا حکم۔
(۹) بذریعہ فلم تبلیغ قرآن توہین قرآن ہے۔
(۱۰) ان اللہ خلق آدم علی صورتہ حدیث ہے۔
(۱۱) تعظیم اہل بیت سے متعلق چند موضوع احادیث۔
(۱۲) سب سے پہلے کیا چیز پیدا کی گئی؟
(۱۳) زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوا یا نہیں۔
(۱۴) حضرت عمرؓ کا بنت فاطمہؓ سے نکاح کا ثبوت۔
(۱۵) حضرت معاویہؓ کاتب وحی اور امین تھے۔
(۱۶) حلیمہ سعدیہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس سواری پر لے گئی تھیں۔؟
(۱۷) روافض کو سنیوں کی مساجد میں نہ آنے دیا جائے۔
(۱۸) مودودی صاحب کے ساتھ علماء کرام کے اختلاف کی وجہ۔
(۱۹) بریلویوں سے مراسم رکھنے کا حکم۔
(۲۰) وجوب تقلید ائمہ اور ترک تقلید کے نتائج
(۲۱) سوالاکھ آیت کریمہ کا شرعی حکم

بطور نمونہ مشتے از خروارے، چند عنوان ذکر کیے گئے ہیں۔ اسی طرح باقی تمام فتاوی بھی وقیع علمی

مضامین پر مشتمل ہیں۔ حسب ضرورت بعض مواقع پر مفصل کلام کیا گیا ہے۔ اہل بدعت اور منکرین تقلید کے اختلافی مسائل کافی بسط سے لکھے گئے ہیں جو ان شاء اللہ اہل علم کے لئے موجب بسط و اطمینان ہوں گے فتاویٰ کا یہ مجموعہ علمی دنیا میں گرانقدر اضافہ اور علماء و فضلاء بالخصوص شعبہ افتاء سے متعلق حضرات کے لئے بیش بہا نعمت ہے۔

اس میں شک نہیں کہ فاضل مرتب نے اس علمی خزینہ کو عام استفادہ کے لائق بنانے کے لئے انتہائی محنت اور صبر و ہمت سے کام لیا ہے اور جو کام ایک مستقل جماعت کے کرنے کا تھا اُسے بعونہ تعالیٰ تکمیل تک پہنچا دیا ہے۔

فاضل مرتب کو اس سلسلہ میں ایک مشکل یہ پیش آئی کہ ان فتاویٰ کے نقل کے وقت یہ بات کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھی کہ ایک وقت یہ دفاتر فتاویٰ کے مستند اور وقیع علمی مجموعہ کی بنیاد بنیں گے، اس لئے ناقلین سے متعدد فروگذاشتیں ہوئی ہیں۔ کہیں مسائل کی عبارت میں کمی بیشی، کہیں عربی عبارتوں میں غلطیاں، کسی جگہ حوالے میں نقص، بعض مقامات پر سخت غلط۔ غرضیکہ "غلطی ہائے مضامین مت پوچھ" والا معاملہ تھا۔ چنانچہ تمام ایسے مقامات پر خصوصی احتیاط کی گئی ہے۔

سوالات کی عبارات حتی الامکان واضح کی گئیں، عبارتوں کو اصل کتابوں سے درست کیا گیا، حوالوں کے لئے اصل مصادر و ماخذ سے مراجعت کی گئی، صفحات کے نمبر درست کئے گئے۔ بہرحال اب یہ مجموعہ مسمّٰی بہ "خیر الفتاویٰ" اس قابل ہے کہ اصحاب علم و فضل اور ارباب افتاء کی نظروں میں ایک مقام حاصل کر سکے۔

"خیر الفتاویٰ" سے جہاں قدیم و جدید انفرادی و اجتماعی مسائل کے سمجھنے میں مدد ملے گی وہاں اس حسین علمی مرقع سے فقہ حنفی کی عظمت، گہرائی اور گیرائی کا بھی اندازہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جملہ مسلمانوں کے لئے نافع اور ذریعہ عمل بنا دیں۔ آمین۔

خیر المدارس کے اربابِ افتاء

تحریر: محمد ازہر، مدیر ماہنامہ "الخیر" جامعہ خیر المدارس ملتان

بیت اللہ زادہا اللہ شرفاً وعزاً کے انوار و برکات اور روحانی جذب و کشش اور کیفیات کی عظمت کو اہلِ دل نے بڑی حسین توجیہ و تعبیر کی ہے کہ ؎

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود
ایں ز اخلاصاتِ ابراہیم بود

جس طرح بیت اللہ کے انوار و تجلیات کی پیہم زیادتی ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدق و صفا اور اخلاص و وفا کا حصہ ہے، اسی طرح ہر وہ نیک عمل جس کی آبیاری خلوص و للہیت، تعلق مع اللہ اور خشیت و تقویٰ کے پاکیزہ پانی سے کی جائے، روز افزوں ترقی پذیر رہتا ہے۔

؏ چراغِ مقبلاں ہرگز نہ میرد

آج سے نصف صدی قبل ایک عارفِ کامل، عالمِ ربانی، درویشِ خدامست حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ نے جالندھر میں خدمتِ دین کا جو بیج بویا تھا آج وہ تناور درخت بن چکا ہے جس نے الحاد و زندقہ اور کفر و فسق کی چلچلاتی دھوپ، بادِ صرصر کے تھپیڑوں اور آگ برساتی فضا میں ہزاروں انسانوں کو اپنی ٹھنڈی اور میٹھی چھاؤں میں پناہ دی۔ آج بھی سینکڑوں افراد اس کے شیریں ثمرات سے مستفید ہو رہے ہیں۔
مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ جامعہ کے بانی، مہتمم، شیخ الحدیث، صدر مدرس، اور دار الافتاء خیر المدارس کے صدر مجلس تھے۔

(۱) عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ

؎ ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

مفتی اول

آپ ۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۹۰۵ء بمقام کروالہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام الٰہی بخش تھا، ددھیال کا پیشہ زراعت تھا، ننھیال میں آپ کے ماموں میاں شاہ محمد اور میاں شبیر محمد ذاکر شاغل اور حضرت گنگوہی قدس سرہ سے بیعت تھے۔ بچپن کے دس سال حضرت والا نے انہی کی تربیت و نگرانی میں گزارے اور قرآن پاک بھی انہی سے پڑھا، بعد ازاں بالترتیب مدرسہ رشیدیہ نکودر، مدرسہ رشیدیہ رائے پور گجراں، مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی، اور مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں تعلیم پائی، اساتذہ میں حضرت مولانا مفتی فقیر اللہؒ، حضرت مولانا فضل احمد صاحبؒ حضرت مولانا محمد حسین صاحب سرہندیؒ اور حضرت مولانا سلطان احمد صاحب پشاوریؒ کے اسمائے گرامی ممتاز ہیں۔

۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۱ء تک متحدہ ہندوستان میں تدریسی خدمات انجام دیں، ۱۳۶۰ھ میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مشورہ و اجازت سے اپنے ادارہ خیر المدارس کا آغاز فرمایا، ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد یہ مدرسہ قدیم شہر ملتان میں منتقل ہوا، اور اکتوبر ۱۹۴۷ء سے باقاعدہ تعلیم کا اجراء کیا گیا، اس سال پورے پاکستان میں صرف یہی وہ ادارہ تھا جس میں دورۂ حدیث پڑھایا گیا، باقی مدارس ابتدائی مراحل میں تھے یا ابھی وجود ہی میں نہ آئے تھے۔

دار الافتاء کا قیام

حضرت والا نے جامعہ کی نشأۃ ثانیہ کے متصل بعد ہی عامۃ الناس کی دینی مسائل سے واقفیت و آگاہی کے لئے دار الافتاء قائم فرمایا، گو یہ دار الافتاء آپ ہی کی ذات کا نام تھا، نہ مستقل عمارت تھی، نہ نائب، نہ معین، نہ ناقل، اپنی تمام تعلیمی، انتظامی، اصلاحی و تبلیغی مصروفیات کے ساتھ یہ کام جو کئی افراد کا متقاضی ہے حضرت تن تنہا انجام دیتے تھے، خود ہی جوابات تحریر فرماتے، خود ہی انہیں رجسٹروں میں نقل فرماتے اور اپنی ذاتی گرہ سے مزین فرما کر پوسٹ کرتے۔

حضرت رحمہ اللہ علوم نبوت کے وارث و امین اور اخلاق نبوت کا آئینہ تھے، ارشاد و ہدایت، خلوص و للہیت، تقویٰ و طہارت، تدبر و فراست، اعتدال و استقامت، زہد و قناعت جیسے لاتعداد محاسن و محامد کی تصویر تھے۔

حسن تعلیم و تقریر

آپ انتہائی شفیق استاذ اور مربی تھے، سبق کی تقریر دریا بکوزہ

کی مثال ہوتی۔ اسلوب بیان سلیس اور دلنشین ہوتا تھا، لمبی لمبی تقاریر و مباحث کو نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ طلبہ کو ذہن نشین کرا دیا۔ حضرت والاؒ کا خصوصی کمال تھا۔ بسا اوقات منطق و فلسفہ کی بعض ادق مباحث پڑھانے سے ایک دن قبل طلبہ سے فرماتے کہ کل کا سبق کچھ مشکل ہے اس کا اچھی طرح مطالعہ کر کے آئیں۔ لیکن دوسرے دن ایسی ترتیب و تسہیل سے بیان فرماتے کہ طلبہ اُسے نہایت سہل پاتے اور ایک دن قبل کی تنبیہ پر متعجب ہوتے۔ حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ تفہیم و تعلیم کے سلسلہ میں استاد خود مشقت برداشت کرے، طلبہ پر بوجھ نہ ڈالے۔ حدیث پاک کی تدریس میں حضرت والاؒ ائمہ مجتہدینؒ کے مستدلات کا ایسا مکمل بیان فرماتے یا ایسا معنی خیز ترجمہ بیان فرماتے کہ وہ حدیث حنفیہ کی دلیل معلوم ہوتی۔

مشہور حدیث " البیعان بالخیار مالم یتفرقا " معرکۃ الآراء حدیث ہے اسی حدیث کی بنا پر حضرت امام شافعیؒ احناف سے " خیار مجلس " کے مسئلہ پر اختلاف فرماتے ہیں۔ اساتذۂ حدیث احناف کی طرف سے اس حدیث کی متعدد توجیہات بیان فرماتے ہیں۔ " تفرق بالابدان " اور " تفرق بالاقوال " کی تقسیم اور " تفرق بالاقوال " کے لئے قرائن وغیرہ وغیرہ۔

حضرت والاؒ اتنی تطویل کی بجائے ایسا جچا تلا ترجمہ فرماتے کہ توجیہات کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ آپ فرماتے " البیعان بالخیار مالم یتفرقا " کا مطلب یہ ہے کہ سودا کرنے والوں کو اختیار ہے جب تک سودا چکا کر الگ الگ نہیں ہو جاتے۔ ظاہر ہے اس ترجمہ کے بعد یہ حدیث " خیار مجلس " کی دلیل نہیں بن سکتی اور غور کیا جائے تو یہ " التفرق بالاقوال " کی موجز و حسین تعبیر ہے۔ فللّٰہ درہٗ

علمی تبحر اور فقہی ژرف نگاہی

۱۳۶۹ھ میں خیر المدارس میں افتاء کا شعبہ مستقل کر دیا گیا اور اس کے مسئول عارف کامل حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحب رحمہ اللہ مقرر ہوئے تاہم حضرت مفتی صاحبؒ تمام فتاویٰ بعد از عصر حضرت والاؒ کی خدمت میں پڑھ کر سناتے، آپ کمال توجہ سے سنتے، حسب ضرورت آپ کی ترمیم و تصحیح یا تصدیق کے بعد سپرد ڈاک کئے جاتے، بعض جوابات پر حضرت والاؒ مزید کچھ اضافہ بھی فرماتے جو آپ کی دقت نظر، تبحر علمی، تعمق فکر اور فقہ میں نگاہ دور رس کا شاہکار ہوتے۔ صرف ایک مثال ملاحظہ ہو۔

ایک دفعہ ہزارہ سے ایک عالم دین نے اس مضمون کا استفتاء بھیجا کہ تفسیر جلالین کے مختلف مقامات پر آیات کی ایسی تفاسیر کی گئی ہیں جو سلف صالحین اور اہل سنت والجماعت کے عقائد و نظریات کے خلاف ہیں۔ اس کے ثبوت میں مستفتی نے وہ مقامات باحوالہ بقید صفحہ نقل کر کے پوچھا

کہ کیا یہ اہل سنت والجماعت کے مسلک سے علیحدگی اور اعتزال کا اظہار تو نہیں؟

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ رحمہ اللہ نے اس کا جواب تحریر فرمایا جس کے شروع میں آپ نے تمہیداً لکھا۔ "ہمارا مسلک علماء دیوبند کے اصول کے مطابق احتیاط پر مبنی ہے۔ ہم عبارات مشکوکہ و مشتبہہ کی بناء پر تکفیر و تفسیق میں جلدی نہیں کرتے، افراط و تفریط ... یہی وہ ایسے امر ہیں جن کی بناء پر امت میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ اگر مولانا غلام اللہ خان صاحب اور ان کی جماعت آپ کی نظر میں اکثر مسلمانوں کی تکفیر کرتی ہے (جس کا ہمیں پورا یقین نہیں) تو یہ ایسا ہے جیسا بریلوی حضرات علماء دیوبند کی تکفیر کرتے ہیں لیکن ہمارے اکابر نے اس بارہ میں ہمیشہ احتیاط برتی ہے اس لئے ہم بھی تکفیر کے بارے میں ہمیشہ احتیاط کرتے ہیں۔ اور اپنے بھائیوں کو بھی احتیاط کرنے اور عبارات مشکوکہ کی جب تک اصل عبارات کفر کے معنی کی تصریح نہ کریں، تاویل ہی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے لکھا کہ ہم نے آپ کی مجوزہ عبارات کے بارے میں مولانا غلام اللہ خان صاحب سے تحقیق کی ہے وہ ان تمام عبارات کی ایسی توجیہ یا تاویل کرتے ہیں جو تکفیر و تفسیق سے مانع ہے لہٰذا ہمیں قول مالا یرضی بہ القائل سے کفریہ احتمال کو ترجیح دینے کی ضرورت نہیں اگر یہ لوگ تشدد کرتے ہیں تو ہمیں احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے۔"

بظاہر یہ جواب مکمل تھا مگر حضرت والا نے اپنی خداداد بصیرت و فراست سے محسوس فرمایا کہ اس فتویٰ سے بعض اہل غرض یہ تاثر بھی لے سکیں گے کہ خیر المدارس نے تفسیر بلغۃ الحیران کی من و عن تائید و توثیق کر دی ہے۔ آپ نے اس تاثر کے ازالہ کے لئے درج ذیل عبارت کا اضافہ فرمایا جو آپ کی فقہی ژرف نگاہی اور حالات و عواقب پر گہری نظر کا واضح ثبوت ہے۔

• حضرت العلام حضرت مفتی صاحب دام فیضہم نے مصنف بلغۃ الحیران اور جامع کے متعلق جو پہلو احتیاط اور عدم تکفیر کا اختیار فرمایا ہے وہی راجح اور صواب اور احوط ہے مگر جس کتاب کی عبارات جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہوں یا عوام کو ان سے ایہام و مغالطہ ہوتا ہو ایسی کتاب کی اشاعت اور مطالعہ کرنا جائز نہیں اور اس کے جامع و ناشر تاویل یا اعتراف غلطی کر کے تکفیر و تفسیق سے تو بچ سکتے ہیں مگر اس کے ضرر اور اثم سے برأت کے لئے ضروری ہے کہ موجودہ کتاب کی اشاعت کو بند کیا جائے۔ جب تک اس کی اصلاح نہ کی جائے یا غلط مقامات کا اظہار بالتصریح نہ کیا جائے۔ واللہ الموفق۔

از احقر خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

۹/۹/۱۳۸۰ھ

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت والا فتاویٰ کا محض سرسری سماع نہیں فرماتے تھے بلکہ پوری ذمہ داری اور احساسِ مسئولیت کے تحت تصدیقی دستخط ثبت فرماتے تھے۔

باکمال منتظم

اللہ جل شانہ نے حضرت اقدسؒ کو بے مثال اور قابلِ رشک علم و عمل کے ساتھ انتظامی صلاحیتوں سے بھی مالا مال فرمایا تھا۔ مردم شناسی اور کمالِ فراست کے مالک تھے۔ ایک نظر میں آدمی کی حقیقت و حیثیت کا جائزہ اور اس کی خوبیوں اور خامیوں کا اندازہ فرما لیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله" کے مصداق کامل تھے۔

کمالِ تواضع

حضرتؒ میں غایت درجہ تواضع اور بے نفسی پائی جاتی تھی جو اہل اللہ کی علامت اور اصحابِ معرفت کا امتیازِ خاص ہے۔ ایک دفعہ علامہ مولانا سید سلیمان ندویؒ جامعہ کے سالانہ جلسہ پر تشریف لائے، دیر آمد میں چارپائی پر آرام فرماتے تھے، حضرت قدس سرہ سب کے سامنے سید صاحبؒ کے پاؤں دباتے رہے۔ یہ تمام کو ادب و تواضع اور اکرامِ ضیف کا عملی درس تھا۔

بانیٔ وفاق المدارس

قیامِ پاکستان کے بعد عامۃ المسلمین کی رشد و اصلاح اور دینی رہنمائی کے لئے بلاد و قصبات میں متعدد دینی جامعات اور مکاتب و مدارس وجود میں آئے لیکن یہ سینکڑوں ادارے بکھرے ہوئے موتیوں کی مانند تھے۔ جو اپنی اپنی جگہ آبدار و تابناک تو ضرور تھے لیکن مجموعی حیثیت سے انہیں قابلِ ذکر حیثیت و مقام حاصل نہ تھا۔ عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ نے اس کمزوری کو محسوس فرمایا اور خیر المدارس کی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۲۰ شعبان ۱۳۷۸ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۵۹ء میں یہ تجویز پیش فرمائی کہ تمام مدارسِ عربیہ میں انضباط و ارتباط اور معیارِ تعلیم اور امتحانات میں یکسانیت کے لئے عملی قدم اٹھایا جائے۔ اس تجویز کی افادیت و اہمیت اور تقاضائے وقت کے پیشِ نظر اکابر علماء نے اس کی توثیق فرمائی۔ شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تجویز کو خصوصیت سے سراہا۔ چنانچہ اجلاس میں موجود حضرات، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہم اللہ پر مشتمل ایک مجلس (کمیٹی) تشکیل دی گئی جس کے ذمہ ابتدائی مراحل کی تیاری اور اسے عملی جامہ پہنانے کا کام تھا۔ آج "وفاق المدارس العربیہ" کی لڑی میں ایک ہزار سے زائد مدارس منسلک ہیں۔ جن کا نصاب، طریقِ امتحان، اسناد وغیرہ یکساں ہیں۔ حکومتِ پاکستان نے "وفاق" کی تیس سالہ دینی و تعلیمی خدمات کے اعتراف کے طور پر شہادۃ العالمیہ کو ایم اے عربی و اسلامیات کے برابر تسلیم کیا۔

؎ اگرچہ ابنائے وفاق کا علمی مقام اس قسم کے اعزازات سے کہیں بلند ہے اور ایسے پیمانوں سے ان کے علم و فضل کو ناپنا قدر ناشناسی میں داخل ہے (مرتب)

وللّٰہیت، ذاتی اخلاق، تواضع و انکسار، دینی و علمی مناقب اور دین کی راہ میں اُنکے مجاہدانہ اخلاص کی بنا پر اُن کا امتیازی احترام و اکرام فرماتے تھے۔

حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ "مفتی صاحبؒ کی زندگی، صحابہ کرامؓ کی پاکیزہ زندگیوں کی طرح ہے۔ بعض دفعہ فرماتے، جس نے متقی کو دیکھنا ہو وہ مفتی صاحبؒ کو دیکھ لے،

قیامِ پاکستان کے بعد حضرت والاؒ کا معمول رہا کہ جامعہ میں عیدین کی نماز حضرت مفتی صاحبؒ ہی کی اقتدا میں ادا فرماتے۔ اور حضرت مفتی صاحبؒ کو "امام العلماء" فرمایا کرتے۔

جس سال افتاء کی خدمت آپؒ کے سپرد ہوئی انہی دنوں حکومت کی طرف سے ۲۶ سوالوں پر مشتمل ایک استفتاء آیا جس کا نہایت دقیع علمی تحقیقی تفصیلی جواب حضرت مفتی صاحبؒ نے رقم فرمایا۔ حسب معمول حضرت والاؒ نے سنا تو فرمایا، ماشاء اللہ اب ہمارے مفتی صاحب، مفتی ہو گئے ہیں۔

مفتی صاحبؒ کا استغناء

حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ زمانۂ تعلیم میں اساتذہ اور طلبہ کی غیر تعلیمی مصروفیات کے قائل نہ تھے، اہل مدرسہ کو ملکی سیاست سے الگ رکھتے تھے تقسیمِ کار کے قائل اور اس پر کاربند تھے، آپؒ فرماتے تھے کہ تعلیم و سیاست کے اجتماع سے ایک شعبہ لازمی طور پر ناقص رہ جائے گا مگر حضرت مفتی صاحبؒ خیر المدارس کے اہم مدرس اور مفتی ہونے کے باوصف ملکی سیاست میں حصہ لیتے رہتے تھے، یہ حضرت مفتی صاحب کی خصوصیت تھی جس میں حضرت والاؒ کے نزدیک کوئی اور شخص اُن کا شریک نہ ہو سکتا تھا۔

حضرت مفتی صاحبؒ ایک جامع کمالات شخصیت تھے، علم و عمل، زہد و اتقاء، فضل و کمال اور طریقت و شریعت کے مجمع البحرین ــــ علم و متانت اور صورت و سیرت میں نمونۂ سلف، بیک وقت جامعہ خیر المدارس ملتان اور قاسم العلوم کے شیخ الحدیث، تبلیغی جماعت کے کارکن، دینی مجلہ "الصدیق" کے مدیر، ادارہ نشر و اشاعت اسلامیات کے بانی، جمعیت علماء اسلام کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین، وفاق المدارس العربیہ کے ناظم؛ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے دین کے تمام شعبوں کی صلاحیتیں اور خوبیاں حضرت مفتی صاحبؒ میں جمع فرما دی تھیں۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

سانحۂ وفات

حضرت مفتی صاحبؒ اپنے مرضِ وفات میں کئی ماہ صاحبِ فراش رہے پاؤں پر ایک پھوڑا تھا جو ذیابیطس کی وجہ سے شدت اختیار کر گیا، شدتِ تکلیف کے ان ایام میں بھی حضرت مفتی صاحبؒ نے بے صبری کی کوئی آہ اور رضا بالقضاء کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا۔ کوئی تیمار

ترک نہیں ہوئی، ایک لمحہ کے لئے بھی صبر و شکر کا دامن نہیں چھوٹا۔ آخری دنوں میں تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی اور پھوڑے کے اثرات پوری ٹانگ پر غالب آگئے، حضرت مفتی صاحبؒ کی تکلیف سے دیکھنے والوں کی آنکھوں میں آنسو آجاتے، مگر اس مجسمۂ صبر و رضا کی زبان آخر تک شکوہ و شکایت اور آہ و فغاں سے ناآشنا رہی تا آنکہ ۷۰ برس کی عمر میں ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ شب جمعہ کو تہجد کے وقت خدا کے حضور پہنچ گئے۔

ع عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

۳۔ فاضل اجل حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ

ہر کسے را بہر کارے ساختند
میل او اندر دلش انداختند

استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ سنہ ۱۳۷۴ھ سے جامعہ خیر المدارس کے دار الافتاء سے منسلک ہیں، سنہ ۱۳۹۵ھ سے صدارت افتاء کا منصب آپ کے پاس ہے۔

قرآن پاک کے حفظ کے بعد سنہ ۱۳۶۷ھ میں مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد فیصل آباد میں ایک سال میں ابتدائی کتابیں کافیہ، کنز اور اصول الشاشی تک پڑھیں، دوسرے سال ہدایہ، مختصر المعانی، دیوان متنبی وغیرہ کتب ختم کیں، تیسرے سال جامعہ خیر المدارس ملتان میں درجہ مشکوٰۃ شریف میں داخلہ لیا،

چوتھے سال مدرسہ اشرف العلوم ٹنڈو الہیار سندھ سے دورۂ حدیث شریف کیا۔ اس قلیل مدت میں درس نظامی کی تمام کتب بالاستیعاب پڑھ لینا آپ کی ذکاوت و جودت طبع اور خداداد حفظ و صلاحیت کی دلیل ہے۔

سنہ ۱۳۷۲ھ میں واپس آکر تکمیل خیر المدارس میں کی، آپ کے اساتذہ میں حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوریؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا اشفاق الرحمن صاحب کاندھلویؒ کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ ابتداءً حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ کے ادارہ نشر و اشاعت اسلامیات میں کام کیا، بعد ازاں خیر المدارس کے جز وقتی اور پھر مستقل مدرس مقرر ہوگئے۔

خیر المدارس میں ابتدائی اسباق سے بخاری شریف تک بتدریج تعلیمی ترقی نصیب ہوئی۔

طلب فرمایا۔ تا حال جامعہ کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مشکوۃ شریف اور دورۂ حدیث شریف کی کتابیں زیر درس ہیں۔ خیر الفتاویٰ کی ترتیب کے علاوہ مشکوۃ شریف کی ایک بیش قیمت علمی شرح "انوار المصابیح" اردو زبان میں تصنیف فرمائی ہے۔

خیر الفتاویٰ مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ استاذ محترم حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ، حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مدظلہ، مولانا اصغر علی صاحب مدظلہ اور بعض دیگر اساتذہ خیر المدارس کے علمی و تحقیقی فتاویٰ سے مزین ہے۔ موخر الذکر تینوں حضرات نے دارالافتاء میں بحیثیت نائب مفتی کئی کئی برس کام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی علمی کاوشوں کو مقبولیت سے نوازیں۔ اور ذریعہ ہدایت بنائیں۔ آمین۔

از فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب زید مجدہم

مُقَدَّمَہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ۔

اسلام فروغِ انسانیت کا ضامن ہے۔ انسانی زندگی کے متعدد شعبے ہیں، افکار و نظریات، اخلاق و عادات، عبادات و معاملات، معاشرت و مناکحات، حدود و تعزیرات، میراث و ترکات، نجی امور، اجتماعیات، ملکی و بین الاقوامی سیاسیات۔ اسلام ان تمام شعبوں میں بھرپور رہنمائی مہیا کرتے ہوئے زندگی کا رشتہ مکمل طور پر وحی الٰہی کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔

اتباعِ شریعت کیوں؟ یہ وابستگی کیوں ضروری ہے؟ اور اس کا فائدہ کیا ہے؟ نوعی اعتبار سے انسان نباتات اور حیوانات سے برتر و مکرم مخلوق ہے۔ مذکورہ انواع اپنے نشو و نما اور کمالِ نوعی کی تحصیل میں مادی غذا کے محتاج ہیں لیکن انسان کی تکمیلِ نوعی کے لئے مادی غذا کافی نہیں بلکہ سب سے بڑھ کر روحانی و معنوی غذا وحی خداوندی کی بھی حاجت ہے۔ جیسے پانی کے بغیر نباتاتی و حیوانی زندگی کا تصور نہیں اسی طرح وحی خداوندی کے بغیر انسانی زندگی کا امکان نہیں۔ اسی لئے قرآن و حدیث میں وحی الٰہی کو پانی، بارش اور روشنی سے تعبیر کیا گیا ہے تو انسانیت کے لئے وحی الٰہی ایسے ہی حقیقی ضرورت ہے جیسے حیات کے لئے پانی۔ جیسے پانی کے بغیر درخت پھل لانے کی بجائے سوکھ کر ایندھن کی جگہ کام آتا ہے اسی طرح اتباعِ وحی کے بغیر کمالِ نوعی سے محروم ہو کر انسان دوزخ کا ایندھن بن جاتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہا ۔

نیستند آدم جو لوگ وحی الٰہی سے محرومی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، مروجہ شماری کے اعتبار سے گو یہ انسان ہیں لیکن درحقیقت انسان نہیں، انسانی ڈھانچے ہیں۔ عارف رومی فرماتے ہیں: نیستند آدم غلافِ آدم اند

لامحدود ترقی کمالِ نوعی کی تحصیل کی صورت میں انسانیت کی ترقی ایسی غیر محدود ہو جاتی ہے کہ مادی انسانی ترقی اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتی۔

موجودہ اور متوقع مادی ترقیات و تنعمات کا مجموعہ انسان کی حقیقی ترقی سے حاصل ہونے والے

انعامات کے مقابلے میں وہ نسبت بھی نہیں رکھتا جو قطرے کو سمندر کے ساتھ ہے اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود مادی ترقیات کا مجموعہ ایک قطرہ ہے جبکہ اخروی انعامات سمندر ہیں۔ انسانی ضمیر کی اجتماعی اور فطری خواہش اور آرزو ہے۔ دوام صحت، دوام راحت اور دوام حیات اپنی تمام تر ترقیات کے باوجود انسان ان میں سے کسی ایک کو بھی حاصل نہیں کر سکا اور نہ کر سکے گا لیکن اسلام کی اتباع کے نتیجہ میں یہ سب کچھ حاصل ہو گا جس سے محرومی دوزخ کا ایندھن بننے کا سبب ہے اور اس کا حصول ہمیشہ ہمیشہ کی سلطنت اور بادشاہی کا ذریعہ ہو اسکی ضرورت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

اسلام شریعت دین، حاکمیت اعلیٰ، احکام خداوندی اور انکی اتباع کا نام ہے

کائنات کا خالق و مالک اللہ رب العالمین کی ذات پاک ہے۔ اس لئے اصولی طور پر تکوینی و تشریعی حاکمیت اعلیٰ کا استحقاق بھی صرف اسی ذات عالی کے لئے ہے۔

۱۔ الا له الخلق والامر۔	یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا۔
۲۔ ان الحکم الا للہ	حکم خدا ہی کا ہے۔
۳۔ الا له الحکم وھو اسرع الحاسبین۔	خوب سن لو فیصلہ اللہ ہی کا ہو گا اور وہ بہت جلد حساب لے لے گا۔

خلافت ارضی زمین میں حق جل شانہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو اپنا خلیفہ و نائب مقرر فرمایا:

واذ قال ربك للملئكة انی جاعل فی الارض خلیفة ـــــــ البقرہ۔	جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب۔
یداؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ۔	اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں حاکم بنایا ہے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کہ وہ خدا کے رستے سے تم کو بھٹکا دے گی۔

آئین خداوندی اور اپنے دستور اساسی کے طور پر حضرات انبیاء علیہم السلام پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں ـــ جن میں نور ہدایت حق و باطل کا مکمل امتیاز، انسانی فلاح کی مکمل ضمانت ہے۔

انا انزلنا التوراة فیها هدی و نور ۔	ہم نے توراۃ نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت اور نور تھا۔
و قفینا بعیسی بن مریم مصدقا لما بین یدیه من التوراة ۔ و آتیناه الانجیل فیه هدی و نور ۔	اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اس حالت میں بھیجا کہ وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توراۃ کی تصدیق فرماتے ہیں اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا۔
تبارک الذی نزل الفرقان علی عبده ۔	بڑی عالی شان وہ ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائی۔

حکمرانی کے اختیارات

حضرات انبیاء علیہم السلام کو حکومت الٰہیہ قائم کرنے کے لئے حکمرانی کے اختیارات بھی تفویض کئے گئے

یحکم بها النبیون الذین اسلموا للذین هادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب الله وکانوا علیه شهداء	انبیاء علیہم السلام جو کہ اللہ تعالیٰ کے مطیع اس کے موافق یہود کو حکم دیا کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی بوجہ اسکے کہ ان کو اس کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اسکے اقراری گواہ ہو گئے تھے۔
انا انزلنا علیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک الله	بیشک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا واقع کے موافق تاکہ آپ ان لوگوں کے درمیان اسکے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا۔

ختم نبوت

سلسلہ نبوت کی آخری کڑی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے جنہیں قرآن مقدس سے سرفراز فرمایا گیا۔ جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انکی تعلیمات کا محافظ ہے۔

و انزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما	ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے اور جو

بین یدیه من الکتب | پہلے جو کتابیں ہیں انکی بھی تصدیق کرتی ہے
و مهیمنا علیه فاحکم | اور ان کتابوں کی محافظ ہے۔ لوگوں کے
بینهم بما انزل الله۔ | باہمی معاملات آپ اسی بھیجی ہوئی کتاب کے موافق
فیصلہ فرمایا کیجئے۔

طاعت رسول قرآن کریم کے دستور اساسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاطلاق قطعی مفترض الطاعت قرار دیا گیا۔

و اطیعوا الله و اطیعوا الرسول | اور خوشی سے کہنا مانو اللہ تعالیٰ اور رسول
لعلکم ترحمون۔ | کا اُمید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ گے۔
وما آتٰکم الرسول فخذوه وما | رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے
نهٰکم عنه فانتهوا۔ | لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں
تم رُک جایا کرو۔

بلکہ اس سے بڑھ کر طاعت خداوندی کا معیار اطاعت رسول کو مقرر فرما دیا گیا۔

من یطع الرسول فقد | جس شخص نے رسول کی اطاعت کی
اطاع الله۔ | اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی۔

قرآن کریم کے مطالعہ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر احکامات خداوندی کا نزول وحی جلی اور وحی خفی دونوں طرح پر ہوتا تھا۔ اور اگر کوئی حکم اپنے اجتہاد سے ارشاد فرما دیں۔ وہ بھی وحی کے تابع تصور کیا جاتا ہے۔ ورنہ حق جل شانہٗ کی طرف سے اس میں مناسب ترمیم کر دی جاتی تھی ارشاد بما اراک اللہ میں ارادت خداوندی کے تحت فیصلہ کرنے کا حکم مصرح ہے۔ اور آپ کے علی الاطلاق مفترض الطاعۃ ہونے کا بھی یہی مقتضا تھا کہ حق تعالیٰ آپ کے اقوال و اعمال کو اپنی خصوصی نگرانی میں لے کر آپ کے مطابق مطلق ہونے کا اعلان فرما لیتے۔

سُنت خلفائے راشدین آیت استخلاف کے تحت حضرات خلفائے راشدین کی سُنت بھی دین شریعت کا حصہ ہے۔

امام سرخسی فرماتے ہیں:

قال تعالیٰ و لیمکنن لهم دینهم | اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ضرور جما دے گا
الذی ارتضیٰ لهم و یستنبطون | ان کے لئے انکا دین جسے اللہ تعالیٰ نے

علی ان الدین المرتضیٰ عند اللہ ما هم علیہ حقیقۃ"[۱]	دین خلفائے راشدین اور صحابہ کے لئے پسند کر لیا ہے۔

اس آیت میں تصریح ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین وہی ہے جس پر خلفائے راشدین اور صحابہ ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی نسبت خلفائے راشدین کی طرف کرتے ہوئے اسے اپنا پسندیدہ دین قرار دیا ہے۔ ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضیٰ لهم سے معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین کے فیصلے اور سنت دین خداوندی ہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے پسند کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں:

"دوم آنکہ از باب عقائد و عبادات و معاملات و مناکحات و احکام آنچہ در عصر مستخلفین ظاہر شود و ایشان باہتمام تمام سعی در اقامت آن کنند دین مرتضیٰ است"[۲]

حدیث پاک میں بھی سنت خلفائے راشدین کو لازم العمل اور واجب التمسک قرار دیا گیا ہے۔

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المهدیین وعضوا علیها بالنواجذ[۳]	میری سنت اور سنت خلفائے راشدین مہدیین کو لازم پکڑو اور خوب مضبوطی سے اسے تھام لو۔

جب خلافت کو رشد و ہدایت کے اوصاف کو لزومی اور دوامی طور پر ان حضرات کے لیے ثابت کر دیا گیا ہے تو ان کے جاری کردہ احکامات رشد و ہدایت قرار پائیں گے کیونکہ یہ اوصاف ترتب حکم کے لیے بمنزلہ علت کے ہیں چنانچہ امت نے سنت خلفائے راشدین کی اس شرعی حیثیت کو صحیح طور پر تسلیم کیا ہے۔ شامیہ میں ہے:

السنۃ ما واظب علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او الخلفاء الراشدون[۴]	سنت نام ہے اس چیز کا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفاء راشدین نے ہمیشگی کی ہو۔

اصول سرخسی میں ہے:

والسنۃ هی الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین والمراد بہ شرعاً ما سنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والصحابۃ بعدہ۔	سنت نام ہے دین میں چلے ہوئے طریقے کا اور شرعاً اس سے مراد وہی طریقہ ہے جسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے اختیار کیا ہو۔

تسہیل الوصول میں ہے:

والسنۃ قد تقع عند الاطلاق علی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ	لفظ سنت جب مطلق ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور صحابہ کرام

---

۱ اصول سرخسی ص۱۱۴ ج۱ ۲ ازالۃ الخفاء ص۱۹ ۳ ترمذی ص۹۲ ابوداؤد ص۲۷۹ ج۲ مشکوٰۃ ص۳۰
۴ شامیہ ص۱۱۵ ج۱ ۵ ص۱۱۳ ج۱

وسلم وغیرہا من الصحابۃ ۔ کے طریقہ پر محمول ہوتا ہے ۔

موافقات میں ہے :

ويطلق ايضاً لفظ السنة على ما عمل عليه الصحابة وجد ذلك في الكتاب او السنة او لم يوجد لكونه اتباعا لسنة تثبت عندهم لم تنقل الينا[۱]	لفظ سنت کا اطلاق ایسے عمل پر بھی ہوتا ہے جو صحابہ کا معمول ہو خواہ وہ عمل کتاب و سنت میں بھی موجود ہو یا نہ ، اس لئے کہ وہ عمل نبوی سنت کی پیروی ہی ثابت ہوتے ہیں البتہ وہ ہم تک نقل نہیں کیا گیا ۔

سنتِ شیخین — حدیث پاک کی روشنی میں شیخین کے فیصلے خصوصیت سے جزو شریعت اور واجب الاتباع ہیں ۔

اقتدوا بالذين من بعدی[۲]	تم ان دو کی پیروی کرنا جو میرے بعد ہوں گے ۔
كل ما ثبت فيه اتفاق الشيخين يجب الاقتداء به[۳]	ہر وہ مسئلہ جس میں شیخین (ابوبکرؓ عمرؓ) کا اتفاق ثابت ہو چکا ہو اسکی پیروی واجب ہے ۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں خلفائے راشدین کا مقام تشریع سے نیچے اور اجتہاد سے اوپر ہے ۔

حضرات صحابہ کا اجماع — حضرات صحابہ کا اجماع ناطق کتاب اللہ کی ایک آیت کی طرح قطعی اور انکا سکوتی اجماع حدیث متواتر کی طرح واجب العمل اور شریعت کا حصہ ہے

اجماع الصحابة نصاً فانه مثل الآية والخبر المتواتر حتى يكفر جاحده[۴]	صحابہ کا صریح اجماع یہ آیت قرآنی کی اور خبر متواتر کی مانند ہے یہاں تک کہ اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا ۔

ائمہ اصولیین کے سرتاج امام سرخسیؒ فرماتے ہیں :

ان ما اجمع الصحابة فهو بمنزلة الثابت بالكتاب والسنة	جس بات پر صحابہ کا اجماع ہو جائے وہ قطعی ہونے میں کتاب اللہ اور سنت سے

---

۱ ص۲۲ ۲ مشکوٰۃ ج ۲ ۳ ترمذی ص۲۱ ۴ توضیح ص۴۴ ج ۲ ۵ نور الانوار ص۲۲۲

فیکونہ مقطوعاً بہ حتی یکفر جاحدہ کما یکفر جاحد ما ثبت بالکتاب ۔[1]

ثابت شدہ چیز کی طرح ہے جس کے منکر کو ایسے ہی کافر قرار دیا جائے گا جیسے کتاب اللہ سے ثابت شدہ چیز کے منکر کو۔

آثار موقوفہ بھی حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں خصوصاً جبکہ وہ غیر مدرک بالرائے ہوں۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنی کتاب الانصاف میں تحریر فرماتے ہیں:

ویستدل باقوال الصحابۃ والتابعین علماً منھم انھا احادیث منقولۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختصرھا فجعلوھا موقوفۃ (الی ان قال) او یکون استنباطا منھم من المنصوص (الی ان قال) فتعین العمل بھا

اقوالِ صحابہ و تابعین سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کیونکہ درحقیقت یہ بھی احادیث مرفوعہ ہیں بوجہ اختصار انہیں موقوف بیان کیا ہے یا اس لئے کہ انہوں نے منصوص سے استنباط کیا ہے ...... تو ان پر عمل واجب ہے۔

وراثتِ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خصوصی فرامین کے ذریعہ علمائے کرام کو انبیاء علیہم السلام کا علمی وارث مقرر فرمایا۔ ارشاد ہے۔ العلماء ورثۃ الانبیاء جبکہ قرآن پاک میں اولی الامر کی طاعت کو واجب کیا گیا ایک تفسیر کے مطابق اولو الامر سے مراد حضرات علماء اور فقہاء ہیں۔

اسی طرح بعض دوسری آیات میں علماء کی طرف مراجعت اور انکی اتباع کو واجب قرار دیا گیا۔

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔

اگر تم لوگوں کو علم نہیں ہے تو یاد رکھنے والوں سے پوچھ لو۔

واتبع سبیل من اناب الی ۔

ارشاد ہے اے مخاطب پیروی کر اس شخص کے طریقہ کی جس نے میری طرف توجہ کی۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں:

وفی الآیۃ دلالۃ علی وجوب المراجعۃ الی العلماء فیما لا یعلم ۔[2]

آیت کریمہ میں اس بات پر دلالت ہے کہ جو مسئلہ معلوم نہ ہو علماء کی طرف اس میں رجوع کرنا واجب ہے۔

---

[1] اصول سرخسی ص ۳۱۴ ج ۱   [2] بیضاوی

قیاس مظہر حکم ہے مثبت حکم نہیں۔!

یہ وراثت کی طرح ہے۔ تعلیم کتاب و سنت تربیت و تزکیہ، حفاظت دین اور استنباط و اجتہاد وغیرہ۔ جب معاشرے میں کسی حادثہ کے متعلق دینی رہنمائی مطلوب ہو تو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم کرنے کے لئے حضرات علماء کی طرف مراجعت کرے، جیسے کہ حضرات صحابہ اپنے مسائل کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے تھے۔ مفتی نے اگر بعینہٖ حکم منصوص بتایا ہے تو یہ تبلیغ ہے۔ اور اگر نص سے استنباط کرکے بتلایا ہے، تو یہ خلافت ہے۔ کیونکہ قیاس و اجتہاد کے ذریعہ مجتہد نصوص کی تہ میں پہلے سے موجود احکام خداوندی کو ظاہر کر دیتا ہے۔ خود حکم وضع نہیں کرتا۔ اصول فقہ کا مشہور ضابطہ ہے کہ قیاس مظہر احکام ہے مثبت احکام نہیں جیسے زمین کی تہ میں موجود پانی کو جدید سے جدید نلکے وغیرہ کے ذریعہ حاصل کر لیا جاتا ہے یہ پانی نکالنے والا پانی کا موجد اور خالق نہیں بلکہ صرف سطح زمین پر اسے ظاہر کرنے والا ہے۔ دریا اور نل دونوں پانی خدا کے تخلیق کئے ہیں مستری کے پیدا کردہ نہیں، اسی طرح نصوص کے احکام ظاہرہ اور مستنبطہ دونوں اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں مجتہد کے نہیں۔

اس لئے اہل سنت والجماعت کے نزدیک قیاس و اجتہاد بھی احکام خداوندی کے لئے ماخذ ہے۔

شریعت کا ثمرہ

اور قیاس صحیح سے ثابت شدہ احکام شریعت کا ثمرہ ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے پھل، درخت کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتا ہے۔

امام بخاریؒ سے منقول ہے کہ فقہ، حدیث کا ثمرہ ہے (مقدمہ اوجز ص ۵) درخت میں موجود صلاحیتی اجزاء ہی پھل کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ درخت ہی کے ذریعہ پھل کا نشو ونما مکمل ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ پھل پہلے ظاہر نہ تھا بلکہ درخت میں پوشیدہ تھا۔ کوئی عقلمند صرف اس بنا پر کہ اس کا ظہور بعد میں ہوا پھل کی جزئیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ احکام قیاسیہ کا قرآن و سنت سے استخراج و استنباط عمل میں لایا گیا ہے۔ قرآن و سنت کے پانی سے ان کا نشو ونما مکمل ہوا۔ اور قرآن و سنت کے چاند و سورج کی روشنی نے ہی انہیں رنگ و پختگی کا حسن بخشا ہے۔

اس لئے استنباطی احکام کی حجیت و شرعی حیثیت سے انکار ممکن نہیں۔ حضرات صحابہ، تابعین ائمہ مجتہدین سب کا یہی مذہب ہے۔

روافض نے اجماع و قیاس کی حجیت اور ان کی شرعی حیثیت کا انکار کیا ہے۔ رفض کی بنیاد ہی اجماع سے انکار پر ہے، اگر وہ اجماع صحابہ کو حجت تسلیم کر لیتے ہیں تو ان کا مذہب ہی منہدم ہو جاتا ہے۔ اجماع کی حجیت سے گریز ان کی مذہبی ضرورت ہے اور قیاس کا انکار ان کے باطل عقیدہ امامت پر مبنی ہے۔ جب روافض

امام حاضر کے لئے تحلیل وتحریم کے اختیارات اور ان پر وحی کا آنا اور انکا انبیاء علیہم السلام کے برابر معصوم عن الخطاء ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ تو وحی کی موجودگی میں قیاس کی حاجت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے۔ لیکن اہل سنت والجماعت جو اس باطل عقیدہ امامت کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں کہ وہ پیش آمدہ حوادث وواقعات کے بارے میں متعلقہ احکام خداوندی کا نصوص سے استنباط کر کے اپنے اعمال کو قرآن وسنت کے تابع بنانے کی امکانی جدوجہد کریں۔

الغرض کتاب وسنت احکام شرعیہ کے لئے اولین ماخذ ہیں۔ علاوہ ازیں سنت خلفائے راشدین، تعامل صحابہ، اجماع امت اور مسلّمہ متبوعین کے استنباطی مسائل بھی شریعت کی تعریف میں داخل ہیں اور اپنے اپنے درجے میں سب ہی احکام خداوندی تصور کئے جاتے ہیں۔ منکرین حدیث نے کتاب اللہ کو شریعت قرار دیتے ہوئے باقی تمام اصول شرعیہ کا انکار کیا اور حدیث کو محض "تاریخ" کی حیثیت دیتے ہوئے یہ کہا کہ احادیث حجت نہیں ان سے بوقت ضرورت صرف رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اب بعض منکرین فقہ یہ دعویٰ کر رہے ہیں، کہ اصول کے ماسوا شریعت میں داخل نہیں ان سے صرف رہنمائی حاصل کی جائے گی۔

پس موجودہ تذکرہ ماسوا تمام مسائل کو صرف تاریخی اور مکمل رہنمائی کی حیثیت دیتے ہوئے شریعت کی تعریف سے خارج کر دینا لامذہبیت، غفلت اور لاعلمی کے علاوہ توضیح شریعت سے دستبرداری کا اعلان ہے۔ شرعی اصولوں پر سودا بازی کی قیمت پر اتحاد، نفاذ شریعت کے لئے کوئی مثبت اقدام نہیں ہے جس سے اچھے نتائج کی توقع کی جا سکے۔

اگر کوئی بے دین جماعت یہ کہے کہ قرآن کی فلاں فلاں آیت کو ناقابل عمل اور معطل قرار دے دیا جائے تو ہم نفاذ شریعت کی جدوجہد میں اہل حق کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں تو کیا ہم اس سودا بازی کے لئے تیار ہوں گے؟ ہرگز نہیں ۔۔۔ نفاذ شریعت کی جدوجہد بہت ہی مبارک اور انقلابی اقدام ہے جس سے کفر اور فرنگیت کے استیصال میں بڑی مدد ملے گی لیکن اہل حق رفقاء پر یہ احتیاط لازم ہے کہ یہ ہم کہیں شریعت ہی میں "تحریف وانقلاب" کا ذریعہ ثابت نہ ہو جائے۔

س: اگر سب فقہی مسالک احکام خداوندی کے حکم میں ہیں، تو ان میں باہمی اختلاف کیوں ہے؟

ج: بعینہٖ یہ سوال تو ملاحدہ اور منکرین حدیث، قرآن وسنت کے بارے میں بھی کرتے ہیں۔ مگر اس اعتراض سے قرآن وسنت کی آئینی وشرعی حیثیت قطعاً متاثر نہیں ہوتی۔ اسی طرح فقہی مسالک کے بارے میں بھی سمجھ لیا جائے ــــ تحقیقی جواب دوسرا ہے جو تفصیل طلب ہے۔

مذاہب اربعہ سے خروج جائز نہیں

ائمہ اربعہ کے فقہی مسائل مندرجہ بالا اصول شرعیہ سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ اور سب اپنے اپنے مقام پر درست و حق ہیں۔
جن پر قدیم سے امت کا مسلسل عمل رہا ہے۔ دوسرے مجتہدین کے اقوال منتشرہ باقاعدہ کہیں مدون نہیں اور قیود و شرائط کے اعتبار سے بھی منقح نہیں اس لئے علمائے امت کا اجماع اتفاقی ہے کہ مذاہب اربعہ سے خروج جائز نہیں

وما خالف الائمة الاربعة	جو مسئلہ ائمہ اربعہ کے مسلک کے خلاف
فهو مخالف للاجماع وقد	ہو وہ خلاف اجماع ہے تحریر میں یہ مصرح
صرح في التحرير ان الاجماع	ہے کہ ائمہ اربعہ کے مسلک کے خلاف عمل کرنا
انعقد على عدم العمل بمذهب	بالاجماع ناجائز ہے کیونکہ ائمہ اربعہ کے
مخالف للاربعة لانضباط	مسالک منضبط ہیں اور ان کے متبعین بھی
مذاهبهم وكثرة اتباعهم له	بکثرت موجود ہیں۔

خارج ناری ہے

علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں:

من كان خارجا عن هذه	جو شخص اس دور میں ائمہ اربعہ کے
الاربعة في هذا الزمان فهو	مسالک سے خروج اختیار کرے گا، وہ
من اهل البدعة والنار سه	بدعتی جہنمی ہے۔

ایک مسلک کا تعین ضروری ہے

فقہی مسائل اربعہ حق ہیں، لیکن اصولی طور پر سہولت و احتیاط و اطمینان کی صورت یہی ہے کہ عمل کے لئے ایک ہی مسلک کی تعیین کی جائے، خواہ عمل انفرادی ہو یا اجتماعی۔

يجب على العامي وغيره ممن لم	عوام پر لازم ہے کہ وہ مذاہب اربعہ میں سے
يبلغ مرتبة الاجتهاد التزام مذهب	کسی ایک کا بالالتزام اتباع کریں۔
معين من مذاهب المجتهدين۔ عه	

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان اور ماوراء النہر کے شہروں میں عامۃ الناس کے لئے حنفی مذہب کی تقلید واجب ہے۔ اور حنفیت سے نکلنا حرام ہے ورنہ وہ شریعت ہی سے نکل جائے۔

فاذا كان الانسان جاهلا في بلاد	جب ہندوستان کا کوئی باشندہ یا ماوراء النہر
الهند وبلاد ماوراء النهر وليس	کا کوئی رہنے والا جاہل ہے۔ اور

له الاشباه والنظائر سه بحوالہ خیر التقلید عه شرح جمع الجوامع

هناك عالم شافعي ولا مالكي ولا حنبلي ولا كتاب من كتب هذه المذاهب وجب عليه ان يقلد بمذهب ابي حنيفة و يحرم عليه ان يخرج من مذهبه لانه حينئذ يخلع من عنقه ربقة الشريعة ويبقى سدى مهملا [1]

کوئی شافعی یا مالکی یا حنبلی عالم بھی موجود نہیں - اور نہ ان مذاہب کی کوئی کتاب ہے تو اس پر حرام ہے کہ اپنے مذہب سے نکلے ورنہ وہ شریعت ہی کو چھوڑ بیٹھے گا۔

مجبوری کے وقت معتمد علماء کے اتفاق سے دوسرے امام کے قول کو لینے کی اجازت ہے

ہاں بعض مواقع میں بوقت ضرورت معتمد علماء کے اتفاق سے دوسرے امام کے قول پر بھی فتویٰ دیا جا سکتا ہے لیکن اس کے لیے متعلقہ مذہب کی وسیع معلومات کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ نہ اس پر عمل ہو گا نہ امید بر ہو گا۔

فقہی آمیزہ لیکن علی الاطلاق فقہ مشترک مدون کرنے کا نظریہ غلط ہے کیونکہ اس فقہی آمیزے سے کوئی مثبت نتائج و فوائد حاصل نہیں کیے جا سکتے بلکہ مشکلات میں اضافہ ہو گا نہ اس کی تدوین کے ضروری بنیادی آلات و ذرائع مہیا ہیں نہ اس کے بقاء و تعمیر اور تنقیح و تفریع کے۔

ایک مسلک کے ماہرین و فقہاء کا وجود محال ہے۔ تو مسالک اربعہ کے ماہرین کی درآمد اور اس کا تسلسل کتنی پیچیدگیاں اور مشکلات کو پیدا کر سکتا ہے۔ اور ماہرین کے بغیر نہ کوئی قانون مرتب ہو سکتا ہے اور نہ باقی رہ سکتا ہے۔ مصارف میں اضافے کے علاوہ ملک ایک فکری و ذہنی و عملی انتشار کا شکار ہو جائے گا۔

علاوہ ازیں ہر مذہب کی آسان آسان باتیں تلاش کرتے رہنا اتباع ہویٰ اور بے دینی ہے

من تتبع الرخص فقد تزندق

جس نے آسانیوں اور رخصتوں کی تلاش کی وہ بے دین ہو گیا۔

لاہور پہنچنے کیلئے ریل، بس، ویگن، کار اور ہوائی جہاز متعدد ذرائع مواصلات موجود ہیں۔ لیکن سفر طے کرنے کے لئے تو ایک کا انتخاب کرنا ہو گا، ہر دس بیس میل پر بلا وجہ سواری تبدیل کرتے رہنا دیوانگی ہے اور غیر ضروری مشقت کا برداشت کرنا ہے۔

پاک و ہند میں نفاذ اسلام کی آسان قابل عمل معقول صورت یہی ہے۔ کہ ایک مسلک یعنی مسلک احناف کے مطابق قانون سازی کی جائے کیونکہ ملک کی اکثریت اسی مسلک سے وابستہ ہے۔ امام المحدثین حضرت شاہ

---

[1] الانصاف ص ۹۹

وإن اللہ کا فرمان ابھی مذکور ہوا۔

دلکش مگر خطرناک مغالطہ

ملک کی بعض اعلیٰ ترین اسلامی یونیورسٹیوں میں بعض پروفیسرز اور سکالرز اس خیال کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ فقہی مسالک کی کوئی اہمیت نہیں۔ اوفق بالقرآن والسنۃ کی تلاش و تحقیق کرنا چاہیے۔ اس خیال سے عوام و خواص کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو رہے ہیں اور دین کے خلاف لامذہبیت کی تشکیکی مہم کو تقویت مل رہی ہے معلوم ہے فقہ حنفی کی تدوین بلاشبہ "اوفق بالقرآن والسنۃ کی کاوش" کے نظریہ کے تحت ہی عمل میں آئی ہے جیسا کہ آگے تفصیل سے ظاہر ہوگا، اور پھر ہر دور میں کتاب و سنت کی روشنی میں اس کی صحت کو جانچ پرکھا جاتا رہا ہے۔ امام محمد، سرخسی، امام ابوالحسن مرغینانی، ابوبکر کاسانی، محقق ابن ہمام رحمہم اللہ اجمعین وغیرہ حضرات نے فقہ حنفی کے مسائل کو کتاب و سنت پر پیش کرکے انکی ترجیح اور ان کا اوفق بالکتاب والسنۃ ہونا بار بار ثابت کیا ہے۔

پس غیر ملکی ڈگریوں کے حامل افراد کا اپنی آراء کو اوفقیت کے حسین و دلکش عنوان کے ذریعے ملک پر مسلط کرنا کسی طرح بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور تحقیق کے نام سے ابن تیمیہ رحمہ اللہ یا ان غیر ملکی ماہرین کی تقلید کی بہ نسبت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اتباع عقل و نقل انصاف و دیانت کی روشنی میں بدرجہا بہتر ہے۔ کیونکہ عصری ماہرین کے علم و عمل، تقویٰ و طہارت اور فہم و فراست کو ائمہ سلف کے ساتھ کوئی نسبت نہیں غرضیکہ اوفق بالقرآن والسنۃ مسائل کا جو مجموعہ عصری دانشور پیش کریں گے اس کے مقابلہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کا پیش کردہ اوفق بالقرآن والسنۃ مسائل کا مجموعہ یقیناً زیادہ قابل اعتماد ہوگا۔

فقہ حنفی قرآن و سنت کے مقابلے میں متوازی قانون نہیں

فقہ حنفی کے مسائل چار قسم پر ہیں۔ (۱،۲) کتاب و سنت کے احکام صریحہ (۳) مسائل اجماعیہ (۴) اجتہادی مسائل —— یہ چوتھی قسم بھی در اصل کتاب و سنت کے ہی مسائل ہیں جنہیں قیاس و اجتہاد کے ذریعے ظاہر کر دیا گیا ہے پس فقہ حنفی درحقیقت قرآن و سنت ہی کے احکام صریحہ اور غیر صریحہ کا مجموعہ ہے قرآن و سنت کے مقابل یا متوازی کوئی دوسرا قانون نہیں۔ امت مسلمہ زائد از ہزار سال تک فقہ حنفی کو کتاب و سنت ہی کا اسلامی قانون تسلیم کرتی چلی آئی ہے۔ پس فقہ حنفی کا انکار، قرآن و سنت کے مسائل کا انکار ہے نیز قرآن و سنت اور فقہ حنفی میں تقابل کا تاثر دینا اور ایسا زہریلا پروپیگنڈہ کرنا ادنیٰ دھوکہ دہی، تعصب اور بے دینی ہے۔ فقہ حنفی پر عمل کرنے سے قرآن و سنت اور اجماع پر بھی یقیناً عمل ہو جاتا ہے۔ نہ یہ کہ قرآن و سنت متروک ہو جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ارشاد

کراچی کا ہر باشندہ پاکستانی ہے۔ پشاوری یا لاہوری کہنے سے پاکستانی ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

اجتہاد

حضرات ائمہ کی تصریحات کے مطابق چوتھی صدی کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے ایسے اجتہاد کا دروازہ بالکل بند ہو گیا۔ ان القیاس بعد الاربعمائۃ منقطع حالانکہ امت میں ایسے ایسے جبال علم اور کمالات علمیہ کے شمس و قمر گزرے ہیں جنکی عظمت و جلالت علمی کے سامنے زبان توصیف بھی گنگ ہے لیکن کسی نے اجتہاد مطلق کا دعویٰ نہیں کیا۔ گنتی کے چند افراد میں یہ خیال پیدا ہوا تھا لیکن امت نے اسے قبول نہیں کیا۔ اب تک ایسے مجتہد مطلق کا وجود معدوم ہے تو اس دور جہالت میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے باوجود حضرات علماء مسائل جدیدہ کا حکم ہر زمانے میں بیان کرتے رہے ہیں۔ اس طرح شرعی احکام میں کبھی قصور پیدا نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔

محل اجتہاد

ایسے حوادث و واقعات ہیں جن میں نص وارد نہ ہو۔ یہ کام تو مجتہدین کا ہے اور ایسے علماء جو درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچے ائمہ مجتہدین کے مسائل کو نقل کر سکتے ہیں۔ ان میں خود اجتہاد نہیں کر سکتے کیونکہ اہلیت اجتہاد مفقود ہے۔

غیر المجتہد المطلق یلزمہ التقلید	غیر مجتہد مطلق پر تقلید لازم ہے۔
اذا لم یجد تلک الحادثۃ فی کتاب لیس لہ ان یفتی فیھا برأیہ بل علیہ ان یقول لا ادری	جب عالم کو کسی حادثہ کا حکم کتاب میں نہ ملے تو اسے اپنی اجتہاد سے فتویٰ دینے کی اجازت نہیں بلکہ اسپر لازم ہے اپنے لاعلمی کا اظہار کر دے۔

عصر حاضر کا اجتہاد

عصر حاضر کے دانشور جس اجتہاد کے خواہشمند ہیں وہ در اصل اباحیت کے قریب قریب ہے اسے اجتہاد قرار دینا لفظ اجتہاد کی توہین ہے۔ ان کے چند اجتہادی نمونے یہ ہیں۔

قمار اور سود حلال ہے۔ شراب خوری کی بھی گنجائش ہے۔ شرعی حدود ظلم ہیں۔ تعدد ازدواج منع ہے۔ عورت کی گواہی اور دیت مرد کے برابر ہے۔ بے پردگی اور عورتوں مردوں کا بے محابا اختلاط جائز ہے۔ پردہ ظلم ہے۔ وضو سے مقصود صفائی ہے۔ صاف ستھرے انسان کے لئے وضو ضروری نہیں۔ نماز سے مطلوب تہذیب اخلاق ہے۔ مہذب کے لئے نماز کی حاجت نہیں۔ روزہ سے قوت بہیمیہ کو مغلوب کیا جاتا ہے۔ جس کی قوت بہیمیہ پہلے سے مغلوب ہو اس سے روزہ ساقط ہے۔ مصارف زکوٰۃ کی کوئی تعیین و تحدید نہیں حکومت جہاں چاہے خرچ کر سکتی ہے۔ الی غیر ذلک من الخرافات

یہ اجتہادات نہیں بلکہ تحریفات ہیں۔ خلاف نص ایسے اجتہاد کی اجازت تو حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں چہ جائیکہ کسی دوسرے کو حاصل ہو۔ نیز ان خرافات پر نظر کرنے پر کوئی شخص یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ؎

عصر نو میں آوازۂ تجدید ہے تقلید فرنگ کا بہانہ

واضح ہے کہ نص صریح کے خلاف اجتہاد جائز نہیں۔

۲۔ منصوص فی المذہب مسائل میں بحث و اجتہاد کی اجازت نہیں۔ غیر مجتہد کا وظیفہ شرح و عبارت کے ساتھ صرف نقل مسائل ہے نہ کہ اجتہاد۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

والبحث فی المنقول غیر مقبول — منقولہ مسائل میں بحث ناقابل قبول ہے

محقق ابن الہمام جیسی علمی شخصیت کی خلاف مذہب ابحاث مقام پذیرائی حاصل نہیں کر سکیں بلکہ انہی کے شاگرد رشید فقہ و حدیث کے امام، علامہ قاسم بن قطلوبغا نے ان ابحاث کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے فرماتے ہیں:

لا عبرۃ بابحاث شیخنا التی تخالف المنقول — ہمارے شیخ کی وہ بحثیں غیر معتبر ہیں جو منقول کے خلاف واقع ہوئی ہیں۔

(۳) عام حالات میں انفرادی اجتہاد کے ذریعہ دوسرے مذہب پر فتوی دینا جائز نہیں بلکہ یہ ایک قسم کا دھوکہ ہوگا کیونکہ سائل مذہب حنفی کے مطابق مسئلہ معلوم کرنے کے لئے آیا ہے مفتی کے ذاتی اجتہاد سے اسے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس نے یہ بتانا ضروری ہوگا کہ ابو حنیفہ یوں فرماتے ہیں۔ اور میں یوں کہتا ہوں۔ علامہ ابو عمرو ابن الصلاح نقل کرتے ہیں

امام ابوبکر قفال شافعی فرماتے تھے کہ اگر میں اجتہاد کروں اور میرا اجتہاد امام ابو حنیفہ کے مذہب کے ساتھ موافق ہو جائے۔ تو میں مستفتی کو یوں جواب دوں گا کہ اس مسئلہ میں مذہب شافعی یہ ہے لیکن میں مذہب حنفی کے مطابق فتوی دے رہا ہوں تاکہ مستفتی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔

اپنی آراء کو مذہب حنفی کے نام سے رائج کرنا انصاف و دیانت کے خلاف ہے۔ اور مستفتی سے دھوکہ ہے خصوصاً جبکہ وہ ذاتی رائے مذہب حنفی کے خلاف بھی ہو۔

اس دور میں یہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ کسی صورت میں بھی مذاہب اربعہ سے باہر نہ نکلے۔

اس میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ امت اس وقت بے عملی بلکہ اباحیت کا شکار ہے، عجیب یا غلط قسم کی نئی راہیں نکال دینا مرض کا علاج نہیں۔ بلکہ اصل علاج ذہنی عیش و فراق کے دروازے بند کرنے ہوں گے

صراط مستقیم پر امت کو گامزن کر دینا ہے۔ چاروں فقہی مسالک کی حقانیت امت کے نزدیک مسلمہ امر ہے اور پاکستان میں اکثریتی فقہی مسلک کا تعین بلاشبہ معقول بلکہ نفاذ شریعت کی اہم ضرورت ہے، جس کے بغیر نفاذ شریعت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

پس جدید عصری اجتہاد کے ذریعے اختلاف در اختلاف کی صورتیں پیدا کر دینا کسی طرح بھی قابل قبول نہیں۔

اسلامی معاشرے کے لئے تعلیمات نبوت اور شریعت مقدسہ سرچشمۂ ہدایت ہے بلا تخصیص مرد و زن تمام اہل اسلام کو اس امر کا مکلف بنایا گیا ہے کہ وہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں میں مرضیات خداوندی سے تجاوز نہ کریں۔

احکام خداوندی کا احاطہ اور علوم دینیہ میں تبحر معاشرہ کے ہر ہر فرد کے لئے ممکن نہیں ہو رہا ورنہ باقی سب نظام معاش و حیات معطل ہو کر رہ جائے گا۔ آیت کریمہ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ، میں اسی طرف اشارہ ہے۔

پس ضابطۂ تقسیم کار اور آیت بالا کے تحت لازم ہوا کہ امت مسلمہ کی ایک بڑی جماعت علوم قرآن و سنت اور تفقہ فی الدین میں مہارت کاملہ اور تبحر حاصل کرے، باقی طبقات امت کی رہنمائی کے فرائض سرانجام دے تاکہ امت کا ہر فرد اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں بسہولت ہدایات حاصل کر کے وظیفۂ عبودیت اور اطاعت خداوندی کے فریضہ سے عہدہ برآ ہو سکے۔ اسلامی معاشرے کی فلاح و سعادت انہی تعلیمات نبویہ اور علمائے دین متین حضرات علماء کرام کے ساتھ مکمل وابستگی میں ہے۔ اور جس کی بدولت حضرات علماء کرام [illegible] کہے جاتے ہیں۔

امت کی اسی رہنمائی کا نام "افتاء" ہے۔ یہ انتہائی اہم نازک اور عظیم الشان ذمہ داری ہے۔ کیونکہ افتاء کی حقیقت دراصل بندوں اور خدائے تعالیٰ کے درمیان سفارت اور واسطہ بننے کی ہے۔ مستفتی حق تعالیٰ شانہ کا حکم معلوم کرنے کی غرض سے مفتی و عالم دین کے پاس آتا ہے اور مفتی اپنی مرضی و منشاء یا اپنی ذاتی رائے سے حکم بتانے کی بجائے، اس حادثہ میں حق جل شانہ کے حکم کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ اس حادثہ میں حکم خداوندی یہ ہے۔ جس مفتی میں اس ذمہ داری کا احساس و شعور جتنا زیادہ ہو گا۔ اسی اعتبار سے افتاء میں اس کا مقام بلند و برتر ہو گا۔

نیابت نبوت

امام شاطبی نے موافقات میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے۔ امام موصوف نے یہاں تک صراحت فرما دی ہے کہ مفتی امت میں افتاء اور تعلیم و تبلیغ کے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

المفتی قائم فی الامۃ مقام النبی — مفتی امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

اولی الامر کی تفسیر | اختلف فی تاویل اولی الامر فروی عن جابر بن عبد اللہ و ابن عباس روایۃ والحسن وعطاء ومجاہد انہم اولوا الفقہ والعلم[۱]

یہی وجہ ہے کہ اہم واقعات میں مفتی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ سائلین کے دل میں اگر یہ شبہ پیدا ہو جائے کہ فلاں عالم یا مفتی بجائے اللہ و رسول کا حکم بتلانے کے اپنی ذاتی خواہش کے مطابق فتویٰ دیتا ہے یا اسے خریدا جا سکتا ہے تو عوام الناس کا اعتماد اس سے اٹھ جاتا ہے۔

شریعت کی بالادستی | بہر حال فتویٰ کی حقیقت احکام خداوندی کی تشریح و ترجمانی ہے۔ فتاویٰ کی یہ حیثیت سمجھ لینے کے بعد یہ تسلیم کر لینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی کہ شرعی فتویٰ کو کسی عدالت یا اسمبلی میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا ـــــ ملکی قوانین اور دوسرے احکام شرعیہ کے پابند ہیں، اور فتویٰ صرف مطابقت حکم خداوندی کا محتاج ہے۔ اسمبلی کا فیصلہ انسانوں کا فیصلہ ہے۔ اور شرعی فتویٰ حکم خداوندی کے توقیع نامہ ہے۔

حافظ ابو عمرو ابن الصلاح فرماتے ہیں:

ولہذا قیل فی الفتیا انہا توقیع عن اللہ تعالیٰ (ادب المفتی ص ۲)

امام سفیان بن عیینہ محمد بن المنکدر سے نقل فرماتے ہیں:

ان العالم بین اللہ وبین خلقہ فلینظر کیف یدخل (ادب المفتی ص ۲)

مفتی مجتہد | درحقیقت مفتی وہ ہے جو درجہ اجتہاد کو پہنچا ہوا ہو۔ اس کے حق میں دلائل کی ترتیب وہی ہے جو قاضی مجتہد کے بارے میں ہے یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع امت، پھر قیاس و اجتہاد۔

ینبغی للقاضی ان یقضی بکتاب اللہ... فان لم یجد فی کتاب اللہ تعالیٰ یقضی بما جاء عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فان لم یجد یقضی بما اجتمع علیہ الصحابۃ رضی اللہ عنہم لان العمل باجماع الصحابۃ واجب... وان لم یجئ شیئ من ذلک فان کان من اہل الاجتہاد قاسہ... واجتہد وان لم یکن من اہل الاجتہاد یستفتی	قاضی کو چاہیے سب سے پہلے کتاب اللہ سے فیصلہ کرے۔ اگر کتاب اللہ میں اسے حکم نہ ملے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سے، اگر ان میں بھی اسے حکم نہ ملے تو حضرات صحابہ کے اجماعی فیصلوں کو دیکھے اس لیے کہ حضرات صحابہ کے اجماعی فیصلے واجب العمل ہیں اور اگر اجماعی فیصلوں میں بھی حادثہ کا حکم نہ ملے تو پھر اگر مفتی و قاضی مجتہد ہے تو اجتہاد کی روشنی میں فیصلہ کرے ورنہ دوسرے مفتی حضرات سے فتویٰ لے کر اس کے مطابق فیصلہ کرے۔

---

[۱] موافقات ج ۴ ص ۲۴۴ ، [۲] احکام القرآن للجصاص ص ۲۱۰ ج ۲

فیترک فیأخذ بفتوی المفتی (ص ۱۳۳/۱۳۴ ج ۳)

فقہ حنفی اور دیگر ائمہ ثلاثہ کے فقہی مسالک انہی اصولوں پر مبنی ہیں اور قرآن و سنت ہی کا خلاصہ و نچوڑ ہیں۔ خود امام ابو حنیفہؒ سے ایسے ہی منقول ہے کہ اولاً کتاب اللہ ثانیاً سنت اور ثالثاً اجماع سے شرعی احکامات کو اخذ و استنباط کرتا ہوں (عقود الجمان ص ۱۷۷)۔

غیر مجتہد

اگر مفتی درجۂ اجتہاد کا حامل نہیں تو اس پر لازم ہے کہ ائمہ مجتہدین کی کتب مشہورہ و متداولہ سے شروط معتبرہ کے ساتھ مسئلہ نقل کر کے بتلائے، اجتہاد نہ کرے، جیسا کہ "رسم المفتی" کے عنوان کے تحت حضرات فقہاء نے اس کی تفصیلات اور ضوابط تحریر فرمائے ہیں، ملاحظہ ہو:

مقدمہ در مختار للحصکفی و عقود رسم المفتی للعلامۃ ابن عابدین الشامی۔

ایسا عالم درحقیقت مفتی نہیں بلکہ ناقل فتویٰ ہے۔

ما یصدر عن غیر الاھل لیس بافتاء حقیقۃ انما ھو حکایۃ عن المجتہد (عقود رسم المفتی ص ۱۱)

ملازمہ

اس مقام پر ضروری تنبیہ بھی لازم ہے۔ وہ یہ کہ مفتی کے لئے صرف علمی استعداد ہی کافی نہیں کہ کتاب دیکھ کر جزئیہ تلاش کر سکتا ہو بلکہ اس کے لئے مستند ارباب فتویٰ و مشائخ کا ملازمہ طویلہ بھی ضروری ہے کہ ان کی خدمت میں رہ کر فقہ کے ساتھ مناسبت کلی پیدا کر لے ورنہ جزئیہ رکھنے کے باوجود مسائل میں اغلاط کا شکار رہے گا۔

استحضار مسائل

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں بزعم خویش تکمیل علم کے بعد بصرہ گیا، میرا خیال تھا کہ مجھ سے جو مسئلہ بھی دریافت کیا جائے گا میں اس کا جواب دے سکوں گا مگر جب اہل بصرہ نے کچھ سوالات کئے تو میرے پاس ان کا جواب نہیں تھا۔

فجعلت علی نفسی ان لا افارقہ حماداً حتی یموت فصحبتہ ثمانی عشرۃ سنۃ ثم ما صلیت من صلوۃ منذ مات الا استغفرت لہ مع والدی

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ اپنے استاذ حضرت حمادؒ سے ان کی حیات میں جدا نہ ہوں گا، پس اٹھارہ سال تک ان کی خدمت میں رہا، پھر آپ کی وفات کے بعد میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں اپنے والدین کے ساتھ ان کے لئے دعائے مغفرت نہ کی ہو۔

(تاریخ بغداد ص ۳۳۳/۱۳)

امام ابو یوسفؒ نے بھی اپنی الگ مجلس تدریس و افتاء قائم فرمائی تھی۔ امام ابو حنیفہؒ نے ایک سائل کو بھیج کر پانچ مسائل میں ان کی غلطیوں پر مطلع کرتے ہوئے عملی طور پر متنبہ فرمایا کہ ابھی ملازمت شیخ کی ضرورت باقی ہے۔

(لمع المسائل المفتی ص ۲۰)

ان الفتوى من المفتى تحصل من جهة القول والفعل والاقرار [1]

آگے چل کر علامہ شاطبی مزید لکھتے ہیں:

فحق على المفتى ان ينتصب للفتوى بفعله وقوله بمعنى انه لابد من المحافظة على افعاله حتى تجرى على قانون الشرع ليتخذ فيها اسوة [2]

پس مفتی کے لئے ضروری ہے کہ اپنے فعل وقول دونوں کو فتوی بنائے یعنی خود بھی احکام شریعت کا پابند ہو تاکہ اس کی اقتداء کی جاسکے۔

کوئی شبہ نہیں کہ مفتی کا عمل اور تقریر حجت شرعیہ ہو یا نہ ہو لیکن معاشرہ عقیدتاً حضرات کے عمل اور تقریر سے تمسک کرتا ہے اور یہ ایک جبلی وفطری امر ہے عموماً لوگ کہا کرتے ہیں فلاں مفتی صاحب یوں کرتے ہیں اور فلاں شیخ الحدیث صاحب کے سامنے یہ کام کیا گیا انہوں نے تو منع نہیں کیا۔ الغرض قول وفتوی کی طرح مفتی کا عمل بھی قرآن وسنت اور شریعت مطہرہ کے مطابق ہونا چاہیے۔ ورنہ اس کا فتوی قبول نہیں۔

ان الفتيا لا تصح من مخالف لمقتضى العلم

احناف کے نزدیک بھی مختار یہی ہے کہ فاسق کا فتوی معتبر نہیں کیونکہ گناہ کی ظلمت صحت جواب سے مانع ہے جبکہ تقوی اور انابت الی اللہ کی نورانیت منجانب اللہ صحیح جواب القاء ہونے کا سبب ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رح کا معمول تھا کہ جب کسی مسئلے میں جواب منکشف نہ ہوتا تو فرماتے کہ یہ میرے گناہ کی وجہ سے ہے تو استغفار کرتے۔

وربما قام فتوضأ وصلى ركعتين ويستغفر فتنفرج له المسألة فيقول استبشرت لانى رجوت انه قد تيب على حتى ادركت المسألة. قال فلما بلغ ذلك الفضيل بن عياض بكى بكاء شديدا ثم قال رحم الله اباحنيفة انما كان ذلك لقلة ذنوبه فاما غيره فلا يتنبه لذلك لان ذنوبه قد استغرقته [3]

۱ے موافقات ص۲۴۲ ج ۴ ۔ ۲ے موافقات ص[illegible] ج ۴ ۔ ۳ے عقود الجمان ص۲۲۹

انصاف فی العلم ایک اہم تربیتی امر یہ ہے کہ اگر اپنے جواب کی غلطی ظاہر ہو جائے تو رجوع کرنے سے استنکاف نہ کرے حق کی طرف مراجعت، عمل پر اصرار سے ہزار درجہ بہتر ہے اس سلسلہ میں سلف کی احتیاط کا یہ عالم تھا۔ ایک مرتبہ امام حسن بن زیاد لؤلؤی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں، سے جواب میں غلطی ہو گئی بعد میں تنبہ ہوا تو بہت پریشان ہوئے لیکن مستفتی کو اطلاع کی کوئی صورت نہ تھی کوشش کے باوجود جب مستفتی کا پتہ نہ چل سکا تو آپ نے ڈھنڈورچی کو کرایہ پر لے کر پورے شہر میں اس کا اعلان کرایا کہ فلاں تاریخ فلاں وقت اس مضمون کا کوئی شخص فتویٰ لے گیا تھا وہ فتویٰ صحیح نہیں۔ اور اس وقت تک افتاء کے لئے نہیں بیٹھے جب تک وہ مستفتی نہیں مل گیا اور جواب کی تصحیح نہیں کر لی[1]

ذکر دلیل اصولی طور پر فتویٰ میں دلیل کا ذکر کرنا ضروری نہیں

تصنیف اور فتاویٰ میں فرق ہے تصنیف میں دلائل کا تذکرہ تصنیف میں ہوتا ہے۔ اور جب عام مستفتی کے لئے مطالبہ دلائل کا استحقاق بھی نہیں۔ عامی کے حق میں علماء فقہاء کا جواب ہی حجت ہے کہ عام طور پر لیکن قلت علم اور عدم ممارست کی وجہ سے آج کل ضروری ہے کہ صریح جزئیہ کے حوالہ سے فتویٰ تحریر کیا جائے۔ مفتی اور مستفتی دونوں کے لئے یہ امر موجب اطمینان ہوگا۔ اعلام الموقعین: قواعد سے فتویٰ نہ دے بلکہ صریح جزئیہ تلاش کیا جائے۔ صحت فتویٰ کے لئے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ قول راجح پر فتویٰ دیا جائے قول مرجوح یا محض اپنے قول پر فتویٰ نہ دے[1]۔ بلکہ کسی اثر صحابی کی بنیاد پر منصوص فی المذہب کے خلاف فتویٰ دینا بھی جائز نہیں کیونکہ شروط و قیود کے لحاظ سے آثار صحابہ منقح نہیں ہیں[2]

تاریخ افتاء حضرات صحابہ نے بہت سے سوالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے جن کے جوابات کی تفصیل قرآن و سنت میں مذکور ہے بہ لحاظ تعلیم و افتاء کی ہیں۔ ان کے علاوہ قرآن پاک میں دو مقام پر حضرت صحابہ کی طرف استفتاء اور حق جل شانہ کی طرف صراحۃً "فتا" کی نسبت کی گئی ہے۔

ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن	لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں مسئلہ پوچھتے ہیں۔ اللہ پاک ان عورتوں کے بارے میں تمہیں فتویٰ دیتے ہیں۔
یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ الآیۃ	جو لوگ آپ سے کلالہ کے بارے میں مسئلہ دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیں کہ اللہ پاک کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتے ہیں

---

[1] ادب المفتی ص ۸۸ -

تو آوّلین افتا حق جل شانہ کی طرف سے ارشاد ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ظہور میں آیا کیونکہ آپ علیہ السلام کے واسطہ ہی سے صحابہ کے استفسار کا جواب ارشاد فرمایا گیا۔

دورِ صحابہؓ عہدِ رسالت اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں مندرجہ ذیل حضرات صحابہ فتویٰ دیتے تھے، حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، زید بن ثابت، معاذ بن جبل، انس، ابوہریرہ رضی اللہ عنہم۔ باقی حضرات صحابہ عموماً ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان سے فتویٰ لیتے تھے۔[1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی فقیہ ہیں۔ جیسا کہ مسئلہ وتر میں ایک سائل کے جواب میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے ارشاد فرمایا: اصاب انہ فقیہ[2]

ابن الہمامؒ نے ایسے حضرات صحابہ کی تعداد بیس بتلائی ہے جبکہ علامہ ابن القیم کے نزدیک ان کی تعداد ایک سو بیس ہے۔ بکثرت فتویٰ دینے والے معروف مفتیوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں جس سے معلوم ہوا کہ عورت مقامِ افتاء پر فائز ہو سکتی ہے۔

علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے امام ابوبکر کاسانی کے شیخ جو ان کے سسر بھی ہیں بہت بڑے فقیہ تھے، اور ان کی صاحبزادی بھی کامل فقیہہ تھیں، جو امام کاسانی کی اہلیہ ہیں۔ تو ان کے گھر سے جو فتویٰ دیا جاتا تھا تو اس فتویٰ پر امام ابوبکر کاسانیؒ، ان کی اہلیہ اور ان کے سسر تینوں کے دستخط ہوتے تھے۔

علیہم خطہا وخط ابیہا وخط زوجہا۔

اجلّہ تابعین جنہوں نے حضرات صحابہ کے دور ہی میں مقامِ افتاء میں امتیازی حیثیت حاصل کر لی تھی، یہاں تک کہ حضرات صحابہ بھی ان کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ امام حسن بصری، سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی، شعبی، قاضی شریح، مسروق، علقمہ رضی اللہ عنہم اجمعین (حاشیہ توضیح تلویح ص۳۴ ج۱، تسہیل المطالع)۔ قابوس اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:

لقد ادرکت ناسا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسئلون علقمۃ ویستفتونہ	میں نے حضور علیہ السلام کے صحابہ کو دیکھا ہے کہ وہ بھی علقمہ سے مسائل پوچھتے تھے

عہد تابعین کے دور میں جن صاغر تابعین نے فتویٰ میں شہرت اور وقیع مقام حاصل کیا، ان میں سے

---

[1] فیض القدیر مصری ص۱۳ ج۱، [2] مشکوٰۃ ص ج۱ – [3] مقدمہ اوجز ص

سیر فہرست حضرت امام اعظم ابو حنیفہ ہیں متقدمین و متاخرین نے تفقہ فی الدین کے سلسلہ میں آپ کی جلالت قدر عظمت شان کا اعتراف کیا ہے۔

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا عظیم ترین کارنامہ قرآن و سنت اور تعامل امت کی روشنی میں شورائی طریق پر اسلامی قانون فقہ حنفی کی تدوین ہے۔

فقہ حنفی کی حجیت و عظمت کے سلسلہ میں اسکے مندرجہ بنیادی عناصر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ قرآت اور علوم قرآن کریم علم حدیث و آثار اور علم لغت و عربیت نیز تفقہ و اجتہاد کے اعتبار سے کوفہ کی مرکزیت۔

۲۔ پندرہ سو حضرات صحابہ خصوصاً حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور ان کے بے شمار شاگردوں کا کوفہ میں اقامت گزیں ہونا۔ قالہ العجلی

۳۔ حضرات صحابہ میں سے حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا علمی مقام ملاحظہ ہو

قال مسروق لقد شاممت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجدت علمهم ینتهی الی ستة عمرؓ وعلیؓ وابن مسعودؓ وابیؓ وزید بن ثابت وابی الدرداء ثم وجدت علم هولاء الستة الی علی وعبد اللہ رضی اللہ عنهم (عقود الجمان انبا ابی حنیفۃ النعمان)

۴۔ کوفہ ایک مرکزی فوجی چھاؤنی کی حیثیت بھی رکھتا تھا تو مشرقی محاذ پر جانیوالے تقریباً تمام لشکر یہاں سے ہو کر جاتے تھے تو اس سلسلہ میں واردین اور صادرین حضرات صحابہ کی تعداد غیر محصور ہے۔

امام ابو حنیفہ کی مجلس تدوین کی جلالت شان کا اندازہ آپ امام وکیع کے مندرجہ ذیل بیان سے لگا سکتے ہیں جو انہوں نے جس وقت ارشاد فرمایا جب کسی شخص نے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں کہا کہ وہ مسائل میں غلطی کرتے ہیں۔

فقال وکیع کیف یقدر ابو حنیفة ان یخطی ومعه مثل ابی یوسف وزفر ومحمد فی قیاسهم واجتهادهم ومثل یحیی بن زکریا بن ابی زائدة وحفص ابن غیاث وحبان ومندل ابنی علی فی حفظهم الحدیث ومعرفتهم ومثل قاسم بن معن بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعودؓ فی معرفته باللغة والعربیة وداؤد بن نصیر الطائی والفضیل بن عیاض فی زهدهما وورعهما من کان اصحابه هولاء وجلساؤه لم یکن یخطی لانه ان اخطأ ردوه الی الحق. ثم قال وکیع والذی یقول مثل هذا کالانعام

مدة لا عملهم خمس مائة سنة تقريباً في ما الملوك السلجوقيون ونحوهم الخوارزميون فكلهم حنفيون وقضاة ممالكهم غالبها حنفية واما ملوك تمد منا سلاطين آل عثمان ايدهم الله تعالى دولتهم منذ كثر الجديد ان فمن تاريخ تسعمائة الى يومنا هذا لا يولون القضاء وما ... منصبهم الا الحنفية

(ص ۳۳)

برصغیر میں تو اسلام کا تعارف ہی فقہ حنفی کی صورت میں ہوا ہے کیونکہ برصغیر میں اسلام کی دعوت لانے والے اور سلاطین سب حنفی المذہب تھے۔ اسلئے قضاء و افتاء مذہب حنفی کے مطابق تھا۔ سلطنت مغلیہ کے زوال اور انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد افتاء کی مرکزیت مدارس دینیہ کو مکمل طور پر منتقل ہوگئی، کیونکہ اب یہ مدارس ہی دین اور تعلیمات نبویہ کی آماجگاہ اور سرچشمہ ہدایت و رشد کی حیثیت حاصل کر چکے تھے جو تسلسل کے ساتھ اب تک جاری ہے۔

جنگ آزادی کے بعد اسلام کے تحفظ کا کام حضرت شاہ ولی اللہ کے جانشین علماء نے سنبھالا جن میں علمائے دیوبند میں سید الطائفہ حضرت گنگوہی، حضرت سہارنپوری، حضرت تھانوی، حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب، حضرت مفتی کفایت اللہ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ اسرارہم حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جن کے فتاوی مطبوعہ شکل میں امت کے سامنے موجود ہیں۔

انھیں مدارس و اکابر کا خوشہ چین، ہمارے مسلک و مذہب کی ایک کڑی جامعہ خیر المدارس بھی ہے جس کی بنیاد ۱۰ شوال ۱۳۶۰ھ کو جالندھر میں رکھی گئی اور نشاۃ ثانیہ ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ کو ملتان میں ہوئی۔

فتویٰ کے مراکز کا مثالی کردار

از مجیب

ہمارے ملک کی عدالتوں کا طریقِ کار کسی سے مخفی نہیں۔ کون نہیں جانتا کہ انصاف کے متلاشیوں سے کتنی بے انصافیاں ہوتی ہیں۔ خالی جیب تو عدالتوں کا تصور بھی ناممکن ہے۔ مالی ضیاع کے ساتھ ساتھ قیمتی وقت الگ ضائع ہوتا ہے۔ قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے فرضی گواہوں کے علاوہ بیان میں حسبِ ضرورت اور خلافِ واقعہ تبدیلی بھی ناگزیر ہوتی ہے۔ کچھ لوگ ان سب باتوں کے باوجود منصفانہ فیصلہ سننے کی حسرت لئے پیوندِ خاک ہو جاتے ہیں۔

اس کے برعکس دارالحدیث رحمانیہ میں مفتی حضرات نہ کوئی فیس لیتے ہیں نہ تاریخیں اور پیشیاں دیتے ہیں۔ عامۃ المسلمین کے لئے یہ دارالافتاء بڑی غنیمت ہیں اگر فریقین شرعی حکم پر متفق ہو جائیں اور ان مراکز کی طرف رجوع کریں تو وہ ہزاروں پریشانیوں سے بچ سکتے ہیں۔ بیجا نہ ہوگا اگر یہاں ایک چھوٹا سا واقعہ عرض کر دیا جائے۔

غالباً ۱۴۰۳ھ کا واقعہ ہے کہ ہمارے پاس "دارالافتاء" میں میانوالی اور سرگودھا کی دو پارٹیاں آئیں جن کے مابین ایک باغ کی قیمت پر جھگڑا تھا۔ باغ کی مالیت چار لاکھ روپیہ تھی۔ ہم نے پہلی ہی پیشی پر مسلسل چھ گھنٹے کارروائی میں گواہوں کے بیانات مع جرح مکمل کر لئے۔

ان کے بیانات مکمل ہو جانے پر غور و خوض کے لیے کچھ وقت متعین کر کے ان کو تاریخ دے دی گئی کہ فلاں تاریخ کو آپ لوگ حاضر ہو کر اپنا فیصلہ سن لیں۔ چنانچہ متعینہ تاریخ پر وہ لوگ آئے اور شرعی حکم کے تحت فیصلہ سنا دیا گیا۔ بس ساری کارروائی میں فریقین کے صرف بارہ روپے خرچ ہوئے وہ بھی

ہر فریق کو فیصلہ کی کارروائی مہیا کرنے کے لیے جو کاغذات فوٹو سٹیٹ کرائے گئے ان کا معاوضہ تھا۔ اگر یہی معاملہ ہماری کسی ملکی عدالت میں جاتا تو منشی کے محنتانے سے لے کر فیصلے کے دن تک جو کچھ فریقین کا خرچ ہوتا اس کا کچھ وہی لوگ اندازہ کر سکتے ہیں جن کو عدالتوں کے چکر لگانے پڑتے ہیں۔ ہماری عدالتوں کا طریقِ کار اتنا پیچیدہ اور غیر مناسب ہے کہ لوگ مقدمے کے تصور سے بھی گھبراتے ہیں۔ کاش! کہ سادہ لوح عامۃ المسلمین ان مراکزِ افتاء کی اہمیت و افادیت کو سمجھتے اور ان کی طرف رجوع کرتے کہ اس سے کافی حد تک ان کا مال اور وقت ضائع ہونے سے بچ جاتا۔

دارالافتاء خیر المدارس کی خصوصیت

افتاء و قضاء انتہائی نازک ذمہ داری ہے۔ اس کے لئے رسوخ فی العلم، رسوخ فی الدین، فقہ اور اصول فقہ میں خصوصی مہارت کے ساتھ ساتھ طبع سلیم اور فہم مستقیم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ مع ہذا اہل زمانہ کے طبائع اور ان کے عرف سے واقفیت بھی لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس مولانا خیر محمد رحمہ اللہ کو ان اوصاف عالیہ کا بہت کچھ حصہ عطاء فرمایا تھا۔ اور حضرت رحمہ اللہ فتاویٰ میں جن امور کا التزام فرماتے تھے ان کا اب بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ جب تک سوال پوری طرح منقح ہو کر جواب متعین نہیں ہو جاتا۔ سوال درست ہو یا غلط لیکن جب تک واقعہ کی صحیح حقیقت بیچ معترضات صاف نہیں ہو جاتی جواب سے گریز کیا جاتا ہے۔

۲۔ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ کا واقعہ ہے کہ کراچی سے ملک امیر عبداللہ صاحب کا ایک استفتاء موصول ہوا جس میں یہ تحریر تھا کہ

"زید کا دعویٰ ہے کہ خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہے۔ بعض لوگوں کو ریاضت ذہنی ہدایت اتنی ترقی نہیں ہوتی جتنی خواب سے۔ کیونکہ انہیں خواب میں علوم سکھایا جاتا ہوتے ہیں۔ تم کوشش کیا کرو مجھے نیند زیادہ آیا کرے کیونکہ آج کل مجھے خواب میں علوم سکھایا جاتا ہوتے ہیں۔ نیند سے بیدار ہو کر زید نے کہا کہ كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر کی تفسیر مجھے خواب میں یہ القا ہوئی ہے کہ تم مثل انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ہو لوگوں کے واسطے۔"

زید کے متعلق حکم دریافت کیا گیا۔ نیز ساتھ ملک کے کئی مرکزی مدارس کے فتاویٰ کی نقول بھی شامل تھیں۔ جن میں زید کے بارے میں بڑے سخت الفاظ میں حکم لگایا گیا تھا بلکہ یہ بھی تحریر تھا کہ

"اندیشہ ہے کہ آئندہ چل کر زید مرزا قادیانی کی طرح نبوت کا دعویٰ نہ کر دے۔"

مکرر سہ کرر تنقیح کی گئی مستفتی نے ہر دفعہ اخفاء سے کام لیا۔ بالآخر یہ جواب لکھا گیا۔

"زید مذکور کے جو حالات آپ نے لکھے ہیں اتنے سے کسی کے بارے میں مکمل آگاہی نہیں ہو سکتی اور بغیر تحقیق کے شخصی فتویٰ دینا درست نہیں۔ فقط"

بعد میں پتہ چلا کہ ہر دو عبارتیں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ بانی تبلیغی جماعت کی تھیں۔ اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی ان کے خلاف کوئی ناروا کلمہ لکھنے سے محفوظ رکھا۔

ایسے ہی ایک دفعہ ایک صاحب نے مرثیہ گنگوہی رحمہ اللہ کا ایک شعر بغیر سیاق و سباق لکھ بھیجا۔

اور اس پر فتویٰ لے جایا، مگر یہاں سے حسب معمول تحقیق کی گئی۔ جب کہ وہ سائل اس شعر پر دارالعلوم دیوبند سے بڑا مستند فتویٰ حاصل کر چکا تھا

٢۔ جس فتوے کا تعلق کسی متعین شخص کی ذات سے ہو خواہ وہ فتویٰ تکفیر کا ہو یا تفسیق کا یا اسی نوع ایسے فتوے کا جواب دینے میں بہت احتیاط کی جاتی ہے۔

٣۔ استفتاء میں اگر کسی کتاب کا یا کسی کی تقریر کا صرف اقتباس درج ہو تو تاوقتیکہ اس کا سیاق و سباق اچھی طرح معلوم نہ ہو اس کا جواب نہیں دیا جاتا۔

٤۔ فتوے کے جواب میں تعجیل نہیں کی جاتی بلکہ متعدد کتب سے مراجعت کے بعد مکمل شرح صدر ہو جانے کے بعد جواب دیا جاتا ہے۔

٥۔ اہم استفتاءات کے سلسلہ میں معمول یہ ہے کہ دوسرے بڑے اساتذہ کرام سے بھی مشورہ کر لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جو طے ہو جاتا ہے اس کے مطابق جواب لکھا جاتا ہے۔ اور پھر ان حضرات کے دستخطوں کا بھی التزام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ متعدد فتاویٰ میں ناظرین کرام یہ بات ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت الاستاذ مفتی عبدالستار صاحب دامت برکاتہم جو دارالافتاء کی روح رواں ہیں ان کے فتاویٰ اس بات پر شاہد ہیں کہ تعلیق فتاویٰ میں متذکرہ بالا امور کا بہت زیادہ خیال رکھا جاتا ہے انہی امتیازی اوصاف نے "دارالافتاء" کو ملک میں ایک وقیع مقام عطا کیا ہے۔ چنانچہ پورے ملک میں بالعموم اور اپنے علاقہ میں بالخصوص "خیرالمدارس" کے فتوے کو لوگ آخری سند سمجھتے ہیں۔ عدالتوں میں فیصلہ کے وقت جج حضرات خیرالمدارس کے فتویٰ ہی کا مطالبہ کرتے ہیں اور یہ اہل علاقہ کی ایک بہت بڑی دینی خدمت ہے اللہ تعالیٰ بانی ادارہ حضرت اقدس رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائیں۔ آمین ثم آمین۔

ما یتعلق
بالایمان والعقائد

وحی، کشف و الہام کی تعریف، مجدد اور مہدی کی علامات

استفتاء: مندرجہ ذیل چند سوالات بطور اضافۂ علمی پوچھنا چاہتا ہوں۔ براہِ کرم مطالعہ و فرصت پر لکھا دیئے جائیں۔

۱۔ کشف، الہام اور وحی میں کوئی فرق ہے یا نہ۔ اگر ہے تو کون سا اور کس قسم کا۔ اور وہ ضروری ہے یا مظنون۔ استدلالی ہے یا یقینی۔ ان واردات کی تشریح فرمائی جائے۔

۲۔ مہدی اور مجدد کے منصب میں کیا تفاوت ہے اور ان مناصب کے حاملین کو نمبر میں سے کون سا درجہ اور وصف حاصل ہوتا ہے؟

۳۔ جیسا کہ نبی کے لئے دعویٰ نبوت ضروری ہے اسی طرح مجدد اور مہدی کے لئے بھی دعویٰ مجددیت و مہدویت ضروری ہے یا نہ۔

۴۔ کیا نبی اور پیغمبر کی طرح مہدی اور مجدد بھی معصوم، یا عزیز کامل خطاء سے مبرّا ہوتا ہے۔

۵۔ مجدد اور مہدی کو تسلیم نہ کرنے والے مسلمان کے لئے از روئے شریعت کیا حکم ہے۔ نیز ان کی بعض تعریفیں یا اوصاف کو نہ ماننے والے کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: وحی وہ علم ہے جو پیغمبر اور رسول کو بوقت انسلاخ عن البشریۃ الی الملکیۃ حاصل ہوتا ہے۔ پھر اس کی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ کسی وقت آواز مثل صلصلۃ الجرس گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے۔

۲۔ کسی وقت فرشتہ اپنی اصلی صورت میں یا انسانی صورت میں آتا ہے۔

۳۔ کسی وقت مکالمہ الٰہی بلا واسطہ ہوتا ہے۔

۴۔ کسی وقت مکالمہ الٰہی من وراء الحجاب ہوتا ہے۔

۵۔ کسی وقت رؤیا کے ذریعے سے علم دیا جاتا ہے۔ اس لئے رؤیا انبیاء علیہم السلام وحی میں سے شمار کیا گیا ہے۔

۶۔ تفہیم غیبی من جانب اللہ انبیاء علیہم السلام پر ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ ان کی قوت نظریہ کو کھینچ کر رشد و صواب کی طرف لے جایا جاتا ہے۔

۷۔ الہام وہ علم ہے جو قلب مبارک میں بغیر اکتساب اور استدلال کے القاء ہو۔ اگر نبی کو ہو تو وحی کہلاتا ہے۔ یعنی وہ وحی کا قسم ہوتا ہے اور وہ قطعی اور حجت ہوتا ہے۔ اور غیر انبیاء کا الہام وحی کی قسم نہیں ہوتا۔ اور وہ ظنی ہوتا ہے۔ یہی فرق نبی اور غیر نبی کے رؤیا میں ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا الہام امر و نہی پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور اولیاء کا الہام کسی بشارت یا تفہیم پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء پر اپنے الہام کی تبلیغ واجب ہے۔ اور اولیاء پر نہیں۔ بلکہ اخفاء اَولیٰ ہے۔ جب تک کوئی ضرورت شرعیہ وعقیدہ داعی نہ ہو۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہوگا کہ وحی اور الہام میں کیا فرق ہے۔ الہام وحی کی قسم ہے۔ بنا بریں وحی اور الہام میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت بن جاتی ہے۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "علم الکلام" مولانا محمد ادریس صاحب ص ۱۵۴ تا ص ۱۶۲۔

اسی طرح "کشف" لغۃً کھولنے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی علم کو نبی یا ولی پر کھول دینا۔ نبی کے علم کشفی اور ولی کے علم کشفی میں وہی فرق ہے جو الہام نبی اور غیر نبی میں بیان ہوا۔ کشف اور الہام مفہوم کے لحاظ سے متفاوت ہیں اور مصداق کے لحاظ سے قریب قریب ہیں۔ اور نسبت کشف اور وحی میں وہی ہے جو الہام اور وحی میں بیان ہوئی۔

یہ تفصیل اور نسبت اس کشف کے متعلق ہے جو کہ نبی پر ہوتا ہے۔ بعض اوقات کشف فساق پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ ابن صیاد نے کہا تھا اری عرشا علی الماء۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تری عرش ابلیس علی البحر۔ اور بعض اوقات بہائم پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ عذاب قبر بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ثقلین کے ماسوی تمام بہائم وطیور سن لیتے ہیں۔ کشف کے اس معنی اعم کے درمیان اور وحی کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہوگی۔

۱ : مادہ اجتماعی۔ وہ کشف جو نبی کو ہو۔ وہ وحی بھی ہے اور کشف بھی۔

۲ : مادہ افتراقی۔ جہاں کشف ہو اور وحی صادق نہ آئے۔ کشف اولیاء۔ کشف بہائم وغیرہ۔

۳ : جہاں وحی صادق آئے اور کشف نہ ہو۔ وحی کی وہ چھ قسمیں جو الہام سے پہلے تفصیل میں بیان ہوئیں۔

تنبیہ! عموم و خصوص مطلق کی نسبت جو بیان ہوئی وہ کشف نبی اور الہام نبی۔ اور وحی انبیاء کے درمیان تھی۔ ورنہ مطلق الہام اور مطلق کشف اور وحی کے درمیان بھی نسبت عموم و خصوص من وجہ بنتی ہے۔ کما لا یخفی علی المتأمل۔

۴ : مہدی ایک شخص معین ہے کوئی عہدہ نہیں ہے کہ ہر شخص کو حاصل ہو سکے۔ مہدی کے متعلق علامات حدیث نبوی میں وارد ہوئی ہیں۔ جو کہ یہ ہیں۔

۱ : اس کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوگا۔

۲ : اس کے والد کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے ہم نام ہوگا۔

٣ ؛ اہل بیت سے ہوگا یعنی اولاد فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہوگا۔

٤ ؛ سات سال زمین میں خلافت کرے گا۔ اور زمین کو عدل سے پُر کر دے گا

٥ ؛ بیعت کی صورت یہ ہوگی کہ کسی خلیفہ کے فوت ہونے کے بعد اختلاف واقع ہوگا۔ تو اس وقت مہدی صاحب مدینہ طیبہ میں ہوں گے۔ اس ڈر سے مدینہ سے نکل کر مکہ کی طرف روانہ ہونگے کہ ایسا نہ ہو کہ مجھے خلافت کے لئے مجبور کیا جائے۔ کیونکہ اہل مدینہ اس کے فضل و کمال سے واقف ہوں گے لیکن جب مکہ معظمہ پہنچیں گے تو اہل مکہ بھی انہیں پہچان لیں گے۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ حالانکہ مہدی صاحب اس امر خلافت کے قبول نہ کرنے والے ہوں گے۔ یہ بیعت رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان ہوگی۔

٦ ؛ اس کے بعد ایک لشکر شام سے مقابلہ حضرت مہدی صاحب روانہ ہوگا۔ مقام بیداء میں پہنچ کر زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔

٧ ؛ مہدی کی اس کرامت کو دیکھ کر ابدال ملک شام اور اہل عراق آئیں گے اور بیعت کریں گے۔

٨ ؛ اس کے بعد ایک اور صاحب قریش میں سے مہدی کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوں گے اور وہ اپنے اخوال کلب سے آدمیوں کو جمع کرکے مہدی کے ساتھ لڑائی کریں گے۔ لشکر مہدی کو فتح ہوگی۔ یہ سب علامات ابوداؤد باب فی ذکر المہدی سے لی گئی ہیں۔

اب مجدد کے متعلق تحقیق درج کی جاتی ہے۔ جو کہ ابوداؤد اور اس کی شرح بذل المجہود صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴ سے اخذ کی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت ہے کہ اللہ تعالٰی ہر سو سال کے اوپر "من یجدد لہا دینہا" کو بھیجا کریں گے۔

اس لفظ "من یجدد" کے اوپر غور فرمایا جاوے۔ لفظ "من" معنی میں جمع کے ہے اور لفظ مفرد کا ہے۔ تو اب اس سے ایک قرن میں ایک فرد معین مراد لینا اور تیرہ قرن جو گزرے ہیں ان میں سے تیرہ آدمیوں کا انتخاب کرنا اور یہ کہنا کہ اس صدی کا مجدد فلاں تھا اور اس کا فلاں، تکلف سے خالی نہیں۔ اس لئے معنی حدیث کی بناء پر ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر صدی میں اللہ تعالٰی ایک جماعت ایسی قائم فرماتے ہیں جن کا ہر فرد ہر طبقہ میں تقریر و تحریر کے ذریعہ سے دین کو قائم رکھتا ہے۔ اور تحریف غالین و مبطلین سے حفاظت کرتا ہے۔ چنانچہ مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رح فرماتے ہیں۔

والظاہر عندی ان المراد بمن یجدد لیس شخصا واحدا بل المراد به

جماعة يجدد كل واحد في بلد في فن أو فنون من العلوم الشرعية ما تيسر له من الأمور التقريرية أو التحريرية، ويكون سببا لبقائه وعدم اندراسه وانقضائه إلى أن يأتي أمر الله. ولا شك أن هذا التجديد أمر إضافي لأن العلم كل سنة في التنزل كما أن الجهل كل عام في الترقي۔

مجدد اور مہدی کے مفہوم اور مراتب کو واضح کرنے کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

۱ : ان مناصب کے حاملین کو وحی نبوت اور وحی رسالت میں سے کوئی حصہ حاصل نہیں ہو سکتا البتہ الہام اور کشف وغیرہ سے اولیاء کو ظنی علم حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ ان کو بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر وہ قطعی علم جو انبیاء علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے جو کہ لوگوں پر حجت ہوتا ہے۔ ان کو ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہوتا۔

۲ : نبی اور پیغمبر کو اپنی نبوت کا اعلان کرنا اور لوگوں کو اپنی نبوت کی طرف بلانا لازم ہوتا ہے لیکن مجدد کو مجددیت کا دعوے کرنا۔ اور اپنی مجددیت پر لوگوں سے بیعت کا مطالبہ کرنا۔ اور پھر اپنے علوم کو مجددیت کی سند کے ساتھ مستند قرار دیتے ہوئے قطعی قرار دینا جائز نہیں۔ البتہ بطور تحدیث بالنعمت کے اگر کوئی عالم ربانی اظہار کر دے، بطور ظن کے کہ اللہ تعالے نے میرے ذریعے سے دین کی یہ اہم خدمت لی ہے۔ اس لئے مجددین کے زمرہ میں داخل ہونے کی امید کرتا ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔ لیکن یہ ادّعا کرنا کہ میں فلاں صدی کا مجدد ہوں اور لوگوں کو میری مجددیت پر ایمان لانا چاہئے۔ یا میرے ہاتھ پر بیعت ہو جانا چاہئے۔ بالکل جائز نہیں ہے۔

۳ : نبی اور پیغمبر معصوم ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ امت کا کوئی فرد حتیٰ کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ کما هو مذهب أهل السنة والجماعة۔

۴ : مہدی اور مجدد کو نہ ماننے سے کفر نہیں لازم آتا۔ مجدد کے متعلق تو واضح ہو چکا ہے کہ کسی شخص معین کا نام نہیں ہے بلکہ کسی کا مجدد ہونا امر ظنی ہے۔ اس لئے اس کے نہ ماننے میں کوئی خاص نکیر نہیں ہو سکتی۔ البتہ مہدی کا ذکر ان صفات کے ساتھ جو احادیث میں آیا ہے اور یہ حدیثیں

ابوداؤد وغیرہ میں مذکور ہیں۔ حدیثیں صحیح اور حسن ہیں اس لئے ان صفات کا جو منکر ہوگا اس کے لئے وہ حکم ہوگا جو احادیث احاد کے منکر کا ہوتا ہے۔ یعنی کفر لازم نہ آئے گا۔ لیکن فسق سے خالی نہ ہوگا۔

الجواب صواب — فقط واللہ اعلم

خیر محمد عفا اللہ عنہ — بندہ محمد عبداللہ غفر لہ خادم دارالافتاء

مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان — خیر المدارس ملتان مورخہ ۱۰ شعبان ۱۳۹۰ھ

رفع عیسیٰ و ظہور مہدی علیٰ نبینا و علیہم السلام کے دلائل

۱۔ ثابت کرو کہ عیسیٰ علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے ہیں اور وہ واپس آئیں گے۔

۲۔ ثابت کرو کہ امام مہدی علیہ السلام اہل بیت سے ہوں گے اور مدینہ منورہ یا کسی اور ملک میں پیدا ہوں گے۔

۳۔ وہ کہتے ہیں کہ خروج دجال آچکا اگر نہیں آیا تو ثابت کرو کہ چودھویں صدی میں آئے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ چودھویں صدی آخری ہے اس کے بعد قیامت ہے۔ اسی صدی میں جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔

اب آپ برائے مہربانی ہمیں تینوں سوالات کا جواب مع ثبوت یعنی مکمل صفحہ، جلد، نام، حدیث وغیرہ لکھیں جس پر وہ اعتراض نہ کر سکیں۔ اور ہمیں بھی تسلی ہو اور ان کو بھی جواب دینے کے قابل رہ جائیں ہم نے بہت سے علماء صاحبان کے پاس خطوط لکھے بلکہ دیوبند تک لکھے مگر کسی نے تسلی بخش جواب نہ دیا کسی نے مرزا صاحب کا حوالہ دے کر کسی نے کچھ، کسی نے گالیاں دے کر ٹال دیا۔ جس کی وجہ سے ہمارا دل بہت گھبرایا ہوا ہے کیوں کہ کسی طرف سے تسلی بخش جواب نہیں پایا۔ اور نہ ہمارے پاس اتنا وقت ہے کہ کسی عالم کے پاس جائیں۔ آپ خدا کے واسطے مکمل جواب لکھ کر ہمارے دل کو یقین دلائیں کہ ہمارا کیا سچا ہے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

الجواب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اٹھایا جانا آسمان پر، قرآن مجید اور حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ دلائل تو بہت ہیں مگر یہاں بوجہ تنگی وقت کے صرف ایک دو لکھے جاتے ہیں۔

وقولہم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ

مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا۔

اس آیت میں یہود کا قول قتل ذکر فرما کر اللہ تعالے نے تردید فرمائی ہے۔ یہود کہتے تھے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا۔ اللہ تعالے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ انھوں نے نہ تو عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا۔ حقیقت میں ان پر شبہ پڑ گیا اور جو لوگ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں سب شک و شبہ میں مبتلا ہیں۔ یقیناً عیسیٰ علیہ السلام کو کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ ان کو تو اللہ تعالے نے اپنی طرف اٹھا لیا۔ اور اللہ تعالے زبردست ہے۔ (اس کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لینا کیا مشکل ہے)۔ اور حکمت والا ہے (اس کے کاموں میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں اگرچہ کوتاہ نظر نہ سمجھ سکیں)۔

اس سے مرزائیوں کے تمام شبہات زائل ہو گئے۔ مرزائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر کیوں گئے کیا کرتا ہے۔ کیا کھاتا ہے وغیرہ وغیرہ شبہات پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالے نے ایک ہی جواب دیا۔ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا۔ اللہ تعالے زبردست ہے حکمت والا ہے۔ اس کی حکمت نے یہی چاہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لے۔ پھر قیامت کے قریب زمین پر اتار دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے چاہا تو آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا۔ کیا اس پر بھی کوئی جاہل اعتراض کر سکتا ہے کہ آدم علیہ السلام جنت میں ہوتے تو اچھا تھا کیوں ان کو زمین کی طرف بھیج دیا۔ مسلمان کا کام یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اسے قبول کر لے۔ منافق کا کام ہے حجت بازی کرنا۔ لہٰذا یہ شبہات فضول ہیں۔ جب بھی کوئی مرزائی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق شبہ پیش کرے تو فوراً یہی آیت پڑھیں وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا۔ کہ اللہ تعالے زبردست حکمت والا ہے۔ اس کی مرضی وہ مختار ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا کوئی اس پر کیا اعتراض کر سکتا ہے۔

تفسیر روح المعانی میں اس آیت کے ماتحت لکھا ہے۔ وَهُوَ حَيٌّ فِي السَّمَاءِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں۔ تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں۔ صرف مرزا غلام احمد قادیانی نے آ کر فتنہ برپا کیا۔ اور یہ صرف اس لئے کہ " میں عیسیٰ ہوں " [illegible]

۲: ابو داؤد حدیث کی کتاب ہے۔ اور صحاح ستہ میں داخل ہے۔ انھوں نے ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس کا نام ہے " باب ذکر المہدی " اس میں مندرجہ ذیل حدیثیں درج ہیں۔

۱: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا

کا ایک دن بھی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس دن کو لمبا کر دیں گے یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں ایک شخص کو کھڑا کریں گے جس کا نام میرے نام کے اور اس کے والد کا نام میرے والد کے نام کے موافق ہوگا۔ وہ شخص دنیا کو انصاف و عدل سے بھر دے گا جیسا کہ اس کے آنے سے پہلے ظلم سے بھری ہوئی تھی۔ (اب دیکھئے کہ مرزا اور اس کے باپ کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے مخالف ہے اور مرزا کے آنے سے دنیا میں ظلم و ستم زیادہ ہو گیا ہے)۔

۲: دوسری روایت ابو داؤد میں ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ مہدی میری اولاد سے ہوگا اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسل سے ہوگا۔ (مرزا تو مغل تھا یا پٹھان یا کوئی اور قوم ہوگی سید اور فاطمہ کی اولاد سے ہرگز نہیں) اور بھی بہت سی روایتیں اور حدیثیں ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے مقامی علماء سے مدد حاصل کریں ورنہ ہماری طرف لکھیں۔ انشاء اللہ ان کے سب سوالوں کا جواب تسلی بخش دیا جائے گا۔

مرزا کی بھی حدیث ہے کہ چودہویں صدی کے بعد قیامت ہے۔ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ معلوم نہیں کہ دنیا کی عمر کتنی باقی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام ضرور تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔

اور حضرت مہدی علیہ السلام مدینہ شریف سے روانہ ہوں گے اور مکہ شریف تشریف لائیں گے تو سب لوگ مکہ والے اور دوسرے مسلمان حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کریں گے یہ بیعت بیت اللہ شریف کے میدان میں مقام ابراہیم کے قریب ہوگی۔ (ابو داؤد شریف)

مرزا کو تو ساری عمر حج نصیب نہیں ہوا۔ نہ مدینہ دیکھا نہ مکہ دیکھا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے مقدس مقامات میں اسے گھسنے ہی نہیں دیا۔

بہرحال آپ کو جو شبہ ہو ہماری طرف تحریر فرمائیں ہم وہ جواب دیں گے جو مرزائیوں کے لئے مسکت ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح خیر محمد عفی عنہ ۱۰/۱۱/۱۳۹۹ھ

جن پر ایمان لانا ضروری ہے انہیں جاننا بھی ضروری ہے

جو لڑکا یا لڑکی مسلمانوں کے گھر پیدا ہو، تو اس پر بالغ ہونے کے بعد سب سے پہلے ضروریات دین کا سیکھنا کہ جس سے انسان مسلمان کہلانے کا حق دار ہو ضروری تھا۔

جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت پر ایمان لانا۔ جو شخص باوجود عاقل، اور بالغ ہونے کے ان چیزوں کو نہ سیکھے اور نہ ہی ان چیزوں کے سیکھنے کو ضروری سمجھے اور نہ ہی شرم کی وجہ سے کسی کے پاس سیکھنے کے لئے جائے۔ اگر کوئی اس سے یہ پوچھے کہ میاں تم کس دین پر ہو؟ تمہارے دین کا کیا نام ہے؟ اور تم کس پیغمبر کی امت ہو اور ان کا کیا نام ہے؟

تو جواب میں یوں کہے کہ میں نہیں جانتا کہ میرا دین کیا ہے؟ اور میں کس پیغمبر کی امت ہوں، اور نہ ہی ان کا نام جانتا ہوں۔ بچپنے نابالغی کی حالت میں مُلّاں کے پاس نہیں گئے کہ ان باتوں کو سیکھوں۔ اور اب جوانی میں ان باتوں کو سیکھنے اور پوچھنے میں شرم آتی ہے۔ اب بتایئے کہ جس شخص کی یہ حالت ہو کہ اب بھی ضروریات دین سیکھنے کو شرم و عار سمجھے، کیا وہ مسلمان کہلانے کا حق دار ہے یا نہ؟ اگر خدانخواستہ اس حالت میں مرجائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہ؟

الجواب ایک عامی شخص سے ضروریات دین کا سوال اس طرح سے کرنا غلط ہے۔ خواہ مخواہ اسے کافر بنانے کی کوشش کرنا درست نہیں۔ سوال کی یہ صورت ہونی چاہئے کہ کیا تمہارا دین اسلام ہے؟ کیا تمہارے پیغمبر کا نام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے؟ تو اگر وہ ان سوالات کا جواب ہاں کے ساتھ دیدے تو وہ مسلمان سمجھا جائے گا۔ لوگوں میں دین سے بے اعتنائی و لاپروائی ظاہر ہو رہی ہے۔ ایسے حالات میں علماء کرام کا فرض ہے کہ وہ حسن تدبیر سے لوگوں تک دین پہنچاتے رہیں۔ اور ضروریات دین سے انہیں روشناس کراتے رہیں۔ جن لوگوں کا دین سے لگاؤ اس حد تک ختم ہو چکا ہو تو ان کے بارے میں فتویٰ حاصل کرنے کی بجائے ضروریات دین سے انہیں آگاہ فرمائیں۔

بندہ عبد الستار نائب مفتی ۸/۱/۱۳۸۱ھ

الجواب صحیح عبد اللہ غفرلہ

حیات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں عقیدہ

زید کا عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس جسم عنصری کے ساتھ اپنی قبروں میں زندہ ہیں، صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کی آواز سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ اور اپنی اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں۔

اور عمرو کا یہ عقیدہ ہے کہ نعوذ باللہ انبیاء علیہم السلام کے جسم قبروں میں معطل ہیں، وہ جسم قبر میں نہ صلوٰۃ وسلام اپنی قبروں میں سنتے ہیں اور نہ ان میں زندگی ہے۔ اسی طرح عمرو کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اس مٹی والی قبر میں نہ سوال ہوتا ہے نہ راحت و آرام اور نہ عذاب۔ اصلی قبر علیین یا سجین میں ہے جہاں سوال وجواب، راحت و عذاب ہوتا

ہے۔ مذکورہ عقائد میں سے کوئی ساصحیح ہے۔

الجواب زید کا عقیدہ صحیح اور موافق حدیث ہے۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیا ابلغتہ الحدیث (مشکوٰۃ ص۸۷)۔

عمرو کے ہر دو عقیدے درست نہیں کیوں کہ عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ مردہ کا قبر میں جاکر زندہ ہونا تفسیر قرآن حکیم سے ثابت ہے۔

قال اللہ تعالیٰ حکایۃ عن قولہم ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین الآیۃ

فان اللہ تعالیٰ ذکر الموتۃ مرتین وہما لا تتحققان الا ان یکون فی القبر موت وحیاۃ اھ (عمدۃ القاری ج۴ ص۱۹۱)۔ الاحضرت علامہ سید انور شاہ کاشمیری رحمۃ سے بھی ایسے ہی منقول ہے۔ (فیض الباری ج۲ ص۴۹۲)۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۴/۵/۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

علم نجوم کے بارے میں کیا اعتقاد ہونا چاہئے کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ چند ایک نجومی مرد نیک خطیب وعالم پر بے بنیاد الزام لگاتے ہیں تو کیا ان کو اس طرح کرنا درست ہے۔ نیز علم نجوم کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہئے اور اس کی حقیقت شرعا کیا ہے؟ اور کاہن کی بتلائی ہوئی باتوں پر عمل کرنا اور سچا جاننا کیسا ہے؟

الجواب علم نجوم کوئی یقینی علم نہیں ہے بلکہ محض تخمین پر مبنی ہے۔ کما فی الشامیۃ عن الاحیاء ان احکام النجوم تخمین محض (ج۱ ص۴۳)۔ اور کہانت بھی اسی طرح ہے۔ پس ان علوم سے حاصل شدہ تجربات پر یقین کرنا ہرگز جائز نہیں بالخصوص کسی شخص کو مجرم قرار دینے کے لئے قطعاً حجت نہیں حدیث شریف میں کاہنوں کے پاس جانے کی ممانعت آئی ہے۔

فلا تأتوا الکہان فی حدیث طویل اخرجہ مسلم۔ نیز ارشاد فرمایا من اتی عرافا فسئلہ عن شیء لم یقبل لہ صلوٰۃ اربعین لیلۃ۔ (مشکوٰۃ ج۲ ص۳۹۳)۔

اور علم نجوم کی ممانعت بھی حدیث میں ہے۔

من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبۃ من السحر رواہ احمد وابو داؤد۔

نیز حضرات فقہاء نے بھی اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ چنانچہ شامی فرماتے ہیں ثم تعلم مقدار

ما يعرف به مواقيت الصلاة والقبلة لا بأس به الخ وافاد ان تعلم الزائد على هذا المقدار فيه باس ـــــ بل هو في الفضول يحرمه . (رد المحتار) فقط.

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔ ۲۶/۱۲/۱۳۸۵ھ

بسم اللہ سے استمداد لغیر اللہ کے جواز پر استدلال جہالت ہے

ہمارے محلہ کی مسجد کے خطیب درس قرآن کریم دیتے ہوئے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی تشریح کرتے وقت فرماتے ہیں کہ "اسم" اور "اللہ" علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ "اللہ" تو اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ اور "اسم" غیر اللہ ہے۔ کیونکہ قرآن میں شروع کرتے وقت "اسم" یعنی غیر اللہ کا ذکر آیا ہے اس سے مسئلہ استنباط کیا جاتا ہے کہ غیر اللہ یعنی اولیاء سے استمداد کرنا یعنی مدد مانگنا شرعاً جائز ہے۔ اور تفسیروں سے ثابت ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو نیک انسان سمجھ کر مدد طلب کی جاتی ہے۔ نہ اللہ سمجھتے ہوئے۔ ان کے فرمان کے مطابق یہ اہل سنت والجماعت کا صحیح مسلک ہے یا نہیں۔ فقط۔

الجواب خطیب کا استدلال غلط ہے۔ اسم الٰہی سے استعانت پر غیر اللہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا خصوصاً جب کہ صریح آیت سورۃ فاتحہ میں موجود ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ یہ ترجمہ تمام تفاسیر و تراجم میں موجود ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہئے۔ اور اللہ ہی سے مدد لی جاتی۔ حدیث میں وارد ہے۔ اذا استعنت فاستعن باللہ۔ جب تو مدد چاہے تو اللہ سے چاہ۔ باقی بزرگان دین اور اولیاء عظام۔ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی ضروری ہے۔ اور ان کے طریق پر چلنے میں کامیابی ہے۔ اور اس میں ان کے لئے بھی اجر و ثواب ہے۔ اور ان کی عبادت و پرستش کرنا اور ان کو خدائی درجہ دینا سراسر ظلم و جہالت ہے۔ اس میں بزرگوں کو بجائے خوشنودی کے ناراضگی ہوتی ہے۔ زندہ پیروں اور بزرگوں سے دعائیں منگوائی جا سکتی ہیں۔ اور جو وفات پا چکے ہیں ان کے توسل سے دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً یوں کہے کہ اے اللہ بطفیل فلاں ولی کے مجھے اولاد دے، یا میرا کام بنا دے۔ خود بزرگ کو خطاب کر کے کہنا کہ تو میرا کام کر دے، شرکیہ فعل ہے۔

بسم اللہ میں جو لفظ اسم ہے اس سے مراد اللہ ہی ہے غیر اللہ نہیں۔ کیونکہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں بھی آیا ہے۔ جیسے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى۔ کتب عقائد اہل السنۃ والجماعۃ میں صاف لکھا ہے۔

ولیس الاسم غیر المسمی الخ (بدء الامالی)۔ جو شخص اس کو غیر اللہ کہتا ہے وہ علم دین سے بالکل جاہل

معلوم ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ ایسا آدمی جب تک تائب نہ ہو امامت کے قابل نہیں۔

فقط واللہ اعلم   بندہ محمد عبد اللہ عفرلہ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان ۲۳/۶/۱۳۸۵ھ

معراج میں رؤیتِ باری کے بارے میں علماءِ دیوبند کا مسلک

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں صرف قرآن و حدیث کا معتقد ہوں اور کسی مفتی کا فتویٰ میرے لئے حجت نہیں ہے، اس شخص کا کیا حکم ہے؟

۲: معراج میں رؤیتِ باری تعالیٰ کے متعلق علماءِ احناف رحمہم اللہ کا کیا مسلک ہے۔ کیا حضور علیہ السلام نے رؤیتِ باری تعالیٰ کا شرف حاصل کیا یا صرف حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا۔ جو شخص مطلق رؤیتِ باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کا کیا حکم ہے؟ احناف کا تو یہی مسلک ہے لیکن میں اس کا قائل نہیں ہوں۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مسلم والی روایت کافی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جو رؤیت کا قائل ہو وہ اعظم الفریۃ کا مصداق ہے۔

۳: مولانا نانوتوی رحمہ اللہ، مولانا تھانوی رحمہ اللہ، مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ، مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ و دیگر علماءِ حاضرہ رؤیتِ باری تعالیٰ کے قائل ہیں یا منکر؟

الجواب اس مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رؤیت کا انکار کرتے ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت ثبوتِ رؤیت کی قائل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔

قال أتعجبون ان تكون الخلة لابراهيم والكلام لموسى والرؤية لمحمد

اخرجه النسائي وابن خزيمة۔

اختلافِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بناء پر بعض محققین جمع کے قائل ہوئے ہیں کہ رؤیت سے مراد رؤیتِ قلبی ہے۔ اور نفی سے مراد رؤیتِ بصری کی نفی ہے، گویا رؤیت قلبی ہوئی ہے۔ اور علماء کی ایک جماعت نے توقف کا قول کیا ہے۔

وقد رجح القرطبي في المفهم قول الوقف في هذه المسئلة وعزاه الى جماعة من المحققين۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۸)۔

اور امام احمد وغیرہ ترجیحِ اثبات کے قائل ہیں۔ کما فی الفتح الملہم بتفصیل بالا کے پیشِ نظر مناسب ہے کہ اس میں نزاع نہ کیا جائے۔

علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ظاہرِ رؤیت کے قائل ہیں ولقد رآه نزلة اخرى کے بارے

میں رقمطراز ہیں۔

هذا وايضا شاملة لزوجتين اما رؤية جبرائيل فظاهر واما رؤية الله تعالى فلانها لا تكون الا بعد قوة منه تعالى آه وايضا نقل المروزي اخرجه احمد واسناده قوي ۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دیگر مشائخ کا بھی یہی مسلک ہوگا۔ تلاش کرنے پر تصریحات بھی مل سکتی ہیں۔

فقط واللہ اعلم ۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۱۴۰۲/۹/۱۰ھ

الجواب صحیح : بندہ محمد اسحاق غفر لہ خیر المدارس ملتان

من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے خلافت بلافصل کے استدلال کا جواب

بعض اہل تشیع آنحضرت علیہ السلام کے اس ارشاد من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر استدلال کرتے ہیں۔ اس بارے میں وضاحت فرمائیں کہ یہ استدلال کس حد تک درست ہے ؟

الجواب اس حدیث کے سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اس کا مفصل واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام حجۃ الوداع سے واپس ہوئے تو راستے میں حضرت بریدہ اسلمی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کچھ شکایت کی۔ تو آپ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان غدیر خم کے مقام پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا کہ

> میں بشر ہوں ممکن ہے کہ عنقریب میرے پروردگار کی طرف سے کوئی قاصد مجھے بلانے کے لئے آجائے، مراد قرب زمانہ وفات ہے، بعد ازاں اہل بیت کی محبت کی تاکید فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا دوست ہے۔

خطبے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مبارکباد دی اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کا قلب بھی صاف ہوگیا۔

اس خطبہ سے حضور علیہ السلام کا مقصود یہ بتلانا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب بندہ ہیں ان سے اور میرے اہل بیت سے محبت رکھنا مقتضائے ایمان ہے۔ اور ان سے بغض وعداوت، نفرت وکدورت، سراسر مقتضائے ایمان کے خلاف ہے۔ حدیث کا مقصد صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے محبت کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ امامت اور خلافت سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات اہل علم حضرات سے تو مخفی بھی نہیں کہ محبت اور چیز ہے اور خلافت اور چیز۔ محبت اور خلافت میں تلازم نہیں کہ جس سے محبت ہو وہ خلیفہ بلافصل بھی ہو۔

محبت تو والدین، اولاد، سب دوستوں سے ہوتی ہے تو کیا سب خلیفہ ہو جائیں گے؟ حضرت عباس رضہ حضرت فاطمہ رضہ حضرت حسین رضہ اور حضرت حسن رضہ سب آپ کے قریبی اور محبوب نظر تھے۔ اگر محبت دلیل خلافت ہے تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے خلیفہ ہونے چاہئیں۔ بلکہ اگر قرب قرابت پر نظر کی جائے اور قرب قرابت پر دار و مدار رکھا جائے تو اس کی رو سے تو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مقدم ہیں۔ پھر حضرت حسن رضہ پھر حضرت حسین رضہ پھر حضرت علی رضہ اس لحاظ سے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ چہارم ہی بنتے ہیں۔ اگر اہل سنت نے آپ کو خلیفہ چہارم بنایا ہے تو شکوہ کیوں ہے؟

نیز جب آپ نے غدیر خم میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا اس وقت اہل بیت اور صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی موجود تھے۔ کسی نے بھی اس جملے کا مطلب یہ نہیں لیا کہ آپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بلافصل ہوں گے۔ اس واقعہ کے دو ماہ بعد آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات حسرت آیات ہوئی اور سقیفہ بنی ساعدہ کے مقام پر مسئلہ خلافت زیر بحث آیا۔ جس میں وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی موجود تھے جو غدیر خم کے اس خطبہ مبارکہ میں موجود تھے کسی نے بھی اس حدیث کو خلافت علی بلافصل پر مستدل نہیں بنایا۔ اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور نہ ہی حضرت عباس رضہ اور بنی ہاشم میں سے کسی نے اس حدیث کو حضرت علی رضہ کی خلافت بلافصل پر پیش کیا۔

الحمد للہ تمام اہل سنت بہزار دل و جان اہل بیت رضہ کی محبت کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں۔ مگر شیعوں کی طرح ایسے بے عقل بھی نہیں کہ محبت کو دلیل خلافت بلافصل سمجھنے لگیں۔ محبت تو اہل بیت رضہ کے ہر فرد سے لازم ہے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام قریبی رشتہ داروں کو خلیفہ بلافصل بنا لیں گے۔ فافہم۔ فقط واللہ اعلم۔

عبد المصطفیٰ نام رکھنا جائز نہیں

زید کہتا ہے کہ عبد النبی، عبد الرسول، عبد المصطفیٰ نام رکھنا کفر و شرک ہے اور اس کے ثبوت میں بہشتی زیور اور فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ پیش کرتا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ یہ نام رکھنا جائز ہے۔ کس کی بات صحیح ہے؟

الجواب — مذکورہ نام رکھنے جائز نہیں۔ ویؤخذ من قولہ ولا عبد فلان منع التسمیۃ بعبد النبی الی قولہ والاکثر علی المنع خشیۃ اعتقاد

کہا ہے کہ اس کو کافر و مرتد یعنی خنگ اور اس کے پیروکار دونوں جماعتوں لاہوری اور قادیانی کو کافر کہے تو یہ مسلمان نہیں۔ اس نے دھوکا دیا ہے۔ اب آپ فرمائیں کہ یہ آدمی مسلمان ہو سکتا ہے یا کہ نہیں؟

سائل محمد اشرف ولد جامع مسجد شاہی نوابی افغان گڑھ۔

الجواب ـــ صورت مسئولہ میں اس شخص سے صراحۃً مرزا غلام احمد کے بارے میں پوچھا جائے۔ اگر وہ مرزا غلام احمد اور مرزائیوں کی ہر دو جماعت کو برملا کافر اور ان کے مرتد ہونے کا اعلان کر دے اور مرزائیت اور ہر دین باطل سے توبہ کرے تو مسلمان سمجھا جائے ورنہ اس کا صرف اتنا کہہ دینا کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے میں اس پر لعنت بھیجتا ہوں؟ اس پر مسلمان کا حکم لگانے کے لئے کافی نہیں۔

وفي الخامس بهما مع التبري عن كل دين يخالف دين الاسلام بدائع واخركر هيئة الدرر وحينئذ يستفسر من جهل حاله بل عم في الدرر اشتراط التبري من يهودي ونصراني ومثله في فتاوى المصنف۔

(درمختار ج ۳ ص ۳۱۳)

اگر یہ شخص مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اسلام قبول کر لے تو بھی اسے ایک عرصہ تک کوئی دینی اجتماعی یا انفرادی ذمہ داری نہ سونپی جائے اور اس کے بارے میں محتاط رویہ اختیار کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴ محرم ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

تقویۃ الایمان کیسی کتاب ہے اور اس کے مصنف سنی مسلمان تھے یا وہابی؟

"تقویۃ الایمان" کا پڑھنا اور اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟ اور صاحب تقویۃ الایمان کو کافر اور بے دین کہنا درست ہے یا نہیں؟ اور صاحب مذکور سنی مسلمان تھے یا وہابی؟

الجواب ـــ "تقویۃ الایمان" کے مضامین کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں۔ کتاب کا اکثر حصہ آیات و احادیث کے تراجم اور ان کی تشریحات پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اس کا مطالعہ کرنا اور اس پر عمل کرنا بہت مفید ہے۔ صاحب تقویۃ الایمان پکے اور سچے مسلمان تھے ان کے عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کے مطابق اور صحیح تھے۔ چنانچہ علامہ قاری عبد الرحمٰن پانی پتی "کشف الحجاب" میں لکھتے ہیں کہ

"مولانا اسمٰعیل شہید رح امام ابو حنیفہ رح کے مقلد اور حنفی سنی تھے"

لہٰذا مولانا موصوف رح کو وہابی یا بے دین کہنا غلط اور کہنے والے کے لئے موجب خسران ہے۔ فقط

خلفائے راشدین کا مومن ہونا قطعیات سے ہے

بخدمت جناب حضرت علامہ
مفتی اعظم صاحب مد ظلہ العالی

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ بعض لوگ حضرات علمائے عظام دیوبند کو مثلاً حضرت علامہ اسماعیل شہید، حضرت گنگوہی رح، حضرت مولانا قاسم نانوتوی رح، مولانا شبیر احمد عثمانی رح اور دیگر تمام ان حضرات کے متعلقین و معتقدین سب کو بدعقیدہ و بدمذہب حتیٰ کہ کافر بھی کہتے اور لکھتے ہیں۔

کیا ان لوگوں مثلاً بریلوی مسلک کے اور ان کے معتقدین کے ساتھ تعلق مناکحت وغیرہ کرنا و رکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ کئی جگہ سنا ہے کہ علمائے حقہ کو بدعقیدہ و بدمذہب یا کافر کہنے یا لکھنے والوں کے ساتھ تعلق مناکحت وغیرہ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

اب طلب مسئلہ یہ ہے کہ بریلوی مسلک والے علماء حضرات اور ان کے معتقدین کے ساتھ تعلق مناکحت وغیرہ رکھنا و کرنا کیسا ہے جائز ہے یا نہیں؟ بالدلیل جواب عنایت فرماویں۔

۲: خلفائے راشدین رض کا ایمان قطعی ہے یا ظنی؟ جو قطعی نہ مانے اس پر شرعاً کیا حکم ہے؟ مدلل جواب سے مستفید فرماویں۔

الجواب

۱: حضرت علماء دیوبند اکابر سے اصاغر تک اپنی تصانیف و تقاریر میں ہمیشہ یہ اعلان کرتے رہے ہیں کہ ہمارے عقائد وہی ہیں جو کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین اور ائمہ دین کے رہے ہیں۔ تمام علمائے متقدمین کے عقائد میں کوئی عقیدہ ان کے مخالف نہیں۔ ابتدا ہی سے دارالعلوم دیوبند میں تمام طلبہ کو دیا جاتا ہے اور وہی کتب عقائد اہل السنۃ والجماعۃ وہاں پڑھائی جاتی ہیں۔ جس کسی نے اس کے خلاف ان کی طرف منسوب کیا ہے یا ان کی عبارتوں کو تحریف کرکے ان پر الزام لگایا ہے وہ سب افترا محض ہے، ہم اور ہمارے اکابر اس سے بری ہیں۔

رسالہ "المہند علی المفند" وغیرہ میں ان تمام حضرات کے عقائد دربارہ مسائل مختلف فیہا خود انہی حضرات کے ذکر کئے گئے ہیں جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حضرات تمام اعتقادات میں جمہور امت و سلف الصالحین کے مطابق ہیں۔ ان کی تکفیر کرنا درحقیقت تمام امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تکفیر کرنا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ فاسق سے فاسق مسلمان کو بھی ایسے اتہامات کی بنا پر کافر کہنا حرام ہے جن اتہامات کو ان حضرات مکفرین نے اس جماعت مسلمین و فرشتہ صفت انسانوں پر عائد کیا ہے اور پھر یہ حضرات تو علم و عمل و حب خدا اور حبیب خدا میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ بڑا ظالم ہے جو کہ ان حضرات پر ایسے الفاظ

استعمال کرتا ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج ۵ ص ۱۳۱ ۔ امداد المفتیین)

ایسے معاند و متعصب و متعنت حضرات سے قطع تعلق اور ترک مناکحت میں ہی احتیاط ہے۔

۲: خلفائے راشدین کا ایمان قطعی ہے۔ احادیث صحیحہ کثیرہ اور اجماع امت سلفاً وخلفاً ان کے ایمان کی واضح دلیل ہے۔ ان کے ایمان کا منکر کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ فقہائے کرام نے حضرات شیخین کو گالی دینے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے۔

الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما والعیاذ باللہ فهو کافر...
من انکر امامة ابی بکر رضی اللہ عنہ فهو کافر ..... وکذالک من انکر خلافة
عمر رضی اللہ عنہ فی الاصح کذا فی الظهیریة ویجب اکفارهم باکفار عثمان وعلی

(عالمگیری ج ۲ ص ۲۶۳) واللہ اعلم۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی ایک عبارت سے علم غیب پر استدلال کا جواب

ایک شخص آنحضرت علیہ السلام کے علم محیط کلی کا مدعی ہے اور دلیل میں حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے۔

"شود رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ کدام درجہ رسیدہ۔ پس او شناسد گناہان شما را و نفاق شما را وایمان شما را ومن علومک علم اللوح والقلم، لوح محفوظ کا علم آپ کے علم کا بعض حصہ ہے۔"

نیز وہ کہتا ہے کہ

"مطلب دیا بس یہ ہے ہر چیز کا، مکان دیا مکین کا علم باعطائے رب تعالیٰ آپ کو حاصل ہے ہر گلی و ہر شہر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے۔ اور جو شخص حاضر و ناظر نہ سمجھے وہ مردود ہے خارج از اسلام اور گمراہ ہے۔"

کیا یہ درست ہے؟ براہ کرم آپ حضور علیہ السلام کے علم غیب اور مسئلہ حاضر و ناظر پر تفصیل سے روشنی ڈالیں!

الجواب زید کے یہ خیالات و عقائد اہل السنۃ کے خلاف ہیں۔ سلف صالحین و ائمہ اربعہ (امام اعظم و امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ) میں سے کسی امام و مجتہد و بزرگ و عالم ربانی کے یہ عقائد نہیں ہیں۔

جاننا چاہیے کہ خیر اور ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ عقائد سلف صالحین کا اتباع کرے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد ہماری کتابوں میں موجود ہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ کی فقہ اکبر۔ اور امام طحاوی رحمہ اللہ کی کتاب عقیدۃ الطحاوی اس باب میں بے نظیر ہیں۔ ان کتابوں میں ایسے عقائد کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ اس لئے یہ عقائد شریعت کے خلاف ہیں۔

باقی جو عبارتیں سائل نے پیش کی ہیں ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم الغیب ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ پہلی عبارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز قیامت امت کے اوپر شاہد اور گواہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ آنحضرت علیہ السلام قیامت کے روز نور نبوت سے ہر مومن کے درجۂ ایمانی کو پہچان کر اس کے حق میں گواہی دیں گے۔ کلام دہلوی رح سے تمام ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ اور چپہ چپہ پر محیط ہونا اور حاضر ہونا کہاں سے ثابت ہوتا ہے؟

اور من علومك علم اللوح والقلم میں علوم احکام شرائع مراد ہیں نہ کہ ریت کے ذرات اور سمندر کے قطرات اور درختوں کے پتے جات۔ اور قرینہ اس پر وہ نصوص قرآنیہ صریحہ ہیں جن میں علم غیب کلی کو اللہ تعالیٰ کا خاصہ فرمایا گیا ہے۔ اس لئے ایسے اشعار کی تاویل کرنا اور ان کو قرآن مجید کے موافق بنانا زیادہ سہل ہے بہ نسبت اس امر کے کہ آیات قرآنیہ میں تاویل کی جائے۔

حدیث جبریل علیہ السلام جو مشکوٰۃ شریف کے ابتداء میں مذکور ہے۔ اس میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے قیامت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے صاف اور صریح جواب دیا ما المسئول عنها باعلم من السائل کہ قیامت کا علم کہ وہ کس سن اور تاریخ میں قائم کی جائے گی، نہ مجھے معلوم ہے اور نہ تجھے۔ پھر فرمایا۔ في خمس لا يعلمهن الا الله کہ قیامت کا علم ان علوم خمسہ میں داخل ہے جنہیں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ان الله عنده علم الساعة الخ

غور فرمائیے کہ ایسی صریح آیات و حدیث کے ہوتے ہوئے ایک ایسی بات پر اصرار کرنا کہاں جائز ہے کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مدحت شان بھی نہیں ہے۔ یعنی درختوں کے پتوں کی تعداد اور ریت کے ذرات کی تعداد یا سمندر اور دریاؤں کے قطرات کا علم اگر آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطۂ علمی سے باہر ہو تو اس میں آپ کی کوئی کسر شان بھی نہیں ہے۔ بلکہ بعض علوم ایسے ہیں جن سے پاک ہونا اور آپ

کو بری اور منزہ ماننا ضروری ہے۔

مثلاً جادوگری، شعبدہ بازی، طلسمات، مسمریزم کے غلط قسم کے علوم، اور دھوکہ اور فریب دہی کے ڈھنگ اور چالیں، اور آج کل جو موسیقی اور ناچ، گانے کے علوم یورپ میں باقاعدگی سے سکھائے جاتے ہیں۔ کیا ایسے علوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اعلیٰ وارفع کے لائق ہیں؟ ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف فرمایا ہے وما علمناه الشعر وما ینبغی له ہم نے آنحضرت کو علم شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی وہ آپ کے لائق ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایسے علوم بھی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور بلندی مقام کے موافق نہیں ہیں۔ ان علوم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پاک کہنا ضروری ولازم ہے۔

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام علوم کلی وجزئی کا عالم مانتا ہے وہ ان علوم باطلہ مجرمہ قبیحہ کی نسبت آپ کی طرف کس طرح کرے گا، اور کیا ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہ ہوگی؟

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ خادم دارالافتاء خیرالمدارس ملتان ۲۹/۱/۱۳۹۸ھ

قبر میں سوال وجواب اسی امت کے ساتھ خاص ہے

کیا پہلی امتوں سے بھی قبر میں سوال وجواب ہوتا تھا یا نہیں؟

الجواب اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ سوال وجواب عام ہے کسی امت کے ساتھ خاص نہیں۔

وقال ابن القیم: السؤال عام للأمة وغیرها ولیس في الأحادیث ما یدل علی الاختصاص۔ (نیل الاوطار ج ۴، ص ۱۱)

علامہ شامی رحمہ اللہ نے راجح قول یہ نقل کیا ہے کہ یہ سوال وجواب اسی امت کے ساتھ خاص ہیں۔

ونقل العلقمي في شرحه علی الجامع الصغیر أن الراجح أیضا اختصاص السؤال بهذه الأمة خلافا لما استظهره، ونقل أیضا عن الحافظ ابن حجر العسقلاني أن الذي یظهر اختصاص السؤال بالمکلف، وقال وتبعه علیه شیخنا الحافظ السیوطي۔ (شامی ج ۱، ص ۵۷۵) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ [illegible] محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی

انبیاء کرام علیہم السلام اور مسلمان نابالغ بچوں سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کے چھوٹے بچوں سے قبر میں سوال وجواب ہوگا یا نہیں؟ اور کفار کے بچوں کے بارہ میں بھی وضاحت فرمائیں۔ مسؤل محرم خان اٹک

الجواب نابالغ مسلم بچوں اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے قبر میں سوال وجواب نہیں ہوتا اور کفار کے بچوں کے بارہ میں علمائے کرام نے توقف کیا ہے۔ کذا فی الشامیۃ۔

والاصح ان الانبیاء لایسئلون ولا اطفال المؤمنین وتوقف الامام فی اطفال المشرکین اھ (ج ۱ ص ۵۹۸) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۳/۱/۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

موہم شرک اشعار کو مٹانا ضروری ہے

ہمارے چک نمبر ۲۰ ارائیں کی مسجد پر یہ شعر لکھا ہوا ہے؟

کرم کی مہربانی کی آس ہے ہم سب کو
خدا سے مصطفیٰ سے غوث سے احمد رضا خان سے

جناب عالی یہ شعر ٹھیک ہے یا نہیں؟ — قاری محمد ابراہیم جامع مسجد چشتیاں

الجواب یہ شعر موہم شرک ہے اس کو مٹانا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد حبیب اللہ عفا اللہ عنہ ۲۹/۸/۱۳۹۷ھ

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ

عملیات سے معلوم کر کے کسی کو مجرم سمجھنا

چوری دریافت کرنے کے سلسلہ میں بعض لوگ عملیات کرتے ہیں اور بتا دیتے ہیں کہ فلاں چور ہے۔ کیا شرعاً اس آدمی پر چوری کا حکم لگا سکتے ہیں؟ اور ان عملیات کی حقیقت بھی واضح فرمائیں؟

الجواب ان عملیات کے ذریعہ کسی کو واقعۃً چور سمجھنا جائز نہیں۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک بالکل ناجائز ہیں۔ اس لئے کہ عوام حد احتیاط سے آگے بڑھ جاتے ہیں

امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۹۵

ان عملیات کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ جس کا نام معلوم ہو اس کی دوسرے ذرائع شرعیہ سے تحقیق وتفتیش

کی جائے۔ لیکن چونکہ عوام اس کو واقعۃً بیعت سمجھ لیتے ہیں لہٰذا ایسے عمل کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۶/۵/۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

مسخرہ مجلس علماء کی نقل اتارنا کفر ہے

زید نے اپنے لڑکے کی شادی کی بابت سامان اکٹھا کیا، ڈھول، مراثی، بینڈ وغیرہ بلائے۔ پھر بے ریش لڑکوں کو بلا کر انہیں زنانہ کپڑے پہنائے اور ڈانس کروایا۔ پھر ایک مسخرے کو بلا کر اس کو نقلی داڑھی لگائی گئی۔ اور داڑھی کو مذاق بنایا گیا۔ پھر اسے اونچی جگہ بٹھا کر اس سے مسائل پوچھے گئے اور مذاق اڑایا گیا۔ ایسا کرنے والے اور دیکھنے والے مسلمان رہے یا نہیں؟

الجواب مذکورہ فعل کرنے والے اور اسے پسندیدگی اور رضا سے دیکھنے والے سخت ترین مجرم ہیں۔ انہیں چاہیے کہ مجمع عام کے سامنے کلمہ پڑھ کر توبہ کریں اور تجدید نکاح کریں اور اگر ایسا نہ کریں تو ان سے کسی قسم کے تعلقات نہ رکھے جائیں۔

قال فی الاشباہ الاستهزاء بالعلم والعلماء كفر وعن ضحكة المفتي
تخفيف العلم والعلماء كفر وعن الخلاصة من اقل العلماء ينبغي
من البلد بعد تجديد الايمان. وعن مجموع النوازل اهانة
علماء الدين كفر. اھ (فتاویٰ محمودیہ ج ۳)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : محمد شریف عفا اللہ عنہ شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

کفر والحاد کا داعی واجب القتل ہے

زید یہ کہتا ہے کہ

۱ : خدا کا کوئی وجود نہیں۔ خدا کا وجود ایک ڈھونگ ہے۔

۲ : محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک شہوت پرست انسان تھا جس نے ایک نہیں نو عورتوں سے شادی کی تھی۔

۳ : قرآن صرف دو جزوں اور گانوں کی کتاب ہے۔

۴ : قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا گھڑا ہوا ہے یہ کوئی الہامی کتاب نہیں۔

۵ : امام حسین (رضی اللہ عنہ) صرف اقتدار کا بھوکا تھا۔ یزید نے اس کے ساتھ بالکل ٹھیک سلوک کیا تھا۔

ورنہ وہ بھی اپنے نانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح دنیا میں فساد پھیلاتا۔

۶ : نماز وقت کا ضیاع ہے۔ روزہ انسان کو بھوکا مارنے والا ایک عمل ہے، زکوٰۃ سرمایہ داروں کو تحفظ دینے والا ایک نظام ہے۔ حج کو ممنوع قرار دے کر اس پر خرچ ہونے والی رقم کو غریبوں میں تقسیم کر دینا چاہیئے۔

۷ : سیدنا حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہن کی گالی دے کر کہا کہ وہ ساڑھے نو سو سال تبلیغ کرتا رہا، اس سے تو اس کا بیٹا بھی مسلمان نہ ہو سکا۔ کیوں کہ اس کا بیٹا ایک ہجڑے کا مرید تھا۔

۸ : اسلام ایک چودہ سو سال پرانا اور فرسودہ مذہب ہے اس سے نجات حاصل کرنی چاہیئے۔

۹ : سگی بہن سے نکاح جائز ہے۔ کیوں کہ وہ بھی تو ایک عورت ہے۔

۱۰ : ہم سب انسان بشمول انبیاء بندروں کی اولاد ہیں۔

◎

۱ : قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی رو سے مسلمان معاشرہ میں زید مذکور کی کیا حیثیت ہے مرتد یا کافر؟

۲ : کافر یا مرتد ہو جانے کی شکل میں اس کی شرعی سزا کیا ہے؟

۳ : اگر وہ اعتراف جرم کر کے توبہ کر لے اور از سر نو کلمۂ طیبہ پڑھ کر اپنے ایمان کی تجدید کر لے اور اپنے مذکورہ بالا خیالات کا بطلان کر دے تو کیا یہ بات قابل قبول ہوگی؟

۴ : کیا مدعی اور گواہان جن کی درخواست پر اسے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا ہے وہ اسے معاف کر دینے کے مجاز ہیں؟

۵ : جب کہ مدعی اور گواہان واقعہ نے اپنے حلف پر یہ عہد کیا ہو کہ وہ زید مذکور کو اس کی گستاخی اور دریدہ دہنی کی قانون رائج الوقت کے مطابق سزا دلوانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اور اپنے بیانات میں اخفائے واقعات کی غرض سے کسی قسم کی خارجی تحریص یا دھمکی میں آکر کتمان حق کے مرتکب نہیں ہوں گے۔ تو کیا اب جذبہ ترحم کے تحت مدعی اور گواہان غلط بیانی کرنے کے شرعاً مجاز ہیں؟

۶ : الیف۔ آئی۔ آر۔ کے اندراج سے قبل زید مذکور نے اعتراف جرم کرنے، معافی مانگنے اور توبہ کرنے کے ارادے سے کچھ مہلت طلب کی تھی۔ لیکن اس نے اس مہلت سے کوئی استفادہ نہیں کیا۔ بالآخر وہ گرفتار ہو کر جیل پہنچ گیا۔ کیا اس صورت میں وہ کسی مزید مہلت کا شرعاً مستحق ہے؟

۷ : اس قسم کے مشہور مجرم سے جو اس قسم کی دریدہ دہنی سے باز رہنے کے لئے کوئی بھی قابل اطمینان ضمانت لی جا سکتی ہے؟ نیز ہم چوں قسم کی ضمانت پیش کرنے کے باوجود بھی وہ اس شنیع جرم

کا اعادہ کرے تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا کیا جائز ہوگا؟

۴: زید مذکورہ بیسیوں عام ہوٹلوں پر اس کی مثل باتیں کرتا ہے۔ نیز خلاف اسلام ملحدین کی کتابیں نوجوانوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اور مجلسی محفلوں میں مباحثے کرتا ہے۔

نوٹ: اپنے فتوے کے مختصر حوالہ جات کتاب کا نام، باب، صفحہ اور کتاب کہاں کی مطبوعہ ہے تحریر کر کے ممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبداللہ حنیف مہتمم مدرسہ تفہیم القرآن حاجی پور راجن پور

○

الجواب

۱: قرآن و سنت، اجماع امت اور اسلامی فقہ کی رو سے زید اپنے مذکورہ اقوال مثلاً انکار خدا، سب رسول، تکذیب قرآن، استخفاف بالدین، اور انکار ضروریات دین وغیرہ کی وجہ سے کافر و مرتد ہے۔ مذکورہ امور کا موجب کفر ہونا حسب ذیل ہے۔

مرتد کی سزا از روئے قرآن و حدیث، تعامل صحابہؓ و اجماع امت قتل ہے

مرتد کی سزا قرآن حکیم سے

قال اللہ تعالیٰ: ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعدلہم عذاباً مھیناً۔ الآیۃ

قال اللہ تعالیٰ: والذین یؤذون رسول اللہ لہم عذاب الیم۔

وقال اللہ تعالیٰ: ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا۔ الآیۃ

فہذہ الآیات تدل علی کفرہ وقتلہ۔ اھ (تفسیر ابو السعود ص ۱۰۵)

مرتد کا حکم از روئے حدیث

عن عکرمۃ قال اتی علی بزنادقۃ فاحرقہم فبلغ ذالک ابن عباس فقال لو کنت انا لم احرقہم لنہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعذبوا بعذاب اللہ ولقتلتہم لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینہ فاقتلوہ۔ اھ

(صحیح بخاری)۔

اخرج الطبرانی من وجہ آخر عن ابن عباس رض رفعہ من خالف دینہ دین الاسلام فاضربوا عنقہ۔ اھ (نیل الاوطار، ج ۷، ص ۱۹۲)

واخرج سعید بن منصور عن ابراھیم قال اذا ارتد الرجل او المرأة من الاسلام استتیبا فان تابا ترکا وان ابیا قتلا۔ اھ

(فتح الباری، ج ۱۲، ص ۲۶۸)

مرتد کے بارے میں تعامل صحابہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر حضور علیہ السلام نے یمن کا علاقہ تقسیم کر دیا تھا۔ دونوں اپنے اپنے حلقہ میں کام کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بغرض ملاقات تشریف لائے۔ دیکھا کہ ایک شخص ان کے پاس بندھا کھڑا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مرتد ہے۔ یعنی پہلے یہودیت سے اسلام لایا، پھر یہودی بن گیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تشریف رکھئے۔ انھوں نے فرمایا کہ نہیں میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا جب تک یہ قتل نہ کر دیا جائے۔ تین مرتبہ یہی گفتگو ہوئی۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم فرمایا قضاء اللہ و رسوله یعنی یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔

مرتد کے بارے میں اجماع امت کا فیصلہ

ا: وقد اتفق الائمة على ان من ارتد عن الاسلام وجب قتله وعلى ان قتل الزنديق واجب۔ اھ (میزان شعرانی، ج ۲، ص ۱۵۸)

ب: واما القتل فجعله عقوبة اعظم الجنايات كالجناية على الانفس فكانت عقوبته من جنسه وكالجناية على الدين بالطعن فيه والارتداد عنه وهذه الجناية اولى بالقتل۔ (اعلام المرقعين، ج ۲، ص ۱۳۸)۔

ج: اعلم ان المرتد يقتل بالاجماع كما في تنبيه الولاة (ص ۲۴)۔

د: قال القاضي عياض اجمعت الامة على قتل منتقصه من المسلمين وسابه وقال ابوبكر بن المنذر اجمع عوام اهل العلم على ان من سب النبي صلى الله عليه وسلم عليه القتل وممن قال ذلك مالك بن انس والليث واحمد واسحاق وهو مذهب الشافعي قال عياض وبمثله قال ابوحنيفة واصحابه والثوري واهل الكوفة و الاوزاعي في المسلم وقال محمد بن سحنون اجمع العلماء على ان

شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم والمتنقص لہ کافر والوعید جار علیہ بعذاب اللہ تعالیٰ لہ ومن شک فی کفرہ وعذابہ کفر وقال ابو سلیمان الخطابی لا اعلم احدا من المسلمین اختلف فی وجوب قتلہ۔

(تنبیہ الولاۃ ص ۳۱۴)

۳۔ سوال کی تصریحات سے ظاہر ہے کہ زید مذکور نہ صرف کافر و مرتد ہے بلکہ کفر و الحاد کی علانیہ دعوت دے کر سادہ لوح عوام کے دین و ایمان کو برباد کرتا رہتا ہے۔ اور ایسے مرتد، زندیق، گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور کفر و الحاد کے معروف داعی کی توبہ سزائے موت سے نجات کا سبب نہیں بن سکتی۔

الزندیق

من ینفی الباری تعالیٰ اھ (شامیہ ج ۳ ص ۳۰۵)

ثم بین حکم الزندیق فقال اعلم انہ لا یخلو اما ان یکون معروفا داعیا الی الضلال اولا والاول ای المعروف الداعی لا یخلو من ان یتوب بالاختیار ویرجع عما فیہ قبل ان یؤخذ اولا والثانی یقتل اھ (شامی ج ۳ ص ۳۰۵)۔

والکافر بسبب اعتقاد السحر لا توبۃ لہ الی قولہ: وکذا الکافر بسبب الزندقۃ لا توبۃ لہ وجعلہ فی الفتح ظاہر المذہب لکن فی حظر الخانیۃ الفتوی علی انہ اذا اخذ الساحر او الزندیق المعروف الداعی قبل توبتہ ثم تاب لم تقبل توبتہ ویقتل اھ

(الدر المختار ج ۳ ص ۲۹۹)

والزنادقۃ من الفلاسفۃ لا یقبل توبتہم بحال من الاحوال ویقتل بعد التوبۃ وقبلہا لانہم لم یعتقدوا بالصانع تعالیٰ اھ (شامی ج ۳ ص ۲۹۹)

والحاصل انہ یصدق علیہم اسم الزندیق والملحد الی قولہ وبعد الظفر بہم لا تقبل توبتہم اصلا الی قولہ لان من ظہر منہ ذلک ردی الناس لا یصدق فیما یدعی بعد من التوبۃ ولو قبل منہ ذلک لہدموا الاسلام واضلوا المسلمین۔ اھ (شامیہ ج ۳ ص ۳۰۰)۔

وقال صاحب الخلاصۃ وفی نوازل الفتاوی والساحر یقتلان لانہما ساعیان فی الارض بالفساد فان تابا قبل الظفر بہما قبلت توبتہما وبعد ما اخذا

لا تقبل ويقتلون كما في قطاع الطريق وكذا الزنديق المعروف الداعي
اليها اي الى مذهب الالحاد اهـ (تنبيه الولاة ص۳۲)۔

وضرر الزنديق الداعي الى الالحاد اشد لان ضرره في الدين فانه يضل ضعفة
اليقين بالعادة واظهاره لهم وسوسة المسلمين فلهذا قتلوا كقطاع الطريق بل
هؤلاء أضر۔ (تنبيه الولاة ص۳۳)۔

ان الزنديق الذي يقتل ولا يقبل توبته هو المعروف بالزندقة الداعي اليها (تنبيه الولاة ص۴۲)
ثم لو كان معروفا بهذا الفعل الفظيع (اي السب) داعيا الى اعتقاده
الشنيع فلا شك حينئذ ولا ارتياب في زندقته وقتله وان
تاب اهـ (تنبيه الولاة ص۴۴)۔

قال الفقيه ابو الليث اذا تاب الساحر قبل ان يؤخذ تقبل توبته ولا
يقتل وان أخذ ثم تاب لم تقبل توبته ويقتل وكذا الزنديق المعروف الداعي
والفتوى على هذا القول اهـ (بحر الرائق ج ۵ ص ۱۳۶)۔

۴: وہ گواہان اسے معاف نہیں کر سکتے۔ بلکہ کسی کو بھی اسے معاف کرنے کا مجاز نہیں۔
۵: ایسا کرنے پر وہ شرعاً وقانوناً مجرم ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۹،۲،۱۴۰۴ھ

تصدیقات

۱: الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان
۲: الجواب صحیح: بندہ محمد صدیق غفرلہ ناظم جامعہ خیر المدارس ملتان
۳: الجواب صحیح: محمد حنیف جالندھری مہتمم خیر المدارس ملتان
۴: المجیب مصیب: بندہ محمد حسین صابر غفرلہ۔ ۵: الجواب صحیح: بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
۶: اصاب من اجاب: بندہ محمد اسحاق غفرلہ مفتی جامعہ قاسم العلوم ملتان
۷: یہ زندیق داعی الی الزندقہ کی توبہ قبول نہیں، جب خواہش سے باز نہیں آیا تو اب قابل معافی نہیں۔ الجواب صحیح۔
شمس الحق عفی عنہ، مہتمم دار الحدیث رحمانیہ ملتان۔ [illegible]
۸: صحیح الجواب: عبد القادر غفرلہ دار العلوم عیدگاہ ربانیہ، محلہ قدیر آباد ملتان۔
۹: بندہ۔ الجواب صحیح: مفتی غلام مصطفیٰ رضوی مہتمم مدرسہ اہلسنت عربیہ نور العلوم کچہری روڈ ملتان۔

کے بارے میں عالم اسلام کی مرکزی اسلامی درسگاہ "دارالعلوم دیوبند" کا مکمل مدلل اور جامع فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں۔
کیا علمائے دیوبند اور جمہور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ سرور دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ شریف میں دنیا کی سی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں ؟

◎

الجواب

پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ مسئلہ مستفسرہ میں بزرگان دیوبند کا مسلک بالکل صاف اور واضح ہے اور اس سے قبل بھی بار بار اس کی اشاعت ہو چکی ہے ، نیز علماء دیوبند کی مختلف اور متعدد تصانیف میں مکرر سہ کرر اسے بیان فرمایا گیا ہے اور وہ کتابیں عام و خاص میں مشہور ہیں مثلاً۔

۱ : آب حیات ۔ ۲ : جمال قاسمی ۔ ۳ : نشر الطیب ۔ ۴ : الشہاب الثاقب ۔
۵ : المصالح العقلیہ ۔ ۶ : فیض الباری ۔ ۷ : المہند علی المفند ۔ ۸ : تسکین الصدور ۔
۹ : مستقر الاولیاء ۔ ۱۰ : ارتسام حیات وغیرہ ذلک ۔

پھر مسئلہ کے آخری حل اور تصفیہ کے لئے ۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کو راولپنڈی میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی زیر سرپرستی فریقین کے ذمہ داروں نے درج ذیل عبارت پر بھی دستخط فرمائے ہیں۔

۱ : وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ

صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں ۔

اس صاف اور صریح عبارت پر اقراری دستخط کے باوجود اصل اور اجماعی مسئلہ سے انحراف جہاں امانت و دیانت کی دنیا میں حیرت فزا ہے وہیں باعث صد افسوس بھی ہے افیا للعجب ویا حسرتاہ ۔ پھر یہ المیہ اس وقت مزید دوچند ہو جاتا ہے جب باہمی اتحاد و اتفاق، عزت و احترام کے بجائے تشتت وافتراق، نزاع و جدال اور طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار کیا جائے جو عزت نفس اور شرافت ضمیر کے قطعاً قطعاً منافی ہے ۔ قالی اللہ المشتکی ۔ خدا اصلاح احوال کی توفیق بخشے ۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

اس تمہید کے بعد اصل جواب ملاحظہ فرمائیں ۔

(۱) جی ہاں علماء اہل السنۃ والجماعۃ کا قرآن و حدیث کی روشنی میں اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اسی طرح دیگر تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبروں میں اجساد عنصریہ کے ساتھ حیات ہیں ۔ اور یہ حیات برزخی حیات دنیوی سے کم نہیں ہے ۔ اور تلذذاً نماز و دیگر عبادات میں مشغول ہیں ۔ یہ حیات برزخی اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی ۔ لیکن بلا شبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۃ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے ۔

امت کا یہ اجماعی عقیدہ اصول شریعت کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے جن کے ادلہ ثلاثہ پیش ہیں، ملاحظہ فرمائیں ۔

عقیدہ حیات الانبیاء قرآن حکیم میں

قرآن حکیم میں بیشتر مقامات پر حیات الانبیاء کا ثبوت (اشارۃ، دلالۃ، اقتضاءً) ملتا ہے ۔ ان سب کا احصاء مشکل بھی ہے اور موجب طول بھی ۔ اس لئے اختصار کی غرض سے چند آیتوں کے ذکر پر اکتفاء کیا جا رہا ہے ۔

(۱) واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمٰن الٰھۃ یعبدون (زخرف ع ۴)

آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا گیا ہے ۔ چنانچہ محدث العصر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

یستدل بہ علی حیاۃ الانبیاء

(مشکلات القرآن، ص ۲۴۴ ۔ وهکذا فی الدر المنثور ج ۶ ص ۱۹ ۔ روح المعانی ج ۲۵ ص ۸۴ ۔ جمل ج ۴ ص ۸۴ ۔ شیخ زادہ ج ۳ ص ۲۹۵ ۔ خفاجی ج ۷ ص ۴۴۴) ۔

۲: ولقد آتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ (الم سجدہ پ۲۱)۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے "معراج کی رات ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار" (موضح القرآن)۔

اور ملاقات بغیر حیات ممکن نہیں لہٰذا اقتضاء النص سے حیات انبیاءؑ کا ثبوت ہوتا ہے۔ یہاں اصول فقہ کا یہ مسئلہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ جو حکم اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے وہ بحالت انفراد قوت استدلال میں عبارۃ النص کے مثل ہوتا ہے۔

۳: ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (البقرۃ)۔

۴: بل احیاء عند ربہم یرزقون فرحین بما آتاہم اللہ من فضلہ (آل عمران)۔

ان دونوں آیتوں کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا ہے کہ:

وإذا ثبت انہم احیاء من حیث النقل فانہ یقویہ من حیث النظر کون الشہداء احیاء بنص القرآن والانبیاء افضل من الشہداء اھ۔

(فتح الباری ج ۶ ص ...)

"جب نقل کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شہداء زندہ ہیں تو عقل کے اعتبار سے بھی یہ بات پختہ ہو جاتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام تو شہداء سے بہرحال افضل ہیں۔"

غور فرمائیے! حافظ ابن حجرؒ کس قدر قوت کے ساتھ آیت کریمہ سے دلالۃ النص یعنی درجہ تواتر سے حیات الانبیاء کو ثابت فرما رہے ہیں۔

۵: فلما قضینا علیہ الموت ما دلہم علی موتہ الا دابۃ الارض تأکل منسأتہ۔ (سبا، پ ۲۲)۔

اس آیت سے بھی دلالۃ النص سے حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ جب کیڑوں نے مضبوط اور سخت ترین عصا سلیمانی کو کھا لیا تو جسم عنصری کا کھا لینا اس سے کہیں سہل تھا۔ اس کے باوجود جسم کا ٹکا رہنا بلکہ محفوظ رہنا حیات کی صریح دلیل ہے۔

حیات الانبیاء احادیث شریفہ کی روشنی میں

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون۔ (شفاء السقام ص ۱۳۴، حیاۃ الانبیاء للبیہقی)

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ اس حدیث کی سند کو نقل کرکے اس کے رواۃ کی توثیق کرتے ہیں اور اس کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ روایت بدون سند خصائص الکبریٰ ص ۲۸۱ میں ہے اور مسند ابویعلیٰ کے پہلے راوی کے علاوہ بقیہ رواۃ کے ساتھ فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲ اور فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۹ میں بھی مذکور ہے۔

حدیث شریف کی صحت کے متعلق علماء اسماء رجال کی تفصیلی آراء

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وصححه البیہقی (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲)۔ محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ووافقه الحافظ فی المجلد السادس۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۶۴)۔

نیز علامہ عثمانی رحمہ اللہ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۹)

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "رجال ابی یعلیٰ ثقات" (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱) ابویعلیٰ کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

علامہ عزیزی لکھتے ہیں "وهو حدیث صحیح" یہ حدیث صحیح ہے۔ (السراج المنیر ج ۲ ص ۱۳۴)۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورهم (مرقاۃ ج ۲ ص ۲۱۲)۔

الانبیاء علیہم احیاء فی قبورهم کی حدیث صحیح ہے۔

علامہ عبدالرؤف مناوی لکھتے ہیں کہ "هذا حدیث صحیح"۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۳ ص ۱۸۴)۔

یہ حدیث صحیح ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ابویعلیٰ بہ نقل ثقات از روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آوردہ کہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۰)۔

امام ابویعلیٰ ثقہ راویوں کی نقل سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں۔

" انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ وروحہ لا تفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم (تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین، ص) "

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ کے جسم مبارک سے جدا نہیں ہوتی، کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں "

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں

" وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورھم رواہ المنذری وصححہ البیہقی (نیل الاوطار، ج ۳، ص) "

بلاشبہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ علامہ منذریؒ نے یہ روایت بیان کی ہے اور امام بیہقیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے

علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں۔ رواہ ابو یعلی برجال ثقات ورواہ البیہقی وصححہ

(وفاء الوفاء، ج ۲، ص ۴۰۵)

ابو یعلیٰ نے ثقہ راویوں سے یہ روایت کی ہے اور امام بیہقیؒ نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ " اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں صحیح ہے۔ (فضائل درود ص)

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام ابو یعلیٰ کے طریق سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے

" ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام "

(ابو داؤد، ج ۱، ص ۲۷۹، واللفظ لہ، مسند احمد، ج ۲، ص ۵۲۷)

کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں "

حدیث کی صحت کے متعلق محدثین کرام کی آراء

امام سبکی رح فرماتے ہیں کہ " وھو اعتماد صحیح " ۔ (شفاء السقام ، ص [illegible]) ۔ امام ابوداؤد اور امام حاکم نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے اور یہ اسناد صحیح ہے ۔

— حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ " رواتہ ثقات " ۔ (فتح الباری ، پ ۲ ، ص [illegible]) ۔

— علامہ عزیزی رح لکھتے ہیں کہ " اسنادہ حسن " ۔ (السراج المنیر ، ج ۲ ، ص [illegible]) ۔

— حافظ ابن کثیر رح فرماتے ہیں " صححہ النووی فی الاذکار " (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ، ص [illegible]) ۔

— امام نووی رح فرماتے ہیں " باسناد الصحیح " ۔ (کتاب الاذکار ص [illegible]) ۔

— حافظ ابن تیمیہ رح لکھتے ہیں " وھو حدیث جید " ۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ۴ ص [illegible]) ۔

— علامہ زرقانی رح فرماتے ہیں " باسناد صحیح " ۔ (زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص [illegible]) ۔

— اور نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں " قال النووی فی الاذکار اسنادہ صحیح وقال ابن حجر رواتہ ثقات " ۔ (دلیل الطالب ، ص [illegible]) ۔

— علامہ سمہودی رح فرماتے ہیں " رواہ ابو داؤد بسند صحیح " ۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص [illegible])

— علامہ انور شاہ صاحب رح اور علامہ عثمانی رح فرماتے ہیں کہ " رواتہ ثقات " ۔ (عقیدۃ الاسلام ص [illegible] ، فتح الملہم ج ۱ ، ص [illegible]) ۔

— امام سخاوی رح فرماتے ہیں ۔ " روی احمد وابو داؤد والطبرانی والبیہقی باسناد حسن بل صححہ النووی فی کتاب الاذکار وغیرہ " ۔ (القول البدیع ص [illegible])

— اور علامہ محمد بن الشافعی البرسنوی رح فرماتے ہیں ۔

قال النووی فی الاذکار و ریاض الصالحین اسنادہ صحیح و صححہ ایضاً ابن القیم ۔ (ھامش حیاۃ الانبیاء للبیہقی ص [illegible]) ۔

اصول حدیث کی رو سے یہ روایت بالکل حسن اور صحیح ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ ہیں جیسا کہ آپ نے باحوالہ پڑھ لیا ۔ اور محدثین کرام کی خاص جماعت اس کی تحسین و تصحیح کرتی ہے ۔

۳ : حضرت اوس بن اوس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

" ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علی من الصلوۃ فیہ فان صلوتکم معروضۃ علی قال قالوا وکیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت قال

یقولون بلیت فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۰ ، ومشکل الآثار والطحاوی ص ۱۱ ، والنسائی ج ۱ ص ۲۰۴ ، والمستدرک ج ۱ ص ۲۷۸ ، ج ۴ ص ۵۶۰ ، وموارد الظمآن ص ۱۴۶ ، وابن ماجہ ص ۷۷ ، وسنن کبریٰ ج ۳ ص ۲۴۸ ، ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۶)۔

بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک جمعہ ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخ اولیٰ ہوگا اور اسی میں نفخ ثانیہ ہوگا۔ پس تم جمعہ کے دن بکثرت مجھ پر درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے!

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں (یعنی زمین ان کو کھا نہیں سکتی)۔

اس حدیث کی صحت اور محدثین عظام کے اقوال

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں۔ وصححه ابن خزیمة وغیرہ۔ (فتح الباری پ ۱۳ ص ۲۰۹)۔

— حافظ ابن القیم رح فرماتے ہیں۔ ومن تامل فی هذا الاسناد لم یشک فی صحته لثقة رواته وشهرتهم وقبول الائمة حدیثهم۔ (جلاء الافہام ص ۴۳)

— اور یہی الفاظ اس موقعہ پر علامہ ابن الہادی کے ہیں۔ (الصارم المنکی ص ۱۴۳)

— علامہ عینی رح لکھتے ہیں۔ صح عنه صلی اللہ علیه وسلم ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۹)

— حافظ ابن القیم رح ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

قد صح عن النبی صلی اللہ علیه وسلم ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء کما جاء

— علامہ سخاوی رح فرماتے ہیں۔ "انه حسن"۔ (القول البدیع ص ۱۶۱)

— اور علامہ عبد الغنی النابلسی لکھتے ہیں۔ "انه حسن صحیح" (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۹۷)۔

— اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح فرماتے ہیں۔ حدیث صحیح (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۵۰)

— علامہ انور شاہ کشمیری رح فرماتے ہیں۔ فانه صح عنه صلی اللہ علیه وسلم انه قال

ان اللہ عزوجل حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء ۔ (نزائن الاسرار ص)

اصولِ حدیث کے اعتبار سے یہ روایت بھی بالکل صحیح بلکہ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں نے اس حدیث کو صحیح علی شرط البخاری کہا ہے ۔ اور ایک دوسرے مقام پر دونوں نے صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے ۔

(مستدرک حاکم ، ص ۴۰۵) ۔

○

۴ ۔ حضرت ابوالدرداء رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں ارشاد فرمایا ہے ۔ " فنبی اللہ حیٌّ یرزق " ۔ (ابن ماجہ ، ص ۱۱۸)

" پس اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہے اور اس کو رزق ملتا ہے " ۔

حدیث شریف کی صحت محدثین عظام کے اقوال کی روشنی میں

حافظ المنذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

باسناد جید ۔ (الترغیب والترھیب ، ج ۳ ، ص ۲۹۸) ۔

۱ ۔ علامہ عزیزی رہ فرماتے ہیں ۔ " ورجالہ ثقات " ۔ (السراج المنیر ج ۱ ، ص ۲۴۰) ۔

۲ ۔ علامہ مناوی رہ کا ارشاد ہے ۔ قال الدمیری رجالہ ثقات ۔ (فیض القدیر ، ج ۲ ، ص) ۔

۳ ۔ علامہ زرقانی رہ فرماتے ہیں ۔ رواہ ابن ماجۃ برجال ثقات ۔ (زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۶) ۔

۴ ۔ حافظ ابن حجر رہ فرماتے ہیں ۔ قلت رجالہ ثقات ۔ (تہذیب التہذیب ، ج ۳ ، ص ۳۹۸) ۔

۵ ۔ علامہ سمہودی رہ فرماتے ہیں ۔ رواہ ابن ماجہ باسناد جید ۔ (خلاصۃ الوفا ، ص ۲۴) ۔

۶ ۔ ملا علی قاری رہ کا ارشاد ہے ۔ باسناد جید فنقل میرک عن المنذری ولہ طرق کثیرۃ (مرقاۃ ج ۲ ص ۲۰۹) ۔

۷ ۔ قاضی شوکانی رہ لکھتے ہیں ۔ باسناد جید ۔ (نیل الاوطار ، ج ۵ ، ص ۲۶۴) ۔

۸ ۔ اور مولانا شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں باسناد جید ۔ (عون المعبود ، ج ۱ ، ص ۴۰۵) ۔

○

۵ ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ۔

" ان للہ ملٰئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام " ۔

(نسائی شریف ج ۱ ، ص ۱۸۹ ، مسند احمد ج ۱ ، ص ۴۴۱ ، ابن ابی شیبہ ج ۲ ، ص ۵۱۷ ، موارد الظمآن ص ۵۹۴ ، مستدرک ج ۲ ، ص ۴۲۱ ، البدایۃ والنہایۃ ج ۱ ، ص ۲۲۵ ، الجامع الصغیر ج ۱ ، ص ۸۹ ، خصائص الکبریٰ ج ۲ ، ص ۲۸۰ ، تحریرات حدیث ص ۲۱۲ ، دارمی ص ۳۸۰) ۔

بیشک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسے فرشتے مقرر ہیں جو زمین میں گھومتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں ۔

۵ حدیث شریف کی صحت کے متعلق علامہ عزیزی رح لکھتے ہیں۔ حدیث صحیح (السراج المنیر ص ۲۲۵)۔

۔۔۔ علامہ ہیثمی رح فرماتے ہیں۔ رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴)۔

۔۔۔ امام حاکم اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔ صحیح۔ (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۲۱)۔

۔۔۔ امام سخاوی رح فرماتے ہیں۔ رواہ احمد والنسائی والدارمی وابو نعیم والبیہقی والعلی وابن حبان والحاکم فی صحیحہا وقال صحیح الاسناد۔ (القول البدیع ص ۱۱۵)۔

الغرض حدیث کے ان صاف بیانات سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ بلکہ علامہ سمہودی رح اور علامہ ابن الہادی رح کے بیان کے مطابق امام نسائی اور اسماعیل القاضی نے مختلف طرق سے اسانید صحیحہ کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۳۵۲، الصارم المنکی ص ۱۲۹)۔

۔۔۔ یہاں تک کہ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رح نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔
وتواتر بسندہ ابن عقیل۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۹۹)

---

۶ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

من صلی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی من بعید اعلمتہ۔

(جلاء الافہام لابن القیم ص ۱۹)

جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود پڑھا تو وہ مجھے (بواسطہ فرشتوں کے) پہنچایا جاتا ہے۔

اس حدیث شریف کے سلسلہ میں بھی محدثین کرام کی آراء ملاحظہ ہوں

حافظ ابن حجر رح حدیث کی سند طریق ابو الشیخ کے متعلق فرماتے ہیں۔ بسند جید (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲)۔

۔۔۔ علامہ سخاوی رح فرماتے ہیں۔ وسندہ جید (القول البدیع ص ۱۱۶)۔

حضرت ملا علی قاری رح فرماتے ہیں۔ بسند جید (مرقاۃ ج ۲ ص ۱۰)۔

۔۔۔ نواب صدیق حسن خان صاحب بھی لکھتے ہیں۔ اسناد جید (دلیل الطالب ص ۸۴۲)۔

۔۔۔ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رح بھی اس کو بسند جید فرماتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)۔

ان اکابر محدثین کرام میں سے حافظ ابن حجر رح خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جید اور صحیح ہے۔ ان دونوں لفظوں (جید اور صحیح) میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

چنانچہ امام سیوطی رح فرماتے ہیں ان ابن الصلاح یری التسویۃ بین الجید والصحیح۔

(تدریب الراوی ص [illegible])

چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور ان احادیث صحیحہ کثیرہ سے ثبوت موجود ہے۔ یہاں اختصار کی غرض سے چند احادیث صحیحہ کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اور امت کے ہر طبقہ میں ان کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لئے امام سیوطی رح نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

حیاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ هو وسائر الانبیاء معلومة عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلة فی ذلک وتواترت به الاخبار الدالة علی ذلک۔ (انباء الاذکیاء بحیات۔ الفتاوی امام سیوطی ج ۲ ص [illegible])

ایک دوسرے مقام پر تواتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

ان من جملة ما تواتر من النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیاة الانبیاء فی قبورهم۔ (نظم المتناثر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح عقیدہ سفارینی)

غرض اس باب میں اس کثرت سے احادیث وارد ہیں کہ جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

○

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے اسلام

ان احادیث صحیحہ اور دیگر دلائل شرعیہ سے علمائے امت نے جو کچھ کہا ہے اس مقام پر اس کا ذکر کرنا ایک حد تک ضروری ہے۔ تاکہ احادیث شریفہ کے صحیح مطالب کی تعیین کے ساتھ امت کا اجماعی نظریہ بھی واضح ہو جائے۔ جیسا کہ جواب کے آغاز میں عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہل السنۃ والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں بجسدہ موجود و حیات ہیں۔

اور اہل السنۃ والجماعۃ کلی طور پر چار طبقوں میں منقسم ہیں۔ ۱۔ مفسرین۔ ۲۔ محدثین۔ ۳۔ متکلمین۔ ۴۔ فقہاء۔ اس لئے لکھنے والے دلائل میں اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ لیکن مفسرین کے اقوال تقریباً ہر آیت کے بعد تفسیر کے طور پر ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ اب باقی تین طبقوں کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور محدثین عظام

حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں۔

ان حیاته صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورهم۔ (فتح الباری ج ۷ ص [illegible])۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے کہ جس پر موت پھر وارد نہیں ہوگی۔ بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اس عبارت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں زندگی صریح الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ زندگی دائمی اور مستمر ہے جس پر پھر موت طاری نہیں ہوتی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفی فرماتے ہیں۔

غیر الانبیاء علیہم السلام فانہم لا یموتون فی قبورہم بل ہم احیاء۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص [illegible] ، وفاء الوفاء ج ۲ ص [illegible] ، زرقانی ج ۵ ص [illegible])

ہاں! حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں۔

حضرت امام بیہقی رح فرماتے ہیں۔

ان اللہ جل ثناؤہ رد الی الانبیاء ارواحہم فہم احیاء عند ربہم کالشہداء

(حیاۃ الانبیاء ص [illegible])

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو ان کی طرف لوٹا دیا ہے پس وہ اپنے رب کے یہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاری رح ارقام فرماتے ہیں۔

المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورہم وہم احیاء عند ربہم وان لارواحہم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فہم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون (شرح شفاء ج ۲ ص [illegible])

قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کی ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے۔ جیسا کہ دنیا میں تھا۔ سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے لحاظ سے فرشی ہیں۔

اس عبارت میں حیات انبیاء علیہم السلام کو قابل اعتماد عقیدہ قرار دیا گیا ہے۔

علامہ سمہودی رح لکھتے ہیں۔

لا شک فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ وکذا سائر الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورہم حیاۃ اکمل من حیاۃ الشہداء التی

اخبر اللہ بہا فی کتابہ العزیز ۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۵)

وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شک نہیں۔ اور اسی طرح باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی حیات سے (جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیا ہے) بڑھ کر ہے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

واما ادلۃ حیاۃ الانبیاء فمقتضاھا حیاۃ الابدان کحالۃ الدنیا مع الاستغناء عن الغذاء ۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۸)

بہرکیف! حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں تھی مگر خوراک سے مستغنی ہیں۔

یعنی ان کی حیات جہاں شہداء کی منصوص حیات سے بڑھ کر ہے وہیں محض برزخی اور روحانی ہی نہیں ہے بلکہ جسمانی بھی ہے۔ مگر جس طرح دنیا میں اجسام عادۃً خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبر میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حسی اور دنیوی خوراک کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس سے وہ مستغنی ہیں۔ یہی بات شیخ الاسلام دہلوی رح فرماتے ہیں۔

از ایں احادیث معلوم شود کہ انبیاء زندہ اند در قبر بعد از وفات بحیات حسی، و اجساد ایشاں نیز ثابت باشند و پوسیدہ نگردند ۔ و آں حیات چو حیات دنیا باشد با وجود استغناء از غذا ۔ (تیسیر القاری ج ۱ ص ۱۰۹)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

و قول مختار و معتبر جمہور ہم ایں است کہ انبیاء بعد از وقت موت زندہ اند بحیات دنیوی۔

(تیسیر القاری ج ۳ ص ۴۴۸)

اس عبارت میں جہاں حیات بعد الممات کو جمہور کا قول بتلایا گیا ہے وہیں حیات کی کیفیت بھی متعین کر دی گئی ہے کہ وہ حیات، دنیوی حیات کی طرح ہے۔ یعنی جس طرح دنیوی حیات میں ان کو ادراک، علم اور شعور حاصل ہے اسی طرح اس حیات برزخی میں بھی یہ چیزیں حاصل ہیں۔ انہیں امور کی وجہ سے اس کو دنیوی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

علامہ تاج الدین السبکی رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

عن انس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون فاذا ثبت ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی فالحی لابد اما ان یکون عالما او جاھلا ولا نجوز ان یکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاھلا (معاذ اللہ) (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ج ۳، ص [illegible])

۷ــــ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوٰۃ والسلام۔ (طبقات الشافعیہ ج ۲، ص [illegible])

ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں حس و علم سے موصوف ہیں۔ اور آپ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچائے جاتے ہیں۔

غور کیجئے! حس اور علم سے متصف ہونا حیات کے لئے کس قدر واضح دلیل ہے۔

۸ــــ علامہ ابو الوفاء علی بن محمد بن عقیل الحنبلی کا ارشاد ہے۔ وھو حی فی قبرہ یصلی (الروضۃ البہیۃ ص ۱۲)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

۹ــــ امام برہان الدین ابن الحنبلی جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح کے فتاویٰ کا اختصار کیا ہے لکھتے ہیں۔

"والانبیاء احیاء فی قبورھم وقد یصلون" (مختصر الفتاویٰ ص [illegible])

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بسا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں۔

یعنی تکلیفی زندگی تو رہی نہیں بلکہ وہ حضرات نماز تلذذ کے طور پر پڑھتے ہیں اس لئے پابندی لازم نہیں اور وقد یصلون کہہ کر اسی حقیقت کو آشکارا کر دیا گیا ہے کیونکہ قد مضارع پر داخل ہو کر اکثر تقلیل کا فائدہ دیتا ہے۔ ([illegible] ج ۲ ص [illegible] ، فتح الملہم ص [illegible])

علامہ عزیزی رح حدیث ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ الا رد اللہ علی روحی ای رد علی نطقی لانہ حی دائما وروحہ لا تفارقہ لان الانبیاء احیاء فی قبورھم۔ (السراج المنیر ج ۳ ص [illegible])۔

اور روح سے مراد نطق ہے کیونکہ آپ دائمی طور پر زندہ ہیں۔ آپ کی روح مبارک آپ سے الگ نہیں ہوتی کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاری رح فرماتے ہیں

فحصل الجواب ان الانبیاء احیاء فی قبورھم۔ (مرقاۃ ج ۲ ص [illegible])۔

پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری الحنفیؒ حدیث شریف سے مسئلہ حیات الانبیاء کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وفیہ دلیل علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی حیوۃ مستمرۃ۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۱۶۰)

"اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبر علیہ السلام دوامی طور پر زندہ ہیں"

مندرجہ بالا عبارات میں آپ نے دیکھ لیا کہ جمہور محدثین بیک زبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات جسمانی دوامی کے قائل ہیں۔

○

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمہور متکلمین کی آراء کی روشنی میں

۱۔ علامہ تاج الدین سبکیؒ متکلمین اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

■ ومن عقائدنا ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم۔ (طبقات ج ۳ ص ۴۱۲)

"ہمارے عقیدے میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں"

۲۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

■ وعندھم محمد صلوٰۃ اللہ علیہ حی فی قبرہ۔ (الرسائل القشیریہ ص ۱۰)

"اشاعرہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں"

ان عبارات میں صاف تصریح ہے کہ اہل السنت والجماعت کے امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ کے نزدیک مسلم عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں۔ اور یہ اصل بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ جب علم کلام میں لفظ اشاعرہ بولا جائے تو کلام کے دونوں مکتب فکر اشعری اور ماتریدی مراد ہوتے ہیں اب مطلب صاف ہے کہ اہل السنت والجماعت کے دونوں طبقے اشعری اور ماتریدی کا مجموعی عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مطہر میں زندہ ہیں۔

چنانچہ امام ابومنصور طاہر الشافعی البغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی بعد وفاتہ یسر بطاعات امتہ۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۵)

"ہمارے اصحاب کے متکلمین محققین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کے طاعات سے خوش ہوتے ہیں"

اصحابنا سے متکلمین کی جماعت مراد ہو یا شوافع کی، بہر صورت ان میں محققین کا مسلک اور تحقیق یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

فقہائے اسلام اور مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فقیہ وقت علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفی رحمہ لکھتے ہیں۔

ولما هو مقرر عند المحققين انه صلى الله عليه وسلم حي يرزق متمتع بجميع الملاذ والعبادات غير انه حجب عن ابصار القاصرين عن شريف المقامات۔ (نور الایضاح، صفحہ ...)

محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں مگر ان نگاہوں سے او جھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔

اس عبارت میں محققین کا مسلک یہ بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور رزق و عبادات سے متمتع ہیں۔ لیکن یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہان کا ہے۔

علامہ ابن عابدین الشامی رح فرماتے ہیں

ان الانبياء احياء في قبورهم كما ورد في الحديث۔ (رسائل ابن عابدین ج ۲ صفحہ ...)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رح جو متاخرین حنفیہ میں معتمد الکل ہیں کس طرح صراحت کے ساتھ حدیث شریف سے استدلال کر کے حیات الانبیاء کا نظریہ پیش کر رہے ہیں۔

علمائے دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہل السنت والجماعت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام عنصریہ مبارکہ کے ساتھ قبروں میں موجود اور حیات ہیں۔

علمائے دیوبند چونکہ خالص اہل السنت والجماعت ہیں اور اس صدی میں اہل سنت کے سب سے بڑے ترجمان ہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر اس بات میں بزرگان دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو جمہور کا ہے۔ ذیل میں

علمائے دیوبند کے ایسے حوالے نقل کئے جا رہے ہیں جن سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ تمام علمائے دیوبند متفقہ طور پر حیات الانبیاء کے قائل ہیں۔ دلائل کے ذکر کرنے میں یہاں بھی وہی ترتیب قائم رہے گی جو پہلے تھی یعنی سب سے پہلے محدثین، پھر متکلمین اور اس کے بعد فقہاء کے اقوال نقل کئے جائیں گے۔ ملاحظہ ہو۔

محدثین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سہارنپوری محشی بخاری فرماتے ہیں۔

والاحسن ان یقال ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یتعقبہا موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورہم۔ (حاشیہ بخاری ج ۱ ص [illegible])

بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت طاری نہیں ہوتی بلکہ دوامی حیات آپ کو حاصل ہے۔ اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما ان الانبیاء احیاء فی قبورہم۔ (بذل المجہود شرح ابو داؤد ج ۲ ص [illegible])

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ قبروں میں بالکل محفوظ ہیں تو قبر میں حیات کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ روح مبارک کا جسم اطہر سے تعلق ہے اور اسی کی بدولت حیات حاصل ہے۔

حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ودلت النصوص الصحیحۃ علی حیاۃ الانبیاء۔ (فتح الملہم ج ۱ ص [illegible])

نصوص صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر بھی علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامۃ۔ (فتح الملہم ج ۳ ص [illegible])

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ یہ ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں وہیں یہ بات بھی ثابت کی

گئی ہے کہ آپ اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں ۔ورنہ اذان و اقامت سے نماز پڑھنا حیات عنصری کی دلیل ہے۔

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رح فرماتے ہیں ۔

ان کثیرا من الاعمال قد تثبت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی وقراءۃ القرآن عند الترمذی ۔ (فیض الباری ، ج ۱ ، ص۱۸۳) ۔

قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان و اقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں اور قرأت قرآن کا ثبوت ترمذی کی روایت میں ؟

غور کیجئے ! قبر میں اذان و اقامت کا ثبوت اسی طرح قرأت قرآن کا ثبوت حیات نبوی کی کس قدر صریح دلیل ہے ۔

حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ بجسدہٖ زندہ ہیں۔

(التکشف ، ص ۷۹۴)

حضرت اقدس مولانا ابو المحسن عبد الہادی محمد صدیق صاحب نجیب آبادی لکھتے ہیں ۔

انہم تتفقوا علی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بل حیاۃ الانبیاء علیہم السلام متفق علیہا لا خلاف لاحد فیہ ۔ (انوار المحمود شرح ابو داؤد : ج ۱ ، ص ۵۱۱)

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے ۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول و مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ۔ غور فرمایئے ۔

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہم العالی حدیث ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

" کہ علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبروں میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے "

آگے فرماتے ہیں

" اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر میں حیات حاصل ہے "

(معارف الحدیث ، ج ۵ ، ص۱۸۰)

حضرت اقدس قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح حدیث شریف ونبی اللہ

حی مرزوق سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں و ان نبی اللّٰہ حی یرزق" (جمال الاولیاء، ص۸۸)

مولانا تھانوی رح فرماتے ہیں۔

"پس آپ کا زندہ رہنا اپنی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اسی عالم کے مناسب ہو سکتا ہے۔"
(نشر الطیب، ص۲۱۱)

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہم العالی حدیث ان للّٰہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔ کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

"کہ اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوگئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہی درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے۔ لیکن اللّٰہ تعالیٰ جس کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہوکر صلوۃ و سلام عرض کرے تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔" (معارف الحدیث ج ۵ ص ۱۸۰)

اکابرین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح متفقہ طور پر علماء دیوبند کی ترجمانی کرتے ہوئے اجماعی عقیدہ بیان فرماتے ہیں۔

"عندنا و عند مشائخنا حیاۃ حضرۃ الرسالۃ صلی اللّٰہ علیہ وسلم دنیویۃ من غیر تکلیف وھی مختصۃ بہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وبجمیع الانبیاء صلوات اللّٰہ علیہم والشہداء لا برزخیۃ کما ھی لسائر المؤمنین بل لجمیع الناس کما نص علیہ العلامۃ السیوطی فی رسالۃ انباء الاذکیاء لحیوۃ الانبیاء حیث قال، قال الشیخ تقی الدین سبکی رح حیوۃ الانبیاء والشہداء فی القبر کحیوتہم فی الدنیا ویشھد لہ صلوۃ موسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فان الصلوۃ تستدعی جسدا حیا (الی اخرھا قال) فثبت بھذا ان حیوتہ دنیویۃ برزخیۃ لکونھا فی عالم البرزخ"

(المہند علی المفند، ص۱۲۱)

" ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں
اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے
تمام مسلمانوں بلکہ سب انسانوں کو۔ چنانچہ علامہ سیوطی رح نے اپنے رسالہ انباہ الاذکیاء
بحیوۃ الانبیاء میں بتصریح لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکی رح نے فرمایا ہے کہ
انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی۔ اور موسیٰ علیہ السلام
کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔ الخ
پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے۔ اور اس معنی کر برزخی بھی
کہ عالم برزخ میں حاصل ہے "

یہ عبارت رسالہ " المہند علی المفند " سے ماخوذ ہے۔ یہ رسالہ علماء نے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً
کے ان چھبیس اعتقادی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو اتفاقی اور اجماعی عقیدے کہلاتے ہیں۔ جسے محدث جلیل
علامہ محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح نے مرتب کیا۔ اور جس پر اپنی جماعت دیوبند
کے تیئیس بزرگوں (جن میں خصوصیت سے

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند۔
حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی۔
حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند۔
حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح
حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رح
حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی رح
حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی رح
حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رح

دستخط ہیں) قابل ذکر ہیں۔ کی تصدیقات لکھوا کر علماء حرمین شریفین اور دیگر ممالک اسلامیہ کے علماء کو بھیجیں۔
وہ حضرات ان کے تسلی بخش جوابات دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ اس طرح یہ رسالہ اور یہ جواب علماء دیوبند کا اجماعی
جواب ہے۔ اس اجماعی اور مرکزی جواب کے بعد مزید کچھ لکھنے یا کہنے کی مطلقاً ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم
مزید چند حوالے اطمینان خاطر کے لئے ملاحظہ ہوں۔

○ حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح فرماتے ہیں ۔

" حضرات انبیاء زمرہ میں ان کی موت ان کی حیات کے لئے ساتر ہے ۔ رافع حیات اور دافع حیات نہیں ۔" (آب حیات ص ۱۴۹، ۱۵۰ ۔ بحوالہ سیرت المصطفیٰ)

واضح رہے کہ حضرت نانوتوی رح نفس موت کو اعتقاد لازم اور ضروری سمجھتے ہیں ۔ چنانچہ فرماتے ہیں ۔

" کہ میں انبیاء کرام کو انہیں اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں اور حسب ہدایت كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ تمام انبیاء کرام کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے ۔ اور اس ظاہری صورت کی وجہ سے حضرات انبیاء کرام کا قبروں میں مستور ہو جانا بمنزلہ چلہ کشی یا پردہ نشینی یا گوشہ نشینی کہا جائے گا لیکن انبیاء کرام کی زندگی پر یہ موت ظاہر بینوں کی نظر سے مستور ہے مثل امت کے ان کی موت میں زوال نہیں ہے ۔" (لطائف قاسمی، ص ۳۳)

اور دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

۱ : اور دلیل یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کا حسب سابق صحیح و سالم رہنا اور تغیر و عفونت سے بالکل محفوظ رہنا ۔

۲ : اور ہمیشہ کے لئے ان کی ازواج مطہرات کے نکاح کا حرام ہونا ۔

۳ : اور ان کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا ۔

امور ثلاثہ میں سے ہر امر حیات انبیاء کرام پر شاہد عدل ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق منقطع نہیں ہوتا بلکہ موت کے بعد بھی انبیاء کرام کا اپنے بدن سے اسی قسم کا تعلق ہے جس قسم کا پہلے تھا ۔ (آب حیات، ص ۱۴۹، ۱۴۰)

○ شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی رح فرماتے ہیں کہ

" آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سے وجوہ سے اس سے قوی تر ۔" (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱، ص ۱۳۰)

حضرت مدنی رح کی مراد بظاہر حیات جسمانی اور دنیوی سے یہ ہے کہ آپ کی روح مبارک کا تعلق جسد مثالی سے قائم نہیں ہوتا جیسا کہ بعض صوفیاء کرام کا نظریہ ہے ۔

" بلکہ روح کا تعلق دنیوی جسم سے قائم ہوتا ہے اور یہاں معنی یہ حیات جسمانی اور دنیوی ہے ۔"

چنانچہ حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح نے ایک مقام پر صاف لفظوں میں اس کی تصریح فرمائی

"انبیاء کرام علیہم السلام کو بیداری دنیا کے حساب سے زندہ کہیں گے" (لطائف قاسمیہ، ص ۴)

۶— حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے ہیں۔

"آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں (نبی اللہ حی یرزق)" (ہدایۃ الشیعہ، ص ۳۰)

۷— حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں۔

"پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا۔ اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے" (نشر الطیب، ص [illegible])

۸— حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں۔

"اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شہداء کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہے اور بحث اس کی طویل ہے" (فتاویٰ دار العلوم مکمل و مدلل، ج ۵، ص [illegible])

۹— حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب پاکستان ہی کے ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں کہ

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود اور حیات ہیں" (فتاویٰ دار العلوم غیر مطبوعہ)

حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور اصحاب ظواہر

اس سے قبل جتنے حوالے نقل کئے گئے ہیں وہ ان حضرات کے ہیں جو فروعی مسائل میں کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے۔ کوئی حنفی تھا، کوئی مالکی، کوئی شافعی تھا تو کوئی حنبلی۔ پھر قاضی شوکانی اور نواب صدیق حسن خان صاحب کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اتمام حجت کے لئے ہم اس مقام پر اصحاب ظواہر کے کچھ حوالے بھی نقل کر دیں۔ تاکہ حیات انبیاء کرام کی حقیقت بالکل روشن ہو جائے۔ اور اجماع امت کا دعوےٰ بھی صاف ہو جائے۔

○ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں۔

وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم
حي بعد وفاته وانه يسر بطاعات امته وان الانبياء لا يبلون مع
ان مطلق الادراك كالعلم والسماع ثابت لسائر الموتى (الى ان قال)
وورد النص في كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء يرزقون وان
الحيوة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالانبياء والمرسلين وقد ثبت
في الحديث ان الانبياء احياء في قبورهم رواه المنذري وصححه
البيهقي وفي صحيح مسلم عن النبي صلى الله عليه وسلم قال مررت بموسى
ليلة اسري بي عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلي۔ (نيل الاوطار، ج ۳، ص [illegible])

بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں۔ اور اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں اور یہ کہ انبیاء کرام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ مطلق ادراک جیسے علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مردوں کے لئے ثابت ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء و مرسلین کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہوگی۔ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ امام منذری رح نے اس کو روایت کیا۔ اور امام بیہقی رح نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی شب سرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔"

قاضی شوکانی رح کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ شہداء کی حیات جسمانی کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کی زندگی بطریق اولیٰ جسمانی ہے۔ اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کی وفات تو ہوئی ہے لیکن وہ اس کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم۔ (نیل الاوطار، ج ۵، ص [illegible])

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

○ استاد ابو منصور البغدادی رح فرماتے ہیں۔

قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی بعد وفاتہ ویؤید ذلک ما ثبت ان الشہداء احیاء یرزقون فی قبورھم والنبی صلی اللہ علیہ وسلم منہم۔

(نیل الاوطار، ج ۵، ص [illegible])

ہمارے اصحاب میں متکلمین محققین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں۔ اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں۔"

○ شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں۔

والذی نعتقد ان رتبۃ نبینا صلی اللّٰہ علیہ وسلم اعلی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانہ حی فی قبرہ حیوۃ مستقرۃ ابلغ من حیات الشہداء المنصوص علیہا فی التنزیل لانہ افضل منہم بلا ریب وانہ یسمع من یسلم علیہ۔ (اتحاف النبلاء ص ۴۱۵)

"جس چیز کا اعتقاد رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بلند تر ہے۔ اور آپ اپنی قبر میں حیات دائمی سے متصف ہیں جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ اور ارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں۔ اور جو شخص آپ پر عند القبر سلام کہتا ہے آپ اس کو سنتے ہیں"۔

اس عبارت سے آفتاب نیم روز کی طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ علماء نجد کا بھی یہی نظریہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی منصوص حیات سے اعلیٰ وارفع ہے۔

اما الکلام علی حیوۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاعتقادنا فی ذالک اعتقاد سلف الامۃ وائمتنا وھم الاسوۃ۔

(الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیۃ ج ۱ ص ۲۷۱)

بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارے میں ہمارا وہی اعتقاد ہے جو سلف امت اور ہمارے ائمہ کا اعتقاد ہے۔ اور وہی اس میں ہمارے مقتداء ہیں۔

متأخرین اصحاب ظواہر کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ لکھتے ہیں۔

"حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہے"۔

(فتاویٰ نذیریہ ج ۲ ص ۵۵)

○ اور مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں۔

ان الانبیاء احیاء فی قبورھم۔ (عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۵)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

دوسرا اور اصحاب ظواہر بھی جملہ اہل الرائے حضرات کے ساتھ اس امر پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبور اور برزخ میں زندہ ہیں ۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے ۔ اور امام بیہقی وغیرہ نے اس مسئلہ پر صرف باب ہی قائم نہیں کیا بلکہ مستقل رسالہ اور کتاب لکھ کر اس کو اجاگر کیا ہے اسی طرح دیگر کتب حدیث، شروح حدیث اور کتب فقہ و تفسیر میں اس مسئلہ پر خاصا مواد اور دلائل موجود ہیں جن سے انصاف و دیانت کی دنیا میں علی وجہ البصیرت اغماض و اعراض نہیں کیا جا سکتا ۔

اجماع امت اور حیات الانبیاء

" اجماع امت اور حیات الانبیاء " کے عنوان کے تحت آپ نے تفصیل سے دیکھ لیا کہ اجماع پر خاصی روشنی پڑ چکی ہے بلکہ سطر سطر سے اجماع کا ثبوت ہو چکا ہے ۔ تاہم مزید اطمینان قلب کی خاطر اجماع سے متعلق چند صریح حوالے نقل کئے جا رہے ہیں ۔

○ امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاویؒ لکھتے ہیں کہ ۔

نحن نؤمن ونصدق بانه صلی اللہ علیه وسلم حی یرزق فی قبره و ان جسده الشریف لا تأکله الارض والاجماع علی هذا ۔

(القول البدیع صفحہ ۱۲۵)

ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسد اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اسی پر اجماع منعقد ہے ۔

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مبارک میں زندہ ہونا اور آپ کو رزق ملنا اور جسد اطہر کا محفوظ رہنا اجماع امت سے ثابت ہے ۔ اگر بالفرض قرآن و حدیث سے اس کا ثبوت نہ بھی ہوتا تب بھی امت مسلمہ کا اجماع شرعی دلائل میں سے ایک وزنی دلیل ہے ۔

○ علامہ محمد عابد سندھیؒ لکھتے ہیں ۔

اما هم فحیاتهم لا شك فیها ولا خلاف لاحد من العلماء فی ذلك الی ان قال: فهو صلی اللہ علیه وسلم حی علی الدوام ۔ (رسالہ سندھیہ ص ۳)

بہرحال حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے ۔ پھر آگے فرمایا، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں ۔ کسی کا اختلاف نہ ہونا ہی اجماع سکوتی ہے ۔

○ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح فرماتے ہیں۔

"حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلافے نیست۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

شیخ محدث دہلوی رح ایک وسیع النظر عالم ہونے کے باوجود کس وضاحت سے اجماع کا دعویٰ کر رہے ہیں ملاحظہ ہو۔

○ نواب قطب الدین خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات وہاں کی حقیقی جسمانی اور دنیا کی سی ہے۔" (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۸)

نواب صاحب "دنیا کی سی" کا جملہ بول کر یہ حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ حیات من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے کہ جس کھانے پینے کی حاجت ہو، بلکہ بعض وجوہ سے دنیوی ہے۔ مثلاً ادراک، علم اور شعور وغیرہ۔

○ علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی لکھتے ہیں۔

"والحاصل ان حیاۃ الانبیاء ثابتۃ بالاجماع۔" (المنحۃ الوہبیہ)۔

حاصل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔

بزرگان دیوبند اور اجماع حیات الانبیاء

مولانا ابوالحسنات عبدالباری صاحب نجیب آبادی لکھتے ہیں۔

"انہم اتفقوا علی حیٰوتہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بل حیاۃ الانبیاء علیہم السلام متفق علیہا لا خلاف لاحد فیہ۔" (بذل المجہود شرح ابوداؤد ج ۲ ص ۱۱۷)

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

○ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رح فرماتے ہیں۔

"تمام اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و عبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی یہ حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۂ مؤمنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔"

(سیرۃ المصطفیٰ ج ۳ ص ۲۵۸)

اہلحدیث علماء ظواہر حضرات اور اجماع حیات الانبیاء علیہم السلام

مشہور ظاہری عالم مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی لکھتے ہیں۔

" اہل سنت کے دونوں مکاتب فکر اصحاب الرائے اور اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں بہرحال ہیں۔ (آگے فرماتے ہیں کہ) انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں صحیح احادیث میں انبیاء کے متعلق عبادات وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ (حیات النبی ص۴۳)

قیاس صحیح اور حیات الانبیاء

حافظ ابن حجر عسقلانی رح فرماتے ہیں

" وإذا ثبت أنهم أحياء من حيث النقل فإنه يقويه من حيث النظر كون الشهداء أحياء بنص القرآن والأنبياء أفضل من الشهداء " (فتح الباري ج ۶ ص ۳۷۹)

غور فرمائیے! جب شہداء کی زندگی نص قرآنی سے ثابت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں تو حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث انس رض کی رو سے تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہی ہے۔ عقلی اور نظری طور پر دلالۃ النص سے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہے۔ اس لئے کہ وہ شہداء سے افضل ہیں۔ تو لامحالہ ان کی حیات بھی شہداء سے افضل اور برتر ہوگی۔ لہذا نقل و عقل سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہے۔ جو اس مسلک کے خلاف رائے رکھے تو اتنی بات یقینی ہے کہ اس کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

○

سوال ۲

جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سرور دو عالم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں محض بے جان اور مردہ ہیں اور آپ کی دنیا کی سی زندگی کا انکار کرتے ہیں، یہ کس فرقے کا عقیدہ ہے نام متعین فرمائیں؟

○

الجواب ۲

تاریخ اسلام میں سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے اس عقیدے کا انکار کیا ہے چنانچہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن المعروف بہ علامہ قشیری رح فرماتے ہیں کہ۔

ان میں سے جس کی بناء پر فقہاء نے حجاج بن یوسف پر کفر کا فتویٰ دیا تھا، ایک بڑا جرم یہ ہے کہ حجاج جب مدینہ آیا اور زائرین حرم اطہر کو دیکھا کہ وہ پروانہ وار روضۂ اطہر کے اردگرد جمع ہو رہے ہیں تو اس نے کہا کہ تم لوگ لکڑیوں اور گلی سڑی ہڈیوں کا طواف کر رہے ہو، اس پر علماء نے

اس پر کفر کا فتوے لگا دیا۔ (بحوالہ رحمت کائنات ص ۵)

اسی طرح فرقہ ــــــــ کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیائے کرام کو بشمول جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موت کے بعد نبوت سے معزول کر دیا جاتا ہے (نعوذ باللہ) یہ عقیدہ درحقیقت اس بات کا انکار ہے کہ نبی علیہ السلام کو موت ظاہری کے بعد حیات دائمی حاصل ہے۔ اسی طرح فرقہ کرامیہ بعض معتزلہ اور رافضیہ کا بھی عقیدہ عدم حیات کا ہے۔

سوال ۳: حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ رکھنے والے کی نماز منکر حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کیا حکم رکھتی ہے؟

الجواب: بلاشبہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر بدعتی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ علامہ حصکفی رح فرماتے ہیں۔

ویکرہ امامۃ مبتدع ای صاحب بدعۃ۔ (الدر المختار ج ۱ ص [illegible])

قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح فرماتے ہیں۔

• بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ج ۳ ص ۱۱۸)

سوال ۴: صحابہ کرام رض کا سردار دو عالم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کی زیارت کے لئے نہ جانا اس عقیدہ کی بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ وسلام نہیں سنتے، کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: پہلے سوال کے جواب میں دلائل کثیرہ سے آفتاب نیم روز کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور قبر اطہر کے قریب پڑھا جانے والا درود شریف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم خود بلا واسطہ سنتے ہیں، اس لئے سلسلہ اسلام کے چودہ سو سالہ دور میں مسلمانوں کا عمل اسی عقیدہ پر رہا ہے۔ کہ جس نے حج کیا اس نے مدینہ منورہ کی زیارت ضرور کی۔ تاکہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں صلوۃ وسلام کا تحفہ پیش کر سکے۔ مسلمانوں کا یہ عمل احادیث کثیرہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

زیارت روضۂ اطہر

اَحَادِیْث شَرِیْفَہ کی رَوشنی مِیں

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

۱۔ من زار قبری وجبت لہ شفاعتی (رواہ ابن خزیمہ، دار قطنی، بیہقی باسناد حسن بحوالہ الدر السنی ص ۲)

جس نے میری قبر کی زیارت کی تو بلا شبہ اس کے لئے میری شفاعت ثابت ہو گئی۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

من زار بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۴۰۳)

جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی ہی میں زیارت کر لی۔

غور فرمایئے! کس قدر مبالغہ کے ساتھ زیارت کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

وعدہ کے بعد وعید کی روایتیں بھی ملاحظہ فرمائیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

۲۔ من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی۔ (طحطاوی ص ۴۰۳)

جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے بلا شبہ میرے ساتھ زیادتی کی۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

من وجد سعۃ ولم یزرنی فقد جفانی۔ (فصل فی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن عدی بسند حسن۔ طحطاوی ص ۴۰۳)۔

انہیں وعدہ و وعید کی روایات کی بنا پر پوری امت نے یہ سمجھا کہ روضۂ اقدس کی زیارت گو عقائد کے اعتبار سے سنت ہی تاہم عملی اعتبار سے واجب کے قریب ہے، چنانچہ محقق علی الاطلاق شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں۔

ان زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستحبۃ وقریبۃ من الواجب،

نظروا الی ہذا النزاع وہو الحق عندی فان الاسلاف الاولون من المسلمین

کانوا یشدون رحالہم لزیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویزعمونہا

من اعظم القربات۔» (فیض الباری ج۲ ص ۴۳۳)۔

○ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں۔

«انہا قریبۃ من الوجوب لمن لہ سعۃ» (شامی ج۲ ص ۲۴۹)۔

○ مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ فرماتے ہیں۔

«تصریح کردہ است در بعض کتب بوجوب آں بدلیل قوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم من حج ولم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند جید حسن ونیز مروی است از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرمود من زار قبری وجبت لہ شفاعتی رواہ الدارقطنی والطبرانی والبزار وصححہ عبد الحق ونیز فرمود صلی اللہ علیہ وسلم من زار قبری بعد موتی کمن زارنی فی حیاتی رواہ ابوسعید بن منصور والدارقطنی وارد شدہ اند در فضل زیارت احادیث وآثار بسیار کہ اکتفا کردہ شد از آنہا بریں مقدار طلبا للاختصار۔»

(حیات القلوب ص ۲۹۸)

اجماع امت اور زیارت روضۂ اقدس

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ زیارت نبوی جہاں احادیث کثیرہ سے ثابت ہے وہیں بغیر کسی اختلاف کے تعامل امت کے ساتھ اجماع امت سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ مخدوم ہاشم سندھیؒ فرماتے ہیں۔

«بدانکہ اجماع کردہ اند مسلمانان برآنکہ زیارت پیغمبر علیہ السلام از اعظم قربات وافضل طاعات واکد سنن ومندوبات است۔» (حیات القلوب ص ۲۹۸)۔

○ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرماتے ہیں۔

«اعلم ...ان زیارۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم باجماع المسلمین من غیر ضرورۃ بما ذکرہ بعض المخالفین من اعظم القربات وافضل الطاعات وانجح المساعی لنیل الدرجات قریبۃ من درجۃ الواجبات بل قیل انہا من الواجبات لمن لہ سعۃ وترکہا غفلۃ عظیمۃ وجفوۃ کبیرۃ وفیہ اشارۃ الی حدیث استدل بہ علی وجوب الزیارۃ ہو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من حج ولم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند حسن وجزم بعض المالکیۃ بان المشی الی المدینۃ

افضل من الكعبة و بيت المقدس ۔ (بذل المجہود ، ج ۳ ، ص ۴۴)

اس عبارت میں یہاں بھی تصریح ہے کہ زیارت نبوی اجماع امت سے ثابت ہے۔ وہیں یہ بھی ذکر ہے کہ بعض کے اختلاف سے اجماع متأثر نہیں ہوگا۔ نیز مدینہ کی تعیین کے ساتھ ترک زیارت کو ..... عظیم غفلت اور بڑی نادانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ یہ بھی بتلایا گیا کہ بعض مالکیہ کے نزدیک مدینہ جانا کعبہ اور بیت المقدس جانے سے بہتر ہے۔ ہمارے فقہائے احناف نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر فرض حج کے لئے گیا ہے تو پہلے حج کرے، (بعد میں زیارت کرے) اور اگر حج فرض نہیں ہے تو پھر اختیار ہے خواہ پہلے زیارت کو جائے پھر حج کرے، یا پہلے حج اور بعد میں زیارت کرے۔ قالوا : ان كان الحج فرضا قدمه عليها والا تخير۔ (طحاوی ص ۴۰۵) پھر مدینہ جانے میں بھی بہتر یہ ہے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت کرے۔ والاولى في الزيارة تجريد النية لزيارة قبره صلى الله عليه وسلم۔ (طحاوی ، ص ۴۰۵)

الحاصل مسلمانوں کا یہ عمل امت محمدیہ کا عظیم اجماع ہے جس پر دور صحابہؓ سے لے کر آج تک عمل ہو رہا ہے۔

اتفق مالك والشافعي وابو حنيفة واحمد على ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم من افضل المندوبات۔ (حاشیہ کتاب شیخ الاسلام ، ج ، ص ...)

لہذا اس نظریہ کی بنیاد پر کہ معاذ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنتے، روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے نہ جانا، اور جملہ ان احادیث صحیحہ کا (جن میں سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر اور زیارت نبوی کی تصریح ہے)۔ انکار ہے بلکہ اجماع امت سے انحراف ہے جس کی اہانت و رسالت کی دنیا میں قطعاً قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ وہیں سخت محرومی اور حرمان نصیبی بھی ہے۔ چنانچہ "بذل المجہود" کی عبارت گزر چکی ہے کہ وتركها غفلة عظيمة وجفوة كبيرة ......

○ نیز علامہ سندھی فرماتے ہیں۔

"و ترک کردن زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع الامکان غفلتے است عظیمہ وجفائے عظیم۔"

(حیات القلوب ، ص ۲۹۵)

اس لئے گنجائش کے باوجود زیارت کے لئے نہ جانا موجب وعید شدید ہے۔

سوال ۵

منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام فی القبور، قائلین حیات الانبیاء فی القبور کو دجال، کذاب، و مشرک کہتے ہیں۔ آیا یہ منکرین حیات الانبیاء فی القبور دیوبندی کہلانے کے مستحق ہیں؟

الجواب ۸ — منکرین حیات الانبیاء، دیوبندی تو کجا بعض اکابر نے تو ان کو اہل السنت والجماعت سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند ایسے شخص کو اہل السنت والجماعت سے خارج قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

"اس باب (حیاۃ الانبیاء) میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اور جو انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور اہل السنت والجماعت سے خارج ہے۔" (فتاویٰ دارالعلوم غیر مطبوعہ)۔

اس فتوے پر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ، مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور، مولانا محمد ضیاء الحق صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور۔ استاذ الکل حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب ہزاروی کے بھی دستخط ہیں۔ مگر طرفہ یہ ہے کہ خود ایسے لوگ (منکرین حیات الانبیاء) دوسرے صحیح العقیدہ مسلمانوں کو خصوصاً علماء کو کافر، مشرک اور دجال کہیں۔ یہ ایک حیرت انگیز بات ہے۔ ؎

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے!

ان کو غالباً اس کی خبر نہیں ہو ورنہ نقل کیا گیا ہے۔

سوال ۹ — منکرین ثواب و عذاب قبر کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب ۹ — جملہ اہل السنت والجماعت اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ قبر و برزخ میں اہل ایمان اور اصحاب طاعات کو لذت و سرور نصیب ہوتا ہے اور کفار و منافقین کو نیز گنہگاروں کو عذاب و تکلیف ہوتی ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن و سنت اور اجماع امت کے صحیح دلائل کے پیش نظر یہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ حضرات فقہاء کرام کا ایک طبقہ بلا تاویل عذاب قبر کے منکر کو کافر کہتا ہے حالانکہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑا ہی محتاط ہے۔ اور ان کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کسی ایک کلمہ میں مثلاً سو میں سے ننانوے احتمال بھی پیدا ہو سکتا ہو جن میں ننانوے پہلو کفر کے نکلتے ہوں اور صرف ایک ہی پہلو اسلام کا پیدا ہوتا ہو تو قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قائل کی مراد پہلوئے اسلام ہی کا پہلو ہو۔ ہاں! اگر خود ہی وہ کفر کا کوئی معنی اور پہلو متعین کر دے تو پھر کفر کے فتویٰ سے اس کو کوئی تاویل نہیں بچا سکتی۔ مسئلہ کی وضاحت کے لئے مستند حضرات فقہاء کرام میں سے چند بزرگوں کی شہادتیں نقل کی جاتی ہیں۔

عذاب و راحت قبر کا منکر اور فقہائے اسلام

علامہ طاہر احمد الحنفی لکھتے ہیں کہ

ولا یجوز الصلوٰۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وینکر الکرام

الکاتبین وعذاب القبر کذا من ینکر الرؤیۃ لانہ کافر "

خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۱۴۹]۔

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور کرام کاتبین اور عذاب قبر اور رؤیت باری کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے "

یہ عبارات اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن ہے کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں ہے۔

○ محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام محمد بن عبد الواحد الحنفی السیواسی فرماتے ہیں۔

" ولا تجوز الصلوۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتوارث ھذہ الامور عن الشارع صلی اللہ علیہ وسلم "

(فتح القدیر مصری ج۱ ص۲۴۸)۔

شفاعت اور اللہ کے دیدار اور عذاب قبر اور کرام کاتبین کے انکار کرنے والے کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے اس لئے کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

یہ حوالہ بھی اپنے مدلول میں صریح ہے۔ " فتاویٰ عالمگیری " میں بھی " انکار عذاب قبر " کو کفر لکھا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج۲ ص۲۸۱ مصری)۔

○ امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن بکر الاندلسی القرطبی ارشاد فرماتے ہیں۔

" فاعلموا ایہا الاخوان ان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ ولکن اللہ تعالیٰ یاخذ بابصار الخلائق واسماعہم من الجن والانس عن رؤیۃ عذاب القبر ونعیمہ لحکمۃ الٰہیۃ ومن شک فی ذلک فہو ملحد "

(مختصر تذکرۃ القرطبی للعبد الوہاب الشعرانی ص۳۱ مصری)

اے بھائیو! تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے جیسا کہ صحیح احادیث صراحت سے اس پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جن اور انسانوں کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب و راحت کو اوجھل رکھتا ہے۔ کیونکہ حکمت الٰہی کا تقاضا یہی ہے۔ اور جو شخص اس کا انکار کرے وہ ملحد ہے۔

علامہ ابو الشکور السالمی فرماتے ہیں۔

فاما عذاب القبر للمؤمنين من العباثوات وللكافرين من الواجبات والله تعالى يقول النار يعرضون عليها غدوا وعشيا يعني فرعون وقومه دل انه كان صحيحا في اي موضع وعلى ذي حال ومن انكر هذا يصير كافرا والله اعلم۔

(تمہید، صفحہ ، طبع مصری)

عذاب قبر مومنین کے لئے جائز اور کافروں کے لئے واجب ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ "فرعون اور اس کی قوم صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی ہے" یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو، جو اس کا منکر ہو وہ کافر ہے۔

واللہ اعلم۔

مولانا عبد العلی بحر العلوم الحنفی ؒ لکھتے ہیں۔

منکر الشفاعة لاهل الكبائر والرؤية وعذاب القبر ومنكر الكرام الكاتبين كافر۔ (رسائل بحر العلوم صفحہ)

اہل کبائر کے لئے شفاعت، رؤیت باری تعالیٰ، عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا انکار کرنے والا شخص کافر ہے۔

ان تمام حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح صاف ہو جاتی ہے کہ ثواب و عذاب قبر کا منکر کافر ہے۔ خدا تعالیٰ صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ واللہ یہدی السبیل۔ فقط

واللہ اعلم

محمد ظفیر الدین غفرلہ مفتی دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح کفیل الرحمٰن نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

۲۹ شعبان ۱۴۰۰ھ

(مہر: دارالافتاء دارالعلوم دیوبند)

نحن متفقون به كلمة بكلمة حرفاً بحرف

خفقہ محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

محمد حنیف عبد المجید مہتمم خیر المدارس ملتان

۲۰ شوال ۱۴۰۰ھ

منکرین سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر سے مولانا غلام اللہ خان صاحب کا اظہار برأت

الاستفتاء:

حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مدظلہ السلام علیکم۔

ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب احمد سعید خان ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ جو شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف پر پڑھا ہوا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں وہ شخص کافر ہے۔ وہ مولوی صاحب اپنے آپ کو آپ کی جماعت کا بتلاتے ہیں۔ دیوبندی لوگوں میں بہت اختلاف ہو گیا ہے۔ لہذا آپ اپنا عقیدہ اور اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ظاہر فرما کر ہم پر کرم نوازی فرمائیں تاکہ عام مسلمانوں کی رہبری ہو سکے۔

نیاز مند مسلمان.....

اختر عبد القادر خان عباسی

احمد پور شرقیہ، سابق ریاست بہاولپور

الجواب وھو الموفق للصواب

کتب فقہ حنفیہ اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ عند القبر بذات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود وسلام سنتے ہیں۔ سلف اہل السنت والجماعت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایسے عقیدے والے کو کافر اور مشرک کہنا بہت بڑی دلیری ہے العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ایسی جہالت سے ہر ایک کو محفوظ رکھے اور سلف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہذا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

عبد الرشید مفتی دار العلوم تعلیم القرآن

راجہ بازار راولپنڈی

۲۲ صفر ۱۳۹۲ھ

الجواب صحیح: دستخط غلام اللہ

جواب درست ہے: ناکارہ خلائق، غلام ربانی۔

سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر کے بارے میں

حضرت العلامہ مولانا محمد شریف صاحب کشمیری مدظلہ کا ارشاد گرامی

حضرت العلامہ مدظلہ نے ایک کتاب مسمی "تنبیہ الغافلین علی اقوال الجاہلین" پر تقریظ لکھتے ہوئے یہ لکھا کہ "سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر کے بارے میں میرا بھی وہی عقیدہ ہے جو اکابر دیوبند کا ہے وغیرہ ذالک" اس کے بعد ڈیرہ اسماعیل خان کے کسی صاحب نے حضرت والا مدظلہ سے اس مسئلہ پر گفتگو کی۔ دوران بحث "حدیث من صلی علی عند قبری سمعتہ" کی سند پر بھی تبصرہ ہوا جس کو بعد میں ان صاحب نے بعنوان "اعلان برأت" شائع کر دیا۔ جس سے بظاہر یہ تاثر ہوتا تھا کہ حضرت والا کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور حضرت والا اس عقیدے سے برأت ظاہر کرتے ہیں۔

حضرت والا کو جب یہ معلوم ہوا، تو آپ نے اس بات کو محسوس فرماتے ہوئے ایک تحریر عنایت فرمائی جس میں حضرت نے وضاحت و تصریح کے ساتھ اظہار خیال فرمایا ہے اور اس پر جامعہ خیر المدارس اور جامعہ قاسم العلوم ملتان کے منتظمان عظام کے تائیدی دستخط بھی ثبت ہیں۔ فقط

محمد انور مرتب تنبیہ الغافلین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسالہ "تنبیہ الغافلین علی اقوال الجاہلین" پر جو تقریظ ہے اور جسے بعنوان فتویٰ من جانب خطباء اہل السنۃ والجماعۃ ڈیرہ اسماعیل خان" شائع کیا گیا۔ وہ عبارت میری ہے میں اب بھی اس کا قائل ہوں کہ

"اگر روضہ اقدس پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو آپ خود سنتے ہیں۔ بلکہ جمیع اہل السنۃ والجماعۃ اس کے قائل ہیں اور سب اکابر دیوبند کا یہی عقیدہ ہے۔ جو شخص اس عقیدے کو عقائد شرکیہ یا بدعیہ میں شمار کرتا ہے وہ بالکل جاہل اور پہلے درجے کا احمق اور ملحد ہے۔ وہ حقیقت شرک سے قطعاً ناآشنا ہے۔ مسلمانوں کو ایسے شخص سے دور رہنا چاہئے۔"

اب میں علی وجہ البصیرت بتائید منتظمان خیر المدارس و قاسم العلوم ملتان مذکورہ بالا عقیدہ کی اشاعت کی اجازت دیتا ہوں۔ جو اس کے خلاف میری طرف منسوب کر کے شائع کیا جائے اس سے

غلط ہیں۔ میری طرف منسوب کر کے " اعلانِ براءت " کے عنوان سے جو تحریر ان جانب "اشاعۃ التوحید والسنۃ" شائع کی گئی ہے وہ ایک حدیث " من صلی علی عند قبری سمعتہ " کی ایک سند کے بارے میں فنی بحث تھی۔ لیکن کسی حدیث کی سند کا ضعیف ہونا اس کے مضمون کے بطلان کی دلیل نہیں۔ خود ابن عبد الہادی نے اس حدیث کے مضمون و معنی کو صحیح قرار دیا ہے۔

(الصارم المنکی ص ۱۸۳)

اور یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس سے سلام خود سنتے ہیں۔ (الصارم المنکی ص)

علامہ شوکانی ؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ثم حکم ابن عبد البر مع ذلک بصحتہ و تلقی العلماء لہ بالقبول ۔ اھ

(نیل الاوطار ج ۱ : ص ۴۴)

پھر ابن عبد البر نے اس بحث کے بارے میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس لئے کہ تمام علماء نے اسے قبول کیا ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد شریف کشمیری

شیخ الحدیث و صدر مدرس خیر المدارس ملتان

۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح : محمد شریف عفا اللہ عنہ جالندھری ، مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر جو شخص صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے آپ اس کا صلوٰۃ و سلام خود سنتے ہیں۔ سب اکابر دیوبند کا یہی مسلک ہے۔ فقط

واللہ اعلم

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان : ۲۹ / ۶ / ۱۴۰۶ھ

بندہ محمد عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹/۶/۱۴۰۶ھ

محمد اسحاق عفا اللہ عنہ نائب مفتی قاسم العلوم ملتان

"یا بابا فرید" کو حفاظت میں مؤثر سمجھنا کفر و شرک ہے — شدید بارش و بادلوں کے دوران بجلی کے چمکنے اور بادل گرجنے کے وقت

بعض لوگ "یا بابا فرید" پکارتے ہیں کہ اس طرح بجلی کچھ نقصان نہیں کرتی۔ اور کہانی یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ وضو کر رہے تھے کہ شدید بارش شروع ہو گئی اسی اثنا میں بجلی بابا صاحب کے وضو والے لوٹے میں آگئی۔ آپ نے فوراً ہاتھ سے لوٹے کو اوپر سے ڈھکنے سے بند کر لیا۔ اب بجلی تو نکلنے کے لیے کوئی راستہ نہ پا کر منت سماجت کرنے لگی۔ بابا صاحب نے فرمایا کر جا۔ اب پھر آئندہ نہ تو عرض کرنے لگی کہ نہ آپ کے پاس آؤں گی اور نہ اس کے پاس جو ایسے وقت میں آپ کا نام پکارے گا۔ اس لئے ایسے وقت میں "یا بابا فرید، یا بابا فرید" پکارا جاتا ہے۔

یہ کہاں تک درست ہے اور اس کا شرعی حکم کیا ہے نیز ایسے وقت میں خود شریعت مطہرہ میں کیا کہنے کا حکم ہے؟

المستفتی صاحبزادہ محمد لطف اللہ خاں ندوی معرفت ابن شاہ عقیل ثاقب لاہور

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا معمول یہ تھا کہ اس وقت یہ دعا مانگتے تھے۔

اللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۳۲)

نیز اس وقت یہ دعا بھی حدیث سے ثابت ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِي يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۳۲)

ایسے وقت میں اس عقیدہ کے ساتھ "یا بابا فرید" کہنا کہ یہ کلمہ ہم کو بجلی سے بچائے گا سخت ترین گناہ ہے اور قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ موت و حیات صرف اور صرف اللہ کے قبضے میں ہے اس کے سوا کسی اور کو ان چیزوں کا مالک سمجھنا کفر و شرک ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۵ / ۷ / ۱۴۰۴ھ

فضائل درود شریف کی ایک حکایت پر اعتراض کا جواب

ہمارے ایک ساتھی نے فضائل درود شریف کی حکایت ص۳۸ پر ایک اشکال ظاہر کیا ہے وہ یہ کہ اس حکایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد از وفات چلنا پھرنا اور ان کو غیب کی خبر ہونا اور مشکل کشائی کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ تمام باتیں جماعت تبلیغی اور دیگر تمام علمائے دیوبند وغیرہ کے عقائد کے خلاف ہیں۔ اس واقعہ کا صحیح مفہوم اور مطلب واضح الفاظ میں بیان فرمایا جائے۔ اور اس قسم کے واقعات کے بارے میں یہ بھی بیان فرمایا جائے کہ وہ ذات بنفس نفیس خود آن موجود ہوتی ہے یا کہ اس ذات کی کوئی شکل مثالی جیسے جاگتے پیش کی جاتی ہے۔ اس واقعہ کی اس ذات کو خبر بھی ضروری ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعض اوقات حق جل شانہ اپنے کسی بندے کی فریاد رسی کسی لطیفہ غیبی کے ذریعہ فرماتے ہیں۔ وہ لطیفہ غیبی اس کی مانوس شکل میں ظاہر ہو کر بندے کی تکلیف کو باذن اللہ دور کر دیتا ہے۔ اس حکایت ص۳۸ میں بھی ممکن ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو۔ تو سب اعتراضات ساقط ہو جائیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ روح پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو متجسد کر کے حق سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے بھیجا گیا ہو۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں انبیاء علیہم السلام کی مختلف مقامات پر زیارت کی۔ اس کی ایسی ہی توجیہ کی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲/۱۱/۱۴۰۹ھ

مسئلہ تقدیر میں بحث کرنا منع ہے

انسان نیک و بد کا خود خالق ہے یا سب کچھ تقدیر کراتی ہے؟ ایک شخص نے دوسرے شخص کو قتل کرنا چاہا تو غلطی سے کسی تیسرے شخص کو گولی لگی اور وہ مر گیا۔ اس صورت میں قاتل بری الذمہ ہے یا گنہگار۔ گنہگار ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے جب کہ ازل سے مقتول کا قتل ہونا اس قاتل کے ہاتھ سے مقدر تھا۔ تیسرے آدمی کے متعلق کیا کہا جائے گا کہ اسے خدا کی طرف سے یہ تکلیف کیوں دی گئی جب کہ ظاہری صورت میں اس کے ہاتھ سے اور زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچی ہو۔

الجواب مسئلہ تقدیر میں بحث کرنا اور جھگڑنا احادیث نبویہ میں ممنوع آیا ہے۔ انسان خیر و شر کا خالق نہیں بلکہ کاسب ہے۔ اسی کسب پر جزا و سزا کا مدار ہے۔ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے لقولہ تعالیٰ واللہ خلقکم وما تعملون الآیۃ۔ بندہ تقدیر کی بنا پر مجبور نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پر یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم جہنمی ہو جو کچھ بھی کرو۔ اور نہ یہ کہا کہ تم جنتی ہو جو کچھ بھی کرو۔

اس لئے بندہ تقدیر کو عذر اور بہانہ کے طور پر پیش نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ دنیاوی معاملات میں کوئی شخص تقدیر کو بہانہ نہیں بناتا بلکہ تدبیر دوڑ دھوپ کی جاتی ہے۔ اسی طرح دینی معاملہ میں بھی تقدیر کو بہانہ نہ بنائے۔ بلکہ دنیا میں اگر نقصان ہو جائے تو تقدیر پر قناعت کرے۔ کما قال القائل شعر

انبیاء در کار دنیا جبری اند

اشقیاء در کار عقبیٰ جبری اند

قاتل نے غلطی سے نشانہ کے خطا ہونے سے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ قاتل کو بے پروائی غفلت اور بے احتیاطی کا گناہ ہوگا۔ اس بنا پر کفارہ و قتل لازم ہوتا ہے۔ قتل عمد کا گناہ نہ ہوگا۔ اور مقتول کی موت اللہ تعالیٰ کے علم میں اسی طرح واقع ہونی تھی۔ اس میں مقتول کو کیا تکلیف ہوئی۔ مقتول کے حق میں یہ موت اور طبعی موت برابر ہیں۔ بلکہ اس طرح مظلومیت کی موت رفع درجات اور تکفیر سیئات کی موجب ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۶ شعبان ۱۳۹۰ھ

جادو میں کیا چیز مؤثر ہوتی ہے

۱: جادو کیا چیز ہے؟ ۲: کیا جادو کے ذریعہ کسی چیز کو حرکت دی جا سکتی ہے؟ ۳: نیز جادو کے پیچھے کون سی طاقت کارفرما ہوتی ہے؟

الجواب ۱: جادو کی تعریف کتابوں میں یہ لکھی ہے۔ ھو علم یستفاد منہ حصول ملکۃ نفسانیۃ یقتدر بہا علی افعال غریبۃ لاسباب خفیۃ (رد المحتار شامی)

۲: حرکت دی جا سکتی ہے۔ خواہ حرکت واقعی ہو یا تخییل محض ہو۔

۳: اسباب خفیہ جیسا کہ تعریف سے ظاہر ہے۔ دوسری چیزوں میں حرکت اسباب ظاہرہ سے ہوتی ہے۔ اور جادو میں اسباب خفیہ سے جو ہمیں نظر نہیں آتے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۶؍۳؍۱۳۹۰ھ

شش کلمات کے مفہوم پر اعتقاد کافی ہے یاد کرنا ضروری نہیں

شش کلمات کے الفاظ میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ نیز ان کو رٹ کر یاد کرنا ضروری ہے یا صرف عقیدت رکھنا کافی ہے۔ محمد علی حیدرآباد

الجواب کلمات اسلام مثلاً کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت، کلمہ تمجید، توحید وغیرہ پر اعتقاد رکھنا بہرحال ضروری ہے۔ اور ان کو پڑھتے رہنا موجب برکت و ثواب ہے۔ ایک دفعہ پڑھنا علی سبیل الاقرار فرض ہے۔ آپ نے جو الفاظ یاد کئے ہیں اور جو موجودہ زمانہ میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

اختلاف کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے کہ جس سے معانی یا مفہومات بدل جائیں یا الٹ ہو جائیں۔ لہٰذا جو الفاظ آپ کو یاد ہیں وہی پڑھتے رہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

رقمہٗ محمد عبداللہ عفی عنہ ۱۵ شعبان ۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس دارالافتاء خیرالمدارس ملتان۔

جمہور امت کے نزدیک مہدی شخص معین ہیں

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ تجدید و احیاءِ دین کتاب جو کہ مولانا مودودی صاحب کی تصنیف ہے اس میں جو امام مہدی رہ کا باب ہے اس میں وہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام اور علمائے عظام کے دونوں گروہ مہدی کے بارے میں غلطی پر ہیں۔ مہدی کو اپنے مہدی ہونے کی خبر بھی نہ ہوگی۔ حضرت مہدی کی وفات کے بعد ان کے کارناموں کو دیکھ کر لوگ کہیں گے کہ یہی مہدی تھا جس کا ذکر حدیثوں میں آتا ہے۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ نعروں اور پھونکوں سے فتح نہیں ہوگی بلکہ تلوار سے فتح ہوگی۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ ابھی تک مجدد کامل کا مقام خالی ہے۔ یہ تین باتیں امام مہدی کے باب میں ہیں۔ کیا یہ شریعت کے موافق ہیں یا مخالف۔ ان کے مناسب جو حدیثیں ہیں جو صحیح حدیثیں ہیں بمع راوی تحریر فرمائیں۔ اور ان کے مخالف جو حدیثیں ہیں وہ صحیح حدیثیں بمع راوی تحریر فرمائیں۔

الجواب: امام مہدی کے متعلق مودودی صاحب کا یہ خیال ہے کہ مہدی شخص معین نہیں ہے بلکہ ایک وصفی لقب ہے جو کہ عادل خلفاء اور ائمہ کے متعلق حدیث میں مذکور ہے۔ اور اسی پر یہ بنا قائم کی گئی ہے کہ جب وہ معین شخص نہ ہوئے تو اس کا علم ہونا بھی مسلمانوں کو ضروری نہیں ہے کہ یہ وہی مہدی ہیں جن کا ذکر احادیث میں آتا ہے۔ اب قابلِ تحقیق بحث یہ ہے کہ امام مہدی شخص معین ہیں جن کے متعلق پیشین گوئی کی گئی ہے یا لقب وصفی ہے؟

جمہور اہلسنت جو فرماتے ہیں کہ امام مہدی شخص معین ہیں، وہ ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔

۱۔ عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المہدی منی اجلی الجبہۃ اقنی الانف یملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا ویملک سبع سنین۔ (رواہ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۳۳)

۲۔ عن ام سلمۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یکون اختلاف عند موت خلیفۃ فیخرج رجل من اہل المدینۃ ہاربا الی مکۃ فیأتیہ ناس من اہل مکۃ فیخرجونہ وہو کارہ فیبایعونہ بین الرکن والمقام۔

(رواہ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۳۳)

درود شریف پہنچائے جانے کے بارے میں ایک سوال کا جواب

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس میں کہ دیوبندی حضرات کے اس عقیدہ کے تحت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور عام آدمیوں میں کوئی فرق نہیں۔ وہ عقیدہ یہ ہے کہ دیوبندی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام روضۂ اقدس سے کسی قدر فاصلے سے پڑھا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنتے۔ بلکہ فرشتوں کے ذریعے پہنچتا ہے۔ گویا دیوبندیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت سماعت کو محدود کر دیا ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے واقعات ایسے ہیں کہ ان کی قوت سماعت محدود نہیں ہے جیسا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کی آواز "یا ساریۃ الجبل" حضرت ساریہؓ نے اتنی دور سے سنی جبکہ دور کا فاصلہ تھا۔ اسی طرح بزرگوں کے ہزاروں واقعات ہیں۔ ایک جگہ بیٹھے ہزاروں میل دور سے بات سن لیتے ہیں۔ تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ قائم کرنا کیسے درست ہے کہ دور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن نہیں سکتے۔ بینوا توجروا۔

الجواب واللہ الموفق وہو الہادی

احکام شرعیہ کی مختلف قسمیں ہیں۔

۱- بعض وہ ہیں جن میں غور و فکر کی فی الجملہ گنجائش ہے اور مخصوص حالات میں بعض قیود کے ساتھ انسان کو اپنی رائے کے مطابق عمل کی بھی اجازت ہوتی ہے۔

۲- اور بعض احکام وہ ہیں کہ جن کے بارے میں کسی کی رائے و فکر کو قابل التفات نہیں سمجھا جاتا بلکہ صاحب شریعت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ہی واجب العمل تصور کیا جاتا ہے۔ خواہ اس کو ذہن قبول کرے یا نہ۔ یہ آخری جملہ میں نے بطور مبالغہ لکھ دیا ہے۔ ورنہ ایک مسلمان کے لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ فرمان نبوی سامنے ہو اور مسلمان کا فکر و ذہن اس کو قبول نہ کرے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مطلب بھی یہی ہے کہ آپ کے ارشادات کو واجب الاذعان سمجھتے ہوئے ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے اور اس پر کوئی چون و چرا نہ کی جائے۔

دوسری قسم کے احکام شرعیہ وہ ہیں جن کے بارے میں قرآن و حدیث نے وضاحت کر دی ہے کہ ان کی حقیقت یہ ہے۔

یہ مسئلہ جس کے بارے میں آپ نے شبہات ظاہر کئے ہیں اسی قسم میں داخل ہے۔ کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھے گا اس کو میں سنتا ہوں اور جس نے کسی دور دراز جگہ سے درود بھیجا تو مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے زمین میں کچھ فرشتے گشت کرنے والے مقرر فرما رکھے ہیں جو میری امتی کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔
پس اس مسئلہ کا فیصلہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما چکے ہیں۔ اس لئے ایک سچے مسلمان کو چاہیئے
کہ وہ اسی پر ایمان لائے۔ اسی کو حق سمجھے اور کسی شک و شبہ کو اپنے سینہ میں جگہ نہ دے۔ خواہ اس کا فہم
نارسا اس کو قبول کرتا ہو یا نہ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر نبی کی بات ماننا بھی اپنے قبول فہم پر موقوف رکھنا
تو فرمان نبوی اور ایک عامی کی بات میں فرق ہی کیا ہوگا۔ کیونکہ جب کوئی بات سمجھ میں آجاتی ہے اور فہم
اسے قبول کرلیتا ہے۔ تو اسے تو بہرحال ماننا ہی پڑے گا۔ خواہ اس کے کہنے والا کوئی ہو نبی ہو یا غیر
نبی۔ اگر پیغمبر علیہ السلام کے فرمان کو بھی ویسے ہی مانا جائے گا تو ایک عام آدمی کی بات اور نبی کی بات
میں کیا فرق رہا ہوگا۔ اور پھر پیغمبر پر ایمان لانے کا کیا معنیٰ؟

الغرض یہ مسئلہ پر آپ کو شبہات ہیں وہ کسی کا من گھڑت نہیں بلکہ وہ حدیث میں مصرح ہے
جیسا کہ حدیث کا ترجمہ اوپر نقل کیا گیا ہے۔ یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ میں موجود ہیں پس اسے تسلیم کر لینا
چاہیئے۔ اور اپنے فہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک اور عالی فہم مبارک کو برتر سمجھتے ہوئے آپ کے
ارشاد پر ایمان لانا چاہیئے۔ یہ تو اصل مسئلہ تھا اس کی تفہیم کے سلسلہ میں ہم فرض سے سبکدوش ہوگئے
ماننا نہ ماننا آپ کے ذمہ۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
عبداللہ عفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

بندہ عبدالستار عفی عنہ
۲/۷/۱۳۸۰ھ

آنحضرت علیہ السلام کے نور کو نورِ خداوندی کا جزء کہنا صحیح نہیں

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زید نے
اپنی تقریر میں کہا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نور سے جدا کئے گئے ہیں چنانچہ
انجیل اور تواریخ کلیسیا میں اس طرح مذکور ہے۔ اور اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ پنجتن پاک اللہ تعالیٰ کے
نور سے جدا کئے گئے ہیں اور بریلوی حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور
سے جدا کئے گئے ہیں۔ تو گویا کہ یہ تینوں حضرات نور کے عقیدہ میں برابر ہیں۔ جبکہ زید کا یہ عقیدہ ہے
کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے جدا نہیں کئے گئے یعنی نور مجسم نہیں بلکہ نور ہدایت ہیں تو اس
عقیدہ کے پیش نظر زید کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو جو لوگ محض پارٹی بندی
اور تعصب کی وجہ سے تارک جماعت ہو رہے ہیں ان کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو جو
لوگ جماعت میں شریک ہوتے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب — اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سب اشیاء سے پہلے پیدا فرمایا یہ نور مخلوق تھا۔ اس نور کو اللہ تعالیٰ کے نور سے جزئیت حاصل نہیں۔ یعنی نور محمدی اللہ تعالیٰ کا جز نہیں۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ نور محمد اللہ تعالیٰ کا جز ہے تو اس کا یہ عقیدہ واقعی مشرکانہ ہے اور عیسائیوں کے مشابہ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور ہدایت بھی ہیں یعنی آپ کے ذریعہ سے خلق خدا کو ہدایت حاصل ہوئی۔ اور جسمانی طور پر بھی آپ کے وجود اطہر میں کافی نور شامل ہے جیسا کہ احادیث سے واضح ہوتا ہے۔ اور یہ نورانیت آپ کی بشریت کے بھی منافی نہیں۔ نور محمدی کو نور خداوندی کا جز کہنے والے کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم

عبداللہ عفی عنہ
۱۱ ، ۲ ، ۱۳۰۰ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

شانِ پیغمبر علیہ السلام میں حدود سے تجاوز کرنے کا حکم

ایک جمعہ وفیاء محفل وجود میں آئی۔ اس میں ایک نعت پڑھی گئی اس کے دو اشعار درج ذیل ہیں

اے گل کرنی یار خطا وی جے خدا تو نہیں پر جدا بھی نہیں
آئیں احمد بن کے حمد کرنے محبوب نام رکھا ایسا ہے
جن صورت وچ رب نہیں لبھدا اس شکل نورانی مکھڑا رب دا
اوہ جے نہ ہوندا تے رب نہ ہوندا لولاک غرض فرمایا ہے

زید کہتا ہے کہ آخری مصرعہ میں جملہ " اوہ جے نہ ہوندا " یہ جملہ کفریہ ہے اس میں نعوذ باللہ خدا کو مخلوق سمجھا گیا ہے۔ لیکن بکر کہتا ہے کہ اس جملہ میں مجاز مرسل ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات مراد نہیں بلکہ اس کی ربوبیت کا اظہار مراد ہے۔ تو کیا یہ اشعار شرعاً جائز ہیں یا نہیں ؟

الجواب — اشعار مذکورہ انتہائی غالیانہ اور خلاف شریعت مضمون پر مشتمل ہیں تاویل کیا بغیر تو موجب کفر ہیں۔ بحکم تنوع سے کفار میں چونکہ احتیاط کی جاتی ہے لہٰذا قائل اور معتقد کو کافر نہ کہا جائے گا۔ زید اس بارے میں صادق ہے۔ ان اشعار کا خلاف شریعت مطہرہ ہونا ظاہر ہے دلائل کی حاجت نہیں۔ بطور تنبیہ چند الفاظ اس بارے میں تحریر کئے جاتے ہیں۔

شعر اول مصرعہ ۲ موہم حلول و اتحاد ہے حالانکہ خداوند قدوس کا کسی مخلوق کے ساتھ متحد ہونا یا اس میں حلول کر جانا ہندوؤں اور عیسائیوں کا بدنام زمانہ مشرکانہ عقیدہ ہے اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں۔ قرآن پاک نے اس عقیدہ کو کفر قرار دیا ہے۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو

اصبع ابن مسعود (مائدہ وغیرہ) تمام مسلمانوں کے ساتھ حق تعالیٰ سبحانہ کا نعوذ باللہ تعالیٰ صفت ذات کی طرف نسبت تشبیہ کرنا جس کی بدولت ایک امر نفسانی کے حق میں کفر ہو اور جاہل سب بالکل مسلمانوں کے حق میں موجب کفر نہ ہو۔ یہ اشعار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث ناراضگی ہیں۔

آخری مصرع کا " اوسے تم ہو خدا " کا خلاف شریعت ہونا اظہر من الشمس ہے۔ فقط

الجواب صحیح — واللہ اعلم

محمد یوسف غفرلہ — بندہ عبدالستار نائب مفتی

داڑھی کی توہین سے سلب ایمان کا اندیشہ ہے

استفتاء: ایک بھتیجی جو کہ بیوہ ہے اس کا نکاح حضرت کے حکم پر ایک صاحب یا بندہ مرحوم وغیرہ شخص کے ساتھ کر دیا۔ اور نکاح میاں صاحب نے پڑھایا۔ اس دوران نکاح کے بعد ایک شخص نے میاں صاحب کے حق میں گستاخانہ الفاظ کہے بلکہ داڑھی پر خصوصاً طنزیہ فقرہ کہا "یہ مونچھاں یا گچھے پڑ جائے گی" یہ بات اس نے حیا سے مخاطب ہو کر میاں صاحب کو دیکھ کر کہی پھر تھوڑی دور جا کر ایک اور شخص جو کہ اس کا ماموں ہے سے مخاطب ہو کر کہا کہ "داڑھی بھی آ گیا ہے آپ ان کو نکاح کروا دیں"۔

الجواب: یہ کلمات سخت گستاخانہ ہیں۔ قائل کے سلب ایمان کا اندیشہ ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس پر توبہ و استغفار لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار نائب مفتی۔

محمد عبداللہ غفرلہ

دانستہ کربلا کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا کفر ہے

جو کربلا کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔ کلمہ علی کا پڑھتا ہے۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ علی رسول اللہ۔ جب کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو آج تک اکابر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے تم بھی ایسا کرو، جواب دیتا ہے کہ میرا دل یہاں ہی چاہتا ہے۔ یہ مسلمان ہے یا نہ، اس سے کیا برتاؤ کیا جائے؟

الجواب: بر تقدیر صحت واقعہ مذکور سب کلمہ توحید میں " محمد رسول اللہ " کی بجائے " علی رسول اللہ " پڑھتا ہے اور نماز بھی قبلہ کی طرف نہیں پڑھتا ہے۔ تو پھر یہ شخص کافر ہے۔ اس کے ساتھ برتاؤ مسلمانوں والا نہیں کرنا چاہئے جب تک وہ تجدید ایمان نہ کرے۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔ وفی الفتاوی رجل صلی الی غیر القبلۃ متعمدا فوافق ذلک الکعبۃ قال ابو حنیفۃ رح ھو کافر باللہ۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس

بندہ محمد اسحاق
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

ائمہ مذہب سے نفی سماع موتی صراحۃً منقول نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ امام صاحب و صاحبین تینوں اماموں کی تحقیق میں عند القبر سماع موتی کے قائل ہیں یا نہیں؟

الجواب — مذکورہ ائمہ ثلاثہ سے صراحۃً نفی سماع منقول نہیں ہے باوجود کثرت تتبع کے نظر سے نہیں گزری یعنی حضرت العلامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی قریب قریب ایسے ہی منقول ہے۔ سیما اذ لم ینقل عن احد من ائمتنا رحمہ اللہ تعالیٰ الخ
(فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۶) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے ناموں کے ساتھ امام کا استعمال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے نام کے ساتھ لفظ امام کا استعمال کیا گیا ہے؟ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب — امام کا معنی ہے "پیشوا و مقتدا" اور اہل سنت والجماعت بایں معنی سب صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بلکہ بعض تابعین کو بھی امام کہہ سکتے ہیں۔ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ اہل تشیع کی اصطلاح میں "امام" عالم الغیب اور معصوم عن الخطاء کو کہتے ہیں۔ بایں معنی کسی بھی صحابی کو امام کہنا درست نہیں۔ جہاں حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اسماء گرامی کے ساتھ لفظ امام کا استعمال کرنے سے اس عقیدہ کی طرف ایہام ہوتا ہو وہاں استعمال سے احتراز کریں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۰/۴/۰۰ھ

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

؎ حوالہ کے لئے دیکھئے کتاب "ارشاد الشیعہ" مؤلفہ علامہ سید محمد حسین صاحب ملتانی ص ۶۸۔
محمد انور

"اللہ رسول تمہاری خیر کرے" کہنے کے بارے میں

ہمارے علاقہ میں یہ رواج ہے کہ جب ایک آدمی دوسرے آدمی سے حال احوال پوچھتا ہے تو احوال بتانے والا آخر میں کہتا ہے کہ اور خیر ہے تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ اللہ رسول تمہاری خیر کرے۔ کیا یہ جملہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب یہ جملہ موہم شرک ہے لہٰذا نہ کہا جاوے۔ قادر علی الخیر علی الاطلاق صرف اللہ رب العزت ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور نائب مفتی

الجواب صحیح محمد صدیق عفی عنہ ۲۲/۱۰/۱۳۹۹ھ

آنحضرت علیہ السلام کے تعدد ازواج پر اعتراض کا حکم

زید کا بکر کے سامنے یہ کہنا کہ یہ کہاں کا اصول ہے کہ بادشاہ جتنی چاہے شادیاں کرلے اور قوم کے لئے صرف چار کی پابندی ہو۔ یہ قول زید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں کہا ہے (۱) زید مذکور مسلمان ہے خارج ہے یا کہ نہیں؟ (۲) نکاح باقی ہے یا کہ نہیں؟ اگر نکاح باقی نہیں تو اس کی بیوی کے لئے عدت ہے یا نہیں؟ (۳) اس کی اقتداء جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب چند مذہبی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعدد ازواج کی اجازت دی گئی جو کہ تعدد ازواج جن سے پوری ہو سکتی تھیں[1] کسی امتی سے نہ وہ حکمتیں مطلوب ہیں اور نہ وہ پوری ہو سکتی ہیں۔ زید کو چاہئے کہ توبہ و استغفار کرے اور اپنے ایمان و نکاح کی تجدید کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ — محمد انور ۱۰/شعبان/۱۴۰۲ھ

یا اللہ یا محمد لکھنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی دیواروں پر صرف یا اللہ یا محمد لکھنا جائز ہے یا لا الٰہ الا اللہ محمد لکھنا ضروری ہے۔ اگر صرف اللہ محمد لکھ دیا جائے تو کیا یہ شرعاً ناجائز اور گناہ ہے کہ نہیں؟ اور کیا صرف اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے والے کے متعلق گستاخ رسول اور وہابی اور اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہونے کا فتویٰ لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب شریعت میں نہ تو اللہ محمد، اور نہ ہی یا اللہ، یا محمد لکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اپنی شریعت میں ایسا کہیں نہیں ملتا کہ یہ الفاظ مساجد میں ضرور لکھے جائیں، لیکن چونکہ ایسا کرنا منع بھی نہیں لہٰذا یہ دیکھنا چاہئے کہ جن الفاظ کے لکھنے میں کوئی اور مفسدہ لازم نہ آئے وہ جائز ہوں گے۔ اور یا اللہ

[1] ان مصالح کی تفصیل کے لئے دیکھئے۔ معارف القرآن ج ۲، ص ۳۱۳ تا ۳۱۵۔ مؤلفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ۔

یا محمد جو کہ عام طور پر اہل بدعت اپنی مساجد میں لکھا کرتے ہیں۔ اور لفظ "یا" سے اس عقیدے کا اظہار مقصود ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی ہر جگہ موجود ہے اور یہ عقیدہ غلط محض ہے اور باطل ہے۔ لہٰذا ان الفاظ کا لکھنا جائز نہیں۔ اگر کسی کا یہ عقیدہ نہ بھی ہو مگر جیسے شرک سے بچنا ضروری ہے شائبہ شرک سے بچنا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا جو الفاظ موہم شرک ہوں ان سے بھی اجتناب واجب ہے۔

ب: ناجائز نہیں۔ ج: ایسا کرنے والے کو کافر کہنا تعصب، کم عقلی اور جہالت کی علامت ہے

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۲۰ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں تشریف لانا ثابت نہیں اور ما تقول فی ہذا الرجل کا جواب

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں تشریف لاتے ہیں یا نہیں؟ اگر تشریف لاتے ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب الذی بُعث فیکم اور اگر نہیں لاتے تو اس کا کیا مطلب ہے ما تقول فی ھذا الرجل بڑی تحقیق و تدقیق سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب ـــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں تشریف لانا روایات صحیحہ سے ثابت نہیں بعض لوگ ما تقول فی ھذا الرجل جیسے الفاظ کی بناء پر اس کے قائل ہو گئے ہیں حالانکہ ان الفاظ سے یہ مراد ہونا لازم نہیں کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ "ھذا" کا مشار الیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مبارک تصور ہو جو ہر مسلمان کے ذہن میں موجود ہوتا ہے۔ ولہ نظائر کثیرۃ۔ یا روضۂ اطہر اور میت کے درمیان حجاب اٹھا دیئے جاتے ہوں اور مردہ زیارت سے مشرف ہو جاتا ہو۔ دلیل سوال میں مذکور شق ثانی کی بناء پر اسم اشارہ کی توجیہ اس سے خوب ظاہر ہے۔

والدلیل علیہ ما فی حاشیۃ المشکوٰۃ عن القسطلانی فقیل یکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی بشریٰ عظیمۃ للمؤمن ان صح ذلک ولا نعلم حدیثا صحیحا مرویا فی ذلک والقائل بہ انما استند لمجرد ان الاشارۃ لا تکون الا للحاضر لکن یحتمل ان تکون الاشارۃ لما فی الذہن فیکون مجازا الخ

کشف کے بارے میں بھی علامہ قسطلانی ؒ کے نزدیک کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری قبر میں یہ تو بعید کی بات ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔	نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۱۰ / ۳ / ۱ھ

کسی میت کا کفن چبانا اور اس سے کسی کی موت واقع ہونا بے اصل ہے

ہمارے علاقہ میں ایک بات مشہور ہے کہ جب کسی گھر میں اموات بکثرت ہوں تو کہتے ہیں کہ اس گھر کا اول میت قبر میں کفن چبا رہا ہے۔ چنانچہ اس میت کو نکال کر اس کے منہ میں پتھر بھر دیئے جاتے ہیں اور سر میں کیلیں لگائی جاتی ہیں۔ کیا یہ خیال درست ہے؟ نیز اس عمل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب یہ عقیدہ مشرکانہ ہے کیونکہ موت وحیات صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے ھو یحیی ویمیت میت کے کفن چبانے کا نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ اس سے کسی کی موت واقع ہو سکتی ہے اور بلا ضرورت شرعی قبر کو اکھیڑنا بھی حرام ہے۔ بحر الرائق میں ہے۔

ولا یخرج من القبر الا ان تکون الارض مغصوبة۔ اھ

قوله ولا یخرج الخ ای بعد ما اهیل التراب علیه لا یجوز اخراجه بغیر ضرورة للنهی الوارد عن نبشه۔ قال فی البدائع لان النبش حرام حقا لله تعالیٰ۔ (بحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۰)

نعش نکالنے کے بعد اس میں کیلیں لگانا بھی کسی صورت جائز نہیں۔

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کسر عظم المیت ککسره حیا رواه مالک وابوداؤد وابن ماجه۔ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۹۔

قوله ککسره حیا یعنی فی الاثم کما فی روایة۔ قال الطیبی اشارة الی انه لا یهان میتا کما لا یهان حیا وقال ابن الملک والی ان المیت یتألم۔ قال ابن حجر ومن لوازمه ان یستلذ بما یستلذ به الحی انتهی وقد اخرج ابن ابی شیبة عن ابن مسعود اذی المؤمن فی موته کاذاه فی حیاته۔ حاشیه مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۹۔

اہل علاقہ کو چاہئے کہ عامۃ المسلمین کو اس مشرکانہ عقیدہ سے بچائیں اور شدت سے اس نظریہ

باطل کی تردید کریں اور لوگوں کو مُردوں کے ستانے سے باز رکھیں۔ حدیث میں مردے کو زندوں کے ساتھ ذکر کرکے سے بھی رد کیا گیا ہے۔ چہ جائیکہ ان کے جسم کو تکلیف دی جائے اور اس میں تجسس تو جیسے فعل حرام کا ارتکاب کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان — ۱۳۹۶ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

میرا مرشد بمنزلہ خدا و رسول ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص سے میرے مرشد کے بارے میں بحث ہو گئی۔ کسی بات پر بندہ نے غصہ میں آکر یہ الفاظ کہے کہ میرا مرشد نعوذ باللہ خدا اور رسول کے بمنزلہ ہے۔ فوراً توبہ بھی کرلی۔ مخالفین نے جنہوں نے میری بیوی کو ایک سال سے روک رکھا ہے انہوں نے مشہور کیا کہ اللہ دتہ کی بیوی کا نکاح ٹوٹ گیا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

تنقیح: "میرا مرشد میرے نزدیک بمنزلہ خدا و رسول کے ہے" اس سے مراد کیا ہے؟ یعنی کس معاملہ میں میرا مرشد میرے نزدیک خدا اور اس کے رسول کے مانند ہے؟ جو بھی اس کی مراد ہو لکھ کر بھیج دیں۔

الجواب: شریعت کے اوامر اور نواہی کے بعد مرشد کا امر میرے نزدیک خدا اور رسول کی طرح ہے۔

الجواب: یہ کلمہ بظاہر سخت خوفناک ہے لیکن اس تاویل کے بعد موجب کفر نہیں۔ لہٰذا سائل کی بیوی پر شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اور بیوی حرام بھی نہیں ہوئی۔ لازم ہے کہ سائل آئندہ ایسے کلمات سے احتراز کرے۔ فقط۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

۱۲/۱/۱۳۹۰ھ — خیر محمد عفا اللہ عنہ

ڈاکٹر عثمانی ضال و مضل ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مولوی صاحب کے بارے میں کہ جس کا نام کیپٹن ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کیماڑی کراچی ہے۔ جس کے نظریات سے ہم آگاہ نہیں ہیں۔ بظاہر ان میں اہل حدیث، دیوبندی حضرات اور علمائے دیوبند بھی شامل ہیں۔ ان کو گمراہ تصور کرتے ہیں۔ ان کی تحریر میں حیات النبی کو شرک کہا گیا ہے۔ عذاب قبر اور سوال و جواب کو بھی قبر میں تسلیم نہیں کرتے۔ انہوں نے بہت اختلافی مسائل کے پمفلٹ شائع کر رکھے ہیں۔ بانی

ضرور پر علماء نے دیوبند کو بھی بے دین اور گمراہ تصور کرتے ہیں۔ اور شرک میں مبتلا تصور کرتے ہیں۔ ممکن ہے آپ نے بھی ان کے کتابچے دیکھے ہوں گے۔ مزید تحریر کی ضرورت نہیں۔ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے؟ جب کہ پچھلے سال چنیوٹ شہر میں "حزب اللہ" نامی جماعت نے اشتہار بھی شائع کیا تھا جس میں ان کو ملحد اور منکر حدیث اور غلام احمد کے پیروکار تصور کیا گیا تھا۔ نیز ان کے دعوت کے خلاف علماء اہلحدیث نے انہیں منکر حدیث تخیل کیا ہے۔ اور زبان سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے۔

الجواب ڈاکٹر عثمانی گمراہ، گمراہ کنندہ اور قریب بکفر ہے۔ منکرین حدیث و ملحدین کی طرح وہ بھی کتب اسلاف کی عبارات کو توڑ مروڑ کر اس سے غلط نتائج اخذ کرتا ہے اور پھر ان کتب کا حوالہ دے کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ ایسے شخص کی صحبت سم قاتل ہے۔ اور اس کی تصنیفات اور اس کے متبعین سے دور کا رابطہ بھی نہ رکھیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۴۰۶/۲/۱۲ھ

مرتد کی توبہ کے شرائط زید عرصہ دراز سے اسلام چھوڑ کر مرزائیت کی طرف ارتداد اختیار کر چکا تھا اب دوست و احباب کے الہام و تفہیم سے مرزائیت سے علیحدگی کا اعلان نیز اظہار کرتا ہے اور اعلان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی تسلیم کرتا ہے۔ مگر مرزا غلام احمد کے متعلق کوئی اظہار نفرت یا اس سے اعلان براءت نہیں کرتا۔ اور باوجود اصرار کے یہ کہتا ہے کہ میں کسی کو برا کہنے کیلئے تیار نہیں۔ اب زید کو مسلمان سمجھا جائے یا نہ؟

المستفتی — فاضل حبیب اللہ جالندھری

ناظم جمعیت علماء اسلام و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ منٹگمری

الجواب مرزائی کا اسلام میں آنا صرف کلمہ شہادت کے پڑھنے سے اور حضور علیہ السلام کو آخری نبی ماننے سے مکمل نہیں ہوتا اور نہ اس طرح اسے مسلمان سمجھا جائے گا بلکہ اس کی توبہ کے صحیح ہونے اور اسلام لانے کے لئے لازم ہے کہ مرزا قادیانی کی نبوت و مہدیت کا کھلے لفظوں میں انکار کرے اور اس کے کذاب و دجال ہونے کی تصریح کرے تب مسلمان سمجھا جائے گا۔ ورنہ منافقت اور دھوکہ بازی ہے۔ واسلامہ ای المرتد ان یأتی بکلمۃ الشہادۃ ویتبرأ عن الادیان کلہا سوی الاسلام وان یتبرأ عما انتقل الیہ اھ۔ (عالمگیری ج ۲ ص ۲۴۹)

جواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۳۸۳/۱۰/۱۰ھ فقط واللہ اعلم بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ خداوندی کا جزء کہنے کا صحیح مفہوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو اللہ تعالیٰ کے نور کا حصہ یا جزء کہنا جائز ہے یا کہ نہیں۔ اور ایک شخص نے کہا ہے کہ حضور علیہ السلام کے نور کو اللہ تعالیٰ کے نور کا حصہ یا جزء کہنا جائز نہیں کیونکہ خدا کے نور کی تقسیم نہیں ہو سکتی ہے۔ کیا یہ قول صحیح ہے؟

الجواب — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ خداوندی کا حصہ یا جزء کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیت سے بالکل منزہ اور بری ہیں اور تجزی اجسام کی صفات میں سے ہے نیز جزئیت کا قول ولدیت کے عقیدہ کے مشابہ بن جاتا ہے جس کی تردید قرآن کریم میں بڑی شد و مد کے ساتھ کی گئی ہے۔

کما قال تعالیٰ تکاد السموٰت یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدًّا ان دعوا للرحمٰن ولدا ۔ وما ینبغی للرحمٰن ان یتخذ ولدا۔ (الآیۃ)

پس شخص مذکور کا قول صحیح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نورٌ من نور اللّٰہ کہا جاتا ہے یا نور اللّٰہ کہا جاتا ہے یہ اضافت محض تشریفی ہے یہ مطلب نہیں کہ ذات خداوندی سے ایک جزء لے کر اسے ذات نبوی کے لئے مادہ قرار دیا گیا ہو ایسا کہنا بالکل غلط ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

او اضافۃ البیت الی اللّٰہ للتشریف ولھذا المعنی یقال للمسجد بیت اللّٰہ ولنبینا صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ خلق من نور اللّٰہ او انہ نور من نور اللّٰہ ولیس معناہ ما تتبادر الیہ افہام العوام من ان اللّٰہ تعالیٰ اخذ قبضۃ من ذاتہ التی ھی نور وجعلہ ذا حبیباً وکون الذات الالٰھیۃ مادۃ للذات المحمدیۃ تعالیٰ اللّٰہ عن ذالک علواً کبیراً۔

ذات خداوندی کو مادہ تسلیم کرنے کی صورت میں قدم الحادث لازم آتا ہے کسی حادث کیلئے ذات قدیم مادہ نہیں بن سکتی۔ مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ذات الٰہی ذات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مادہ نہیں ہے کیونکہ حادث کا مادہ قدیم نہیں ہو سکتا۔

(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۰۲)۔

واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نورانیت آپ کی بشریت مطہرہ کے منافی نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر و سید البشر ہونے کے باوجود اس نورانیت سے موصوف ہیں۔ پس اس نورانیت کی بناء پر انکارِ بشریت جائز نہیں ہے۔ ورنہ نصِ قرآنی قل انما انا بشر مثلکم کا انکار لازم آئے گا۔ اور حضرات فقہاء کرام نے اس عقیدۂ بشریت کو شرائط صحتِ ایمان قرار دیا ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ آپ کی بشریت مطہرہ کا اقرار و اعتراف کئے بغیر آپ پر ایمان لانا ہی صحیح نہ ہو۔ علامہ طحطاوی ؒ شرح مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں۔

ویشترط لصحة الایمان به صلی الله علیه وسلم معرفة اسمه از ذاته الابه وكونه بشرا من العرب وكونه خاتم النبيين اتفاقا ويدل ذلك بالقواطع المتواترة۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۴ ، ۵ ، ۱۳۸۲ھ

(۱) بعض کتابوں میں حضرت امام حسین ؓ اور حضرت امام حسن ؓ اور حضرت علی ؓ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم اور علی اصغر شہید کے ناموں کے ساتھ "علیہ السلام" لکھا ہوتا ہے یہ درست ہے یا نہیں؟

"علیہم السلام" انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے

(۲) کیا پیغمبروں کے علاوہ اور کسی بزرگ کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" لکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟

ج ۱ ، ۲ : انبیاء کے علاوہ دوسرے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ "صلوٰۃ و سلام" کے الفاظ لکھنا اور پڑھنا مستقلاً درست نہیں۔ بلاتبعیت۔ البتہ انبیاء کی تبعیت میں پڑھنا جائز ہے۔ کما فی الشامیۃ ج ۵ ص ۲۶۳۔

قوله ولكنه لا يصلى احد على احد استقلالا الا انبياء كقوله اللهم صل على محمد وعلى آله واصحابه جاز الى قوله وفي خطبة شرح البخاري من صلى على غيرهم اثم ويكره وهو الصحيح۔ ولا يقال على عليه السلام۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

اہلِ بدعت کی تکفیر کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماءِ اہلِ سنت والجماعت دریں امر کہ مسائل متنازعہ فیہا مابین الدیوبندیہ والبریلویہ میں علمائے بریلوی اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو کافر کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں تو پھر ایک جماعت کثیرہ علماء کی جو کہ اپنے آپ کو علماءِ دیوبند کی طرف منسوب کرتی ہے اور اپنی تحریر و تقریر میں اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ ایسے عقیدہ والے لوگ پکے کافر ہیں ان کا کوئی نکاح نہیں۔ اور جو ایسے عقیدہ والوں کو ان کے عقیدہ پر مطلع ہونے کے باوجود کافر نہ کہے انہیں بھی ویسا ہی کافر کہتی ہے۔ کیا علماءِ دیوبند اس امر میں متفق ہیں یا نہیں؟ مذکورہ بالا حضرات سماعِ موتیٰ خصوصاً حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی منکر ہیں

ب: حدیث "فتجلی لی کل شئ" کو بجائے کسی محمل صحیح پر محمول کرنے کے ضعیف قرار دیتے ہیں۔

ج: ندائے غیب کو مطلقاً شرکِ حقیقی تصور کرتے ہیں اگرچہ بایں خیال ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں کسی ذریعہ سے سنا دے خواہ بذریعہ کشف یا بطریق آخر۔

د: نذر لغیر اللہ کو اگرچہ ناذر کا مقصد ایصالِ ثواب ہو اور بوجہ جہالت الفاظ میں غلطی کرے، اس کو صریح شرک اور ناذر کو مشرک اور مرتد کہتے ہیں۔

الجواب: جو لوگ اہلِ بدعت کو کافر کہتے ہیں یہ ان کا ذاتی مسلک ہے۔ تکفیرِ مسلم [?] کو علماءِ دیوبند کی طرف منسوب کرنا بہتانِ صریح ہے۔ حضرات علماءِ دیوبند کا مسلک ان کی تصنیفات اور رسائل سے واضح ہے۔ انہوں نے ہمیشہ مسائلِ تکفیرِ مسلم کے بارہ میں کافی احتیاط سے کام لیا ہے۔ مرزائیہ اور غلاۃ روافض کے علاوہ اہلِ بدعت کو انہوں نے کافر نہیں کہا۔ یہ جو مسائل سوال میں مذکور ہیں ان کے اندر تاویلات کی گنجائش ہے جن کی وجہ سے تکفیرِ مسلم کے بارے میں احتیاط لازم ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
۱۴ / ۲ / ۱۳ھ [?]

مومن کی عزت کعبہ سے زیادہ ہے

کیا اللہ جل شانہ کے نزدیک مومن کی شان و عزت کعبۃ اللہ سے زیادہ ہے؟ کیا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شامل ہیں؟

الجواب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موقوفاً[1] منقول ہے کہ مومن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کعبہ سے عظمت زیادہ ہے۔ وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما انہ نظر یوماً الی الکعبۃ فقال ما اعظمک وما اعظم حرمتک والمؤمن اعظم حرمۃ عند اللہ منک رواہ الترمذی وابن حبان فی صحیحہ۔ (ترغیب والترہیب ج۳ ص۱۲۸)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۸ / ۱۱ / ۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

صبی عاقل کا ارتداد معتبر ہے نابالغ لڑکا جو کہ عاقل ہے اور شرح جامی وغیرہ پڑھتا ہے اگر کلمہ کفر کہے تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو بالغ کا ہے یا کچھ فرق ہے۔

الجواب عاقل لڑکے کا ارتداد معتبر ہے۔ اسے اسلام پر مجبور کیا جائے گا لیکن انکار کی صورت میں بالغ کی طرح اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ واذا ارتد الصبی العاقل صح ارتدادہ عند ابی حنیفۃ ومحمد ویجبر علی الاسلام ولا یقتل اھ (عالمگیری ج۲ ص۲۰۹)

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد حبیب اللہ غفرلہ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

ایمان و اسلام میں فرق کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کہ مسلم اور مومن میں ہمارے اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک کوئی فرق ہے یا نہیں۔ قرآن پاک کی اس آیت وقالت الاعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا الآیۃ سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ مومن اور مسلم میں فرق ہے۔ اگر ہم یوں لکھیں کہ امیر المسلمین صدیق اکبرؓ اور امیر المسلمین حضرت عمر فاروقؓ تو اس میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

الجواب اسلام اور ایمان میں باعتبار حقیقت کے فرق ہے۔ اگرچہ درجۂ کمال میں پہنچنے کے بعد یہ باہم متساوی و متلازم بھی ہیں۔ کما علیہ المحققون۔ لیکن چونکہ امیر المومنین

---

[1] واخرج ابن ماجہ فی سننہ عن ابن عمر قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطوف بالکعبۃ ویقول ما اطیبک واطیب ریحک ما اعظمک واعظم حرمتک والذی نفس محمد بیدہ لحرمۃ المؤمن اعظم عند اللہ حرمۃ منک (ص۲۹۰ طبع اصح المطابع)۔

ایک خالص مذہبی اور شرعی منصب پر فائز ہونے والے شخص کا نام اور لقب ہے لہٰذا اس میں کسی قسم کے تصرف کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ حسنت امیر المسلمین سے بدل لیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول حدیث "لا نبی بعدی" کے منافی نہیں

۱ ۔ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں آپ کے بعد نبوت کا دعوے کرنے والا اور اس دعوے کو تسلیم کرنے والا مومن ہے یا کافر ؟

۲ ۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں ۔ اور آپ قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے تو بحیثیت نبی کے یا امتی کے ۔

الجواب ۱ ۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں ان کے بعد نبوت کا دعوے کرنے والا خواہ کسی قسم کا ہو کافر ہے ۔ اسی طرح وہ شخص جو اس دعوے نبوت پر ایمان لائے وہ بھی کافر ہے ۔

۲ ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں ۔ اور قرب قیامت میں نزول فرمائیں گے ۔ ان کی تشریف آوری یقینی ہے ۔ مرزائی جو دھوکہ دیتے ہیں کہ ان کی تشریف آوری حدیث "لا نبی بعدی" کے مخالف ہے ۔ غالباً اس کے ماتحت آپ نے یہ سوال تحریر فرمایا ہے کہ وہ نازل ہوں گے تو بحیثیت نبی کے ہوں گے یا امتی کے ؟

جناب والا ! اس سوال کو مرزائی یوں رنگ دے کے بیان کرتے ہیں کہ اگر نبی ہو کر آئیں گے تو ختم نبوت باطل ہوتی ہے اور اگر معزول ہو کر آئیں گے تو ایک پیغمبر کا نبوت سے معزول ہونا لازم آتا ہے ۔ یہ ایک مغالطہ اور دھوکہ ہے اس کو ہم اس مثال سے واضح کرتے ہیں کہ ایک صوبہ کا وزیر اعلیٰ دوسرے صوبہ کے اندر جاتا ہے جہاں دوسرے وزیر اعلیٰ کی حکومت ہے ۔ کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ وزیر اعلیٰ جو دوسرے صوبہ میں گئے ہوتے ہیں اپنی وزارت سے معزول ہو کر اپنے عہدے سے گر گئے ہیں ۔ یا یہ کہنا درست ہے کہ یہ وزیر اعلیٰ اپنے علاقے کے حاکم و افسر اعلیٰ ہیں ایک مقصد اور کام کے سلسلہ میں دوسرے صوبہ میں گئے ہیں ۔ جتنے دن دوسرے صوبہ میں رہیں گے وہاں کی حکومت اور قوانین کا احترام ان پر لازم ہوگا ۔ باوجود اس بات کے کہ وہ اپنے عہدہ اور اعزاز کو بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہیں اور اس سے کسی صورت میں معزول نہیں ۔

محترم! اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سابقہ انبیاء میں سے ہیں اپنے عہدہ اور اعزاز پر قائم ہیں ان کا اپنے عہدہ سے معطل ہونا لازم نہیں آتا۔ اور نہ ان کے آنے سے ختم نبوت پر اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ تو پہلے کے نبی ہیں۔ مگر ان نبوت میں ان کا پہلے سے مقرر شدہ درجہ و منصب ہے ان کا آنا اس امت میں ایک سبب اور مقصد کے لئے ہوگا اور وہ ہے قتل دجال۔ جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ تشریف لانے کے بعد نبی ہوتے ہوئے قانون محمدیہ کا اتباع کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل کریں گے ان کا آنا "لا نبی بعدی" کے منافی نہیں۔ کیونکہ "لا نبی بعدی" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ملنے کی نفی کرتا ہے۔ ان کو تو پہلے سے نبوت مل چکی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو نبوت نہیں دی جا رہی۔ اور دجال قادیانی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے اوپر نبوت کے نزول کا مدعی ہے جو تمام اسلامی اجماعی عقیدہ کے منافی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان کے ماتحت کہ

"لا تقوم الساعۃ حتی یبعث دجالون کذابون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔"

کا استعمال ان لوگوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رواہ ابو داؤد والترمذی۔ جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت کرتے ہیں ان کو دجال بھی کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی سابقہ نبی کا آنا ختم نبوت کے منافی نہیں۔ یہ جو وزیر اعلیٰ کی مثال دی ہے بطور توضیح مثال دی ہے لیکن کوئی شخص اس تشبیہ کو حقیقت نہ سمجھ لے اور اعتراض شروع کر دے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح		بندہ محمد عبداللہ غفرلہ	
خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان	۱۳۷۱ھ	خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان	۱۳۷۱ھ

رفع عیسیٰ علیہ السلام کا قرآن سے ثبوت

زید اذ قال اللہ یٰعیسیٰ انی متوفیک الخ کی تفسیر کا بیان ان الفاظ سے کرتا ہے کہ جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے حیات مسیح اور رفع الی السماء قطعی طور پر ثابت نہیں ہے۔ قرآن مجید کی مختلف آیات سے یقین نہیں البتہ ظن کے درجہ میں یہ امر ثابت ہے۔ کیونکہ صریح نص قطعی اس امر میں وارد نہیں ہے۔

عمرو کے بار بار توجہ دلانے کے باوجود زید اپنے خیال پر جما رہتا ہے۔ آخر میں تنگ آکر کہتا ہے کہ عقیدہ تو میرا بھی وہی ہے لیکن قرآن مجید سے یہ چیز قطعی الثبوت نہیں بلکہ ظنی ہے۔ اس کی صراحت احادیث میں موجود ہے۔ عمرو کے ساتھ دوسرے لوگ بھی شریک ہو کر زید کو اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں لیکن زید اپنے خیال پر بدستور قائم ہے۔ صورت مسئولہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے زید کے متعلق شریعت بیضا

کیا فیصلہ صادر فرماتی ہے؟

الجواب — رفع الی السماء، قرآن سے قطعاً ثابت ہے "ورافعك الیّ" - "بل رفعه الله الیه" ثبوت قطعی ہے اور ہر دو آیت کی دلالت "رفع الی السماء" پر اجماع امت سے ثابت ہے، امت محمدیہ کا اجماع باطل امر پر نہیں ہو سکتا۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ "رفع الی السماء" قرآن سے ثابت نہیں وہ محرف قطعی ہے جو اس کو قرآن و حدیث کے علم سے ذرہ بھی مس نہیں ہے اور نہ اسے اجماع کا علم ہے لیکن اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میرا عقیدہ بھی تمام مسلمانوں کے ساتھ متفق ہے یعنی حیات عیسیٰ علیہ السلام اور رفع الی السماء کا قائل ہے گو احادیث کی بناء پر ہی سہی تو اس کو کافر نہ کہا جاوے گا۔ مندرجہ ذیل حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

١۔ حافظ ابن کثیرؒ نے سورۃ نساء کی تفسیر میں اجماع امت نقل کیا ہے کہ احادیث نزول عیسیٰ علیہ السلام متواتر ہیں۔

٢۔ امام ترمذیؒ نے عیسیٰ علیہ السلام کا دجال کو قتل کرنے کے سلسلہ میں پندرہ صحابہ ؓ کی روایات کا حوالہ دیا۔

٣۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کا تواتر نقل کیا ہے ابی الحسین آبری سے۔

٤۔ محقق الکبیر کتاب الطلاق میں لکھا ہے اما رفع عیسیٰ علیه السلام فاتفق اصحاب الاخبار والتفسیر علی انه رفع ببدنه حیاً۔

٥۔ حیات عیسیٰ علیہ السلام اور رفع الی السماء بالجسد لازم و ملزوم ہیں۔

یہ اشارات ہیں ہم نے ذکر کئے ہیں زیادہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام"۔ فقط والسلام۔

الجواب صواب	۱۵/۵/۱۴۱۱ھ	بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ
خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان		خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان

قطعیات کا منکر کافر ہے — جو شخص سیدنا حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرتا ہے حالانکہ ان کی صحابیت نص قطعی سے ثابت ہے۔ یا ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی ہوئی تہمت کو حق سمجھتا ہے حالانکہ ان کی براءت بھی نص قطعی سے ثابت ہے یا تحریف قرآن کو حق جانتا ہے۔ حالانکہ قرآن میں آتا ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحٰفظون ایسا شخص کافر ہے یا فاسق۔ بینوا و توجروا عند اللہ۔

الجواب — منکر صحبت صدیق ؓ، مصدق قذف بر عائشہ ؓ اعاذہا اللہ منہا، اور قائل تحریف قرآن کافر ہے ومن شك فی کفرہ فهو کافر ایضاً بهذا ظهر ان الرافضی ان کان ینکر

صحبة الصديق او يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة - (شامی ج ۳ ص ۲۹۴) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان
۲۶ / ۹ / ۱۴۰۱ھ

علی اللہ رزقہا میں رزق تفضل ہے

قرآن مجید کی آیت وما من دابة في الارض الا علی اللہ رزقہا میں باری تعالیٰ پر رزق تفضل ہے یا غیر تفضل؟ تصریح فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب جمہور اہل السنۃ کے مسلک کے مطابق اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ یہ حق تعالیٰ کا احسان و کرم ہے۔ تفسیر مظہری ج ۵ ص ۵۵ میں مذکورہ آیت کے تحت مرقوم ہے۔ لتكفله اياها تفضلا ورحمة وانما اتى بلفظ الوجوب تحقيقا لوصوله وحملا على التوكل فيه اھ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹ / ۱۲ / ۱۴۰۶ھ

حالت اضطرار میں کلمہ کفر کہنا جائز ہے

ایک امام صاحب نے جمعہ میں تقریر کرتے ہوئے اپنے اعتقاد کا اظہار کیا کہ بوقت اضطرار کلمہ کفر کہنا جائز ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ شیخ سعدی رحمہ اللہ نے ہندوستان کے سفر میں سومنات کے سامنے کفر کیا اور بتوں کو سجدہ کیا؟

الجواب یہ مسئلہ صحیح ہے بوقت اضطرار کلمہ کفر کہنا بشرطیکہ دل میں ایمان موجود ہو جائز ہے۔ اس سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا۔ یہ مسئلہ قرآن مجید میں صراحۃً موجود ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۳ / ۱۱ / ۱۳۸۶ھ

استحلال معصیت کفر ہے

دینی کتب میں آتا ہے "استحلال المعصیة کفر" اس کا کیا مطلب ہے اور اس سے مراد کون سی معصیت ہے؟

الجواب وہ حرام کام جس کی حرمت قطعی ہو اور نص قطعی سے ثابت ہو اس کو حلال سمجھنا۔ جیسے کوئی شراب اور سود خوری کو حلال سمجھے ایسا استحلال معصیت کفر ہے۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ ۸ / ۵ / ۱۳۹۹ھ

ایسی مشق قائم کرنا جس سے توہین خدا کا شبہ ہو جائز نہیں ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ روزنامہ ۲ جنوری ۱۹۹۱ء

اخبار کوہستان ملتان میں صفحہ ۴ پر ایک خبر کی سرخی یوں درج ہے کہ "خدا و رسول و ولی جیل میں" اس کے نیچے خبر یوں درج ہے۔ بہاولپور ۸ جولائی (نامہ نگار) معلوم ہوا ہے کہ سوہن گاؤں میں تین اشخاص نے خدا و رسول و ولی ہونے کا دعوٰی کیا ہے۔ پولیس نے تینوں کو گرفتار کر لیا ہے اور جیل میں ڈال دیا ہے۔ اب عاشق حسین حسینی کہتا ہے کہ جو سرخی اس خبر کی بنائی گئی ہے وہ توہین آمیز ہے سرخی میں لفظ مجرمین یا نام نہاد یا بناوٹی ضرور درج کرنا چاہئے تھا۔ اس طرح کھلے طور پر خدا و رسول و ولی جیل میں، لکھنے سے توہین واقع ہے مگر اخبار والے کہتے ہیں کہ کوئی توہین نہیں ہوئی۔ دونوں میں سے کون سچا ہے؟ ۔ نوٹ: صیغۂ تکفیر کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

الجواب ایسی سرخی قائم کرنا موجب توہین ہے۔ اگر قائل یہ ظاہر کرے کہ میری نیت میں خدا و رسول سے مراد یہ جعلی خدا و رسول تھے اور نیت میں قطعاً خداوند قدوس کے بارے میں ارادہ یا وہم و گمان نہیں تھا تو اس پر تکفیر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ لیکن ایسے شخص پر لازم ہے کہ استغفار کرے۔ نیز مستحق تادیب بھی ہے۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۔ سید مسعود علی انوار العلوم ملتان

محمود عفا اللہ عنہ مدرسہ قاسم العلوم ملتان

آغاخانی کافر ہیں ہمارے علاقے چترال کے علاوہ گلگت، کراچی اور دیگر علاقوں میں اسمٰعیلی (آغاخانی) فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی کافی تعداد آباد ہے۔ جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں۔ مگر ان کے عقائد اور نظریات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱: **کلمہ**: اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ و اشہد ان امیر المؤمنین علی اللہ۔

۲: **امام**: یہ لوگ آغاخان کو اپنا امام مانتے ہیں اور اس کو جملہ اشیاء اور ہر نیک و بد کا مالک جانتے ہیں۔ اور اس کے اقوال اور احکامات کو فرمان کا نام دیتے ہیں اور اس کے فرمان ماننے کو سب سے بڑا فرض سمجھتے ہیں۔

۳: **شریعت**: ظاہری شریعت کی پابندی نہیں کرتے بلکہ آغاخان کو قرآن ناطق، کعبہ، بیت المعمور اور سب کچھ مانتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں ہے کہ اس ظاہری قرآن میں جہاں کہیں اللہ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد امام زمان (آغاخان) ہے۔

۴: **نماز** پنجگانہ کے منکر ہیں ان کی بجائے تین وقت کی دعاؤں کے قائل ہیں۔

۵: **مسجد**: مسجد کی بجائے جماعت خانہ کے نام سے اپنے لئے مخصوص عبادت خانہ بناتے ہیں۔

۶ : زکوٰۃ : شرعی زکوٰۃ کو نہیں مانتے۔ اس کی بجائے اپنے ہر قسم کے مال کا دسواں حصہ بطور واجبات اور (دسوند) کے نام سے آغا خان کے نام پر دیتے ہیں۔

۷ : روزہ : رمضان المبارک کے روزوں کے منکر ہیں۔

۸ : حج : حج بیت اللہ کے منکر ہیں۔ اس کے بجائے آغا خان کے دیدار کو حج کہتے ہیں۔

۹ : سلام : السلام علیکم کی بجائے ان کا مخصوص سلام ۔ یا علی مدد ہے۔

۱۰ : جواب سلام : وعلیکم السلام کی بجائے یا علی مدد کے جواب میں وہ "مولا علی مدد" کہتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ سوالات والے عقائد و نظریات کے باوجود مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں یا کہ نہیں؟

الجواب ـــ مشہور آغا خانی فرقہ کافر اور خارج از اسلام ہے ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ ہرگز نہ کیا جائے نہ ان سے مناکحت صحیح ہے اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں ان کو دفن کیا جائے۔ ان کی بعض کفریات کی سوال میں تصریح ہے، مثلاً لفظ "اللہ" سے مراد امام لینا۔ اور صوم، صلوٰۃ، زکوٰۃ، روزہ، حج کا انکار کرنا یہ صریح باعث کفر ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیے حضرت اقدس حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کا رسالہ "الحکم الحقانی فی الحزب الآغاخانی" (امداد الفتاویٰ ج ۶ ص ۱۰۳) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مسئلہ سماع موتیٰ و سماع درود و سلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ـــ یہاں کچھ لوگ احمد سعید کاظمی کے معتقد ہیں

احمد سعید نے توضیح میں مکروہ بحث چلا کر دلائل مانگتے ہیں مسئلہ سماع موتیٰ اور سماع صلوٰۃ و سلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث سے دلائل مطلوب ہیں۔ احادیث ضعیف اور مجروح اسناد والی نہ ہوں۔ ایک حدیث جو پیش کی جاتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میری قبر پر درود پڑھے وہ میں خود سنتا ہوں۔ اس کی سند میں ایک کذاب راوی ہے۔ اور یہ حدیث موضوع ہے۔

الجواب ـــ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۸۷) اس حدیث کی سند پر کوئی جرح نہیں۔ قال الشیخ

حدثنا عبدالرحمن بن احمد الاعرج حدثنا الحسین بن الصباح حدثنا ابومعاویۃ حدثنا الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ رضہ (جلاء الافہام ص ۲۵)

مندرجہ ذیل ائمہ حدیث واعیان امت نے اس حدیث کے مضمون کو صحیح تسلیم فرمایا ہے۔

۱: خاتم الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی رح ۔ ۲: حافظ سخاوی رح ۔ ۳: حافظ ابن تیمیہ رح ۔ ۴: ملا علی قاری رح ۔ ۵: قاضی ثناء اللہ رح ۔ ۶: علامہ طحطاوی رح ۔ ۷: نواب صدیق حسن خان اہل حدیث ۔ ۸: علامہ شبیر احمد عثمانی رح ۔ ۹: مولانا رشید احمد گنگوہی رح ۔ ۱۰: مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح ۔ ۱۱: حکیم الامت حضرت تھانوی رح ۔

ان میں سے چند حضرات کے اس سند کے بارے میں تعریفی اور تائیدی کلمات ۔

— حافظ ابن حجر عسقلانی رح :- اخرج ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید (فتح الباری ملاحظہ)

— محدث سخاوی رح :- رواہ ابو الشیخ وسندہ جید ۔

— ملا علی قاری رح :- رواہ ابو الشیخ وابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید (مرقات شرح)

— نواب صدیق حسن خان :- اسنادہ جید ۔ (دلیل الطالب ص ۸۰۳)

— علامہ شبیر احمد عثمانی رح :- اخرج ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید (فتح الملہم ج ۱)

اس میں کوئی راوی وضاع اور کذاب نہیں ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان — ۶ / ۸ / ۱۴۰۱ھ

روضۂ اطہر پر استغفار کے بارے میں

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ آیت — ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما ۔ (سورۃ نساء پ ۵) کی تفسیر کے بارے میں کہ کیا اب بھی روضۂ پاک کے پاس جاکر آدمی اپنے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرا سکتا ہے کہ یا نبی میری فلاں حاجت ہے آپ چونکہ خدا تعالیٰ کے پیارے بندے ہیں لہٰذا آپ میری یہ درخواست خدا کے سامنے پیش فرما دیں اللہ تعالیٰ آپ کی دعا ضرور قبول فرماتے ہیں ۔ آج کل عرف عام کے مطابق کہ میری دعا آپ کے آگے اور آپ کی دعا اللہ تعالیٰ کے آگے ۔ بعض حضرات اس آیت سے مقصد بالا مقصود ثابت کرتے ہیں ۔ چونکہ یہ شبہ حضرت مفتی محمد شفیع رح کی تفسیر معارف القرآن کی اس عبارت سے ہوا کہ یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام

ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاوے اور آپ اس کے لئے دعاء مغفرت فرمادیں تو اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری جیسا کہ آپ کی حیات دنیویہ کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔ اور اس سے آگے ایک واقعہ بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کی تائید میں تحریر ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ کہ جو جاء نے ظالم ہو کر جو احباب مزارات پر جا کر مُردوں سے دعائیں کرواتے ہیں درست ہو۔ کیونکہ وہ بھی تو خدا کے پیارے بندے ہیں۔ مثلاً شیخ عبدالقادر جیلانی رح، علی ہجویری رح، اور دوسرے اولیائے کرام کی قبروں پہ۔ ان حضرات کو تفسیر جواہر القرآن از شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب کی عبارت سے شبہ ہوا ہے کہ تفسیر کی عبارت یہ ہے۔ کہ اس آیت کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اسی واقعہ سے ہے۔ اور آپ کی قبر سے استمداد اور استشفاع جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب شاہ عبدالحق محدث دہلوی رح کی ایک عبارت سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" حق آنست کہ انکار فقہاء عام است از آنکہ استمداد از قبور انبیاء کنند یا از قبور غیر ایشاں ہمہ جائز نیست۔ چنانچہ از عبارات دیگر کتب فقہاء کہ در یں جواب ایراد کردہ می شود واضح خواہد گردید۔

(مسائل اربعین مسئلہ ۵ ص ۳۳)

اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ آیا اس آیت کے تحت اپنی حاجت روضہ اقدس پر جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کرنا۔ کہ آپ میری اس حاجت کیلئے خدا کے دربار میں شفیع ہو جائیں جیسا کہ عرف عام میں لوگ مزاروں پر جا کر شفیع وسیلہ مانتے ہیں یا نہیں ___ یا کہ یہ صرف اسی واقعہ کے ساتھ ہی خاص تھا جیسا کہ جواہر القرآن کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔ جواہر القرآن کے شروع مقدمہ کے صفحہ ۷۰ پر یہ بھی تحریر ہے۔

ارشاد الطالبین میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح فرماتے ہیں۔

" مسئلہ دعاء از اولیاء مُردگان و زندگان جائز نیست۔ رسول خدا فرمود الدعاء ھو العبادۃ وقرأ وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین۔

الجواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر حاضر ہو کر یہ عرض کرنا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے دعاء مغفرت فرمادیں اور میری شفاعت فرمادیں اب بھی جائز اور مستحب ہے۔ اس کا انکار جمہور اہلسنت کا خلاف ہے۔ اور اس کا انکار کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ خود بعد وفات سے اس کا ثبوت ہے کسی سے انکار منقول نہیں ہے۔ بلکہ بعض خوش نصیبوں کو تو دنیا ہی میں بشارت دے دی

گئی کہ تمہاری مغفرت کر دی گئی۔ حضرت مولانا اسماعیل رح تحریرات حدیث میں فرماتے ہیں ۔

جاء رجل اعرابي فقال يا رسول الله صلى الله عليه وسلم جئتك لتستغفر لي

إلى ربي فنودي من القبر الشريف قد غفر لك ۔ (ص ۲۴۶)۔

یہ واقعہ تفسیر مدارک ، وفاء الوفا ، قرطبی اور ابن کثیر میں بھی مروی ہے۔ واقعات کا انکار تو کسی طرح بھی معقول نہیں۔ مگر اس نظریہ کا انکار عدم حیات یا عدم سماع کی بنا پر کیا جاوے تو یہ بنا فاسد علی الفاسد ہے۔ آپ کا یہ کہنا کہ اگر یہ ثابت ہو جائے تو لازم ہے کہ جو احباب مزاروں پر جا کر مردوں سے دعا کرانے میں درست ہو۔ یہ دعوائے لزوم بلا دلیل ہے بلکہ بالکل غلط ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور آپ کا قبر شریف میں سماع منصوص و متفق علیہ ہے لیکن بزرگان دین کے سماع میں اختلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاء مغفرت کر دینے پر مغفرت کا وعدہ ہے۔ بزرگوں کی دعا پر قبولیت کا وعدہ نہیں۔ لہذا ان کو آنحضرت پر قیاس کرنا غلط ہے۔ مؤلف جواہر القرآن کا خلاف نص ، خلاف جمہور عقیدہ کے لئے شاہ اسحاق رح کی عبارت سے استدلال کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ شاہ اسحاق رح جس استمداد پر انکار فقہاء نقل کر رہے ہیں اس سے مراد صاحب قبر سے یہ کہنا ہے کہ تم میرا یہ کام کر دو۔ اور بے شک یہ غلط ہے بلکہ شرک ہے۔ نبی سے کہا جائے یا غیر نبی سے۔ خود شاہ اسحاق رح فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کتب فقہاء کی دوسری عبارت سے بات واضح ہو جائے گی۔ اور جو دوسری عبارات نقل کی ہیں ان میں تصریح ہے کہ صاحب قبر سے حاجت طلب کرنا ممنوع ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاہ اسحاق صاحب استمداد سے صاحب قبر سے حاجت طلب کرنے کو ممنوع قرار دے رہے ہیں۔ ورنہ ان کے اپنے دعویٰ اور دلیل میں کوئی مطابقت نہیں رہتی۔

"ارشاد الطالبین" کی عبارت سے استدلال بھی ایک واضح مغالطہ ہے۔ قاضی صاحب کی مراد اس جگہ دعا سے یہ ہے کہ صاحب قبر سے یہ کہنا کہ تم میرا یہ کام کر دو۔ جیسے اللہ رب العزت سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ اے اللہ میرا یہ کام کر دے۔ کیونکہ دلیل اس کی یہ پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدعاء هو العبادة ۔ لہذا جس معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ سے کہا جاتا ہے اگر اس معنی کے اعتبار سے غیر اللہ سے کہا جاوے تو یہ شرک و ممنوع ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی یوں نہیں کہتا کہ اے اللہ میرے حق میں دعا کر دیجئے۔ یا میرے لئے سفارش کر دیجئے۔ لہذا اس کا مسئلہ متنازعہ فیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو آپ کے سوال کا جواب تھا۔ رہا یہ مسئلہ کہ پیغمبر خدا کی طرح بزرگوں کے مزارات پر جا کر دعا کرانا جائز ہے یا نہیں ، تو ظاہر ہے کہ جو سماع کے قائل ہیں ان کے نزدیک ممنوعیت کی کوئی وجہ نہیں۔ اور جو قائل نہیں ہیں ان کے نزدیک ایسے کہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ اگر لوگ اس میں غلو

کرنے لگ جائیں اور اعتدال سے ہٹ جائیں تو علی الاطلاق ممنوع بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۲/۱۱/۱۴۰۰ھ

مسئلہ خلق قرآن قرآن پاک کو مخلوق کہنے کا کیا مطلب ہے۔ کلام تو بے شک صفت ہے اللہ تعالیٰ کی۔ لیکن کیا اس طرح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ تو اپنے احکام کلام کے ذریعہ نبی کی وساطت سے بندوں تک پہنچائے اور کچھ گزشتہ واقعات، عبرت کے لئے بیان فرمائے۔ اور کچھ ارشادات خاص خاص موقعوں پر (جیسا کہ حضرت عائشہؓ پر تہمت اور اس کی صفائی) کو دور کرنے کے لئے بصورت وحی ارسال فرمائے۔ تو کلام کی یہ تینوں صورتیں جدید ہوئیں۔ کیا اس اعتبار سے کلام کو مخلوق کہا جا سکتا ہے اور جدید ہونے کی صورت میں مخلوق نہ کہا جائے تو کیا کہنا چاہئے۔ جب کہ صفت کلام کے قدیم ہونے پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ یعنی یہ عقیدہ اپنی جگہ بدستور قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اور صفتوں کے ساتھ یہ بھی ایک صفت ہے کہ وہ حسب موقع کلام فرماتا ہے اور یہ صفت ازل سے ابد تک اس میں موجود ہے۔ اس عقیدہ کی تفہیم اور اصلاح مطلوب ہے۔

الجواب قرآن کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ تو اس وقت اس کی صفت جدید یا حادث لانا درست نہیں جس کو آپ لکھ رہے ہیں کہ کلام کی یہ تینوں صورتیں جدید ہوئیں۔ اس کو اصطلاح میں کلام لفظی کہتے ہیں۔ اور یہ بھی قدیم ہے جیسے کہ کلام نفسی اللہ کی صفت ہے اور قدیم ہے۔ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرف اور آواز کا لباس دے کر ہمارے پیغمبر علیہ السلام پر نازل فرمایا ہے۔ اور بندوں کو اس کے ساتھ امر و نہی کا مخاطب بنایا ہے۔ جس طرح ہم اپنے نفسی کلام کو کام اور زبان کے ساتھ حروف اور آواز کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام نفسی کو بغیر کام و زبان کے وسیلے کے محض اپنی قدرت کاملہ سے حروف اور آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں پر بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر و نواہی کو حروف و آواز کے ضمن میں لا کر ظہور کے میدان میں جلوہ گر کیا ہے۔ پس کلام کی دو قسمیں ہیں یعنی کلام نفسی اور کلام لفظی حقیقۃً حق تعالیٰ کا کلام ہیں۔ اور کلام لفظی کی نفی کرنا اور اس کو کلام خدا نہ کہنا بلاشبہ کفر ہے۔ (مکتوب ۲ دفتر دوم)

عقائد الاسلام میں ہے کہ کلام الٰہی کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔

(۱) اول یہ کہ کلام اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کلام بسیط ہے جو کہ اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس

کے قدیم ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔

۲۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ کلام سے وہ کلمات الٰہیہ مراد لئے جائیں جن کا حق سبحانہٗ نے تکلم فرمایا۔
قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام اسی معنی پر کہا جاتا ہے۔ یہی قرآن اللہ کا کلام ہے جو نبی پر اتارا گیا، قدیم اور غیر مخلوق ہے۔ مگر قرآن کی قرأت اور اس کی سماعت اور اس کی کتابت حادث اور مخلوق ہے۔ اس لئے کہ قرأت، سماعت اور کتابت بندے کے افعال ہیں۔ اور بندوں کے افعال حادث اور مخلوق ہیں۔ امام بخاری رح اور دیگر علمائے محققین کا یہی مسلک ہے اھ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — محمد انور

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — ۲۶ / جم / ۹۰ھ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ سے حاضر ناظر مراد لینا تحریف ہے

ایک مولوی صاحب نے بدعتی امام مسجد سے کہا کہ آیت لقد جاءکم رسول من انفسکم سے حضور کا انسان ہونا ثابت ہوتا ہے تو حافظ نے کہا کہ آیت کا یہ مقصد نہیں انفسکم کے معنی حاضر ناظر کے ہیں۔

الجواب آیت ہذا کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ یہ مطلب بیان کرنا قرآن کریم کی صریح تحریف ہے۔ گزشتہ تیرہ صدیوں میں آیت مذکورہ کا یہ معنی کسی مفسر نے نہیں کیا ہے۔ کُمْ ضمیر کے در اصل مخاطب حضرات صحابہ رض ہیں۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ ماضی کا صیغہ ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک عظیم الشان رسول آپہنچا ہے یعنی مبعوث کیا جا چکا ہے۔ یہاں آنے سے مراد چل کر آنا نہیں۔ بلکہ بعثت نبوت مراد ہے۔ ورنہ اہل مکہ کے پاس آپ کہاں سے چل کر تشریف لائے تھے۔ یہ لوگ شان نبوت میں گستاخی کرنے والے ہیں۔ گویا حضرات صحابہ رض کے ہم رتبہ بننے کے مدعی ہیں۔ اگر آپ ہم میں موجود ہوتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم زیارت مقدسہ سے محروم ہیں ذات خداوندی کا مشاہدہ تو اس عالم میں ممتنع ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو تقریباً پوری صدی تک سب حاضرین دیکھتے اور صحابیت جیسے اکرام سے مشرف ہوتے رہتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

عبداللہ عفی عنہ مفتی خیر المدارس ملتان — ۱۲ / شوال ۹۰ھ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر و متصرفات کا مالک ماننے کی تفصیل

ایک شخص مندرجہ ذیل عقائد رکھتا ہے۔

۱ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ ہر آن میں حاضر و ناظر ہیں۔

۲ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب کلی جمیع ماکان و مایکون کا اس طرح پر رکھتے ہیں کہ درخت کے ہر ہر پتہ کا علم، اور پانی کے ہر قطرہ، اور ہر جانور، اور جنگل کے ہر ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں۔

۳ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختار کل ہیں، اس طریق پر کہ جس کو چاہیں جنت میں داخل کریں۔ اور جس کو چاہیں جہنم میں بند رکھیں۔

۴ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم تصرفات کن کے مالک ہیں بنا بریں جسے چاہیں بیٹا دیں جسے چاہیں بیٹی دیں کبھی لفظ کن کہہ کر بندہ بھی پیدا کر سکتے ہیں۔

۵ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں بلکہ آپ اللہ کے نور میں سے ہیں۔ اور انہی عقائد کو ہی معیار ایمان سمجھتا ہے۔

اور وہ آدمی شریعت سے بھی واقف ہے۔ نماز قضیت اور جہالت کی وجہ سے نہیں کرتا۔ بلکہ ایک قوم کو بھی اس کا سبق دیتا ہے اور امامت بھی کراتا ہے تو کیا اس شخص کو امامت کا حق حاصل ہے۔ اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں!

مہربانی جواب سے نوازیں۔ نیز یہ بھی فرمائیں کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اور مذہب اہلسنت والجماعت کے اعتبار سے اس شخص کا کیا حکم ہے؟ دونوں سوالوں کا جواب مفصل مطلوب ہے اور صریح دلائل درکار ہیں۔

الجواب یہ عقیدہ بالبداہت باطل ہے محتاج دلیل نہیں ہے۔ البتہ بطور تنبیہ چند باتیں ملاحظہ ہوں۔

۱ : ہمارا مشاہدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس موجود نہیں۔ کیونکہ اگر فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو ہم آپ کے جمال جہاں آرا سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے اور زیارت کرتے مگر پورا عالم انسانیت اس سے محروم ہے۔ حتی کہ اگر کسی انسانی فرد کو بھی آپ یہ سوال کریں گے کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے؟ وہ یقیناً اس کا جواب نفی میں دے گا اگر آپ اسے کہیں کہ اب کر لو۔ کیونکہ آپ یہاں موجود ہیں تو وہ سائل کے بارے میں اسی کشمکش میں مبتلا ہو جائے گا کہ آیا اس کا دماغی توازن بھی درست ہے یا نہیں۔ جب آپ موجود ہیں اور اس مخلوق میں سے ہیں جو مبصر و مرئی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ بحالت موجودگی آنکھوں سے اوجھل رہیں۔ جب اوجھل ہیں اور نظر نہیں آتے تو معلوم ہوا کہ آپ کی ذات گرامی حاضر نہیں۔ اور اس پر پورے عالم اسلام و عالم انسانی

کے مشاہدہ کی تکذیب ہے۔ اور بلا دلیل قطعی کے ہے جو باطل ہے اور مستلزم باطل کو باطل ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ بھی باطل ہے۔ نیز بلا دلیل قطعی پورے عالم انسان کے مشاہدہ کی تکذیب اہل بدعت کا مذہب اور محض سوفسطائیت ہے جو اہل سنت وجماعت کے نزدیک تو کیا کسی بھی معقول اور منصف انسان کے نزدیک بھی درست اور حق نہیں ہو سکتا۔

حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات پاک کی موجودگی سے اعتراض کرنا حماقت ہے۔ نیز کیونکہ حق جل وعلا شانہ جبکہ اور مرئی فی الدنیا نہیں مشاہدۂ انسان کے علی الرغم جو ہم فرشتوں وغیرہ کی معیت یا موجودگی کے قائل ہیں تو وہ بوجہ نص قطعی کے ہے۔

ب: عملی طور پر فریق مخالف بھی اسی کا قائل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس مجالس اور اجتماعات میں موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مناصب جلیلہ اور مقام اعزاز کے لئے جب کبھی یہ لوگ انتخاب کرتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اس منصب رفیع یا مقام عزت کو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا جائے، اس منصب کے لئے اپنے میں سے کسی کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ مثلاً امامت وغیرہ کے لئے۔ پس معلوم ہوا کہ عملی طور پر یہ لوگ بھی اس عقیدہ کے قائل نہیں۔ ورنہ آپ کی موجودگی میں ایسا نہ کیا جاتا۔ جیسا کہ آپ کی زندگی میں حضور واقعی کی صورت میں۔

ج: اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور علم کلی آپ کو حاصل تھا تو نزول قرآن کی حاجت ہی باقی نہیں رہتی کیونکہ قرآن بھی علم کل کا ایک فرد ہے۔ جب علم کلی حاصل ہے تو قرآن کا علم بھی نزول سے پہلے حاصل ہوگا۔ پس نعوذ باللہ انزال قرآن عبث ٹھہرا اور تحصیل حاصل ہوئی اور یہ ہر دو باطل ہیں مستلزم باطل خود باطل ہوتا ہے۔ پس دعوے ہذا باطل ہے۔ اگر کہا جائے کہ نزول قرآن لوگوں کے لئے ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو پہلے سے اس کا علم تھا۔ تو جواب یہ ہے کہ اس صورت میں انزال کی کوئی حاجت نہ تھی بلکہ صرف اتنا بتا دینا کافی تھا کہ آپ اپنے علم کا اتنا حصہ یعنی بمقدار قرآن مخلوق تک پہنچا دیں۔ تیئیس ۲۳ سال تک جبرئیل امین کی آمد و رفت کی کیا ضرورت تھی؟ بلکہ اس امر کی بھی حاجت نہ تھی کیونکہ یہ بھی معلومات میں سے ہے اور اس کا جاننا بھی علم کل کا ایک فرد ہے۔ نیز یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا علم پہلے سے تھا نص قرآنی اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ قرآن میں تصریح ہے کہ قرآن کا نزول بتوسط جبرئیل ہوا خود بخود نہیں ہوا۔ چنانچہ ارشاد ہے

۱۔ وانہ لتنزیل رب العالمین ؕ نزل بہ الروح الامین علی قلبک الخ ؎

۲۔ ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان (پ ۲۵ س شوریٰ)۔

ان تنبیہات کے علاوہ اگر آپ کی حیات مقدسہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دوبارہ اس بات پر مجبور ہیں کہ آپ کے لئے علم کلی اور حضور بالکل تسلیم کیا جائے کیونکہ پوری سوانح اس کے خلاف ہے۔ چند واقعات بطور نمونہ پیش ہیں۔

۱۔ واقعہ افک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہینہ بھر تک مغموم و پریشان رہے۔ اگر حقیقت حال پر مطلع ہوتے تو پریشانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل الفاظ سے استفسار فرمانا حقیقت واقعہ پر مطلع نہ ہونے کی دلیل قاطع ہے۔ جیسا کہ تردید و تشکیک سے ظاہر ہے۔

ثم قال اما بعد یا عائشۃ فانہ قد بلغنی عنک کذا وکذا فان کنت بریئۃ فسیبرئک اللہ وان کنت الممت بذنب فاستغفری اللہ الخ

(بخاری ج ۲ ص ۶۹۶ مطبع اصح المطابع)

نیز اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے جو کچھ کہا گیا وہ بھی ہمارے مدعا پر نص ہے۔ ارشاد فرماتی ہیں۔

قالت فقلت انی واللہ لقد علمت لقد سمعتم ھذا الحدیث حتی استقر فی انفسکم وصدقتم بہ۔ (بخاری ایضاً)

نیز جواب مذکورہ سے علم غیب کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقیدہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اس کی قائل نہیں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور ہر واقعہ پر آپ مطلع ہوتے ہیں ورنہ جواب مذکور عرض نہ کرتیں کہ واقعہ سن کر آپ نے اسے سچا سمجھ لیا۔

۲۔ مسجد ضرار ایک یہودی ابو عامر منافق کی سازش سے تیار کی گئی تھی۔ (یہودی منافق ہے جو مشرکین کو جنگ احد میں اکسا کر مسلمانوں پر چڑھا لایا تھا جس گڑھے میں گر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے نیز دانت مبارک شہید ہوئے یہ گڑھا اس بدبخت نے کھدوایا تھا۔ جنگ احد میں ناکامی کے بعد یہی بدباطن قیصر روم کی طرف پہنچا تھا۔ اور اسلام کے استیصال کے لئے وہاں سے لشکر کا طالب ہوا تھا) حقیقت میں یہ مسجد نہ تھی بلکہ اس بدباطن کی اسلام کے خلاف تخریبی سرگرمیوں کا اڈا تھا۔ مگر مسلمانوں کی حمایت سے انقطاع اور علیحدگی میں راز فاش ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بدباطن کے حواریوں نے عرض کیا کہ آپ

ہماری مسجد میں نماز پڑھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غزوۂ تبوک کے لئے پا بہ رکاب تھے۔ ارشاد فرمایا۔ انا علی سفر ولکن اذا جئنا ان شاء اللہ اور بعض روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ ولو قد جئنا ان شاء اللہ تعالیٰ لاتیناکم فصلینا لکم فیہ یعنی اس وقت سفر غزوہ کا عذر کا وعدہ فرما لیا۔ مگر واپسی میں سفر کے اندر ہی وحی نازل ہوئی اور مسجد میں نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ لا تقم فیہ ابدا نزول وحی سے قبل آپ اس سازش سے قطعاً بے خبر تھے ورنہ نماز کا وعدہ فرمانے کی کیا حاجت تھی!

۳: حدیث جبرئیل علیہ السلام کا واقعہ حجۃ الوداع کے بعد پیش آیا۔ اس میں آپ نے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ ما المسئول عنہا باعلم من السائل یعنی مجھے بھی اس کا علم نہیں جیسا کہ سائل کو اس کا علم نہیں ہے۔ پس اس حدیث میں نفی علم غیب کلی کی تصریح ہے۔

۴: ایک یہودیہ نے گوشت میں زہر ملا دیا تھا۔ آپ کے اور حضرات صحابہؓ کے سامنے پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابتداءً اسے تناول فرمایا اور ایک صحابی کی اس گوشت کھانے سے موت واقع ہوئی۔ (کما فی حاشیہ بخاری عن القسطلانی ج ۲ ص ۶۱۰)

جب زہر ملایا گیا تھا تو اس عقیدہ حاضر و ناظر کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود تھے اور علم غیب تو تھا ہی پھر آپ کا تناول فرمانا اور ایک صحابی کا اس وجہ سے وفات پا جانا کیسے ہوا؟ اگر آپ پہلے سے مطلع تھے تو کیا طعام مسموم کا دانستہ کھانا جائز ہے جو کہ خودکشی کا مترادف ہے۔

۵: حجۃ الوداع میں عمرہ سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لو انی استقبلت من امری ما استدبرت لم اسق الهدی الخ اخرجہ مسلم و مشکوٰۃ
اس میں تصریح ہے کہ جس بات کا مجھے بعد میں علم ہوا اگر پہلے علم ہو جاتا تو میں ہدی کا جانور نہ لاتا۔ پس علم غیب کلی کا دعویٰ باطل ٹھہرا۔

۶: ایک مقبرہ میں تشریف لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

وددت انا قد رأينا اخواننا قالوا اولسنا اخوانك يا رسول الله قال انتم اصحابي واخواننا الذين لم ياتوا بعد فقالوا كيف تعرف من لم يات بعد من امتك يا رسول الله فقال ارأيت لو ان رجلا له خيل غر محجلة بين ظهري خيل دهم بهم الا يعرف خيله۔ (مشکوٰۃ)

خط کشیدہ عبارت قابل غور ہے۔ اگر صحابہؓ بھی اسی عقیدہ علم غیب پر اعتقاد رکھتے تھے تو

کیونکہ نعوذ باللہ سے استفسار کا کیا محل ہے؟ عالم الغیب کے لئے اول، آخر، ظاہر، باطن سب یکساں ہیں۔ تو آخر صحابہ کے ذہن میں یہ اشکال کیوں پیدا ہوتے؟ پس حدیث مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ اس باطل عقیدے کے قائل نہ تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حق تعالیٰ سبحانہ کی طرح ہر جگہ حاضر و ناظر اور ہر انسان کے ساتھ موجود ہیں۔ کیا حق جل وعلا کے بارے میں بھی کسی کو ایسا اشکال پیدا ہوا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے استفسار بالا کا جو جواب ارشاد فرمایا گیا وہ بھی قابل لحاظ ہے۔ آپ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ میں عالم الغیب ہوں، ہر زمانہ میں ہر انسان کو میری معیت حاصل ہے، اور میری نگاہ میں تمام مخلوق ہے تو مجھ سے بعد والے لوگ کیسے مخفی رہ سکتے ہیں، نہیں بلکہ آپ نے ان لوگوں کو پہچاننے کا ایک عام طریقہ بتلا دیا جس کے ذریعہ ہر شخص شناخت کر سکتا ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ میدان حشر کی بات ہے

۴: حدیث حوض کوثر میں میدان حشر کے اندر تصریحاً آپ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول سحقاً الخ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۸۸)

۵: حدیث شفاعت میں ہے کہ میں شفاعت کے لئے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر اجازت طلب کروں گا۔ فیؤذن لی ویلہمنی محامد احمدہ بہا لا تحضرنی الآن الخ

(مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۴۸۸)

کہ محامد بالا کا علم اسی وقت ہوگا۔ نفی علم غیب کے لئے یہ بھی کافی ہے۔ یہ بھی میدان حشر کا واقعہ ہوگا۔ بطور نمونہ کے چند احادیث صحیح نقل کی گئی ہیں جب کہ پورا ذخیرۂ حدیث اس قسم کے واقعات سے بھرا پڑا ہے۔ مگر چونکہ استیعاب مقصود نہیں ہے لہٰذا اسی پر ہی اکتفاء کیا جاتا ہے۔ قرآن پاک کی آیات بھی اس سلسلہ میں کثیر ہیں۔ بوجہ خوف طوالت سب کو حذف کرتے ہوئے صرف چند آیات ہی لکھی جاتی ہیں۔

۱: قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب الخ (سورۂ انعام ع ۵)

ای لا اقول لکم انی اعلم الغیب انما ذلک من علم اللہ عزوجل الخ (ابن کثیر ج ۲ ص [illegible])

۲: ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء۔

(سورۂ اعراف ع ۲۳)

امرہ اللہ تعالیٰ ان یفوض الامور الیہ وان یخبر عن نفسہ انہ لا یعلم الغیب المستقبل الخ آیت ہذا میں بھی مدعا کے بارے میں کوئی اخفا نہیں ہے۔

۳۔ ان الساعۃ اٰتیۃ اکاد اخفیہا الخ (سورۃ طٰہٰ ع ۱) عن ابن عباس انہ

اکاد اخفیہا یقول لا اطلع علیہا احدا غیری وقال السدی لیس احد من

اہل السموٰت والارض الا قد اخفی اللہ عنہ علم الساعۃ وقال قتادۃ و

نحن نرٰی و قد اخفاہا اللہ من الملائکۃ المقربین ومن الانبیاء والمرسلین۔

(ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۳)

آیات مندرجہ بالا اقوال مفسرین سے علم غیب کی نفی کلی تفسیر استدلال کی محتاج نہیں ہے۔

۴۔ قل انما العلم عند اللہ وانما انا نذیر مبین الخ ای لا اعلم وقت ذلک

على التعیین الا اللہ عزوجل (ابن کثیر ج ۴ ص ۳۹۹ پ ۲۹)

۵۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ الخ (سورۃ لقمان) قال مجاہد وہی مفاتیح الغیب التی قال اللہ تعالیٰ و

عندہ مفاتیح الغیب لا یعلمہا الا ہو رواہ ابن ابی حاتم وابن جریر عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہا قالت

من حدثک انہ یعلم ما فی غد فقد کذب قال قتادۃ اشیاء استاثر اللہ بہن فلم یطلع علیہن ملکا مقربا

ولا نبیا مرسلا الخ (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۵۵)

آیت مذکورہ میں اشیاء خمسہ کا علم غیر اللہ سے منفی ہونا بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مفسرین کے بیانات

بلکہ خود حدیث مرفوع سے ثابت ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منفی ہونا ظاہر ہے۔ حدیث

مرفوع یہ ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفاتیح الغیب خمس لا یعلمہن الا اللہ ان

اللہ عندہ علم الساعۃ الخ اخرجہ احمد و بخاری فی کتاب الاستسقاء

اسی مسئلہ میں حدیث رجل من بنی عامر بھی مفید مدعا ہے ملاحظہ ہو اس حدیث کے آخر

میں ہے کہ۔

قال فہل بقی من العلم شیء لا تعلمہ؟ قال قد علمنی اللہ عزوجل خیرا

وان من العلم ما لا یعلمہ الا اللہ عزوجل الخمس ان اللہ عندہ علم الساعۃ

اخرجہ احمد وہذا اسناد صحیح۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۵۵)

اس سے زیادہ صریح اور کیا ہو سکتا ہے۔

۶۔ قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ الخ (پ ۲۰)

جو بشر سے علم غیب کا منفی ہونا ظاہر ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں

رہا ثابت ہے۔

اس کے بعد فقہاء کرام کے فیصلہ پر ہم اس نمبر کو ختم کر دیتے ہیں کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کا اعتقاد رکھے وہ مسلمان بھی باقی رہ جاتا ہے یا نہ۔

وفی الخانیۃ والخلاصۃ لو تزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد ویکفر لاعتقادہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب۔

کما فی البحر ج ۳ ص ۹۰۔ خط کشیدہ الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ معتقد علم غیب کافر ہے۔

سوال نمبر ۸ کا جواب مختار کل کے اگر یہ معنی ہوں کہ آپ تمام مخلوق سے پسندیدہ اور مقبول ہونے میں حد ادفق بالملتزم ہے تو ان اعتبارات سے آپ کی ذات مختار کل ہے۔ اور اگر اس کے معنی قادر مطلق کے ہیں جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو یہ عقیدہ باطل ہے قادر مطلق صرف ذات خدا وندی ہے کسی مخلوق کو یہ مقام حاصل نہیں۔ بندگی اور قدرت کاملہ علی الاطلاق باہم متناقض ہے۔ ایک وقت میں ایک ذات میں ان کا اجتماع ناممکن اور محال ہے۔ آپ کی عبدیت محقق ہے۔ پس قدرت کاملہ علی الاطلاق منتفی ہوگی۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں بھی واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ قدرت مطلقہ تو کیا آپ اپنی ذات مقدسہ کے بارے میں بھی نفع و ضرر کا کلی اختیار نہیں رکھتے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

۱۔ قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الخ (اعراف، پ ۹)

۲۔ قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا۔ (سورۃ جن، رکوع ۲)

۳۔ قرآنی آیات واحادیث کا وہ سارا ذخیرہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی مطلب جنت، یا دفع مضرت کی دعا مانگی ہے۔ کیونکہ قادر مطلق کو کسی سے مانگنے کی کیا حاجت ہے؟ مثلاً

اللھم انی اسئلک الجنۃ۔ اعوذ بک من النار۔ اللھم واقیۃ کواقیۃ الولید۔ وغیرذلک مما لا یعد ولا یحصی الخ۔

۴۔ نیز وہ ذخیرہ احادیث جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بدنی یا روحانی تکلیف کے پہنچنے کا تذکرہ موجود ہو۔ کیونکہ قدرت کاملہ اور مطلقہ کے ساتھ یہ اذیتیں جمع نہیں ہو سکتیں بالخصوص جب کہ علم غیب کلی بھی موجود ہو۔

اگر کہا جائے کہ باوجود دفع مضرت پر قادر ہونے کے آپ نے دفع مضرت نہیں کیا بلکہ برداشت

کیا تاکہ رفع درجات کا موجب بنے اور مدارج عالیہ کے حصول کا سبب بنے ۔ تو
جواب یہ ہے کہ ارشاد مطلق کہ اس طریقہ سے یہ تحمل کلفت و حصول درجات کی ضرورت ہی کیا ہے
جو اور سب کچھ اختیار میں ہے تو یہ درجات بھی تو تحت القدرت ہی ہوں گے ورنہ خلاف دعویٰ
لازم آئے گا ۔

۵ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کے مسلمان ہو جانے کی بہت خواہش کی ۔ مگر
ارشاد خداوندی ہوا کہ ۔ انک لا تہدی من احببت ۔ الخ پ

۶ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت کوشش فرماتے تھے کہ مشرکین مکہ ایمان لے آئیں مگر مشرکین
ایمان نہ لاتے تھے آپ ان کے غم میں گھلے جاتے تھے ۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ۔ لعلک باخع
نفسک الا یکونوا مؤمنین ۔ (سورۃ شعراء پ۱۹) ۔ قدرت مطلقہ کے باوجود اس کی
کیا حاجت ہے ۔

سوال ۳ کا جواب یہ عقیدہ بھی باطل ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً بشر تھے ۔ تمام دلائل
کا ذکر کرنا موجب تطویل ہے لہٰذا ہر نوع کی صرف ایک ایک یا چند دلیلیں
بیان کی جاتی ہیں ۔ بغور ملاحظہ ہوں کہیں دلائل بڑھ جائیں تو معذور سمجھیں ۔

۱ ۔ قرآن کریم میں پوری وضاحت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی بشریت کا اعلان کرا
دیا گیا ہے ۔ تاکہ تا قیامت کسی کے لئے اس میں چلنے سخن باقی نہ رہے ۔ ارشاد باری عزاسمہٗ ۔
قل انما انا بشر مثلکم ۔ (آخر کہف پ۱۶)

۲ ۔ یہی اعلان پارہ چوبیس میں دوبارہ کرایا گیا ۔ اس کے علاوہ سورۃ بنی اسرائیل میں ھل کنت
الا بشرا رسولا فرما کر اعتراف بشریت ضروری کرایا گیا ۔ ان قرآنی تصریحات کے باوجود بھی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت سے انکار قرآن مجید سے انکار ہے ۔ جن آیات میں ترکیب مفید
حصر ہے جس سے غیر بشر ہونے کے تمام اوہام کا ابطال ہو جاتا ہے کما لا یخفی ۔

۳ ۔ احادیث میں سے حدیث ذوالیدین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ۔
ولکن انما انا بشر انسی کما تنسون ۔ مشکوٰۃ ابی داؤد ۔ بخاری ۔ مسلم
نسائی ۔ ابن ماجہ کذا فی عمدۃ القاری (ج ۳ ص ۱۰۱) تیسیر الباری ج ۲ ص ۱۰ میں
بھی یہ روایت موجود ہے ۔

۴ ۔ وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلت اللّٰہم انما

سے اقوال بطور نمونہ پیش کئے گئے ۔

فائدہ — اسی طرح بطور نمونہ "علم الکلام" سے بھی چند عبارتیں اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں۔ عقائد کی تحقیق و تنقیح کے بارے میں علم کلام چونکہ قانون کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں تاویل کی زیادہ گنجائش نہیں ہے لہذا اس بنا پر بلا شبہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی ۔

١ ۔ تمام اہل اسلام متفق اللفظ ہیں کہ نبی وہ انسان ہے جس پر وحی آتی ہے ۔ اس تعریف کی بنا پر لازم آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسان ہیں ۔ کیونکہ آپ نبی ہیں پس کسی ایسے شخص کے لئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق تسلیم کرتا ہے اس سے چارہ نہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان بھی مانے ورنہ نعوذ باللہ انکار نبوت کرنا ہوگا ۔

چنانچہ متکلم اسلام محقق ابن الہمام اپنی بے نظیر تصنیف مسامرہ میں نبی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ ان النبی انسان بعثہ اللہ تعالی ۔ (مسامرہ مصری ص...)

٢ ۔ مسایرہ کے شارح صاحب مسامرہ فرماتے ہیں فالنبی علی ھذا انسان اوحی اللہ تعالی الیہ ۔ (مسامرہ ص ...)

٣ ۔ علامہ بیجوری فرماتے ہیں ۔ واعلم ان الرسول اصطلاحا انسان اوحی الیہ ۔ (بیجوری علی السنوسیہ ...)

٤ ۔ علامہ دوانی تحریر فرماتے ہیں ۔ ھو انسان بعثہ اللہ تعالی الی الخلق (دوانی علی العضدیہ ...)

٥۔٦۔٧۔٨ ۔ ومثلہ (الدوانی) فی شرح العقائد وھکذا نقل محشی النبراس عن شرح العقائد (نبراس ص ...) ونحوہ فی حاشیۃ الخیالی علی شرح العقائد (خیالی مصری ص ...) ومثلہ فی عقیدۃ الطحاویہ (ص ...) وھکذا قیل ۔

٩ ۔ جوہرہ میں ہے ۔ ومنہ ای افراد الجائز العقلی ارسال اللہ تعالی جمیع الرسل ای رسل البشر من آدم الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ (جوہرہ ص ...)

١٠ ۔ نیز صاحب جوہرہ فرماتے ہیں ۔

والفرق بینھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بشر الخ ۔ (ص ...)

فائدہ — تلک عشرۃ کاملۃ ۔ سب سے آخر میں فقہاء کرام کی چند تصریحات پیش کرکے اس مسئلہ کو ختم کیا جاتا ہے ۔ چنانچہ فقہاء کرام نے تمام انبیاء علیہم السلام کو بلا استثناء انسان اور بشر قرار دیا ہے ۔ چونکہ یہ مسئلہ فقہاء کرام کے منصب سے زیادہ تعلق نہیں رکھتا لہذا اس کے

بحث ضمنی طور پر ان کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ بشر افضل ہے یا فرشتے؟ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں

۱۔ صاحب کفایہ شارح ہدایہ فرماتے ہیں۔ والمختار ان خواص بنی آدم وهم الانبياء افضل من كل الملائكة۔ (کفایہ ج ۱ ص ۱۲۷ مع فتح القدیر)۔

۲، ۳۔ علامہ شامی منحة الخالق حاشیہ بحر اور اپنی کتاب رد المحتار میں فرماتے ہیں۔

قسم البشر الى قسمين، خواص، وهم الانبياء عليهم السلام وعوام، وهم من سواهم وفي البحر حاصله ان قسم البشر الى ثلاثة اقسام خواص كالانبياء۔

(شامی ج ۱ ص ۳۰۰۔ حاشیہ بحر ج ۱ ص ۳۵۳ مصری)

قرآن وحدیث، اقوال مفسرین نیز تصریحات متکلمین وفقہاء کرام کے علاوہ محققین اہل السنة والجماعت نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے آپ کی بشریت کا اعتقاد رکھنا شرط ہے۔ گویا کہ اعتقاد بشریت کے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا معتبر اور صحیح ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ بلا اعتقاد ختم نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا غیر معتبر ہے۔ چنانچہ حنفیہ کے مشہور فقہاء میں سے فقیہ علامہ طحطاوی مراقی الفلاح کی شرح میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

ویشترط لصحة الايمان به صلى الله عليه وسلم معرفة اسمه وكونه بشرا من العرب وكونه خاتم النبيين اتفاقا لورود ذالك بالقطع على التواتر۔ اهـ (طحطاوی ص ۵۰ مصری)۔

مندرجہ بالا دلائل کی موجودگی میں استفتاء میں ذکر کردہ عقائد کا بطلان اظہر من الشمس ہے۔ پس ایسا شخص گمراہ ہے جو یہ عقائد رکھتا ہے اور گمراہ کنندہ ہے۔ اور ہرگز امامت کے لائق نہیں۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم۔
عبد اللہ عفا اللہ عنہ	بندہ عبد الستار عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
مفتی خیر المدارس ملتان۔	۱۳ ـ ۱۲ ـ ۱۳۸۰ھ

عصمت انبیاء علیہم السلام

مسلمانوں کا مسلّمہ عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء معصوم ہیں ان سے گناہ کا ارتکاب نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی ایسی لغزشوں کا ذکر کیا ہے جن پر گرفت اور تنبیہ کی گئی ہے۔ غلطی، لغزش، خطاء اجتہادی

اور گناہ کی مختصر تعریف کر کے انبیاء علیہم السلام کی عصمت قرآن و سنت کی روشنی میں مختصر تحریر فرمائیں
کیا حضرات انبیاء علیہم السلام بتقاضائے بشریت غلطی یا لغزش کے مرتکب ہو سکتے ہیں؟

الجواب "عصمت انبیاء علیہم السلام" اجماعی مسئلہ ہے اور محققین اس کے قائل ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام صغائر و کبائر سے معصوم ہوتے ہیں۔

نقله الشوکانی فی الارشاد عن کتاب الملل والنحل وقال اختار ابن برهان وحکاه النووی فی زوائد الروضة عن المحققین قال القاضی حسین هو الصحیح من مذهب اصحابنا۔ وما روی فی ذلک فیحمل علی تاویل الاولی۔ ص ۳۴۔

اور بعض ایسے امور جن کے بارے میں انبیاء علیہم السلام پر کچھ عتاب فرمایا گیا یا حق تعالیٰ سبحانہ کی جانب سے ان کی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا۔ ایسے امور کو اصطلاحی الفاظ میں "زَلّہ" یا خطاءِ اجتہادی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان امور کا صدور حضرات انبیاء علیہم السلام سے ممکن ہے بلکہ واقع ہے۔

"زَلّہ" کی تعریف یہ ہے کہ وہ فی حد ذاتہ گناہ نہیں ہوتا، بلکہ فی نفسہ امر جائز ہوتا ہے اور اس کا مقابل عمل بھی جائز ہوتا ہے۔ دونوں میں فرق افضل و مفضول یعنی "خوب" اور "بہت خوب" کا ہوتا ہے۔ نبی اگر ثانی الذکر کو چھوڑ کر "خوب" پر عمل کر لیتا ہے تو اس کے مقام رفیع کے اعتبار سے اس طرز عمل کو لغزش یا زلّہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تنبیہ خداوندی متوجہ ہو جاتی ہے۔
حالانکہ عوام کے اعتبار سے یہ کوئی قابل تنبیہ عمل نہیں بلکہ یہ نیکی ہوتی ہے کما قیل حسنات الابرار سیئات المقربین اور ہمارے باہمی تعلقات میں بھی اس کی بہت نظیریں مل سکتی ہیں۔
اور خطاءِ اجتہادی کی حقیقت یہ ہے کہ نبی نے ایک عمل کو عین منشاء خداوندی سمجھ کر کیا، بعد میں آپ کو متنبہ فرما دیا گیا کہ ہمارا وہ منشاء نہیں بلکہ یہ تھا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رض کے بارے میں جو طرز عمل اختیار فرمایا تھا آپ کے خیال مبارک میں وہ عین اپنی مصلحت کے مطابق تھا، لیکن حق جل شانہ کی جانب سے واضح فرما دیا گیا کہ اس میں ہمارا منشاء یہ تھا۔

مگر چونکہ فعل انبیاء علیہم السلام بھی حجت ہے لہٰذا انبیاء علیہم السلام سے اگر کبھی ایسی خطاءِ اجتہادی کا صدور ہوتا ہے تو فوراً اس کی اصلاح فرما دی جاتی ہے۔ ایسی غلطی پر باقی نہیں رہنے دیا جاتا

اور خطاء اجتہادی میں غیر نبی یعنی مجتہد پر بھی مواخذہ نہیں ۔ اور ایسے مجتہد کا گناہ نہیں سمجھا جاتا ۔ بلکہ اسے ثواب ملتا ہے ۔ ان الحاکم اذا اجتہد فاصاب فلہ اجران وان اجتہد فاخطأ فلہ اجر ۔

اور گناہ و معصیت یہ ہے کہ بدون نسیان قبل از تامل کے صریح حکم خداوندی کی مخالفت کیجائے ۔

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم

خیر محمد عفا اللہ عنہ — بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

درج ذیل عقائد والے اہل بدعت اہلسنت سے خارج ہیں

جو لوگ مندرجہ ذیل عقائد رکھتے ہوں ان کے متعلق از روئے کلام الٰہی و حدیث شریف و فقہ حنفی کیا حکم ہے ۔

۱ : تم سب محبت و اتفاق سے رہو اور حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو ۔ اور میرا دین و مذہب جو میری کتابوں سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے ۔ (وصیت نامہ ص [illegible] مولوی احمد رضا خان)

۲ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر شئی کا علم دیا گیا ہے ۔ ([illegible] بریلوی مطبوعہ کلکتہ)

۳ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعیین وقت قیامت کا بھی علم ہے ۔ (خالص الاعتقاد ص [illegible])

۴ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت روح کا علم بھی ہے ۔ (خالص الاعتقاد ص [illegible] احمد رضا خان)

۵ : حضور علیہ السلام اس کام کے مالک ہیں جس کے لئے چاہیں حلال فرما دیں جس کو چاہیں حرام کر دیں ۔ جس کے لئے چاہیں قرآن مجید کے احکام کو بدل دیں ۔ (سلطنت مصطفیٰ ص [illegible] احمد یار گجراتی)

۶ : حضور علیہ السلام ہر کسی کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں دنیا و آخرت کی سب مرادیں حضور علیہ السلام کے اختیار میں ہیں ۔ (برکات الامداد ص [illegible] احمد رضا خان)

۷ : انبیاء علیہم السلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں ۔ وہ ان کے ساتھ شب باشی کرتے ہیں ۔ (ملفوظات حصہ سوم ص [illegible] احمد رضا خان)

۸ : اس طرح ہر وہ کام جس کی ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو نیک نیتی کے ساتھ جائز اور کار ثواب ہے ۔ (راہ سنت حنفیہ ۔ مولوی محمد شریف کوٹلی)

۹ : لو تستقر نطفۃ فی فرج انثی الا ینظر الیہا ذلک الرجل [illegible]

(مؤلفہ مولوی غلام محمد بریلوی)

۱۰ ۔ دنیا و آخرت کی ہر چیز کے مالک ہیں سب کچھ انہی سے مانگو۔ عزت مانگو، ایمان مانگو، اولاد مانگو، جنت مانگو، اللہ کی رحمت مانگو۔ (سلطنت مصطفیٰ، احمد یار گجراتی)

۱۱ ۔ آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک حضور سیدنا غوث اعظم پر سلام نہ کرے۔

(الامن والعلیٰ، مولوی احمد رضا خان)

۱۲ ۔ کوئی تم سے نہیں کہتا کہ مجھے علم غیب ہے اس لئے کہا کہ وہ تم ان باتوں کے اہل نہیں ہو۔ ورنہ واقع میں مجھے ما کان وما یکون کا علم ہے۔ (خالص الاعتقاد ص۳۸ احمد رضا بریلوی)

خلاصہ از رسائل۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کل علم غیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا تھا اور اب بھی آپ مخلوق کے ہر ایک حال ظاہر و باطن، خیر و شر سے بخوبی واقف ہیں۔ اور ہر ایک آدمی کی آواز خواہ مشرق میں ہو یا مغرب میں بذات خود سن لیتے ہیں۔ اسی طرح دیگر اولیاء کرام بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور ما کان وما یکون کا علم رکھتے ہیں۔ اس وقت یہ عقیدہ احمد رضا خان کے معتقدین کا ہے اور بریلوی جماعت کا ہے۔

اب مذہب احناف اور کتب معتبرہ حنفیہ کی رو سے ایسے عقیدے رکھنے والے لوگوں کو مشرک کہہ سکتے ہیں؟

الجواب

بریلوی فرقہ جس کے عقائد منسوبہ بالا بیان کئے گئے ہیں اہل السنۃ والجماعت سے خارج ہیں۔ ان کے اہل بدعت و اہل ہوا ہونے میں کلام نہیں۔ لیکن اس فرقے کے تمام افراد پر عمومی طور پر کافر اور مشرک ہونے کا فتویٰ علماء اہل السنۃ والجماعت نے نہیں لگایا۔ البتہ مخصوص افراد جن سے صراحۃً کلمات کفر سرزد ہوں اور ان کی کوئی صحیح تاویل نہ ہو سکتی ہو، اور وہ کفریہ معانی پر جمے ہوئے ہوں ایسے لوگ کافر ہو جائیں گے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ

الجواب صحیح
شیر محمد عفی عنہ

سنت کی توہین کفر ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل سوالات کے بارے میں۔

۱ ۔ اگر کوئی پاکستانی مسلمان جج، مجسٹریٹ یا افسر محکمہ آبکاری۔ اپنی عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر اپنے روبرو پیش ہونے والے ایک ایسے گواہ کو جو کہ اپنے چہرہ پر شرعی داڑھی رکھتا ہو اسکی

لہٰذا میں اس مقدمے میں قلم بند کرنے سے پہلے جس میں اس کو طلب کیا گیا ہو کسی اور موضوع کی گفتگو میں گواہ کی تحقیر کرنے کے لئے یہ فقرہ کہے۔ " یہ مولوی بڑے بد دیانت ہوتے ہیں "

۲ : دوران گفتگو اس گواہ کی موجودگی میں حاضرین مقدمہ و وکلاء کو مخاطب کر کے کہے۔
" میں خوب جانتا ہوں یہ داڑھی والے مولوی بڑے ہی جھوٹے ہیں "

۳ : گواہ کی موجودگی میں حاضرین کو کہے " داڑھی منہ پر لگا کر گواہی دینے آجاتے ہیں " ان سوالات کے جوابات شرعی بخدمت جناب گورنر صاحب ارسال کئے جائیں گے۔ ان کو رد یا تسلیم فرمایا جاوے اور علماء کرام کے دستخط و مہر سے مسائل کو عنایت فرمائے جائیں ممنون ہوں گا۔ یہ مسئلے کسی ذاتی رنجش کی وجہ سے دریافت نہیں کئے جا رہے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر ان سے سنت رسول اللہ کی توہین یا علماء ثابت ہوتی ہے تو خادم اس کا تدارک ضرور کرے گا۔

الجواب جج یا مجسٹریٹ جو بھی ان الفاظ کو منہ سے خارج کرے۔ اگر یہ کلمات اس بنا پر کہتا ہے کہ اس وضع یعنی داڑھی سے چڑ ہے اور تحقیرا و استخفافا تمسخر کرتا ہے تب تو یہ کلمہ سخت ہے اور کلمات کفریہ بن جائے گا اور اس کا قائل کفر کے قریب پہنچ جائے گا۔ اور اگر وہ ان جیسے کلمات کو اس لئے منہ سے خارج کرتا ہے کہ اس کو گواہ سے عداوت و ذاتی رنجش ہے تو ایسے کلمات کے کہنے سے گناہ کا مرتکب ہوگا اور فسق ہوگا۔

لقوله عليه السلام سباب المسلم فسوق الحديث، ولقوله عليه السلام
كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه الحديث

ان کلمات میں چونکہ ایک مسلمان کی توہین ہے جو گناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب فاسق قرار پاتا ہے علاوہ ازیں قاضی یا حاکم کے لئے کسی فریق مقدمہ کے اوپر رعب ڈالنا یا اس پر طنز کرنا یا اس کے متعلق کوئی ایسی بات کرنا جس سے اس کی دل شکنی ہو جائز ہی نہیں۔

حاصل کلام ایسے حاکم مذکور پر کفر کا فتویٰ تو دیا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ نیات کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے البتہ اس کا یہ فعل موجب فسق ضرور ہے جس پر توبہ و ترجیع کرنا اور حکومت کو اس کا انسداد کرنا ضروری ہے۔

الجواب حق والحق احق ان یتبع — فقط واللہ اعلم

خیر محمد عفا اللہ عنہ — بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

مہتمم خیر المدارس ملتان — مفتی خیر المدارس ملتان

ب

عذاب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے، اور مسئلہ حیات انبیاء ؑ

ـــــ مع ان کے دستی دستی دلائل ـــــ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ ایک شخص عام موتی کا ثواب و عذاب قبر میں جسم پر نہیں مانتا بلکہ صرف روح پر تسلیم کرتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو روضۂ اطہر میں بے حس و شعور خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک پر صلوٰۃ و سلام کو پڑھا جاتا تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنتے۔ کیا ایسے عقیدے والا شخص اہل السنۃ والجماعت سے خارج ہے؟ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ راحت و عذاب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے، ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ معتزلہ اور روافض کا عقیدہ ہے کہ راحت و عذاب قبر فقط روح پر ہے۔ فتح الباری ص ۲۰۵ ج ۳ میں ہے

وذهب ابن حزم وابن هبيرة الى ان السؤال يقع على الروح فقط من غير عود الى الجسد وخالفهم الجمهور فقالوا تعاد الروح الى الجسد او بعضه كما ثبت في الحديث ولو كان على الروح فقط لم يكن للبدن بذلك اختصاص. اهـ

امام نووی شرح صحیح مسلم ص ۳۸۶ ج ۲ میں فرماتے ہیں۔

ثم المعذب عند اهل السنة الجسد بعينه او بعضه بعد اعادة الروح اليه او الى جزء منه.

ملا علی قاری مرقات ص ۵۱ ج ۱ میں فرماتے ہیں۔

فاعاد روحه في جسده ظاهر الحديث ان عود الروح الى جميع اجزاء بدنه فلا التفات الى قول البعض بان العود انما يكون الى البعض.

ابن تیمیہ حرانی حنبلی شرح حدیث النزول ص ۷۶ میں فرماتے ہیں۔

سائر الاحاديث الصحيحة المتواترة تدل على عود الروح الى البدن.

ابن قیم جوزی حنبلی کتاب الروح ص ۵۱ پر فرماتے ہیں۔

بل العذاب والنعيم على النفس والبدن جميعا باتفاق اهل السنة والجماعة.

قابل اشکال نہیں اور نہ آپ کا دل قابل زیارت ہے۔ پس حضرت مفتی صاحب نے جو محققین کا قول نقل کیا ہے کہ حضور کو حیات برزخی حاصل ہے اس کا مطلب یہ ہے حیات فی البرزخ حاصل ہے۔ یعنی برزخ ظرف حیات ہے صفت حیات نہیں۔ اس کے بعد حضرت مفتی صاحب کا یہ دعویٰ بھی صحیح ہے کہ یہ حیات فی البرزخ دنیوی حیات سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر ہے یعنی عام دنیوی زندگی سے یہ برزخ کی دنیوی زندگی بھی اس ظرف برزخ میں پہنچ کر اقویٰ تر ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے حیات دنیوی کی نفی نہیں ہو رہی ہے بلکہ اس کی تکمیل اور استحکام ثابت ہو رہا ہے آگے آپ حیات کے مطالعہ کی ہدایت کی گئی ہے —— —— سو اس کی تحقیق کا حاصل بھی یہی ہے جو محققین کی تحقیق ہے کہ آپ کو حیات فی البرزخ حاصل ہے اور وہ حیات دنیوی ہے۔ خود مفتی صاحب نے فرمایا ہے " کہ گو بکیفیت موجودہ اقویٰ اور قوی تر ہے " جس کا حاصل یہی ہے کہ برزخ میں پہنچ کر یہ حیات دنیوی اور زیادہ قوی اور مستحکم ہو گئی ہے نہ یہ کہ وہ دنیوی حیات ختم ہو گئی ہے۔ پھر بعد میں نے قول اول کو راجح بتلایا ہے۔ اور وہ قول اول محققین کا قول حیات فی البرزخ ہے جسے انہوں نے حیات برزخی سے تعبیر کیا ہے۔ پھر ساتھ ہی حیات دنیوی کو صراحۃً ثابت شدہ بھی بتلا رہے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خود اس کے خلاف کریں۔ اس لئے حضرت مفتی صاحب کی عبارت اور محققین کے مسلک میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔ البتہ عبارت میں کچھ تسامح ضرور ہے مگر تسامحاً کہنے سے یہ مسئلہ کوئی پیچیدگی نہیں رکھتا۔ اس سے مطلب اخذ کر سکتے ہیں۔ جیسے روایات اور متعارض روایات میں تطبیق و توفیق کے قواعد ادا کر سکتے ہیں اس محل میں تسامح کا وہ مطلب بھی ادا کر سکتے ہیں۔ امید ہے کہ جناب کی اس تحریر سے تسکین ہو جائے گی اور مفتی دارالعلوم کی جانب سے کسی قسم کا کوئی خلجان باقی نہ رہے گا۔

محمد طیب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۹ / ۲ / ۱۳۷۷ھ

حیات النبی ﷺ کے بارے میں حضرت قاری صاحب مدظلہ کی طرف سے مسلک دیوبند کی ترجمانی

حضرت المکرم مولانا خیر محمد صاحب زید مجدکم، السلام مسنون۔ نیاز مقرون

گرامی نامہ مؤرخہ ۲۰ صفر ۸۰ ۱۳ھ کو ترتیب صدور لایا۔ میں اس درمیان میں ہمہ وقت اسفار میں رہا۔ اس لئے ارسال جواب میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی۔ معافی کا خواستگار ہوں۔ گرامی نامہ سے اندازہ ہوا کہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اہمیت اختیار کر گیا ہے جس سے اندیشہ ہے کہ منتسبین دیوبند ہی میں خود گروہ بندی نہ ہو جائے۔ اس لئے نیازمندانہ طریق پر گزارشات پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔

مسئلہ زیر بحث (حیات النبی) میں جہاں تک اپنے بزرگوں کی کتابوں، فتاویٰ، مقالات اور تحریرات کا تعلق ہے دیوبندیت تو یہی ہے کہ برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات دنیوی کے ساتھ زندہ مانا جائے۔

کیونکہ دیوبندیت کی موجودہ جماعتی تشکیل قیام دار العلوم دیوبند سے شروع ہوتی ہے جس کی ابتداء حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے دو جلیل القدر خلفاء حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہما اللہ سے ہوئی۔ ان تینوں بزرگوں کا مسلک بھی حیات دنیوی ہے۔ پھر آخر الذکر دو بزرگوں کے تلامیذ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا عبد الرحیم رائپوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے جو ان کے علوم و فتاویٰ اور مقالات میں موجود ہے۔ پھر ان اکابر کے تلامذہ مثل حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور دوسرے اساتذہ دار العلوم دیوبند وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔

یہی حضرات دیوبندیت کے اساطین کہلاتے ہیں۔ اس لئے دیوبندیت تو حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حیات دنیوی ہی ہے جو برزخ میں قائم ہے۔

فقط والسلام

محمد طیب

مہتمم دار العلوم دیوبند

ایصال ثواب — ثواب پہنچانا اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ عقیدہ

سوال: سورۂ کہف میں لکھا ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال نامے کا دفتر بند کر دیا جاتا ہے۔ جب دفتر بند ہو گیا تو پھر جو بعد میں ثواب پہنچاتے ہیں وہ کہاں درج ہوتا ہے؟ اس سلسلہ میں قرآنی آیات و احادیث نبوی کا حوالہ تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب: اہلسنت والجماعت کے نزدیک بالاتفاق ایصال ثواب درست ہے۔ اگر انسان اپنی کسی نیکی کا ثواب دوسرے شخص کو بخشتا ہے تو یہ ثواب اسے پہنچتا ہے۔ اہلسنت والجماعت کا یہ مسلک بہت سی احادیث و آیات سے ثابت ہے۔ صاحب ہدایہ ص ۲۹۶ ج ۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

الاصل فی هذا الباب ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة او صوما او صدقة او غیرها عند اهل السنة والجماعة لما روی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه ضحی بکبشین املحین احدهما عن نفسه والآخر عن امته ممن اقر بوحدانیة الله تعالٰی وشهد له بالبلاغ جعل تضحیة احد الشاتین لامته الخ

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ ایصال ثواب جائز ہے اور صحیح ہے۔ ورنہ نعوذ باللہ اس ایصال کو لغو تسلیم کرنا پڑے گا۔

۲: حدیث خثعمیہ میں ارشاد نبوی منقول ہے: وانه علیه السلام قال فیه حجی عن ابیک الحدیث اخرجه الخمسة

۳: ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ سے اپنی والدہ کے ایصال ثواب کے لئے کنواں کھدوایا وقال هذه لام سعد۔

اس کے علاوہ پوری امت کا سلفاً وخلفاً یہ معمول ہے کہ اپنے اقرباء کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ نیز صاحب بحر نے اس سلسلہ میں مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کی تائید میں دو آیات سے بھی استدلال کیا ہے: وهذا نصه والاصل فیه ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیره عند اصحابنا بالکتاب والسنة اما الکتاب فلقوله تعالٰی وقل رب ارحمهما کما ربیانی صغیرا، واخباره تعالٰی عن ملائکته ویستغفرون للذین آمنوا الآیة۔

یہی ایصال ثواب دوسرے کے حق میں شمار کیا جاتا ہے۔ میت کا اعمال نامہ لپیٹ دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اپنا کوئی عمل اب اس میں درج نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کا عمل موت سے منقطع ہو گیا۔ اور دوسرے کے عمل کا ثواب پہنچنا ہے یا پہنچانا یہ الگ بات ہے۔ فلا اشکال۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مورخہ ۱۲ / ۵ / ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

توسل بالانبیاء والاولیاء کے بارے میں مفصل و مدلل فتویٰ

سوال نمبر ۱: مسائل ذیل میں توسل بالانبیاء والاولیاء کی حقیقت کیا ہے۔

۱: انبیاء علیہم السلام اور اولیاء عظام اور صحابہ کرام کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا کیسا ہے۔ خواہ وہ اس عالم دنیا میں زندہ ہوں یا فوت ہو چکے ہوں۔ خواہ ان کی ذات سے توسل کیا جائے یا ان کے اعمال سے۔ ایسا توسل جائز ہے یا حرام یا شرک۔

۲: علماء حنفیہ خصوصاً اکابر علماء دیوبند کا مسلک توسل کے متعلق کیا ہے۔

۳: پنجاب کے بعض مدعیان علم دیوبندی کہلا کر اس قسم کے توسل کا سختی سے انکار کرتے ہیں بلکہ اس کو شرک کہتے ہیں وہ صحیح معنی کر دیوبندی ہیں یا نہیں؟

المستفتی قاضی احسان احمد شجاع آبادی

الجواب وباللہ التوفیق

توسل کی حقیقت: مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی چشتی حنفی قدس سرہ العزیز جائز توسل کی حقیقت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

(الف) کسی شخص کا جو جاہ ہوتا ہے اللہ کے نزدیک اس جاہ کی قدر اس پر رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ توسل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ جتنی رحمت اس پر متوجہ ہے اور جتنا قرب اس کا آپ کے نزدیک ہے اس کی برکت سے مجھ کو فلاں چیز عطا فرما۔ کیونکہ اس شخص سے تعلق ہے۔ اسی طرح اعمال صالحہ کا توسل آیا ہے۔ حدیث میں، اس کے بھی یہی معنی ہیں۔ کہ اس عمل کا جو قدر حق تعالیٰ کے نزدیک ہے اور جس نے وہ عمل کیا ہے۔ اے اللہ برکت اس عمل کے ہم پر رحمت ہو۔ (وعظ [illegible] ص ۸۰)

(ب) اور حاصل توسل فی الدعاء کا یہ ہے کہ اے اللہ فلاں بندہ آپ کا مورد رحمت ہے۔ اور مورد رحمت سے محبت اور اعتقاد رکھنا بھی موجب جلب رحمت ہے۔ اور ہم اس سے محبت اور اعتقاد رکھتے ہیں لیس ہم پر رحمت فرما۔

(نشر الطیب ص ۳۳۸)

۲: حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ العظام اور صلحاء کرام کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا شرعاً جائز بلکہ قبولیت دعا کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے مستحسن اور افضل ہے۔ قرآن و حدیث کے اشارات و تصریحات سے اس قسم کا توسل بلا شبہ ثابت ہے۔

الف: قرآن مجید سے توسّل کا ثبوت

ولما جاءهم کتاب من عند الله مصدق لما معهم وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا۔ الآیۃ (پ ۱ سورۃ بقرہ) اور جب پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو ان کے پاس ہے اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر۔ اھ یستفتحون کا معنی استفتاح ہے اس کے لغوی معنی ہیں "مدد طلب کرنا"۔

علامہ شوکانی رح تفسیر فتح القدیر (ص ۱۰۵ ج ۱) میں لکھتے ہیں۔ والاستفتاح الاستنصار۔ اھ

علامہ آلوسی رح فرماتے ہیں:

نزلت فی بنی قریظة والنضیر کانوا یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول الله صلی الله علیه وسلم قبل بعثه قاله ابن عباس وقتادة اھ

(تفسیر روح المعانی ص ۳۲۰ ج ۱)

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہ رح اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل کتاب یعنی بنی قریظہ اور بنی نضیر اپنے عربی قبائل اوس وخزرج پر فتح طلب کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے۔

اللهم انا نسئلك بحق نبیك الذی وعدتنا ان تبعثه فی آخر الزمان ان تنصرنا الیوم علی عدونا فینصرون اھ (معالم)

یعنی اے اللہ ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں اس آخر الزمان نبی کے طفیل جن کی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے یہ کہ ہمارے دشمنوں پر آج ہمیں مدد عطا فرما، وہ مدد دیئے جاتے۔ یعنی ان کی دعا قبول ہوتی اور غالب آجاتے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں۔ "نبی کے تشریف لانے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوتے، تو خدا سے دعا مانگتے کہ ہم کو نبی آخر الزمان اور ان پر جو کتاب نازل ہوگی۔ ان کے طفیل کافروں پر غلبہ عطا فرما۔" اھ

دیکھئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم دنیا میں تشریف فرما نہ ہوئے تھے، اس وقت بھی اہل کتاب آپ کے وسیلہ سے دعا کرکے فتح یاب ہوتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کرکے قرآن مجید میں اس قسم کے توسل کی کہیں تردید نہیں فرمائی۔ پھر اس کے جواز میں کیا شبہ اور گنجائش کسی کو ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

ب: حدیث شریف سے توسّل کا ثبوت

(۱) عن عثمان بن حنیف رضی الله عنه ان رجلا ضریر البصر اتی النبی صلی الله

ہوتا ہے۔ یہ تجربہ پڑھا جو اہل سلسلہ کے یہاں معمول ہے اس کی بھی دینی حیثیت از قبیل [illegible] ہے۔ (التکشف ص ۲۰۹)

۴: عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابغونی فی ضعفائکم فانما ترزقون وتنصرون بضعفائکم رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ ص ۴۴۷)

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، مجھ کو (قیامت میں) غرباء میں ڈھونڈنا، کیونکہ غرباء کی ایسی فضیلت ہے کہ تم کو روزی اور دشمنوں پر غلبہ غرباء ہی کے طفیل سے میسر ہوتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے۔ اھ (التکشف ص ۴۳۹)

ف: نمبر ۳ اور نمبر ۴ والی حدیثوں سے ثابت ہوا کہ مقبولان الٰہی کی ذوات سے بھی توسل جائز ہے۔

۵: عن مصعب بن سعد عن ابیہ انہ ظن ان لہ فضلا علی من دونہ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما ینصر اللہ ہذہ الامۃ بضعیفہا بدعوتہم وصلاتہم واخلاصہم رواہ النسائی وہو عند البخاری بلفظ ہل تنصرون وترزقون الا بضعفائکم اھ

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ان کو خیال آیا کہ دوسرے صحابہ پر ان کو فضیلت ہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد فرماتے ہیں، اس کے کمزور لوگوں کی دعا اور ان کی نماز اور اخلاص کے طفیل۔ روایت کیا اس کو نسائی نے۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے۔ تم کو نصرت اور رزق دیا جاتا ہے کمزوروں کے طفیل۔

ف: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی ذات اور اعمال و اخلاص کے وسیلہ سے دعا مانگنا جائز ہے۔

جمہور اہلسنت والجماعت حنفیہ شافعیہ وغیرہما کے نزدیک بزرگوں کی ذوات و اعمال سے توسل کرنا جائز ہے

امام شافعیؒ سے توسل کا ثبوت ابو بکر بن خطیب بن علی میمون سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے سنا کہ میں امام ابو حنیفہؒ کے وسیلہ سے برکت حاصل کرتا ہوں۔ ہر روز ان کی قبر پر زیارت کے لئے حاضر ہوتا ہوں اور ان کے قریب اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کی دعا کرتا ہوں، اس کے بعد جلد میری مراد پوری ہو جاتی ہے۔ (تاریخ خطیب ص ۱۲۳ ج ۱)

کسی ایک کا بھی اس میں اختلاف نہیں۔

۴ ۔ مذکورہ بالا تحریرات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جناب کے یہ خیال کہ جو توسل بالذوات یا توسل بالاموات کا مطلقاً انکار کرتے ہیں بلکہ اس کو حرام یا شرک کہتے ہیں وہ ہرگز ہرگز دیوبندی المسلک نہیں۔ بلکہ دیوبندی مسلک کے سلفۂ بدنام کنندہ ہیں۔ واللہ یہدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔

تنبیہ علامہ شوکانی رح کی ایک عبارت مولوی عبد العزیز صاحب شجاعبادی نے اپنے رسالہ "ناقوس الاختلاف" ص ۲۴۵، ۲۴۶ میں نقل کر کے انکار توسل کی تائید میں جو نتیجہ نکالا ہے کہ

"ولی البتہ مردہ انسان خواہ بڑا ہو یا چھوٹا اس سے ان چیزوں یعنی توسل وغیرہ سے کوئی ایک بھی ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عباس رض سے توسل و دعا کر رہے ہیں۔ اھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ توسل بالاموات آنحضرت کی وفات کے بعد اصحاب کبار کے نزدیک تصور نہ ہو سکتا تھا۔ اسی لئے حضرت عباس رض سے توسل کر لیا ہے۔" (ناقوس الاختلاف ص ۲۴۵، ۲۴۶)

یہ بالکل مغالطہ ہے۔ حدیث کا مفہوم سمجھنے سے فہم کے افلاس کا ثمرہ ہے۔ حدیث یہ ہے۔

عن انس رض ان عمر بن الخطاب کان اذا قحطوا استسقیٰ بالعباس بن عبد المطلب فقال اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقوا۔

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب قحط ہوتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے دعاء باراں کرتے اور کہتے کہ اے اللہ ہم اپنے پیغمبر کے ذریعے سے آپ کے حضور میں توسل کیا کرتے تھے اور اب اپنے نبی کے چچا کے ذریعے سے آپ کے حضور میں توسل کرتے ہیں۔ سو ہم کو بارش عنایت کیجئے، سو بارش ہو جاتی تھی۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔ اھ۔

اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصود اس توسل سے اول تو اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بلا واسطہ آپ سے توسل کیا جائے۔ دوسری یہ کہ آپ کے قرابت حسیہ یا قرابت معنویہ سے تعلق رکھنے والے سے توسل کیا جائے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی رح فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے غیر نبی کے ساتھ بھی توسل جائز نکلا جب کہ اس کو نبی سے کوئی تعلق ہو۔ قرابت حسیہ کا یا قرابت معنویہ کا۔ تو توسل بالنبی کی ایک صورت یہ بھی نکلی۔ اور اہل فہم نے کہا ہے کہ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے حضرت عمر رض نے حضرت عباس رض سے توسل کیا۔ کہ اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات کے بعد توسل جائز نہ تھا۔ جب کہ دوسری روایت سے اس کا جواز ثابت ہے۔ اھ

(نشر الطیب ص ۲۰۰)

دوسرے یہ شبہ ہو سکتا تھا۔ کہ شاید توسل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ آپ کے سوا کسی اور شخص کے ساتھ توسل جائز نہیں۔ اس شبہ کا ازالہ کرنے کے لیے حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے توسل کیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ دوسرے صلحاء کے ساتھ بھی توسل جائز ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

(ف) مثل حدیث بالا اس سے بھی توسل کا جواز ثابت ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جواز توسل ظاہر تھا۔ حضرت عمرؓ کو اس قول سے یہ جتلانا تھا کہ غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے۔ تو اس سے بعض کا سمجھنا کہ احیاء و اموات کا حکم متفاوت ہے۔ بلا دلیل ہے۔ اول تو آپ بنص حدیث قبر شریف میں زندہ ہیں۔ دوسرے جو علت جواز کی ہے وجہ جامع مشترک ہے تو حکم کیوں مشترک نہ ہوگا۔ اھ

علامہ شوکانی رحمہ کا بھی یہی مطلب ہے۔ نہ وہ جو شجاع آبادی صاحب نے ظاہر کیا۔ حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب اور محبت کی توفیق عطا فرمائے اور فہم سلیم نصیب فرمائے۔

احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان
۱۱۔۱۲۔۱۳۸۶ھ

"خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتے ہیں" بریلویوں کا جھوٹ ہے

دیوبندی عقیدہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ مسئلہ امکان کذب۔ فتاویٰ رشیدیہ، جلد اول: صفحہ ۲۰ پر عبارت یہ ہے کہ "کذب داخل تحت قدرت باری تعالیٰ ہے" مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی۔

الجواب

یہ قول کہ خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے، فتاویٰ رشیدیہ میں کہیں بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ الفاظ بریلویوں کے خود بنائے ہوئے اور اختراعی ہیں۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ کہیں بھی استعمال نہیں کئے ہیں۔ بلکہ حضرت موصوف ایسا کہنے والے کو کافر و ملعون کہتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں حضرت موصوف کا وہ فتویٰ جو کہ انہوں نے ذات مذکورہ فی السوال بات کے قائل کے متعلق دیا تھا، بالفاظہ نقل کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہٗ کی پاک و منزہ ہے اس سے کہ متصف بصفت کذب کیا جاوے۔ معاذ اللہ
تعالیٰ اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ومن اصدق من اللہ قیلاً۔ جو
شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے وہ قطعاً کافر ہے ملعون ہے۔ اور مخالف
قرآن و حدیث کا اور اجماع امت کا ہے وہ ہرگز ہرگز مومن نہیں۔ تعالی اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔
البتہ یہ عقیدہ اہل ایمان و سب کا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو مثلاً فرعون و ہامان و ابولہب کے قرآن میں جہنمی ہونے کا ارشاد ہے
وہ حکم قطعی ہے اس کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرے گا۔ مگر وہ تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ ان کو جنت دے دیوے عاجز
نہیں ہو گیا قادر ہے۔ اگرچہ ایسا اپنے اختیار سے نہ کرے گا۔ قال اللہ تعالیٰ ولو شئنا لآتینا کل نفس ھدٰھا ولٰکن
حق القول منی لاملئن جہنم من الجنۃ والناس اجمعین اس آیت سے واضح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو مومن
کر دیتا مگر جو فرما چکا اس کے خلاف ہرگز نہ کرے گا۔ اور یہ سب اختیار سے ہے اضطرار نہیں، فاعل مختار ہے فعال لما یرید ہے۔
یہ عقیدہ تمام علماء امت کا ہے چنانچہ بیضاوی نے تحت تفسیر قولہ تعالیٰ ان تغفر لہم الآیۃ لکھا ہے کہ عدم غفران شرک
مقتضی وعید کا ہے۔ ورنہ کوئی امتناع ذاتی نہیں۔ اور یہ ہے عبارت۔ وعدم غفران الشرک مقتضی الوعید فلا امتناع
فیہ لذاتہ ص ۱۲۰ ج ۱ ـــــــ کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی

ایسے صریح اور کھلے ہوئے فتویٰ کے ہوتے ہوئے حضرت مولانا پر یہ افترا کرنا کہ معاذ اللہ وہ خدا کو کاذب بالفعل مانتے
ہیں یا ایسا سمجھنے والے کو مسلمان کہتے ہیں کس قدر شرمناک کذب و افترا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مفتریوں کو ان کے کئے کا بدلہ دے۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
۱۰/۲/۱۳۸۰ھ

روئے زمین کے علماء کو کافر و مرتد کہنے والا کافر ہے

ایک شخص محمد حسین نے ایک مولوی صاحب سے تیز تیز باتیں کرتے ہوئے کہا کہ یہ مولوی کافر و مرتد ہو گیا
ہے اور یہ روئے زمین کے علماء (نعوذ باللہ) کافر و مرتد ہو گئے ہیں۔ آیا یہ شخص مسلمان ہو گیا اور اس سے میل جول رکھنا
چاہئے یا نہیں؟

الجواب شخص مذکور کو فوراً توبہ اور تجدید ایمان کا اعلان کرنا چاہئے۔ جب تک ایسا نہ کرے اس
سے کسی قسم کے تعلقات نہ رکھے جائیں، اور ساتھ ہی مولوی صاحب سے بھی معافی مانگے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما رجل قال لاخیہ
کافر فقد باء بہا احدھما (متفق علیہ) عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذالک ۔ اھ (بخاری) فقط ۔

الجواب صحیح
محمد شریف جالندھری
مہتمم خیر المدارس ، ملتان

محمد انور
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۔
۱۸ ، ۹ ، ۱۳۹۸ھ

بہشتی زیور کے دو مسائل کے بارے میں ایک سوال

(۱) بہشتی زیور میں ہے کہ جب کفر کا کلمہ زبان سے نکالا تو ایمان جاتا رہا ۔ اگر ہنسی دل لگی میں کفر کی بات کہے اور دل میں نہ ہو تب بھی یہی حکم ہے ۔ جیسے کسی نے کہا (نعوذ باللہ) کیا خدا کو اتنی قدرت نہیں جو فلانا کام کر دے اس کا جواب دیا ہاں یا نہیں ہے ۔ تو اس کہنے سے کافر ہو گیا ۔

(۲) کسی نے کہا کہ اٹھو نماز پڑھو جواب دیا کون اٹھک بیٹھک کرے ۔ یا کسی نے روزہ رکھنے کو کہا تو جواب دیا کون بھوکا مرے ۔ یا روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانا نہ ہو یہ سب کفر ہے ۔ ان مسائل کے بارے میں ارشاد فرمائیں ؟

الجواب (۱) مذکورہ مسائل درست ہیں ۔ پہلا مسئلہ واضح ہے قرآن مجید میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ فلانے کام پر قادر نہیں قرآن کا انکار ہے ۔

(۲) دوسرے مسئلہ میں شریعت کا استہزاء اور تمسخر ہے اور یہ بھی کفر ہے ۔ فقط

الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہ
مدرس خیر المدارس ملتان

محمد انور
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۲ ، ۱۰ ، ۱۳۹۰ھ

شریعت کی ایسی تیسی کہنا کفر ہے

سوال : ایک شخص مسلمان ہو کر شریعت کو ہلکا اور ناچیز سمجھتا ہے اور کہتا ہے " شریعت کی ایسی تیسی میں شریعت کو کچھ نہیں سمجھتا ۔ کیا اس شخص کے ایمان پر کچھ فرق پڑا یا نہیں ؟

الجواب بظاہر یہ الفاظ کفریہ ہیں۔ لہٰذا تجدید ایمان و تجدید نکاح کی جاوے۔ ولو قال لـ
شریعت چہ دانم یکفر۔ (خلاصہ ص ۳۸۸ ج ۴)
ولو نظر الی فتوی و قال باز نامہ فتوی آوردی یکفر ان اراد به الاستخفاف
بالشریعة۔ (سراجیہ ص ۴۰) فقط۔

الجواب صحیح
العبد الحقیر محمد انور
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

عبدالستار
خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان
۸ محرم ۱۳۹۰ھ

نماز کے ساتھ مذاق کے بارے میں

ایک مڈل سکول میں ایک مزاحیہ ڈرامہ ترتیب دیا گیا، اس میں شہر کے چند معززین کو بھی دعوت دی گئی، اور پھر کیمپ میں یہ ڈرامہ کھیلا گیا۔ وہ ڈرامہ یہ تھا کہ ایک لڑکے کو امام بنایا گیا اور دوسرے مقتدی ہو گئے۔ امام نے نماز کی نیت اس طرح کی کہ حلوہ، گوشت، چاول، سوجی اللہ اکبر۔ قیام بغیر قرأت کے رکوع کر کے سجدہ کیا بغیر اللہ اکبر کہے۔ سجدے میں امام لیتے سر اٹھا کر صحن میں حلوہ کھانے میں یوں مشغول ہو کہ بار بار مقتدیوں کو بھی سجدہ میں پڑا ہوا دیکھ لیتا تھا۔ اور پھر کر حلوہ کھاتا تھا۔ اور تماشائیوں کو بھی ہنساتا تھا۔

پھر دوسری رکعت کو سب کھڑے ہو گئے۔ اور دوبارہ سجدے میں دیکھتے ہی چاول، حلوہ کی پلیٹیں سامنے رکھ کر جلدی جلدی سر اٹھا کر کھاتا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد التحیات میں بیٹھ کر سلام پھیرا۔ اور امام نے دعا مانگی کہ یا اللہ حلوہ، گوشت، چاول دے، مال کی فیکٹریاں بند کر۔

ڈرامے کے ذمہ دار افسر نے چند معززین کے جواب میں اسی وقت کہا کہ ہماری نیت مزاحیہ پروگرام پیش کرنا ہے کوئی نماز کا انکار یا مولوی پر طعن وغیرہ مطلوب نہیں۔ جس کو یہ پسند نہ لگے وہ چلا جائے۔

اس ڈرامہ پر ایک دیوبندی مولوی صاحب نے پرزور تردید کی بیان دیئے جس نے ڈرامہ میں شمولیت کرنے والے چند افراد کو کہا کہ یہ لوگ

ءباللہ وآیاته ورسوله کنتم تستهزءون، لا تعتذروا قد کفرتم (الآیۃ) اذا
سمعتم آیات اللہ یکفر بها ویستهزء بها فلا تقعدوا معهم حتی
یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلهم۔

کے مصداق ہیں۔ ڈرامہ میں شامل ہونے والے اور دیکھنے والے مسلمان توبہ کریں اور تجدید ایمان و تجدید نکاح کریں۔
اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس صورت میں واقعی شعائر اسلام کا مذاق ہوا؟ مولوی صاحب کا بیان درست ہے یا نہیں؟

الجواب نماز شعائر اسلام میں سے ہے۔ اس کے ساتھ تمسخر و استہزاء کرنے والوں کے لئے ایمان و نکاح کی تجدید ضروری ہے۔ مذکورہ ڈرامہ میں شرکت کرنے والے، ترتیب دینے والے، کردار ادا کرنے والے، انتظام کرنے والے، دیگر کوشش کرنے والے، سب سخت مجرم اور گناہگار ہیں، بالخصوص اس قبیح ترین حرکت کو سوچنے والے اور اسے عملی جامہ پہنانے والے۔ علاقے کے مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے افراد کے خلاف سخت غم و غصہ و بیزاری کا اظہار کریں تاکہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو اور وہ توبہ کریں اور آئندہ کسی بد باطن خبیث فطرت کو دین و مذہب کے ساتھ علانیہ ایسا استہزاء کرنے کی جرأت نہ ہو۔

جس مولوی صاحب نے ان کی تردید کی ہے انہوں نے بالکل درست کیا ہے۔ ان کی تائید کرنی چاہئے اور تجدید ایمان کا حکم درست ہے۔ واقعی تجدید ضروری ہے اور توبہ بھی علانیہ مجمع عام کے سامنے کرائی جائے۔
لما فی الهداية التوبة على حسب الجناية فالسر بالسر والاعلان بالاعلان۔

(ہدایہ [illegible])

الجواب صحیح
محمد انور شاہ غفرلہ
نائب مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

محمد انور
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

باری تعالیٰ عزوجل کی شان میں گستاخی کفر ہے

سوال زید جو اپنے آپ کو مسلمان کہلواتا ہے۔ دوسرے تمام کے بیہودہ کاروں کی بھی مذمت کرتا ہے اس کے باوجود اکثر حقیقی اللہ جل شانہ کی شان اقدس میں گستاخی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ ماں بہن کی گالیاں دیتا ہے۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے۔ نیز زید کے ایک مستند عالم دین بکر کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات ہیں حتیٰ کہ بکر زید کے گھر بھی آتا جاتا ہے اور اس کے گھر کا کھانا بھی کھاتا ہے۔ کیا زید اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا حق دار ہے؟ زید کے گھر کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور بکر ذاکر کے پیچھے قراءت نماز وغیرہ ادا کرنا درست ہے؟

الجواب وفی الفتاوى العالمگیریة ص ۲۵۸ ج ۲۔ یکفر اذا وصف الله تعالى بما لا يليق به او سخر باسم من اسمائه او بامر من اوامره الخ
روایت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر زید مذکور نے واقعی اللہ جل شانہ کی شان اقدس میں وہ الفاظ استعمال کئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں تو پھر ایسا شخص (زید) مسلمان نہیں بلکہ مرتد ہے۔ اس سے مسلم کو بے تعلق رہنا لازم ہے اور اس کے گھر کا کھانا کھانا درست نہیں ہے۔ بکر ذاکر پر توبہ و استغفار لازم ہے۔ اگر وہ اپنے فعل پر ندامت ظاہر نہ

کرے بلکہ بدستور اس کے گھر آتا جاتا رہے تو اس کو امامت سے علیحدہ کر دیا جائے ۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس ملتان

بندہ محمد اسحٰق غفرلہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

ان اللہ علی کل شیء قدیر کے عموم میں ہر ممکن داخل ہے

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ علی کل شیء قدیر ہر شے پر قادر ہیں ۔ اگر چاہیں کروڑوں نبی ، کروڑوں جبرئیل وغیرہ ایک آن میں پیدا کر سکتے ہیں اور اپنی تائید میں "تقویۃ الایمان" مولوی اسمٰعیل دہلوی کی مستند لاتا ہے اور کتاب کھول کر دعویٰ کرتا ہے کہ کتب مذکورہ میں یہی عبارت موجود ہے ۔

اور عمرو کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام نہیں بدلتا ، اور قرآن میں نص موجود ہے ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ۔ ومن اصدق من اللہ قیلا ۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر نہیں ۔ اگر باری تعالیٰ کو ایسا کرنے پر قادر تسلیم کیا جائے تو نصوص بالا کے خلاف ہوگا ۔ اور ذات باری خلاف وعدہ کرنے والی کہی جائے گی ۔ خلف وعدہ یا وعید یا امکان کذب ذات باری میں نقص ہے اور ناقص خدا نہیں ہو سکتا ۔ اور مرزائیوں اور مرزا کو برحق سمجھا جائے گا ۔ جب کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ کروڑوں نبی پیدا کر سکتے ہیں تو مرزا کو نبوت مل گئی ہو تو کیا بڑی بات ہے ۔ ؟

الجواب زید کا قول درست ہے لیکن ناقص ہے کیونکہ اس میں ایک ضروری جزء متروک رہ گیا ہے وہ یہ ہے کہ " لیکن اب اللہ تعالیٰ کسی نبی کو پیدا نہیں فرمائیں گے " پس زید کا پورا قول یہ ہوا " اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو کروڑوں نبی ایک آن میں پیدا کر سکتے ہیں لیکن اب چونکہ ختم نبوت کا اعلان فرما چکے ہیں لہٰذا باوجود قدرت کے کسی نبی کو پیدا نہیں فرمائیں گے "

پس اس زمانہ میں نبی کا آنا زید کے نزدیک بھی ممتنع ہے جیسے کہ عمرو کے نزدیک ۔ لیکن امتناع مذکور کی علت زید کے نزدیک حق سبحانہ کا باوجود حقیقی قدرت کے کسی نبی کو پیدا نہ کرنا ہے ۔ کیونکہ خود اس کا اعلان فرما چکے ہیں ۔ اور مسلوبیت و فناء قدرت سابقہ نہیں ہے کہ پہلے خداوند قدوس خلق انبیاء پر قادر تھے اور انبیاء کو پیدا فرماتے رہے لیکن اعلان ختم نبوت سے نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ یہ قدرت ہی سلب ہو گئی ۔ جیسا کہ ایک بڈھا بڑھاپے میں ہمبستری کا اصلاً قادر نہیں رہتا ۔

اور عمرو کے نزدیک سلب قدرت خداوندی ہے۔ کیونکہ سابق میں وجود قدرت مذکورہ متفق علیہ ہے۔ حالانکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنی ذات وصفات میں اس قسم کے تغیرات وانقلابات سے بالکل پاک ہیں۔ بلکہ کل کسی کام پر قدرت ہو اور آج مسلوب ہوگئی۔ وہ ذات خدا ہی کیا ہوگی جس کی صفات میں اس قسم کے انحلال ان آت۔ کیونکہ جب اگر یوں ہی تسلیم کیجئے اور خداوند قدوس کو باعتبار وجود اور صفات کے واجب اور ناقابل تغیر مانئے تو کل کو خدائی ہی کا سلب اختیار ہے۔ بلکہ خود وجود ہی کا کیا بھروسہ۔ ممکن ہے ایک صفت آج ہے کل نہ ہے۔ یہ شان تو ممکن کی ہے واجب میں ایسے انقلابات گوارا نہیں۔

رہا یہ شبہ کہ تسلیم قدرت سے خلاف نصوص لازم آتا ہے۔ سو یہ محض لغو ہے۔ کیونکہ نفس قدرت سے یہ محذور ہرگز لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ نص میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آنحضرت کے بعد کسی نبی کو پیدا نہیں کریں گے۔ اس کے خلاف تب لازم آتا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حق تعالیٰ کسی نبی کو پیدا کر دیں۔ اور اگر تا قیامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی نہ بھیجا جاوے باوجود قدرت کے تو اس سے نص کے خلاف کیسے لازم آگیا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ مقتضائے نص تو ہے عدم مخلوقیت نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ اور یہ عدم خلق سے حاصل ہے۔ پس نعوذ باللہ سلب قدرت محض مفتقر کی کون سی ضرورت ہے؟ اور کیا داعیہ ہے اور مجبوری ہے کہ قدرت خداوندی میں دست اندازی کی جائے۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ قدرت تامہ کو ثابت تسلیم کیا جاوے اور عدم خلق کا بھی اقرار کیا جائے۔ ہماری اس تقریر سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ زید کا قول صحیح ہے اور عمرو کا قول درست نہیں۔ باقی دلائل کا سلسلہ طویل ہے بطور نمونہ چند آیات قرآنی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

۱: ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ ۲: ان ربک فعال لما یرید۔

بیشک تیرا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر نبی کو پیدا فرمانے کا ارادہ فرماویں تو پیدا کر دیں گے۔ اگرچہ کریں گے نہیں۔

۳: وربک یخلق ما یشاء ویختار۔ (پ ۲۰)

وغیر ذلک من الآیات والاحادیث الدالۃ علی عموم القدرۃ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۸ ؍ ۴ ؍ ۱۳۹۰ھ

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

تکفیر میں احتیاط لازم ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دیوبند اس مسئلہ کے بارے میں کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب دہلوی اور مولانا مولوی اشرف علی تھانوی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کی تالیف و تصنیف کردہ کتابوں میں کچھ ایسی عبارتیں لکھی ہیں جن میں توہین رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ میں آتی ہے۔ بریلوی علماء ان عبارتوں کو کفریہ سمجھتے ہیں اور ان عبارتوں کے قائل پر کفر کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔ جیسے تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، حفظ الایمان، تحذیر الناس وغیرہ میں لکھی ہوئی ہیں جن سے آپ حضرات اچھی طرح واقف ہیں۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ ان عبارتوں کو آپ حضرات یعنی علماء دیوبند صحیح سمجھتے ہیں یا نہیں؟ یا ان کی کوئی تاویل کرتے ہیں۔ یا ان عبارتوں کے لکھنے والے حضرات کو ان کے حال پر ہی چھوڑ دیتے ہیں۔

محمد حبیب الرحمٰن خطیب جامع مسجد خانیوال

الجواب: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے احتمال معانی کفر کے نکلتے ہوں اور ایک احتمال معنی صحیح کا ہو تو قائل کو جب تک وہ معنی کفر کے مراد لینے پر اصرار نہ کرے، کافر نہ کہا جائے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۹۹ میں فرماتے ہیں۔

وقد ذکروا ان المسئلۃ المتعلقۃ بالکفر اذا کان لها تسع وتسعون احتمالا للکفر واحتمال واحد فی نفیه فالاولی للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال النافی لان الخطاء فی ابقاء الف کافر اهون من الخطاء فی افناء مسلم واحد۔ انتہی

اس عبارت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ کسی مسئلہ میں جہاں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال نفی کفر کا ہو تو قاضی اور مفتی کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ نفی کفر کے احتمال کو ترجیح دے اس لئے کہ ہزار کافروں کو کافر باقی رکھنے میں غلطی کر جانا بہتر ہے اس بات سے کہ ایک مسلمان کو کافر بنانے میں غلطی ہو جائے۔

اس ضابطہ کو تسلیم کرنے کے بعد اب جن مجمل عبارتوں کا آپ نے تذکرہ فرمایا ہے ان عبارتوں کے اصحاب نے خود ان کی تصریح کی ہے کہ ہماری مراد وہ نہیں جو ہماری طرف نسبت کی جاتی ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص خوامخواہ ان کی عبارتوں کا ایک غلط مطلب نکال کر ان حضرات کو ہی کافر بنانا چاہے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ ہر مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ و انابت کرے ایسا نہ ہو کہ دوسروں کو کافر بنانے کے شوق میں اپنے انجام سے غافل ہو جائے۔

الجواب صحیح
محمد عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۲/۱/۱۳۸۸ھ

ضروریات دین جن کا انکار کفر ہے

آج کل کفر سازی کا بازار خوب گرم ہے۔ مسلمان فرقے ایک دوسرے کی تکفیر میں نہایت بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں۔ ایک دوسرے کی تکفیر کو اظہار حق قرار دیتے ہیں، اپنے آپ کو بڑا اہل حق گردانتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے

نوجوانوں پر بخصوصیت سے کالج اور یونیورسٹی کے طلباء اور دیگر جدید تہذیب سے متاثر ہونے والے مسلمان ان سے متاثر ہو کر الحاد و زندقہ مرزائیت و پرویزیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ہم اس بارے میں کچھ پریشان ہیں۔ اس لئے خیال آیا کہ اپنے ان اکابر کی طرف رجوع کیا جائے جن کے علم و اخلاص پر ہمیں اعتماد ہے۔ لہٰذا ہم آپ کے سامنے "ضروریات دین" کی فہرست پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی تصدیق اور قابل اصلاح چیزوں کی اصلاح کے متمنی ہیں۔ اور ثانیاً بعض چیزوں کے بارے میں استفسار کرتے ہیں کہ آیا یہ بھی ضروریات دین میں سے ہیں اور انہیں بھی منوا یا ان کا منکر قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

ضروریات دین

توحید باری تعالیٰ، انبیاء علیہم السلام کا بشر ہونا، کتب الہیہ منزل من اللہ ہیں، حیات مسیح، نزول مسیح، جنت و دوزخ وغیرہ۔

اب ہم ان چیزوں کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جن کے متعلق ہمیں دریافت کرنا ہے کہ آیا یہ بھی ایسی چیزیں ہیں جن کا انکار باعث کفر ہے!

۱۔ عصمت انبیاء علیہم السلام۔ ۲۔ عدالت صحابہؓ (ان کی عدالت فی الروایات تو مسلم ہے لیکن زید ان کے ذاتی افعال پر تنقید کرتا ہے اور ان کو ان کے افعال و معاملات میں عادل قرار نہیں دیتا، تو آیا ایسا عقیدہ باعث کفر ہے یا نہیں؟)

۳۔ حدیث متواتر۔ ۴۔ سنت نبویہ۔

مذکورہ بالا امور کے بارے میں با حوالہ تحریر فرمائیں کہ آیا یہ بھی ضروریات دین میں ہیں یا نہیں؟ نیز آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان میں صدر کے حلف اٹھانے کے وقت اقرار کے الفاظ درج ذیل ہیں۔ اس بارے میں فرمائیں کہ اتنے اقرار سے کسے مسلمان کہہ سکتے ہیں یا بقیہ ضروریات دین کی وضاحت بھی ضروری ہے؟

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور خدا پر میرا یقین کامل ہے اور اس کی کتاب قرآن پاک آخری کتاب ہے۔ آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے بعد کوئی رسول نہیں آئے گا۔ قیامت کے دن پر، رسول کی سنت حدیث پر، قرآن پاک کے احکامات پر۔" (آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان ص ۱۴۰)

مستفتی: مولانا عبدالحمید صاحب،
شیخ الحدیث مدرسہ باب العلوم کہروڑ پکا (ملتان)

الجواب

ضروریات دین کا انکار کفر ہے اور منکر کی تاویل کرنا معتبر نہیں۔ یہ دونوں امر مسلم ہیں۔ اسی بنا پر پوری امت مسلمہ کا اجماع ہو چکا ہے کہ مرزائی کافر ہیں۔ اسی طرح پرویزیوں کا کفر و ارتداد بھی مسلم ہے۔

مودودی اور اس کے اتباع کے بارے میں ابھی تک ہمارے اکابر نے تکفیر نہیں کی ہے۔ البتہ مودودی صاحب کے اجتہادات (جن میں سے کئی متعدد بھی ہیں اور صحابہ کرام کی تنقیص اور ان پر تنقید کرنا) اور اسی طرح مودودی صاحب کے دیگر تفردات وغیرہ کی بنا پر امت مسلمہ میں تفرقہ واقع ہو چکا ہے۔ ان کی بنا پر یقیناً کہنا پڑتا ہے کہ مودودی صاحب اتباع سنت

پھر اب صورت زیر بحث میں دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا نصوص نافیہ علم غیب کلی کا عطائی کو شامل ہونا قطعی نہیں مگر ان نصوص کا عموم تواتر سے ثابت نہ ہو اور معنی عام قطعی نہ ہوں تو واقعی ایسے کو کافر کہنا صحیح نہ ہوگا۔ غرضیکہ علم غیب کلی عطائی کا غیر اللہ سے منفی ہونا قطعی اور ثابت بالتواتر ہے یا نہیں؟ اور خیر المدارس کی طرف سے اس استفتاء کے جواب کا خلاصہ یہ ہے جو شرح فقہ اکبر سے نقل کیا ہے کہ جب تک کسی قائل میں کوئی بعید سے بعید تاویل ہو سکے جو موجب کفر نہیں اس وقت تک اس کے قائل کو کافر کہنا چاہئے۔ اگرچہ قول کا ظاہر موجب کفر ہو۔ اس قاعدہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ قائل خود اس احتمال بعید کا انکار نہ کرے۔ مگر قائل خود ظاہر پر رکھنے کی تصریح کرتا ہو تو اس کے قول کو احتمال بعید پر محمول کرنا کیسے صحیح ہوگا؟

پھر دریافت طلب امر یہ ہے کہ قول علم غیب عطائی میں وہ کونسا محمل بعید ہے کہ قائل اس محمل بعید کا بھی قائل ہو یا کم از کم اس سے ساکت ہو اور انکار نہ کرتا ہو ایسے کسی محمل کی تعیین مطلوب ہے جس کی بناء پر تکفیر سے احتراز کیا جا رہا ہے۔

مولانا مفتی رشید احمد صاحب

جامعہ رشیدیہ دارالسلام [illegible] سندھ

الجواب

اہل بدعت کے معتقد دربارہ علم غیب جو ہمیں معلوم ہوئے ہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عالم ماکان و مایکون تسلیم کرتے ہیں اور مایکون کی تفسیر الی وقت النفخة الاولی یا الی دخول الجنة کرتے ہیں اور اس علم کو عطاء باری تعالٰی تسلیم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ علم جس کا اثبات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کیا جاتا ہے محدود ہے اور حادث ہے اور وہ علم جو صفت باری تعالٰی ہے وہ قدیم اور لامحدود ہے۔ اور حادث محدود کے لئے ثابت کرنا چاہے وہ کتنا ہی عظیم اور کثیر ہو شرک یا کفر نہیں ہو سکتا۔ علم غیب کلی غیر اللہ کے لئے ثابت کرنے کے لئے ماننا پڑے گا کہ غیب لامحدود اور غیر متناہی علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کیا جائے۔ حضرات بریلویہ اس کے قائل نہیں۔ اس لئے علماء دیوبند ان کی تکفیر نہیں کرتے۔

البتہ اگر کوئی بریلوی بالکل نصوص صریحہ کے خلاف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس قسم کا علم غیر متناہی جو صفت خداوندی ہے، ثابت کرے تو وہ کافر اور مشرک ہوگا۔

بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جماعت بریلویہ کے معتمد علماء سے پہلے ان کے عقائد کی تحقیق کر لی جائے پھر نہایت ہی غور و فکر کے بعد ان کے متعلق فیصلہ کیا جائے۔ تکفیر میں جلد بازی مناسب نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۳ محرم ۱۴۰۵ھ

میں خود پیدا ہوا ہوں مجھے کسی نے پیدا نہیں کیا کلمۂ کفر ہے

سوال زید نے کسی سے پوچھا کہ پیر نہ ہوں تو کیا ہوگا؟ جواب دیا کوئی ڈر نہیں۔ سائل نے پوچھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوں تو کیا ہوگا؟ جواب دیا کوئی ڈر نہیں۔ سائل نے پوچھا کہ خدا نہ ہو تو کیا ہوگا؟ جواب دیا کوئی ڈر نہیں۔ حتیٰ کہ مسئول نے کہا کہ میں خود پیدا ہوا ہوں مجھے کسی نے پیدا نہیں کیا۔ اگرچہ یہ الفاظ اس نے مذاقاً کہے تھے تو کیا اس کے ایمان میں خلل واقع ہوا اور اس کا نکاح برقرار ہے یا باطل ہو گیا؟

الجواب یہ کلمات بہر حال کفر ہیں مسئول کو تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح بھی کرنی چاہئے اور آئندہ کے لیے مسائل میں مذاق سے ہرگز گفتگو نہ کی جائے۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۳۹۴ھ

○

"جملہ داڑھی والے بے ایمان ہوتے ہیں" یہ جملہ کہنا کفر ہے

ایک شادی شدہ شخص نے کہا کہ تمام داڑھیوں والے بے ایمان ہیں۔ کیا یہ کہنے کے بعد اس کا اپنی بیوی کے ساتھ نکاح باقی رہا یا نہیں؟ اور مہر و عدت کا حکم بھی بیان فرمادیں۔

حبیب نواز خان معرفت اللہ ستہ جھنگ صدر

الجواب اگر یہ جملہ کہنے والے کی نیت یہی تھی کہ جملہ داڑھی والے بے ایمان ہوتے ہیں تو ایسا شخص وہ خود بے ایمان اور کافر ہے۔ یہ جملہ کہتے ہی بیوی سے نکاح ختم ہوگیا۔ اگر یہ جملہ خلوت صحیحہ کے بعد کہا ہے تو مرد پر پورا مہر اور عورت پر عدت لازم ہے۔ اور اگر خلوت صحیحہ سے پہلے کہا ہے تو خاوند پر نصف مہر لازم ہے اور عورت پر عدت واجب نہیں۔

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

○

ما یتعلق
بالقرآن

بوسیدہ قرآن بے ادبی کی جگہ دفن نہ کیے جائیں

سوال ہمارے محلہ کی جامع مسجد کے ہال کرہ کے وسط میں چند جگہ پر چھوٹے چھوٹے گڑھے کھود کر قرآن پاک کے بوسیدہ اوراق دبا دیئے گئے ہیں۔ اور اوپر چپس کا فرش بچھا دیا گیا ہے بعض نمازی اسے بے ادبی تصور کرتے ہیں مگر مسجد کی انتظامیہ کے خیال میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان بوسیدہ اوراق کو دفن کرنے کے لئے مسجد سے زیادہ پاکیزہ اور کوئی جگہ نہیں۔

۲۔ آداب القرآن، مؤلفہ حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحب کے صفحات ۹۵، ۹۶ پر بوسیدہ اوراق کو پانی سے دھو ڈالنے یا زمین میں گڑھا کھود کر دفن کرنے کا لکھا ہے۔ اور مسائل حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے دفن کرنے کی اس طرح وضاحت کی گئی ہے کہ اس پر بغیر کسی حائل کے مٹی نہ ڈالی جائے بلکہ جس طرح مسلمان میت کی قبر میں تختے وغیرہ رکھ کر مٹی ڈالی جاتی ہے قرآن مجید کی تدفین میں بھی یہی طریق اختیار کیا جاوے۔ مگر دفن کرنے کی جگہ کے بارے میں صراحت نہیں کی گئی۔

۳۔ کیا تدفین کی جگہ ایسی ہونی چاہئے کہ جہاں کسی کا پاؤں پڑنے کا احتمال نہ ہو یا جیسے لوگ دفن شدہ قرآن کی جگہ کے اوپر بلا حرج کے چلتے پھرتے ہیں؟ اور یہاں مسجد کے دالان میں دفن کرنے سے یہ صورت پیدا ہو گئی ہے کہ دفن والی جگہ ہمیشہ نمازیوں کے پاؤں سے لگتی رہے گی۔ اور لوگ اوپر چلیں گے اور نماز پڑھیں گے۔ نیز بوسیدہ اوراق بغیر کسی حائل کے دفن کئے گئے ہیں۔

۴۔ مزید براں حوالہ جات کے بعد وضاحت فرمائیں کہ ان بوسیدہ اوراق کے اس طریق مسجد کے دالان میں دفن کرنے میں کوئی قباحت تو نہیں۔ اور کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ جواب نفی میں ہونے کی صورت میں کیا اقدام کیا جاوے؟

الجواب مذکورہ تدفین صحیح نہیں یہ خود بے ادبی ہے انہیں نکال کر قبرستان میں احترام و ادب کے ساتھ دفن کیا جاوے۔ شامی میں صراحۃً تحریر ہے کہ ایسی جگہ دفن نہ کیا جاوے جہاں پاؤں پڑتے ہوں۔

المصحف اذا صار بحال لا يقرأ منه يدفن كالمسلم اھ (درمختار) قوله يدفن اى يجعل فى خرقة طاهرة ويدفن فى محل غير ممتهن لا يوطأ اھ (شامی ص ۱۳۳ ج ۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

۲۰/۱۱/۱۴۰۱ھ

○

نیکر (KNICKER) پہنے ہوئے فوجیوں کے سامنے قرآن پڑھنے کا حکم

سوال — فوجی حضرات صبح سویرے فوجی قانون کے مطابق نیکر پہنے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کی رانیں ننگی ہوتی ہیں انہیں قرآن کریم سنایا جاتا ہے اس حالت میں ان کے سامنے درس دیا جا سکتا ہے؟

الجواب — ران عورت ہے۔ لقولہ علیہ السلام اما علمت ان الفخذ عورۃ۔ رواہ الترمذی وابو داؤد۔
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ران کھولنے یا دیکھنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

عن علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ یا علی لا تبرز فخذک ولا تنظر الی فخذ حی ولا میت۔ رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ ص ۲۶۹)

ایک حدیث میں ہے۔ لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ۔ رواہ البیہقی مشکوٰۃ ص ۲۷۰۔

معلوم ہوا کہ رانوں کا کھولنا یا دوسرے کی رانوں کو دیکھنا گناہ ہے اور حدیث پاک کی مخالفت ہے اور جس مجمع میں سب کی رانیں کھلی ہوں وہ پورا مجمع گناہ میں مشغول ہے ایسے مجمع میں قرآن سنانا جائز نہیں۔ حضرات فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جس کے ران کھلے ہوئے ہوں اسے سلام کرنا بھی مکروہ ہے۔

سلامک مکروہ علی من ستسمع ـ ومن بعد ما ابدی یسن ویشرع
(الی ان قال) فی ودع کافرا ایضا ومکشوف عورۃ۔

(کذا فی الشامیۃ [illegible])

تلاوت و درس قرآن کا کوئی ایسا وقت ہونا چاہئے جس میں یہ لوگ نیکر نہ پہنے ہوئے ہوں۔ یا پھر نیکر ایسا بنا دیا جائے جس میں ران اور رانیں چھپی رہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان
[illegible] ھ

نجس کپڑے پہنے ہوئے ہوں تو تلاوت کا حکم

سوال — ۱۔ جسم پر ناپاک کپڑے پہنے ہوں تو اس حالت میں ذکر اذکار کرنا جائز ہے یا نہیں؟
۲۔ نیز ناپاک لحاف سے سر سے پیر تک منہ ڈھانپ کر تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟
(اللہ دتہ عربی راسخہ ٹنڈو)

الجواب — نجاست کے قریب قرأت مکروہ ہے۔
الحاصل ان الموت ان کان حدثا فلا کراهۃ فی القرأۃ عندہ

وان کان لبسہا کرہت قہر ۔ وذکر ان محل الکراہۃ اذا کان ثوبیا مملوءۃ نجاسۃ بن تاب بیت،
نجس کپڑے میں تلاوت جائز نہیں ہونی چاہئے البتہ تنزیہی مکروہ نہیں ۔
۴ : لحاف پاک بھی ہو تو بھی منہ ڈھانک کر تلاوت نہ کرے۔
کما فی الھندیۃ لا بأس بالقراءۃ مضطجعا اذا اخرج رأسہ من اللحاف والاو۔
پس بصورت ناپاک لحاف تو بطریق اولیٰ منہ ڈھانپ کر تلاوت درست نہ ہوگی ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قرآن مجید کا صرف ترجمہ شائع کرنا

سوال : ترجمہ قرآن مجید بلا متن شائع کرنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب : قرآن مجید کا صرف ترجمہ بغیر عربی الفاظ کے لکھنا اور شائع کرنا باجماع امت حرام اور باتفاق آئمہ اربعہ ممنوع ہے۔ علامہ حسن شرنبلالی نے اس موضوع پر مستقل ایک رسالہ لکھا ہے «النفحۃ القدسیۃ فی احکام قراءۃ القرآن وکتابتہ بالفارسیۃ» جس کا نام ہے۔ اس میں آئمہ اربعہ سے اس کی ممانعت نقل کی گئی ہے اسمیں صاحب ہدایہ کی کتاب التجنیس والمزید سے منقول ہے ویمنع من کتابۃ القرآن بالفارسیۃ بالاجماع ۔ مزید تفصیل کے لئے جواہر الفقہ ص ۵۰ ج ۱ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی کی طرف رجوع کریں ۔ فقط

الجواب صحیح

محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۔ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۳ : ۱۲ : ۱۴۰۹ھ

قرآن مجید کو جلانے کا حکم

سوال : ایک مسلمان کے تین عدد قرآن مجید ہیں ۔ ان تینوں میں ایک قرآن مجید ایسا ہے جس کے پہلے سپارے کے کچھ اوراق ضعیف ہیں باقی اٹھائیس پارے بالکل درست ہیں، کیا شریعت میں ایسے قرآن مجید کو جلانا جائز ہے یا کوئی صدقہ کفارہ ہے ۔ ضعیف قرآن مجید کو جلادیا جائے یا دفن کیا جائے یا دریا میں بہایا جائے ؟

الجواب : وفی الذخیرۃ المصحف اذا صار خلقا وتعذر القراءۃ منہ لا یحرق بالنار اشار محمد وبہ ناخذ ۔ کذا فی الشامیۃ کذا فی العالمگیری ص ۳۲۳ ج ۵ ۔
المصحف اذا صار بحال لا یقرأ فیہ یدفن کالمسلم ۔ (کذا فی الدر المختار)

ان جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن کریم ایسی حالت میں ہو جائے کہ اس میں تلاوت نہ ہو سکتی ہو تو اسے بجائے جلانے کے کپڑے میں لپیٹ کر پورے ادب و احترام سے دفن کر دینا چاہئے۔ دفن میں کوئی تحقیر نہیں ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام بھی زمین میں مدفون ہیں۔ اور جلانا درست نہیں کیونکہ یہ تعظیم کلام اللہ کے خلاف ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے جواز احراق کے لئے استدلال کرنا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ وہ قرأت شاذہ تھیں یا ان میں تفسیر کا اس طرح خلط ہو گیا تھا کہ تمیز ممکن نہ تھی۔ ان کے ابقاء میں اندیشۂ افتراق امت تھا۔ کہ باقی رکھنا امت کے لئے فتنہ کا باعث بن جاتے۔ قال الکرمانی فان قلت جواز احراق القرآن قلت المحروق هو القرآن المنسوخ او المختلط بغیره من التفسیر او بلغة غیر قریش او القراءات الشاذة ۔ (عینی ، ص ۱۵۲)

علاوہ ازیں قاضی عیاض یہ فرماتے ہیں۔ ان مصاحف کو پانی کے ساتھ دھو لیا گیا تھا پھر جلایا گیا تھا کہ باقی رکھنا امت کے لئے فتنہ کا باعث نہ بن جائے ۔۔۔۔۔ اس صورت میں احراق مصحف کیا لازم ہی نہیں۔ (عمدۃ القاری ۱۵۲)
الغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال غلط ہے۔ خصوصاً حادثہ مندرجہ سوال تو بالکل الگ نوعیت کا ہے۔ جلانے کے جواز و عدم جواز میں اگر کچھ اختلاف ہے تو صرف اس صورت میں ہے جبکہ اس میں تلاوت نہ ہو سکتی ہو۔ اور جس میں تلاوت ہو سکتی ہو تو اسے جلانے کے جواز کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ الغرض شخص مذکور کی یہ انتہائی جرأت اور حماقت ہے کہ قرآن کریم کو جلانے بیٹھ گیا۔ اس پر توبہ و استغفار لازم ہے۔ جب توفیق ہو سکے تو کچھ صدقہ بھی کر دے۔

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفرلہ

فقط واللہ اعلم
عبد الستار عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

○

محض اردو ترجمہ چھاپنا جائز نہیں، اس سلسلہ میں مفصل بحث

سوال آج کل اردو قرآن کی تلاوت، اشاعت اور تجارت کا بہت رواج ہو رہا ہے۔ اس نسخہ میں قرآن کریم کے عربی متن کا ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ مذکورہ بالا اردو قرآن کے متعلق دریافت طلب امور یہ ہیں۔

۱۔ کیا اس نسخہ کو جس میں قرآن کریم کا عربی متن نہ ہو بلکہ متن کے علاوہ صرف اردو یا کسی اور زبان میں ترجمہ کر کے اسے کتابی شکل دے دی گئی ہو قرآن کے مبارک نام سے موسوم کر سکتے ہیں؟

۲۔ کیا مذکورہ بالا ترجمہ قرآن سے تحریف فی القرآن کا اندیشہ نہیں؟

۳۔ اسلام میں تحریف فی القرآن کی سزا کیا ہے؟

۴۔ اصل عربی متن کو چھوڑ کر صرف ترجمہ ہی پر اکتفاء کیا جائے، اس کی اشاعت کی جائے اور اسی ترجمہ کو پڑھا جائے تو اس کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں؟

(ج) بحر الرائق میں ہے۔ لان القرآن بالالام انما هو العربي في عرف الشرع۔ (ص ۳۳۳ ج ۱)۔

(د) نہر الفائق میں ہے۔

كما في الشامية ص ۳۲۵ ج ۱۔ لكن في النهر حيث حكى بينهما (اى القرأة للتلاوة والقرأة الفارسية) فرق وذلك ان الفارسي ليس قرآنا أصلا لانصرافه في الشرع الى العربي اھ

فتاوی دارالعلوم جدید مبوب میں خاتم المحققین حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن نام اس کلام اور عبارت خاص کا ہے جو مکتوب فی المصاحف ہے اور عربی زبان میں ہے۔

قال الله تعالى انا انزلناه قرآنا عربيا لعلكم تعقلون ، الآية (یوسف)

پس جو نظم عربی نہیں وہ قرآن نہیں۔ الی ان قال۔ اور قرآن نام نظم عربی کا ہے۔ ترجمہ کو قرآن نہیں کہا جاتا مگر مجازاً۔

(ص ۲۳۲ ج ۲)

عبارات بالا سے واضح ہے کہ قرآن کا ترجمہ محض حقیقۃً قرآن نہیں۔ اب تمام امت کا اسی پر اتفاق ہے۔ امام صاحب سے بھی رجوع ثابت ہے۔

كما في النهر نقل الشامي في منحة الخالق ونصه قال في النهر شرط العجز دلالة على انها مع القدرة لا تجوز وهو الذي رجع اليه الامام كما رواه نوح بن ابي مريم والرازي وعليه الاصح وهو الحق۔

(بحر الرائق ج ۱ ص ۳۲۴)

وفي الهداية وشرح المجمع لمصنفه وعليه الاعتماد اھ (شامیہ ص ۳۲۵ ج ۱)

لیکن اس کے باوجود اس کا ادب کیا جائے گا اور بے حرمتی جائز نہیں ہوگی۔

۳۔ وجہ سوم: صرف ترجمہ قرآن مجید شائع کرنا جس میں متن قرآن مجید نہ ہو جائز نہیں۔ اور اس کے متعدد وجوہ ہیں۔ ان میں سے چند وجوہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ معانی قرآن کریم کی طرح اس کے الفاظ کی بھی حفاظت فرض و واجب ہے كما هو المتوارث عند طبقات الناس وجماهير العلماء۔ اور موجودہ زمانے میں طبائع دینی مشاغل سے بے التفاتی اور سہل انگاری کا شکار ہیں۔ اگر اس قسم کے تراجم شائع ہو گئے تو الفاظ قرآن کی اہمیت قلوب سے قطعاً ختم ہو جائے گی اور اس کے پڑھنے پڑھانے کی ضرورت نہیں سمجھی جائے گی۔ پس ہر کہ و مہ ترجمہ ہی کو کافی سمجھنے لگے گا۔ بالآخر نتیجہ یہ نکلے گا کہ باقاعدہ تلاوت قرآن مجید کرنے والا کوئی شخص مشکل ہی سے ملے گا۔ پس اس تسبیب کی بنا پر ایسے تراجم شائع کرنا منع ہوگا۔

۲۔ طبائع میں خود رائی و خود نمائی کا غلبہ ہے جس نے بھی الٹا سیدھا چار حرف پڑھ لئے ہیں مدعی اجتہاد اور محقق بن رہا ہے۔ اجازت کی صورت میں نہ معلوم کن کن لوگوں کے تراجم شائع ہونگے اور ان میں بھی وہ کیا کیا گل کھلائیں گے

گے۔ اور افساد و تغییر مستبعد اور احقاق حق قریب قریب محال ہو جائیگا۔ اور اس طرح تحریف مزید دینی کا ایک لمبا دروازہ کھل جائے گا جس کا بند کرنا بس سے باہر ہوگا۔ اگر ترجمہ حمائل شکل ہو تو اس میں یہ مفسدہ نہیں۔ کیونکہ مشتری ترجمہ کے لئے قرآن مجید نہیں خریدتا بلکہ محض تلاوت کے لئے خریدتا ہے۔ تلاوت کرنے سے اس کا مقصد حاصل رہے گا اور ترجمہ پڑھنے کی نوبت بہت کم آئے گی۔ اور غلط ترجمہ کا مفسدہ ایسے خریدار پر بہت کم اثر انداز ہوگا۔

۳: ایسے تراجم بیانیہ ہو جانے کی صورت میں ردی میں اس طرح سے فروخت ہونگے جیسا کہ عام اردو کی کتابیں۔ کیونکہ عربی خط کا جو ایک بڑا بھاری فرق تھا اور ہر شخص دیکھتے ہی بادی النظر میں قرآن کریم اور اردو کی کتب میں فرق کر لیتا ہے یہ فرق و امتیاز ختم ہو جائے گا۔ تو اس طرح سے یہ ترجمہ قرآن کی بے حرمتی کا سبب بنے گا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سبب معصیت بھی معصیت ہوتا ہے۔

۴: بہت سے لوگ اسے بلا وضو چھوئیں گے حالانکہ احتراماً اس کا بلا وضو چھونا درست نہیں۔ تو لاعلمی کی بناء پر اس گناہ میں مبتلا ہوں گے اس طرح سے بھی اس کا سبب معصیت ہونا ظاہر ہے۔

۵: حضرات فقہاء کرام نے ایسے تراجم و مصاحف کی صراحۃً ممانعت فرمائی ہے اور ایسی حرکت کرنا قوانین اسلام کی خلاف ورزی قرار دیا ہے۔

كما في الشامية عن التتارخانية عن الكافي ان اعتاد القراءة بالفارسية او اراد ان يكتب مصحفا بها يمنع اھ (ص ۳۲۵ ج ۱)

واضح رہے کہ ایسے تراجم کی اشاعت نیچریت اور مصطفیٰ کمال کا شاخسانہ ہے۔ مصطفیٰ کمال نے یہودیت سے متاثر ہو کر دین کے بارے میں جو گل کھلائے تھے وہ کسی اہل بصیرت سے مخفی نہیں۔ افسوس ہے کہ اسلام کے یہ نادان دوست اپنی اس حرکت سے اسلام کی اس عظیم خصوصیت پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں کہ جیسے دیگر مذاہب اپنی الہامی کتب کے الفاظ سے محروم ہو گئے اسی طرح اسلام کو بھی اس سے تہی دست کر دیا جائے۔

۶: ایسے تراجم کی طباعت و اشاعت وغیرہ جائز نہیں۔ کیونکہ یہ تعاون علی الاثم ہے۔
قال الله تعالى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان۔

۸: ایسا شخص سخت گناہگار ہے۔

۹: تفہیم و تبلیغ کے باوجود بھی اگر شخص مذکور اس حرکت سے باز نہ آئے تو بغرض اصلاح اس سے ترک سلام و کلام جائز ہے۔

۱۰: احترام کے ساتھ اسے دفن کر دیا جائے جیسا کہ دیگر ناقابل قرأت بوسیدہ قرآن مجید کو دفن کیا جاتا ہے۔

۱۱: انشاء اللہ تعالیٰ مجیب مستحق اجر ہوگا۔ واللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفرلہ
نائب مفتی مدرسہ ہذا

فقط والسلام
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

تختہ سیاہ پر آیات قرآنی لکھتے وقت باوضو ہونا چاہیئے

سوال پنجاب کے اسکولوں میں کلاس ششم اور ہفتم میں ایک اسلامیات کی کتاب لازمی طور پر پڑھائی جاتی ہے جس میں سورۃ عادیات سے ناس تک سورتیں لکھی ہوئی ہیں علاوہ ازیں چالیس احادیث بھی لکھی ہیں۔ استاد صاحب پڑھاتے ہوئے تختہ سیاہ پر سورتیں لکھتے ہیں اور لڑکے کاپیوں پر لکھتے ہیں، اس کتاب کو استاد اور لڑکے پڑھتے بھی ہیں چھوتے بھی ہیں یہ سب کام بے وضو کئے جاتے ہیں۔ یہ کام جائز ہیں یا نہیں؟ اگر ناجائز ہیں تو طلباء کا وضو کرنا بڑی تکلیف دہ بات ہے اور اس میں کئی ایک پیچیدگیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہذا مناسب رہنمائی فرماویں؟

الجواب بہتر صورت تو یہ ہے کہ اس کتاب کو پڑھانے کے وقت اور لکھنے کے وقت استاذ اور طلبہ دونوں باوضو ہوں۔ طلبہ کو وضو کرنے میں کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کتاب کا سبق پہلے گھنٹے میں رکھ لیا جائے یا تفریح کے متصل بعد والے گھنٹے میں رکھ لیا جائے۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو بدرجہ مجبوری اس کی اجازت ہوگی کہ استاد جب تختہ سیاہ پر آیت لکھے تو اس کا ہاتھ تختہ سیاہ سے مس نہ کرے۔ بلکہ تختہ سیاہ اور ہاتھ کے درمیان کپڑا حائل رہے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو وضو کرنا لازم ہوگا۔ اور اسی طرح بچے بھی جس کاپی پر لکھ رہے ہوں وہ کاپی ڈسک وغیرہ پر رکھی ہوئی ہو۔ اور ان کے ہاتھ وغیرہ بھی کاپی کو نہ چھو رہے ہوں۔ یہ حکم بالغوں کے لئے ہے نابالغ بچے اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

لا يكره مس صبي لمصحف ولوح الى ان قال ولا تكره كتابة قرآن والصحيفة او اللوح على الارض عند الثاني خلافا لمحمد وينبغي ان يقال ان وضع على الصحيفة ما يحول بينها وبين يده يؤخذ بقول الثاني والا فبقول الثالث قاله الحلبي اهـ درمختار قال في الشامية قوله على الصحيفة قيد بها لان نحو اللوح لا يعطى حكم الصحيفة لانه لا يحرم الا مس المكتوب منه اهـ (ص ۱۳۲ ج ۱)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۳ / ۱۲ / ۱۳۹۶ھ

تلاوت محض کا بھی ثواب ملتا ہے

سوال کیا قرآن شریف کے محض الفاظ پڑھنے کا بھی ثواب ہوتا ہے۔ اگر جواب اثبات میں ہو تو قرآن سے مستنبط تو تحریر فرمادیں، ورنہ احادیث معہ حوالہ درج فرمادیں؟

الجواب قرأت محض کا بھی ثواب ملتا ہے بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ کی جاوے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فاقرءوا ما تیسر من القرآن (مزمل پ ۲۹) فاقرءوا امر ہے اور امر مفید وجوب ہوتا ہے۔ اور جس فعل پر ارشاد ربانی لفظ امر موجب ثواب ہے اور مخفی نہیں کہ مامور مطلق قرأت ہے جو اپنے عموم کی وجہ سے قرآۃ بامعنی اور قرأۃ بلا معنی دونوں کو شامل ہے۔ پس دونوں قسم کی قرأت پر ثواب ملے گا۔ اور جو شخص مدعی تخصیص ہو وہ اس تخصیص پر قرآن و حدیث سے دلیل پیش کرے۔

نیز سورۂ فاطر رکوع ۴ میں ہے۔ ان الذین یتلون کتاب اللہ و اقاموا الصلوٰۃ حق تعالیٰ شانہ نے اس آیت شریفہ میں اپنے نیک بندوں کی تعریف و مدح اور پسندیدہ افعال کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں سے ایک تلاوت کتاب بھی بتایا گیا ہے۔ پس حق تعالیٰ شانہ کے نزدیک تلاوت ایک پسندیدہ عمل ہوا اور اس پر ثواب ملے گا۔ اس آیت میں بھی تلاوت مطلق ہے پس ہر دو قسم کی تلاوت کو شامل ہوگی۔ ومن ادعی التخصیص فعلیہ البیان۔

ان آیتوں کے بعد اسی سلسلہ میں دو حدیثیں ملاحظہ فرماویں۔

۱۔ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالہا الخ (مشکوٰۃ ص ۱۸۶ ج ۱)

اس حدیث پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کے ایک حرف کی قرأت پر دس نیکیوں کا حاصل ہونا ارشاد فرمایا ہے۔ یہاں پر بھی قرأت مطلق ہے۔

۲۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نقرأ القرآن وفینا الاعرابی والعجمی فقال اقرءوا فکل حسن الخ (مشکوٰۃ ص ۱۹۱ ج ۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بدوی اور عجمیوں کی قرأت کو بھی "حسن" فرمایا۔ جن میں سے مطالب قرآن اور معانی سے جہل غالب ہوتا ہے۔ اور خصوصاً عجمی کہ ان سے اس قرأت کا معنی ترجمہ معلوم ہونا بھی محل کلام ہے۔ بلکہ قرآن کریم کے صحیح تلفظ پر بھی بظاہر قادر نہ تھے۔ پس جب ان کے باوجود ان کی قرأت اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے تو اس پر ثواب کیوں نہ ہوگا۔ حسن کا یہی تو معنی ہے کہ حسن عند اللہ ہے۔

الحاصل بے شمار نصوص قرآن و حدیث سے مطلق قرأت پر اجر و ثواب ثابت ہے جن میں سے بطور نمونہ مذکورہ آیات و احادیث لکھ دی گئیں نیز اس پر پوری امت کا اجماع ہے۔

نصوص شرعیہ کے علاوہ مصلحت سے مصالح عقلیہ بھی اس کے مقتضی ہیں کہ قرآن کی تلاوت کو صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رکھا جائے جو فہم مطالب عالیہ کی استعداد رکھتے ہوں اور ایسی استعداد نہ رکھنے والوں پر پابندی لگا دی جائے ایسا کہنے والے لوگ اسلام کے نادان دوست ہیں۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲۹ / ۱ / ۳ / ۱۳۹۰ھ

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

أَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ کی تفسیر منیر

وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ آل عمران

ترجمہ: اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا تاکہ تم پر رحم ہو۔ اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف جس کا عرض ہے آسمان اور زمین - تیار ہوئی واسطے پرہیزگاروں کے؟

تشریح: آیت مذکورہ میں دو مسئلے زیادہ اہم ہیں۔ اوّل: پہلی آیت کا مضمون جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر رسول کی اطاعت بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی اور اس کی بھیجی ہوئی کتاب قرآن کریم کی اطاعت کا نام ہے تو پھر اس کے علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر ان دونوں میں کچھ فرق ہے تو کیا؟

اطاعت رسول اور اطاعت اللہ کو علیحدہ بیان کرنے کی حکمت: اس میں ہدایت خداوندی کے لئے جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ضروری اور لازم قرار دیا ہے اور یہ پھر اسی آیت میں نہیں پورے قرآن مجید میں بار بار کا تکرار اسی طرح ہے۔ کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم ہوا ہے وہیں اطاعت رسول کا بھی ذکر مستقلاً ہے۔ قرآن حکیم کے یہ متواتر اور مسلسل ارشادات ایک انسان کو اسلام اور ایمان کے بنیادی اصول کی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔ کہ ایمان کا پہلا جز خدائے تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور اس کی بندگی اور اس کی اطاعت کا اقرار کرنا ہے۔ تو دوسرا جزو رسول کی تصدیق اور اس کی اطاعت ہے۔

اب یہاں غور طلب یہ ہے۔ قرآن کریم کے ارشادات سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب باذن خداوندی ہوتا ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بولتے ہیں وہ کسی اپنی خواہش سے نہیں کہتے بلکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ رسول کی اطاعت بعینہٖ خدا تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے۔ اس سے الگ کوئی چیز نہیں۔ سورۂ نساء میں واضح طور پر فرمایا مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر دونوں لفظوں کو الگ الگ بیان کرنے میں کیا فائدہ ہے خصوصاً اس اہتمام اور التزام کے ساتھ حکم دیا جاتا ہے۔

راز اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے ایک کتاب بھیجی اور ایک رسول۔ رسول کے ذمہ یہ کام لگائے۔

۱: اوّل یہ کہ وہ قرآن کریم کی آیات ٹھیک اسی صورت اور لب و لہجہ کے ساتھ لوگوں کو پہنچادیں جس صورت

سے نازل ہوتی ہیں۔

۲ : دوسرے یہ کہ وہ لوگوں کو ظاہری اور باطنی گندگیوں سے پاک کریں۔

۳ : تیسرے یہ کہ اس کتاب کے مضامین کی امت کو تعلیم دیں اور اس کے مقاصد کو بیان فرمائیں۔ نیز یہ کہ کتاب کے ساتھ حکمت کی تعلیم دیں۔ یہ مضمون قرآن کریم کی متعدد آیات میں آیا ہے۔

معلوم ہوا کہ رسول کے فرض منصبی میں صرف اتنا ہی داخل نہیں کہ وہ قرآن لوگوں تک پہنچا دیں بلکہ اس کی تعلیم و تبیین بھی رسول کے ذمہ ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب عرب کے فصحاء بلغاء تھے۔ ان کے لئے قرآن کریم کی تعلیم کے یہ معنی تو نہیں ہو سکتے کہ محض الفاظ قرآنی کے لغوی معنی ان کو سمجھائیں کیونکہ وہ سب ان کو خود ہی سمجھتے تھے۔ بلکہ اس تعلیم و تبیین کا مقصد صرف یہی تھا۔ اور یہی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم نے ایک حکم مجمل یا مبہم الفاظ میں بیان فرمایا اور اس کی تشریح و تفصیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وحی کے مطابق لوگوں تک پہنچائی جو قرآن کے الفاظ میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب مبارک میں ڈالی جس کی طرف آیت إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن نے بے شمار مواقع پر صرف أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فرمانے پر اکتفاء کیا ہے کہیں نماز کے معاملہ میں قیام، رکوع، اور سجدہ کا ذکر بھی آیا تو وہ بھی بالکل مبہم ہے۔ ان کی کیفیت کا ذکر نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل امین علیہ السلام نے خود آکر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان تمام اعمال اور ارکان کی تفصیل صورت عمل کرکے بتلائی۔ اور آپ نے اسی طرح قول و عمل کے ذریعہ امت کو پہنچا دیا۔

زکوٰۃ کے مختلف نصاب اور ہر نصاب پر زکوٰۃ کی مقدار کا تعین۔ پھر یہ بات کہ کس مال پر زکوٰۃ ہے اور کس مال پر نہیں۔ اور مقادیر نصاب میں کتنا حصہ معاف ہے۔ یہ سب تفصیلات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں اور لکھوا کر متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان کے سپرد فرمائیں۔

یا مثلاً قرآن کریم نے حکم دیا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ یعنی آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے پر نہ کھاؤ۔ اب اس کی تفصیل کہ ناجائز اور فاسد معاملات، بیع و شراء اور اجارہ میں کیا کیا صورتیں ناحق اور بے انصافی یا حرام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے باطل ہیں۔ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باذن خداوندی امت کو بتلائیں۔ اسی طرح تمام شرعی احکام کا بھی یہی حال ہے۔ تو یہ تمام تفصیلات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کیلئے بذریعہ وحی خفی امت کو پہنچائیں۔

چونکہ یہ تفصیلات قرآن کریم میں موجود نہیں، اس لئے یہ احتمال تھا کہ کسی وقت کسی ناواقف کو یہ دھوکہ ہو کہ یہ تفصیلی احکام خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے تو نہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے سارے قرآن میں بار بار

تاکید کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو لازم قرار دیا جو حقیقت میں خدا تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ مگر ظاہری صورت اور تفصیل کے اعتبار سے اس سے کچھ مختلف بھی ہے۔ اس لئے بار بار تاکید سے بتلایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیں اس کو بھی خدا تعالیٰ کی اطاعت سمجھو۔ خواہ وہ قرآن کریم میں صراحۃً موجود ہو یا نہ ہو۔ یہ مسئلہ چونکہ اہم تھا اور کسی ناواقف کو دھوکہ لگ جانے کے علاوہ دشمنانِ اسلام کے لئے اسلامی اصول میں گڑبڑ پھیلانے اور مسلمانوں کو اسلام کے صحیح راستہ سے بہکانے کا بھی ایک موقع تھا۔ اس لئے قرآن کریم نے اس مضمون کو لفظ اطاعت کے ساتھ نہیں بلکہ مختلف عنوانات سے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو بتلایا ہے۔

مثلاً آپ کے فرائض میں تعلیم کتاب کے ساتھ تعلیم حکمت کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ علاوہ کتاب کے کچھ اور بھی آپ کی تعلیمات میں شامل ہے۔ اور وہ بھی مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع ہیں۔ جس کو لفظ حکمت سے تعبیر کیا۔ کہیں ارشاد فرمایا کہ " لتبین للناس ما نزل الیہم " یعنی رسول کے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے لئے آپ نازل شدہ آیت کے مطالب و مقاصد اور تشریحات کو بیان فرمائیں۔ اور کہیں یہ ارشاد ہوا۔ ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا ۔ یعنی رسول تم کو جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے باز آجاؤ۔

یہ سب انتظامات اس لئے کئے گئے کہ کل کوئی شخص یہ نہ کہنے لگے کہ ہم تو صرف ان احکامات کے مکلف ہیں جو قرآن میں آ گئے۔ جو احکام ہمیں قرآن مجید میں نہ ملیں ان کے ہم مکلف نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر غالباً یہ منکشف ہو گیا تھا کہ کسی زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور تشریحات سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لئے یہی دعویٰ کریں گے کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔ اس لئے ایک حدیث میں صراحۃً بھی اس کا ذکر فرمایا۔ جس کو ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں ان الفاظ سے نقل کیا ہے۔

لا الفین احدکم متکئاً علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ۔

یعنی ایسا نہ ہو کہ میں تم سے کسی کو ایسا پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے ہوئے بے فکری سے بیٹھے ہوئے میرے امر و نہی کے متعلق یہ کہہ دے کہ ہم اس کو نہیں جانتے۔ ہمارے لئے تو کتاب اللہ کافی ہے۔ جو کچھ اس میں پاتے ہیں اسی کا اتباع کر لیتے ہیں۔

دوسری آیت میں مغفرت اور جنت کی طرف مسابقت اور مسارعت کا حکم دیا گیا۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد یہ دوسرا حکم دیا گیا۔ یہاں مغفرت سے مراد اسباب مغفرت الٰہی ہیں۔ یعنی وہ اعمال صالحہ جو باعث مغفرت الٰہی ہیں۔ صحابہؓ و تابعینؒ سے اس کی تفسیر مختلف عنوانات سے منقول ہے۔ مگر معانی کے لحاظ سے سب کا ایک ہی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی تفسیر "ادائیگی فرائض" سے فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "اسلام" سے۔ ابوالعالیہؒ نے "ہجرت" سے۔ انس بن مالکؓ نے "تکبیر اولیٰ" سے۔ سعید بن جبیرؒ نے "ادائے اطاعت" سے۔ ضحاکؒ نے "جہاد" سے۔ عکرمہؒ نے "توبہ" سے۔

ان تمام اقوال کا حاصل یہی ہے کہ مغفرت سے مراد وہ تمام اعمال صالحہ ہیں جو مغفرت الٰہی کا باعث و سبب ہوتے ہیں۔

اس مقام پر دو باتیں قابل غور ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس آیت میں مغفرت اور جنت کی طرف مسابقت اور مسارعت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ دوسری آیت میں "لا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض" فرما کر دوسرے کے فضائل حاصل کرنے کی تمنا کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ فضائل دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ فضائل جن کا حاصل کرنا انسان کے اختیار و بس سے باہر ہو جن کو فضائل غیر اختیاریہ کہتے ہیں۔ جیسے کسی کا سفید رنگ و حسین ہونا۔ یا کسی کا بزرگ ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔

۲: دوسرے وہ فضائل جن کو انسان اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کر سکتا ہے۔ ان کو فضائل اختیاریہ کہتے ہیں۔ اور آیت مسارعت کا تعلق انہی فضائل سے ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا کا صحیح ترجمہ و مطلب

آیت کریمہ "یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا۔" کا صحیح ترجمہ تحریر فرمائیں۔ کل ایک شخص سے علمی گفتگو ہوئی، اس نے کتاب "اظہار حق" دکھلائی جس میں کچھ اور ہی ترجمہ کیا ہوا تھا۔ بلکہ بہت ہی مختلف تھا۔ آپ صحیح ترجمہ تحریر فرمائیں۔

الجواب

آیت مذکورہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ "اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا بتلانے والا اور خوشخبری سنانے والا، اور ڈرانے والا، اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے، اور چمکتا ہوا چراغ۔" یعنی جب کہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی توحید سکھلانے آئے اور اس کا راستہ بتاتے ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں دل سے اور عمل سے

اس پر گواہ ہیں۔ محشر میں بھی امت کی نسبت گواہی دیں گے کہ خدا تعالیٰ کا پیغام کس نے کس قدر قبول کیا۔
تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ [illegible] میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فانه قد انزل علی یا ایها النبی انا ارسلناك شاهدا علی امتك ومبشرا بالجنة ونذيرا وداعيا الى شهادة ان لا اله الا الله وسراجا منيرا بالقرآن فقوله تعالى شاهدا اى لله بالوحدانية وانه لا اله غيره وعلى الناس باعمالهم يوم القيامة ـ فقط والله اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

تلاوت افضل ہے یا درود پاک پڑھنا

عبادت کے وقت میں قرآن حکیم کی تلاوت افضل ہے یا آنحضرت علیہ السلام پر درود بھیجنا؟ محمد یحییٰ قریشی ماڈل ٹاؤن ساہیوال۔

الجواب تمام اذکار میں قرآن حکیم کی تلاوت افضل ہے البتہ جن اوقات میں نماز مکروہ ہے جیسے صبح کی نماز کے بعد سے طلوع الشمس تک ایسے اوقات میں تسبیح، دعاء اور درود پاک پڑھنا تلاوت سے افضل ہے۔ القرآن افضل الاذكار لانه كلام الله تعالى كما فى الحصن الحصين لكن فى الاوقات التى يكره الصلوة فيها كما بعد صلوة الصبح الى طلوع الشمس فالتسبيح والدعاء والصلوة على النبى صلى الله عليه وسلم فيها افضل من قرأة القرآن وكان السلف يسبحون فى ذلك الوقت ولا يقرءون (نفع المفتى، ص [illegible]) فقط والله اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان

قرآن کے رسم الخط میں مصاحف عثمانیہ کا اتباع واجب ہے

قرآن مجید کا رسم الخط وہی ضروری ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں تھا یا اس میں تبدیلی کر سکتے ہیں؟
محمد ایوب صابر اٹک۔

الجواب کتابت قرآن میں مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کی اتباع ضروری ہے اسے بدلنا جائز نہیں۔ وقد نبه على وجوبه العلامة ملا على القارى فى المنح الفكرية ص [illegible]۔

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰ ر [illegible] ر ۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔

مسجد میں جمع شدہ قرآن مجید فروخت کرنا

سوال: لوگ قرآن کریم مسجدوں میں لاکر جمع کرتے ہیں۔ لوگ کم پڑھتے ہیں ویسے پڑے رہتے ہیں کیا ان کو فروخت کر کے ان کے پیسوں کو مسجد میں خرچ کرسکتے ہیں ؛ یا کسی اور مسجد میں قرآن دے سکتے ہیں ؟

الجواب: ان قرآنوں کو دوسری کسی مسجد میں دینا جائز نہیں اور نہ ہی ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت کو مسجد کی ضروریات میں صرف کرنا جائز ہے اسلئے موجود جمع شدہ قرآن پاک کو تو مسجد میں رکھنا اور ان کی حفاظت کرنا لازمی ہے۔ البتہ آئندہ کے لئے دہندگان کو سمجھایا جائے کہ وہ قرآن پاک مسجد میں نہ رکھیں اور یہ اعلان کردیا جائے کہ جو آدمی مسجد میں قرآن پاک دے گا ہم اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد میں استعمال کی جائے گی۔ پھر اس کی قیمت مسجد میں استعمال کرنا درست ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ — بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

قرآن حکیم کے پرانے گتوں کا حکم

سوال: مجلد قرآن مجید کے گتوں کے بارہ میں کیا حکم ہے جبکہ وہ بوسیدہ ہو جاتے ہیں اور پھٹ جاتے ہیں ؟

الجواب: اگر مستعمل ہیں تو دوسری جگہ ان کا استعمال جائز ہے۔ لان الدفتین لا یعطی لہ حکم المصحف۔ فقط واللہ اعلم۔

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲/ ۱۰/ ۱۳۹۱ھ

تفسیر کبیر میں چاند و سورج کو ذی روح کہا گیا ہے

سوال: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ تفسیر کبیر میں آیا ہے کہ بعض مفسرین کرام کے نزدیک سورج اور چاند ذی روح ہیں۔ اگر واقعی تفسیر کبیر میں لکھا ہے تو وہ عبارت لکھ کر ساتھ ہی ترجمہ بھی ارسال فرمائیں۔

الجواب: تفسیر کبیر میں آیت کریمہ والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم کی تفسیر میں تحریر ہے کہ بعض منجمین نے کہا ہے کہ کواکب زندہ ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق "یسبحون" فرمایا ہے۔ اور تسبیح کرنے کا اطلاق عاقل پر ہوتا ہے۔ اس پر امام رازی رح فرماتے ہیں۔ اگر تو حیات سے مراد حیوٰۃ کی اتنی صفت مراد ہے جس کے ذریعہ سے تسبیح ہوسکے تو ہم بھی اس کے قائل ہیں۔ کیونکہ یہ تمام اشیاء تسبیح کرتی ہیں۔ اور اگر حیوٰۃ سے مراد کچھ اور ہے تو وہ ثابت نہیں۔ تفسیر کبیر کی عبارت یہ ہے۔

قال المنجمون۔ الکواکب احیاء بدلیل انہ قال یسبحون وذلک لا

يطلق الا على العاقل۔ فنقول ان الدخهم القدر الذي يصح به التسبيح فنقول به لانه ما من شيء من هذه الاشياء الا وهو يسبح بحمد الله وان اردتم شيئاً آخر فلم يثبت ذلك اھ (ج ۲، ص ۸۸)۔

اس مقام پر اور کوئی عبارت نہیں ملی جس سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہو۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۲ / ۱ / ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

ترجمہ و تفسیر پڑھنے کیلئے والدین کی خدمت کو چھوڑنے کا حکم

زید دورۂ حدیث سے فارغ ہو چکا ہے۔ اب اس کا ارادہ دورۂ تفسیر پڑھنے کا ہے مگر والدین مجبور کرتے ہیں کہ تم ہماری خدمت میں رہو۔ اب زید کے لئے کیا حکم ہے ؟

الجواب اطاعت والدین ضروری اور فرض کے درجہ میں ہے۔ دورۂ حدیث کے پڑھ لینے سے علم کے درجۂ فرض میں سے یقیناً آدمی فارغ ہو جاتا ہے۔ اب باقی علم تفسیر اور ترجمہ وغیرہ تو یہ اس کے لئے مستحب کا درجہ ہے۔ لہٰذا اگر والدین کی رضا کسی طرح سے حاصل ہو سکے تو بہر ممکن صورت قلیل سے قلیل مدت پر ان کو راضی کر کے دورۂ تفسیر شروع کرے۔ ورنہ اگر والدین محتاج ہوں اور ذریعہ معاش اختیار کرا کے اپنی خدمت چاہتے ہوں تو ان کی اطاعت اور خدمت کو مقدم سمجھے۔ اور تراجم اکابرین مثلاً ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح و شاہ عبدالقادر رح و شاہ رفیع الدین رح اور تفسیر بیان القرآن، اور ترجمہ حضرت شیخ الہند رح مع فوائد حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح کا مطالعہ کرے۔ اور اس طرح سے اپنی تشنگی علم کو رفع کرے۔ مشکل مقامات میں حضرات علماء محققین سے مراجعت کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ ۸ / ۸ / ۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالرحمٰن[1] عفی عنہ مدرسہ خیر المدارس ملتان

بذریعہ فلم تبلیغ قرآن توہین قرآن ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین ، حامیان شرع متین اس بارے میں کہ قصص قرآنیہ کے بارے میں فلم بنانا جائز ہے یا نہیں ؟

۲ : اور اس کی ٹی وی وغیرہ پر نمائش جائز ہے یا نہیں ؟

۳ : یہ کہ اس کو تبلیغ قرآن کہا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

---

[1] حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوری ، سابق صدر مدرس مظاہر علوم سہارنپور۔ محمد انور مرتب

الجواب ۱: فلم سازی کے مراکز عموماً فحاشی کے اڈے ہیں۔ اور اس صنعت میں کام کرنے والے جس کردار کے مالک ہوتے ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں۔ ملک میں بداخلاقی یہیں سے درآمد کی جاتی ہے۔ اور یہ مراکز ہر قسم کے باجے گاجوں کا گھر ہیں۔ جن کے مٹانے اور نیست و نابود کرنے کے لیے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ ارشاد نبوی ہے۔ بعثت بکسر المزامیر ترجمہ: مجھے بانسریاں (آلات موسیقی) توڑنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔[1]

وفی روایۃ ان اللہ ... امرنی لمحق المزامیر والاوتار والصلیب و امر الجاھلیۃ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بانسری، طنبور، صلیب اور امور جاہلیت کو مٹا دوں۔[2]

فلم سازی کے لیے قرآن کریم کو ایسے مقامات میں اور اس کردار کے حاملین کے حوالہ کر دینا قرآنی عظمت و تقدس کے بالکل خلاف ہے۔ ارشاد خداوندی ہے لا یمسہ الا المطھرون۔ ترجمہ اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ بایدی سفرۃ کرام بررۃ۔ (یہ قرآن مجید) نیک سرشت لکھنے والوں کے ہاتھوں میں رہتا ہے۔

تبلیغ قرآن کریم کے اہل پاکباز، فرشتہ سیرت، معزز، اور نیکوکار انسان ہیں نہ کہ فساق و فجار۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن نے قرآن پاک کے اوراق اس وقت تک اپنے بھائی کے حوالے نہیں کیے جب تک انہوں نے غسل نہیں کر لیا۔ اور قبول اسلام کی رغبت ظاہر نہیں کر دی۔

(سیرت ابن ہشام برحاشیہ زاد المعاد، ج ۱، ص ۱۸۷)

۲: قصص قرآنیہ کی فلم سازی ایک فتنہ ہے اور ایسے فتنے یہود و نصاریٰ کی نقالی میں یورپ سے درآمد کیے جاتے ہیں۔ اسلام و قرآن کے نام سے مسلم معاشرہ میں انہیں پھیلا دیا جاتا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں پر فلمیں بنائیں۔ انہی کی اتباع میں مسلمانوں کے کچھ نادان دوست بھی قصص القرآن کو فلما کر ان کی راہ پر چلنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گمراہ اور مغضوب علیہم کی اتباع سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار (الآیۃ)

آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ کی طرف صرف میلان قلبی پر بھی نار جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

حدیث پاک میں ہے۔

لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر و ذراعا بذراع حتی لو دخلوا جحر ضب تبعتموھم۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، ج ۲، ص ۴۵۸)

---

[1] نیل الاوطار، ج ۸، ص ۱۰۰۔ [2] مسند ابو داؤد طیالسی، ص ۱۵۵۔ و مسند احمد وغیرہ۔ ۱۴۰

البتہ ضرور تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے۔ بالشت، بالشت، ہاتھ، ہاتھ حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوں تو اس میں بھی تم ان کی پیروی کرو گے۔

قرآن وحدیث کی واضح ممانعت اور اس تحذیر کے باوجود پھر ہم لوگ یہود ونصاریٰ کی بنائی ہوئی ان مہلک بلوں میں گھسنا چاہتے ہیں۔ اور فتنوں کا شکار ہو رہے ہیں۔

۳ : ایسے فتنوں کی ابتدا کتنی ہی حسین و پاکیزہ کیوں نہ ہو، انجام گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ غور کیجئے! قصہ خوانی قرآن کریم کے اصل مقاصد میں سے نہیں۔ قرآن کریم موقع و مقام کی مناسبت سے حسب ضرورت قصص و واقعات سے مختصراً تعرض کرتا ہے۔

ان واقعات کو باقاعدہ کہانی کی شکل دینے کے لئے تفسیری مآخذ و اسرائیلیات کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ پھر ان مآخذ سے ایسے مواد کا انتخاب کیا جائے گا جو عوام کے جذبات کو زیادہ سے زیادہ اپیل کرنے والا ہو۔ اور ان کے لئے ذہنی عیاشی کے بہتر سے بہتر مواقع فراہم کرتا ہو۔ گو دلائل کے اعتبار سے یہ مواد کتنا ہی غیر مستند کیوں نہ ہو۔ ہم بعض قصہ گو مصنفین کی کتابوں میں یہی صورت حال پاتے ہیں۔ گو یہ اتنا مضر نہیں۔ کیوں کہ ان کے مخاطب اور قارئین عموماً تعلیم یافتہ خواص ہیں۔

فلم جس کا موضوع ہی لہو ولعب ہے۔ اس قسم کی بے احتیاطیوں سے کیسے مبرا ہو سکتی ہے۔ اور پھر کہانی بیان کرنے والے کی ذہنیت پوری طرح کہانی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ جس رنگ میں چاہے اسے ڈھال سکتا ہے۔ کسی واقعہ کے اول و آخر میں چند زہر آلود فقرے کہے جا سکتے ہیں جس سے اس واقعہ کا قرآنی مقصد ہی ختم ہو کر رہ جائے۔ عیسائی و یہودی مستشرقین نے ریسرچ کے نام سے پہلے اسلامی تاریخ کو مسخ کیا، اب قرآنی حقائق و تعلیمات پر فلم سازی کے پردے میں ہاتھ صاف کیا جائے گا۔ اگر سراغ لگانے کی کوشش کی جائے تو اس فتنے کے پیچھے بھی کسی نہ کسی صورت میں صیہونیت کی سازش کارفرما ہو گی۔

ہم نے سطور بالا میں جن خدشات کا اظہار کیا ہے یہ محض خدشات اور اندیشے ہی نہیں بلکہ یورپ میں یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام پر فلمیں بنائی گئیں۔ ان مقدس ہستیوں کو رومانی قصوں کے ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ بائبل کے قصوں میں عشقیہ مضامین اور رومانی رنگ مکمل طور پر بھر دیا گیا۔ دیکھنے والا یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ یہ کوئی مقدس کہانی ہے یا سینماؤں میں دکھائی جانیوالی ایک عام فلم ہے۔

ایسی فلموں کے ذریعہ دیکھنے والوں کو ہدایت نصیب ہو جائے یہ محض ایک خام خیال ہے۔ ہدایت کھیل تماشوں کے راستوں سے نہیں آتی۔ بلکہ ہدایت اللہ والوں کے فیض صحبت اور ان کی تعلیم و تبلیغ

کے ذریعہ تقسیم ہوتی ہے۔ مخلوقِ خدا غلب سے گراں کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے۔ تو ہدایت پاتی ہے۔ عہدِ نبوی سے لے کر آج تک ہدایت پھیلنے کا یہی طریق چلا آ رہا ہے۔ تاریخِ اسلام میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں کہ کوئی قوم یا قبیلہ گناہ میں پھنسی ہوئی تبلیغ سے مسلمان ہوا ہو۔ یا فسق و فجور سے تائب ہوا ہو۔ بالکل یہی وہ حقیقت ہے جو حضرت امام مالک رح نے ارشاد فرمایا۔

"لا يصلح آخر هذه الامة الا بما صلح به اولها"

پھر کوئی فلم عورتوں اور مردوں کی تصویریات سے خالی نہیں ہو سکتی۔ ساز و آواز بھی اس کے لئے لازم ہے جنہیں شریعتِ مطہرہ نے حرام قرار دیا ہے۔

احکامِ خداوندی توڑ کر محرماتِ شرعیہ کا ارتکاب کرتے ہوئے تبلیغ کا دعویٰ غضبِ خداوندی کو دعوت دینا ہے۔ ٹی، وی اور سینما دیکھنے والوں کی اکثریت بلاشبہ ان کے پروگراموں کو تفریح اور کھیل تماشے کی غرض سے دیکھتی ہے۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ قصصِ قرآنیہ کی فلم سازی اور پردہ سکرین پر ان کی نمائش قرآن کریم کو کھیل و تماشا بنانے کے مترادف ہے۔ تو اس میں کچھ بعید نہیں۔ اور ـــــ قرآن کریم کو لہو و لعب کھیل تماشہ بنانے والوں کا انجام کسی سے مخفی نہیں۔

بعض نام نہاد دانشوروں کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ ٹی، وی پر اس قسم کی فلموں کی نمائش قرآن کی تبلیغ ہے۔ اور قرآن پاک کی تبلیغ و دینی مسائل پر علماء کی اجارہ داری ختم ہونی چاہیے۔ پہلے بھی اس قسم کی باتیں اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں۔ ان " دانشوروں کی دانش " اور چھاپنے والوں کی بے حسی سے تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیسی بے تکی ہانک رہے ہیں کہ تبلیغ و دینی مسائل پر علماء کی اجارہ داری ختم ہونی چاہیے

علماء کے بارے میں ان کی دانش کا یہی فیصلہ ہے تو سائنس پر سائنس دانوں کی اجارہ داری! اور قانون سے متعلقہ امور میں وکلاء اور ماہرینِ قانون کی اجارہ داری، علاج معالجہ پر ڈاکٹروں کی اجارہ داری، تعلیم پر اساتذہ، لیکچراروں اور پروفیسروں کی اجارہ داری کے بارے میں ان کی " دانش " کا کیا فیصلہ ہے؟ اگر ان اجارہ داریوں کو ختم نہیں کیا جا سکتا تو امورِ دینیہ کے بارے میں ماہرینِ علومِ شرعیہ کی یہ حیثیت ان کے لئے کیوں سوہانِ روح بنی ہوئی ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ سائنس دان، ڈاکٹر، پروفیسر، وکلاء کسی خاص قوم یا خاندان کا نام نہیں بلکہ متعلقہ فن کے پڑھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کے لئے برس ہا برس تک اپنی ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کو کھپانے کے بعد سندِ مہارت پانے والوں کے القاب ہیں۔ لہٰذا اس میں اجارہ داری کی بحث عقل و دانش کے سراسر خلاف ہے۔ اصل مسئلہ اس فن میں مہارت کا ہے۔ جو شخص یہ مہارت و استعداد بہم پہنچانے کے لئے

اس فن میں یہ مقام حاصل ہو جائے گا۔ اور متعلقہ فن میں اس کی رائے مستند اور قابل قبول تصور کی جائے گی دوسرے کی نہیں۔

ٹھیک اسی طرح یہ سمجھئے کہ علماء کا معزز لقب کسی خاندان یا قبیلے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ علوم شرعیہ (قرآن وحدیث وغیرہ) کی تحصیل میں ایک عمر کھپا کر یہ معزز مقام حاصل کیا جاتا ہے۔ تو امور شرعیہ کے بارے میں حضرات علماء کا فیصلہ مستند اور حجت ہوگا نہ کہ ہر کہ ومہ کا۔ گو وہ کسی دوسرے فن میں ڈگری یافتہ ہی کیوں نہ ہو جیسے کہ کسی تشخیص وعلاج ومعالجہ اور فوجداری مقدمات میں زخموں کے متعلق ڈاکٹری رپورٹ ہی قابل قبول اتھارٹی ہے کسی انجینئر یا سائنسدان کی رائے کا اس میں کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی انکی رائے سے ڈاکٹری رپورٹ کو چیلنج کیا جاسکتا ہے۔

الغرض یہ بحث ماہر فن ہونے کی ہے جو اقوام کے عرف و آئین میں مسلم ہے اسے اجارہ داری قرار دینا سراسر بے دانشی ہے۔

الحاصل وجوہ بالا کی بنا پر ایسی فلمیں تیار کرنا اور ٹی وی پر ان کی نمائش کرنا شرعاً درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۳ / ۱۰ / ۱۴۰۴ھ

معوذتین کا شان نزول

معوذتین جو آخری دو سورتیں قرآن پاک میں ہیں ان کا شان نزول کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ ایک عورت نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک لے کر ان میں بارہ گرہیں دیں۔ اور وہ بال کنوئیں کے نیچے رکھ دیئے۔ اور پھر جبریل علیہ السلام پیغام لے کر آئے کہ آپ پر جادو کا اثر ہے اور فلاں جگہ بال مبارک ہیں اس جگہ سے بال نکال لئے گئے تو آپ کو آرام ہو گیا۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب صحیح واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حدیبیہ سے واپس ہوئے تو کفار اور یہود نے لبید بن الاعصم کو کہا کہ تم ہم میں سب سے زیادہ ساحر ہو اس لئے تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرو۔ ہم تم کو بہت کچھ انعام دیں گے۔ چنانچہ اس نے اور اس کی بیٹیوں نے کسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک لے کر ان پر دم کیا۔ گیارہ گرہیں دیکر کنوئیں میں دبا دیئے۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ تکلیف ظاہر ہوئی۔ پھر اس کے بعد سورۃ فلق اور سورۃ الناس نازل ہوئیں اور آپ کو وہ مقام بتلایا گیا جہاں وہ بال مدفون تھے۔ آپ نے ان بالوں کو نکال کر یہ دونوں سورتیں پڑھیں جس سے وہ گرہیں کھل گئیں اور آپ کو آرام ہو گیا۔ اس سحر کا اتنا اثر نہیں تھا کہ آپ بالکل بے ہوش ہو جاتے ہوں یا آپ کے وظائف وعبادات میں فرق آیا ہو۔ (کل ذالک من التفسیر الکبیر و روح المعانی) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد اسحاق غفرلہ

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۰ / ۱۱ / ۱۴۰۳ھ

سورۂ نمل میں کتاب مبین سے کیا مراد ہے

سورۃ النمل پارہ ۲۰ ، آیت ۷۵ ، کی تشریح مختصر مگر جامع مطلوب ہے۔ مجھے جو تشویش ہے وہ یہ ہے کہ "کتاب مبین" قرآن پاک کے لئے آیا ہے اور میرے ناقص ذہن کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کا سارا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے جب قرآن مجید آسمانوں اور زمینوں کے مغیبات کو اپنے اندر سما سکتا ہے تو جسے قرآن کا علم دیا جائے اسے ان چیزوں کے جاننے میں کیا مانع ہے۔ نتیجہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علوم غائبہ سے روشناس تھے۔

الجواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ آسمان و زمین میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں مگر اس کا ذکر "کتاب مبین" میں موجود ہے کتاب مبین سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسر محقق علامہ ابن کثیر الدمشقی اپنی مشہور تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ وھذہ کقولہ الم تعلم ان اللہ یعلم ما فی السماء والارض ان ذلک فی کتاب ۔ الخ اور پارہ نمبر ۱۷ سورۂ حج کی اس متذکرالذکر آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں ومکتوب ذلک فی کتاب اللوح المحفوظ ۔ ابن کثیر ج ۳ ، ص ۲۳۴۔

پس معلوم ہوا کہ "امن خلق" آیت میں جو لفظ "کتاب مبین" مذکور ہے اس سے مراد قرآن مجید نہیں بلکہ لوح محفوظ ہے اور اس قسم کی آیات سورۂ یونس رکوع نمبر ۷ اور سورۂ سبا رکوع نمبر ۱ میں بھی "کتاب مبین" سے مراد لوح محفوظ ہے۔ لہٰذا آپ کو جو شبہ لاحق ہوا ہے اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
شیر محمد عفی عنہ

بیدہ الملک میں ضمیر کا مرجع حضورؐ کو قرار دینا تحریف ہے

ایک صاحب ، سورۂ ملک کی ابتدائی آیات تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شیء قدیر کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ بہت برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں تمام ملک ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کے قبضے میں تمام ملک ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ہاتھ نہیں۔ وہ بازوؤں سے پاک ہے لہٰذا بیدہ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ید مبارک ہی ہو سکتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب ــــــــ یہ تفسیر بالکل غلط اور محض تحریف ہے بلکہ کفر و شرک ہے کیونکہ تفسیر مذکور کی بناء پر لازم آتا ہے کہ خالق موت و حیات اور خالق سمٰوٰت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کیا جاوے۔ نیز آپ کو قادر مطلق بھی اعتقاد کیا جاوے۔ حالانکہ اہل اسلام تو ایک طرف اہل زمانہ جاہلیت کے کفار و مشرک بھی اس کے قائل نہ تھے۔ وہ بھی خالق ارض و سماء صرف حق سبحانہ و تعالیٰ کو مانتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

ولئن سألتهم من خلق السموٰت والارض ليقولن الله۔ (سورۃ العنکبوت ۶۱)

پس اس طرح تفسیر کرنا کھلی گمراہی ہے۔ الذی بیدہ الملک سے مراد یہ ہے کہ جس کے قبضہ میں ملک ہے۔ "ید" سے مراد قبضہ و اختیار ہے نہ کہ عضو۔ چنانچہ اردو میں بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے ہاتھ میں بڑے بڑے آدمی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے بڑے بڑے آدمیوں کو ایسے پکڑ رکھا ہے جیسے لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے آدمی ان کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ پس آیت میں بھی "ید" سے مراد قبضہ و اختیار ہے۔ معمولی لیاقت کا آدمی بھی اردو ترجمہ سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ جس ذات کے بارے میں "بیدہ الملک" کہا گیا ہے۔ اسی ذات کو اگلی آیات میں "خالق موت و حیات و خالق سمٰوٰت" فرمایا گیا ہے۔ پس جو ذات موخر الذکر صفات کی مالک ہے یعنی حق سبحانہ و تعالیٰ وہی پہلی وصف سے بھی متصف ہے۔ چنانچہ تیسری آیت میں مذکور ہے ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت اس آیت میں حق سبحانہ و تعالیٰ کے اسم مبارک کی تصریح فرما دی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

خیر محمد عفی عنہ — ۱۰۔۱۰۔۱۳۸۳ھ

مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی کی تفسیر

آیت مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب ــــــــ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں۔ یعنی دنیا میں جو شخص جیسے ہدایت کی راہ سے اندھا رہا ویسے ہی آخرت میں بہشت کی راہ سے اندھا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ۔

ومن الناس من یعجبک الآیۃ

ومن الناس من یعجبک الآیۃ کا شان نزول کیا ہے؟

الجواب: یہ آیت "اخنس بن شریق" کے بارے میں نازل ہوئی جو کہ بڑا فصیح و بلیغ تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر قسمیں کھا کر اسلام کا جھوٹا دعویٰ کیا کرتا تھا۔ اور مجلس سے اٹھ جاتا تو فساد و ایذاء رسانیٔ خلق میں لگ جاتا۔ اھ۔ (بیان القرآن ص۱۱۵ ج۱)

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم — محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۷/۳/۱۳۹۹ھ

بسم اللہ میں رحمٰن کو رحیم پر مقدم کرنے کی وجہ

بیضاوی شریف میں لفظ رحمٰن و رحیم کی تفسیر میں مندرجہ ذیل عبارت مرقوم ہے اس کی تشریح میں زید و عمر میں اختلاف ہے آپ اس عبارت کا مطلب و مقصد مع ترجمہ لفظی تحریر فرما دیں۔

ولانه صار كالعلم من حيث انه لا يوصف به غيره لان معناه المنعم الحقيقي البالغ في الرحمة غايتها وذلك لا يصدق على غيره لان من عداه مستعيض بلطفه وانعامه يريد به جزيل ثواب او جميل ثناء اھ

الجواب: علامہ بیضاوی رحمٰن کو رحیم پر مقدم لانے کی وجوہ بیان فرما رہے ہیں ان وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ "رحمٰن" بمنزلہ علم ہے اور اس کے اندر معنی وصفی آگیا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ لفظ رحمٰن اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی صفت واقع نہیں ہوتا۔ بخلاف رحیم کے کہ وہ رسول کی صفت واقع ہوا ہے بالمؤمنین رؤف رحیم اسی طرح رحمدل آدمی کو بھی رحیم کہہ سکتے ہیں لیکن رحمٰن نہیں کہہ سکتے۔ لہٰذا رحمٰن جب بمنزلہ علم ہوا تو اس کی تقدیم رحیم پر مناسب ہے۔ کیونکہ اعلام صفات پر مقدم ہوتے ہیں اور رحمٰن کے بمنزلہ علم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رحمٰن کا معنی ہے "منعم حقیقی" جو رحمت میں انتہاء کو پہنچ چکا ہو۔ اور یہ صفت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ منعم حقیقی جس کا انعام بلا عوض ہو صرف اللہ کی ذات ہے۔ اللہ کے علاوہ جو لوگ کسی پر انعام و احسان کرتے ہیں تو عوض کے طالب ہیں۔ (مستعیض کا معنی عوض طلب کرنے والا) اور یہ معاوضہ چار قسم کا ہوتا ہے۔

۱۔ کبھی انعام و احسان سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ آخرت میں ثواب حاصل ہو۔

۲: دنیا میں ثناء جمیل ذکر خیر لوگوں کے ذریعہ حاصل ہو۔

۳: کسی ہم جنس کو محتاج و مصیبت زدہ دیکھ کر طبیعت میں رقت اور درد و سوز پیدا ہوتا ہے تو اس پر انعام و اکرام کر کے انسان اپنے جذبۂ ہمدردی اور رقت قلب کی تسکین کرتا ہے۔

كما قال مولانا عبد الحكيم في حاشيته على البيضاوي ص ــــ :

قوله رقة الجنسية اى مزيل بانعامه الرقة الحاصلة له باعتبار المشاركة الجنسية بالمنعم عليه كمن رأى فقيرا وحصل له رقة القلب يتصدق عليه لازالة ألم الرقة وهذا هو الموافق لما في التفسير الكبير۔

۴: یا انعام و احسان سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مال خرچ کرنے سے اس کی محبت دل سے زائل ہو جائے۔ بہرحال ان کے سامنے اس قسم کے مقاصد ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ منعم حقیقی ہیں بلا کسی عوض اور مقصد ذاتی کے محض انسان کو نفع رسانی کی خاطر احسان فرماتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ غفر لہ مفتی خیر المدارس ملتان

۲۸؍۳؍۱۳۷۶ھ

حجاب کا حکم اور الا ما ظہر منہا کی تفسیر

کبیری شروط الصلوٰۃ ص ۲۱۴ - پر ہے۔ الا وجهها وكفيها فانهما ليسا بعورة بالاجماع لا في حق الصلوة ولا في حق نظر الاجنبي حتى ان يباح نظره الى وجه المرأة الاجنبية وكفيها اذا كان بغير شهوة۔ آگے پوری تفصیل ہے جو حضور خود ملاحظہ فرمائیں۔ کچھ سطر کے بعد لکھتے ہیں۔

وهذا معنى قوله تعالى "الا ما ظهر منها" اى الا ما جرت العادة والجبلة على ظهوره۔

اور درمختار ج ۱ ص ۲۸۴ - میں ہے۔ وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لانه عورة بل لخوف الفتنة۔

امید ہے کہ حضور خود بھی سب تفصیلات ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہ معروض بحوالہ ہے اب جو امر محقق ہو اس سے بندہ کی اصلاح فرمائی جائے۔ مولوی محمد یوسف بہاولنگر۔

الجواب: قبل از جواب ایک مقدمہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ استدلال اور استنباط کے مقام میں صرف ایک آیت یا ایک حدیث کو مبنی قرار دے کر کسی حکم یا مسئلہ شرعیہ کا استنباط کرنا سخت

نادانی اور جہالت ہے اور عمداً ایسا کرنا کہ تمام نصوص میں سے کسی ایک کو لے کر باقی کو نظر انداز کر دیا جائے الحاد و زندقہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات علماء نے اجتہاد اور استنباط کے کام کو موجودہ زمانے میں متعذر قرار دیا ہے۔ کیونکہ قرون اولیٰ کے بعد ایسے وسیع النظر حضرات جو احادیث و آثار کے حافظ بہت مفقود ہو چکے ہیں۔

بعد ازیں عرض ہے کہ مجموعہ آیات و احادیث حجاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پردۂ شرعی کے تین درجے ہیں۔

۱: چہرے اور ہتھیلیوں اور بعض کے نزدیک پیروں کے بغیر باقی تمام حصہ کو چھپایا جائے یہ ادنیٰ درجے کا پردہ ہے۔

۲: چہرے اور ہتھیلیوں کو بھی برقعہ سے چھپایا جائے اور اس حالت میں بوجہ حاجت و ضرورت شرع کی اجازت سے عورت باہر جا سکے یہ دوسرے درجے کا پردہ ہے۔

۳: عورت دیوار کے پیچھے رہے۔ برقعہ کے باوجود بھی باہر نہ نکلے یہ اعلیٰ درجے کا پردہ ہے۔

یہ تینوں درجات آیات و احادیث سے ثابت ہیں۔ بطور اختصار کچھ ذکر کی جاتی ہیں۔

۱: قال اللہ تعالیٰ۔ وقرن فی بیوتکن۔ (درجہ ثالثہ)

۲: واذا سألتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب الخ (درجہ ثالثہ)

۳: ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها الخ (علی قول البعض درجہ اولیٰ و علی قول بعض درجہ ثانیہ)

۴: ولا تخرجوهن من بیوتهن ولا یخرجن الخ (درجہ ثالثہ)

۵: والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون نکاحا فلیس علیهن جناح ان یضعن ثیابهن غیر متبرجات بزینة (درجہ اولیٰ)

۶: ولیضربن بخمرهن علی جیوبهن الخ (درجہ ثانیہ)

۷: یدنین علیهن من جلابیبهن الخ (درجہ ثانیہ)

۸: ولا یضربن بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن الآیۃ (درجہ ثانیہ)

احادیث ۱: عن قیس بن شماس قال جاءت امرأة الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقال لها ام خلاد وهی منتقبة تسأل عن ابنها وهو مقتول فقال لها بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم جئت تسألین عن

ابنتک وانت متنقبة فقالت ان ارزأ ابنی فلن ارزأ حیائی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابنک اجر شہیدین قالت ولم ذلک یا رسول اللہ قال لانہ قتلہ اہل الکتاب ابوداؤد کتاب الجہاد باب فضل قتال الروم (درجہ ثانیہ)

۱۰۔ المرأة عورة مستورة فاذا خرجت استشرفہا الشیطان رواہ الترمذی (درجة ثالثة)

۱۱۔ عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت خرجت سودة بعد ما ضرب الحجاب لحاجتہا الی قولہا فقالت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی خرجت لبعض حاجتی فقال لی عمر کذا وکذا یعنی اما واللہ لا تخفین علینا قالت فاوحی اللہ الیہ فقال انہ قد اذن لکن ان تخرجن لحاجتکن تفسیر سورة احزاب (درجہ ثانیہ) بخاری شریف فخرجت سودة بنت زمعة تحتجب لما رأی من شبہہ بعتبة (درجہ ثالثہ) رواہ البخاری۔

۱۲۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لام سلمة ومیمونة احتجبا منہ (ای من ابن ام مکتوم) فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیس ہو اعمی لا یبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ رواہ احمد والترمذی وابوداؤد (درجہ ثالثہ)

مذکورہ احادیث و آیات سے جو تین درجے حاصل ہوتے ہیں ان کو مختلف صورتوں پر مرتب کرنا حضرات فقہاء کا کام ہے۔

چنانچہ بوڑھی عورتوں پر پہلا درجہ واجب ہے۔ یعنی چہرہ اور ہتھیلیوں کے ماسوا باقی جسم بدن کو ظاہر کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اور دوسرا درجہ یعنی کہ برقعہ کے ساتھ باہر جانے بالکل اپنے قد و قامت کو بھی ظاہر نہ کرے مستحب ہے۔

شواب و کہول: یعنی نوجوان اور متوسط عمر عورتوں کے لئے تینوں درجے واجب ہیں یعنی چہرہ اور کفین کے سوا باقی بدن کا ستر کرنا بھی واجب ہے۔ اور برقعہ کرکے چہرہ کو چھپانا بھی واجب ہے۔ اور اپنے آپ کو گھر میں محبوس رکھنا بھی ضروری ہے۔ البتہ شدید ضرورت کے وقت درجہ اول میں کچھ وسعت بھی ثابت ہے۔ مثلاً علاج معالجہ کے لئے اسوائے وجہ اور کفین کا کھولنا بھی جائز

ہے۔ اور درجہ ثانیہ و ثالثہ میں بھی اگر متوسط درجہ کی ضرورت ہو تو گھر سے نکلنا جائز ہے مگر برقعہ کے ساتھ۔ بشرطیکہ اظہار تزین نہ ہو۔

چند فوائد متعلقہ ولا یبدین زینتھن الا ما ظہر منہا (۱) اس سے مراد ظہور فی نفسہ ہے نہ کشف للغیر قصداً۔ کیونکہ اس آیت میں حجرے سے اصلاً تعرض نہیں کیا گیا۔ اور نہ کوئی قرینہ ہے۔

(۲) الا ما ظہر منہا سے جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ عورتوں کے لئے عام طور پر چہرہ کھولے رکھنے کی اجازت ہے یہ ان کی غلطی ہے۔ کیونکہ "الا ما ظہر منہا" میں صرف عورتوں کو فی نفسہ چہرہ اور ہاتھ کھولے رکھنے کی اجازت ہے۔ تاکہ دوسرے اعضاء کی طرح ان کو چھپانے کی تکلیف نہ ہو اور اس میں دوسروں کے لئے چھپانے اور ظاہر کرنے کا مقصود نہیں۔

(۳) قال ابن جریر حدثنی علی قال حدثنا عبد اللہ قال حدثنی معاویۃ عن علی عن ابن عباس قولہ ولا یبدین زینتھن الا ما ظہر منہا قال والزینۃ الظاہرۃ الوجہ وکحل العین وخضاب الکف والخاتم فھذا تظہر فی بیتہا لمن دخل من الناس علیہا۔

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں (۱) زینت سے مراد مواضع زینت نہیں بلکہ ما یتزین بہ اسے امر مراد ہے۔ اور فی بیتہا کی قید سے یہ معلوم ہوا کہ ابداء سے مراد ابداء فی نفسہ ہے نہ کشف للغیر۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں رسالہ "القاء السکینۃ فی ابداء الزینۃ" اور "اثبات الستور لذوات الخدور" یہ دونوں رسالے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز کے تصنیف فرمودہ ہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

خیر محمد عفی عنہ

۱۰/۳/۸ھ خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان

تفسیر بلغۃ الحیران کے متعلق معتدل رائے اور اس کے چند مقامات پر اعتراضات کا جواب

کیا فرماتے ہیں علماء دین تفسیر بلغۃ الحیران کے مندرجہ ذیل مقامات میں آیا کہ جو کچھ اس تفسیر میں لکھا گیا ہے یہ سلف صالحین اور اہل السنۃ والجماعۃ علماء دین کے نظریات کے موافق ہے یا مخالف؟

(۱) "حکل فی کتاب مبین" کے تحت بلغۃ الحیران "ص ۲۰۸" پر لکھا ہے۔ یہ علیحدہ جملہ ہے

ماقبل کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔ تاکہ یہ لازم آئے کہ تمام باتیں اولاً کتاب میں لکھی ہوئی ہیں جیسا کہ اہل سنت والجماعۃ کا مذہب ہے۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے تمام افعال لکھ رہے ہیں فرشتے انتہیٰ بالفاظہ۔

کیا یہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک سے علیحدگی اور اعتزال کا اظہار نہیں؟ حالانکہ جملہ مفسرین اس سے مراد لوح محفوظ لے رہے ہیں۔ علماء دیوبند کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے موضح القرآن میں اس آیت کے فائدے میں لکھا ہے۔ تو کیا یہ علماء دیوبند کے مسلک کے خلاف نہیں؟ اور کیا اس خود ساختہ تفسیر پر قد جف القلم بما ہو کائن اور اس قسم کی دیگر احادیث کی تکذیب نہیں ہوتی اور تمام کتب عقائد کی تغلیط نہیں ہوتی؟

۲: یاجوج ماجوج کے متعلق ص ۲۱۵ پر لکھا ہے۔ "یاجوج ماجوج سے مراد انگریز یا یورپین اور روس" کیا یہ یاجوج ماجوج کے متعلق وارد روایات کے خلاف نہیں۔ اور کیا یہ مرزائیوں کی موافقت نہیں؟

۳: بلغۃ الحیران کے ص ۱۵ پر "ادخلوا الباب سجدا" کی تفسیر میں لکھا ہے باب سے مراد مسجد کا دروازہ ہے جو کہ نزدیک تھا۔ اور باقی تفسیریں کا کذب ہے۔ انتہیٰ۔ مفسرین کو کاذب کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو قائل کا کیا حکم ہے؟

۴: اسی تفسیر کے صفحہ ۳۴ پر مندرج ہے۔ "رسولوں کا کمال یہی عذاب الٰہی سے نجات پالینا ہے"۔ انتہیٰ۔ کیا یہ مرسلین کی تنقیص نہیں؟ عذاب سے نجات رسول کا کمال ہے تو کیا غیر رسول کی نجات نہ ہوگی؟

۵: ص ۵ پر قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کو کہا ہے کہ "یہ بھی کمال نہیں" کیا یہ غلط اور جمہور کے مخالف نہیں؟

۶: ص ۱۵۸ پر معتزلہ کا مذہب نقل کرکے لکھا ہے کہ "انسان خود مختار ہے۔ اچھے کام کریں یا نہ کریں اور اللہ کو پہلے کوئی علم نہیں کہ کیا کریں گے۔ بلکہ ظاہر کرنے کے بعد علم ہوگا۔ الیٰ ان قال مگر بعض مقام قرآن جو ان کے مطابق نہیں بظاہر تاویل کرتے ہیں معنی صحیح کرتے ہیں۔ کیا یہ اعتزال کی صریح تائید و ترجیح نہیں؟ کیا یہ قدامت علم الٰہی کا انکار نہیں؟

حبیب الرحمٰن مدرس دارالعلوم رحمانیہ ہری پور ہزارہ صوبہ سرحد

الجواب

محترم جناب مولانا حبیب الرحمٰن مدظلہ کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہمارا مسلک علماء دیوبند کے اصول کے مطابق اعتقاداً طے شدہ ہے۔ ہم عبارات مشکوکہ کی تشریح کی بنا

پر تکفیر و تفسیق میں جلدی نہیں کرتے ۔ افراط و تفریط ہی وہ دو ایسے امر ہیں جن کی بنا پر امت میں فساد پیدا ہوا ہے ۔ اگر مولانا غلام اللہ خان صاحب اور ان کی جماعت آپ کی نظر میں اکثر مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں (جس کا ہمیں پورا یقین نہیں) تو ایسا ہے جیسا بریلوی حضرات علماء دیوبند کی تکفیر کرتے ہیں ۔ لیکن ہمارے اکابر نے اس بارہ میں ہمیشہ احتیاط برتی ہے اس لئے ہم بھی تکفیر کے بارے میں ہمیشہ احتیاط کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں کو بھی احتیاط کرنے اور عبارات مشکوکہ کی جب تک اصل عبارت کفر کے معنی کی تصریح ذکر یں ، تاویل ہی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں ۔ ہمارے لئے سابقہ فتنوں میں رفض اور قادیانیت میں کیا کچھ کم ہیں جن کو چھوڑ کر ہم منتشر فتنے پیدا کریں ۔

اس لئے اس بارہ میں جس طرح ہم آپ سے احتیاط کرنے اور تکفیر و تفسیق میں جلد بازی کو ترک کا مطالبہ کرتے ہیں اسی طرح چاہتے ہیں کہ مد مقابل فریق مولانا غلام اللہ خان صاحب وغیرہ سے بھی ہمیں اختلاف قائم ہے ہم اس تشدد آمیز اور خلاف حکمت طریق کار کو پسند نہیں کرتے ۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد بلغۃ الحیران کی جو عبارتیں آپ نے تحریر کی ہیں ان کے بارے میں رائے تحریر کی جاتی ہے ۔

۱ : عبارت کی تصحیح کر دی گئی ہے ۔ جیسے مولانا غلام اللہ خان صاحب سے تحقیق کی ہے انہوں نے یہ تسلیم فرمایا ہے کہ یہ عبارت کاتب اور ناسخ کی غلطی سے شبہ انگیز ہو گئی ہے ۔ آپ کی تحریر شدہ عبارت کے لحاظ سے جب " کل فی کتاب مبین " مستقل جملہ تھا اور کل سے مراد کل ما تعملون لیا تھا اور یہ معنی یہ لیا تھا کہ تمہارے اعمال فرشتے لکھ رہے ہیں ۔ تو اس صورت میں معتزلہ کی تائید تھی ۔

جب جملہ " کل فی کتاب مبین " ماقبل کے ساتھ متعلق کر کے یہ مراد ہو " کہ پچھلی تمام باتیں کتاب میں لکھی ہوئی ہیں " تو یہ اہل السنت کے مسلک کے موافق ہو جائے گا ۔ جب مصنف خود تصریح کر رہے ہیں کہ کتابت کی غلطی ہے اور اصل عبارت یوں تھی اور یہ اہل السنت کے موافق ہیں تو کیا ضرورت ہے کہ غلط عبارت لے کر اعتراض پہ جمے رہیں ۔

۲ : اسی طرح مذہب اعتزال کو نقل کرنے کے بعد ان کی تاویل کو نقل کیا ہے کہ جہاں معنی آیت ان کے موافق نہیں ہوتے وہاں وہ لوگ تاویل کر کے معنی صحیح بناتے ہیں ۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی تاویل جائز ہے یا ہم ان کی تاویل کے ساتھ متفق ہیں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جو یہ دلالت کرتا ہو کہ مصنف کتاب ان کی تاویل کو صحیح سمجھ رہا ہے ۔ بلکہ ان حضرات سے معلوم ہوا ہے کہ اگر ہم معتزلہ کے ہم نوا ہوتے تو آیت لِیَعْلَمَ میں مفسرین اہل السنت کے مطابق

علم غیب کی تاویل نہ کرتے، بلکہ معتزلہ مفسرین کے مطابق علم سے علم حقیقی مراد لیتے۔

۳ ، مصنف اور جامع ملفوظ الحمیم ان فرما چکے ہیں۔ کہ کذب سے ہماری مراد خلاف واقعہ ہے چونکہ مولانا مرحوم کو اپنی تحقیقات کے لحاظ سے یہی مسلک صحیح معلوم ہوا لہذا اسی کو ترجیح دی۔ اور دوسرے اقوال کو کہنا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ مرجوح یا خلاف واقعہ ہیں۔ لیکن چونکہ تقریرات کے الفاظ مولانا مرحوم کے اپنے نہیں، جامع نے کذب لکھ دیا۔ کذب سے مراد وہ گناہ کبیرہ نہیں لیتے۔ بلکہ اس سے مراد خلاف واقعہ اور غلط لیتے ہیں۔

۴ ، "مصنف اور جامع "نے" رسولوں کا کام یہی عذاب الٰہی سے نجات پالینا ہے" کے متعلق معاذ اللہ کئے ہوئے معنی تنقیص سے برأت ظاہر کی۔ اور یہ کہا کہ ہمارا مطلب جو سیاق و سباق کے ملاحظہ سے واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حق جل مجدہ نے حضرت لوط علیٰ نبینا و علیہم السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے بعد " فدمرناهم تدميرا " فرمایا اور اہل ایمان کے متعلق " ما نجينا الذين آمنوا " فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہلاک کفار اور انجاء انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے وقت میں عذاب الٰہی سے بچ جائیں اور ان کے اتباع کی وجہ سے باقی بھی بچ جائیں۔ (قال) معاذ اللہ مصنف کے دل میں کسی قسم کی تنقیص انبیاء کے متعلق نہیں بلکہ اس کو کفر صریح بتلاتے ہیں۔

۵ ، مصنف کا مقصد یہ ہے کہ صرف فصاحت و بلاغت پر انحصار نہیں۔ یہ مقصد نہیں تھا کہ اس میں کمال نہیں۔ چنانچہ یہ مراد اور تفصیل سورۃ یونس میں مصنف کی تحریر سے واضح ہو رہی ہے

ع ما ما یان در بیتے لفظ مرتے رد نہ

متوکمال سے بلاشبہ دھوکہ لگتا ہے۔ لیکن اس کی وضاحت جو سورۃ یونس میں موجود ہے اس سے مصنف کا ارادہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کے اعجاز کو صرف فصاحت و بلاغت ہی میں بند نہ کیا جائے بلکہ عام رکھا جائے۔

بہرحال یہ معانی اور احتمالات خود صاحب کتاب مراد لے رہے ہیں جو صحیح ہیں اور بن سکتے ہیں اس لئے ہمیں قول ما لا یرضی به القائل سے کفر یہ احتمال کو ترجیح دینے کی کیا ضرورت ہے اگر یہ لوگ تشدد کرتے ہیں تو ہمیں احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے۔

۶ ، یاجوج ماجوج کے متعلق حضرت العلامہ سیدنا و مولانا محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ نے کچھ تحقیق فرمائی ہے۔ جو کہ فیض الباری جلد ۴ ص ۲۳ میں موجود ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

یاجوج وماجوج سے مراد انگریزوں اور روسیوں کا ہونا بہت سے مؤرخین کا قول ہے۔ اور لعین قادیانی نے جو بات کہی ہے وہ درحقیقت مؤرخین سے چرا کر کہی ہے۔

قال رحمه الله الفائدة الثالثة في تحقيق ياجوج وماجوج۔ اما الكلام في ياجوج وماجوج فاعلم انهم من ذرية يافث باتفاق المؤرخين ويقال لهم في لسان اوروبا (گاگ میگاگ) وفي مقدمة ابن خلدون (غوغ ماغوغ) وللبريطانية اقرارهم بانهم من ذرية ماجوج وكذا الصالحيا ايضا منهم واما الروس فهم من ذرية ياجوج وليعلم ان هؤلاء الاقوام من الانس والمراد من الخروج حملتهم وفسادهم وذلك كائن لا محالة في زمانه الموعود وكل شيء عنده باجل مسمى۔ وليس الحد منهم عن الفساد۔ فهم يخرجون على سائر الناس في وقت ثم يهلكون بدعاء عيسى عليه السلام هكذا في مكاشفات يوحنا۔ فعلم انهم يهلكون بعد عود المسيح عليه الصلاة والسلام وانما ذكرنا نبذة من هذه الامور لتعلم انها ليست بشيء يفتخر بها عند العوام ولكنها كلها معروفة عند اصحاب التاريخ اما من لم يطالع كتبهم فلا شعور له به۔ وهذا الجاهل لعين القاديان يزعم انه اتى بعلم جديد كانه اوجده من عند نفسه وكان الناس غافلين عنه قبل ذلك وقد بسطنا في رسالتنا عقيدة الاسلام وحاشيته ، بما لا مزيد عليه فراجعه انتهى۔

پوری تفصیل اور وضاحت مکمل مضمون دیکھنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس بنا پر یاجوج ماجوج سے انگریز مراد لینا موجب کفر نہیں ہو سکتا۔ نیز مصنف کتابچہ نے انگریز کے مراد ہونے پر جزم نہیں کیا بلکہ یوں کہا کہ " یاجوج ماجوج سے مراد انگریز ہیں یا کوئی اور "۔ لہذا اس قسم کے جملہ سے قائل کسی حد اور تعزیر کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸/۶/۱۴۰۰ھ

حضرت العلام حضرت مفتی صاحب دام فیضکم نے مصنف جلتہ الحیران اور جامع کے متعلق جو جملہ

احتیاط اور عدم تکفیر کو اختیار فرمایا ہے وہی راجح اور صواب اور اعدل ہے۔ مگر جس کتاب کی عبارت جمہور اہل السنۃ والجماعت کے مسلک کے خلاف ہوں یا عوام کو ان سے ایہام و مغالطہ ہوتا ہو ایسی کتاب کی اشاعت اور مطالعہ کرنا جائز نہیں۔ اور اس کے جامع و ناشر تاویل یا اعتراف غلطی کر کے تکفیر و تفسیق سے تو بری ہو سکتے ہیں مگر اس کے ضرر اور اثم سے برأت کے لئے ضروری ہے کہ موجودہ کتاب کی اشاعت کو بند کیا جائے جب تک کہ اس کی اصلاح نہ کی جائے یا غلط مقامات کا اظہار بالتصریح نہ کیا جائے۔ واللہ الموفق۔

از احقر خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

۱۶/۹/۱۳۷۰ھ

لقد اجاد من اجاب۔ هذا هو الحق والصواب فلله در المفتي المجيب لا زال فيضه الكثير الآن حصحص الحق فلا يتعنت السائل في تكفير المسلمين سيما العلماء الوارثين بل يهتدي بهداية المذكورة و يستتيب ويستغفر عما صدر منه الكبيرة لان التكفير نسبة ان لم تجد صلاحها في المنتسب اليه فترجع الى المنتسب كما قال النبي صلى الله عليه وسلم ولكن ما قال استاذنا المقام في تصحيح الجلفة وتغييره التام هذا هو الحق والحق احق ان يتبع فقط

الاحقر محمد عزيز الرحمن المتوطن بهزارة المقيم في خير المدارس ملتان۔

الجواب صحیح: عبدالشکور غفرلہ، خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح والمزید علیہ من حضرۃ المہتمم صحیح ونعم النصیحۃ: جلال الدین الجلالی غفرلہ

الجواب صحیح

بندہ محمد صدیق غفرلہ، معین مفتی خیر المدارس ملتان ۱۱/۹/۱۳۷۰ھ

تفسیر بالرائے جو اصول و قواعد عربیہ کے خلاف ہو

قرآن کی تفسیر بالرائے کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ ایسی تفسیر اپنی ہی رائے سے کی گئی ہو جبکہ ایسی تفسیر پر وہ مفسر بضد ہو۔ تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ قرآن و سنت کے مطابق جواب سے نوازیں۔

الجواب ائمہ تفسیر نے صحت تفسیر کے واسطے جن امور کو لازم قرار دیا ہے ان کا انحصار اصول ذیل میں ہے۔ ۱: ہر آیت کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تفسیر کے

مطابق ہو۔ یا وہ کسی حدیثِ مرفوع یا اقوالِ صحابہ سے ماخوذ و مستنبط ہو۔

۲: سیاق وسباق کے مطابق ہو۔

۳: قواعدِ عربیہ اور اہلِ لسان کے استعمال کے موافق ہو۔

۴: اصولِ شریعت اور دین کے ان تمام قواعد و ضوابط کے مطابق ہو جو دین کے اصولِ موضوعہ اور بنیادی امور کے درجہ میں طے اور ثابت ہیں اور ان پر اعتقاد و ایمان لازم ہے مثلاً آخرت یا جنت و جہنم جزاء و سزا وغیرہ

۵: مقاصد قرآن کے ماتحت ہوں۔ ان اصولوں کی پابندی اور رعایت کرتے ہوئے کلام اللہ کی تشریح کو تفسیر کہا جاتا ہے۔ اور ان اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مضامین کی تشریح کو اصطلاح علماء میں تفسیر بالرائے اور تحریفِ قرآن کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ من قال فی القرآن برأیه او ما لا یعلم فلیتبوأ مقعده من النار اھ۔ ترمذی وابو داؤد و نسائی۔ تفصیل واشلہ کے لئے ملاحظہ ہو۔ مناہل العرفان ص ۴۹۴۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۲۳-۱۱-۱۴۰۳ھ

وقفِ لازم پر وقف لازم نہیں

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ قرآن کریم میں جن آیات کے ساتھ وقفِ لازم لکھا ہے وہاں ٹھہرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نہ ٹھہرا جائے اور اگلی آیت سے ملا دیا جائے تو جائز ہوگا یا گناہ؟

۲: کیا قرأت اور تجوید کے قاعدے پر قاری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جس آیت پر چاہے ٹھہرے اور جہاں چاہے نہ ٹھہرے خواہ مکمل آیت اور وقفِ لازم ہی کیوں نہ ہو؟

الجواب
جہاں پر وقفِ لازم لکھا ہوتا ہے وہ لازم بمعنی وجوب یا فرضیت نہیں بلکہ بمعنی استحسان مراد ہے لہٰذا وقف نہ کرنے میں گناہ نہیں ہوگا۔ اور وصل سے معنی مشتبہ ہوتا ہو تو وقف کو لازم سمجھا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۴-۱-۱۳۸۸ھ۔

جس گھر میں قرآن مجید موجود ہو اس کی چھت پر چڑھنا

جس گھر میں قرآن مجید رکھے ہوں اس کی چھت پر چڑھنا کیسا ہے؟

۲: مسجد کی چھت پر چڑھنا کیسا ہے؟

الجواب جس مکان کے اندر قرآن مجید ہو اس کی چھت پر چڑھنا جائز ہے۔ فی هندية الصعود على سطح بيت فيه مصحف وذلك لا يكره الخ (شامی ج ۱ ص ۲۴۵)

۲: مسجد کی چھت پر بلا ضرورت چڑھنا مکروہ ہے۔ الصعود على سطح كل مسجد مكروه ولهذا إذا اشتد الحر يكره أن يصلوا بالجماعة فوقه الخ

(عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۲) الجواب صحیح

فقط واللہ اعلم بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۷/۲/۱۴۰۰ھ مفتی خیر المدارس ملتان۔

ڈاک کی ٹکٹوں پر قرآنی آیات لکھنا ٹھیک نہیں محکمہ ڈاک پاکستان نے گیارہویں اسلامی کانفرنس اسلام آباد کے موقعہ پر ایک یادگار ٹکٹ جاری کیا ہے جس پر یہ آیت لکھی ہوئی ہے۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔ اس طرح اس آیت میں "موا" اور "قوا" کے بعد الف رہ گیا ہے۔ محکمہ ڈاک کی توجہ اس طرف دلائی گئی مگر کوئی یہ عمل نہیں ہوا بلکہ ٹکٹوں کی فروخت جاری ہے۔

الجواب ٹکٹوں پر قرآنی آیات لکھنا سوء ادبی ہے محکمہ کو یہ ٹکٹ ختم کر دینے چاہئیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۳۰/۱۰/۱۴۰۰ھ

قرآن پڑھنے کے بعد دعوت کھانا اگر کوئی کسی کے گھر قرآن پڑھنے جائے تو اسے اپنی خوشی سے کچھ دیدیں۔ یا کھانا کھلائیں یا خود مقرر کرے تو کیسا ہے؟

الجواب ایصال ثواب کی جیسے مقاصد کے لئے قرآن مجید پڑھنے پر کچھ بھی لینا جائز نہیں۔ خواہ پہلے سے مقرر کر لیا جائے یا دینا معروف ہو اور پڑھانے اور پڑھنے والے یہ سمجھتے ہوں کہ ضرور دیں گے۔ ایسے ہی پڑھنے کے بعد کھانا کھانے سے بھی احتراز مناسب ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۳/۳/۱۴۰۱ھ

آیات قرآنیہ کو جلا کر دھواں لینا درست نہیں زید اپنے مریدوں کو ایسے تعویذ دیتا ہے جن میں بسم اللہ شریف اور دیگر آیات قرآنیہ ہوتی ہیں اور انہیں حکم دیتا ہے کہ ان کی دھونیاں بنا کر جلا دیں۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ قرآنی آیات کو لکھ کر ان کی دھونیاں بنا کر جلانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بسم اللہ شریف اور آیات قرآنیہ کو لکھ کر بطور تعویذ گلے میں یا بازو پر پاک کپڑے یا چمڑے میں لپیٹ کر باندھنا، لٹکانا جائز ہے حتیٰ کہ جنب اور حائض کے لئے بھی۔

ولا بأس بان یشد الجنب والحائض التعاویذ علی العضد اذا کانت ملفوفۃ۔

(شامی ج ۵، ص ۲۴۴)

لیکن ان تعویذ کو جن میں اسماء الٰہیہ اور آیات قرآنیہ ہوں دھونیاں بنا کر جلانا ناجائز ہے کیونکہ یہ توہین ہے وفیہا یکرہ کتابۃ الرقاع فی ایام النیروز والزاقہا بالابواب لان فیہ اہانۃ اسم اللہ تعالیٰ (ج ۵ ص ۲۴۴) فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

جن کاغذات پر اللہ و رسول کا نام لکھا ہو ان کو کیا کیا جائے

آج کل خطوط، کتابوں، رسالوں اور اخباروں میں اللہ و رسول کے نام لکھے ہوتے ہیں کیا ان کی بے ادبی سے بچنے کے لئے یہ جائز ہے کہ ایسے ناموں کو قلم زد کر کے مٹا دیا جائے جس سے وہ اصلی نام یا الفاظ نہ رہیں اور پھر عام ردی میں استعمال کر لیا جائے؟

۲: کیا ہمارے زمانے کے کتابی محرف توریت اور انجیل کو ماننے والے حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کا بیٹا ماننے والے اور تین خدا ماننے والے کا ذبیحہ حلال ہے۔ اور ان کی عورتوں سے غیر مسلمان کے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۳: قبر تیار ہو جانے پر بہشتی زیور میں شامی اور رد المحتار کے حوالے سے اس پر شاخ رکھنا لکھا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معذب قبروں پر شاخ گاڑی تھی تو قبر پر سبز شاخ رکھنا مستحب ہے یا گاڑنا۔

۴: جبکہ حدیث میں معذب قبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سبز شاخ گاڑنا لکھا ہے اور قبر کی تیاری پر سبز شاخ رکھنے یا گاڑنے کا حکم نہیں دیا۔ نہ عام قبروں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاخ گاڑی نہ صحابہؓ کا تعامل رہا بلکہ بطور معجزہ ایک واقعہ ہے تو حنفیہ کے نزدیک اس کو مستحب کیوں قرار دیا گیا ہے۔

الجواب: (۱) اسمائے محترمہ کے مٹانے کے بعد اس کاغذ کا ردی میں استعمال کرنا درست ہے بشرطیکہ بے ادبی نہ کی جائے۔ پاؤں وغیرہ میں نہ روندا جائے۔ ولا یجوز لف شیء فی کاغذ فیہ مکتوب من الفقہ وفی الکلام الاولی ان لا یفعل وفی کتب الطب یجوز ولو کان فیہ اسم اللہ تعالیٰ او اسم النبی علیہ السلام یجوز محوہ لیلف فیہ شیء اھ (شامیہ ج ۵ ص [illegible])۔

۳ : قرآن حکیم میں ان کے مشرکیہ عقائد ذکر کرنے کے باوجود ان کو اہل کتاب کہا گیا ہے لہذا جو لوگ واقعۃً یہودیت یا عیسائیت کے پیروکار ہیں۔ وہ اہل کتاب ہیں اور ان پر اہل کتاب کے احکام نافذ ہوں گے البتہ جو لوگ حقیقۃً دہریہ ہیں اور صرف مردم شماری میں اپنے آپ کو عیسائی یا یہودی لکھواتے ہیں وہ ہرگز اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہیں۔ ایسے ہی جو اسلام لانے کے بعد معاذ اللہ یہودی یا نصرانی بنے وہ بھی اہل کتاب سے نہیں۔ اور جن پر اہل کتاب کا لفظ صادق آتا ہے ان کا ذبیحہ جائز ہے۔ کیونکہ ذبیحہ کے احکام اہل کتاب کے لئے بھی وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں۔ البتہ کوئی اہل کتاب دانستہ اللہ کا نام ذبیحہ پر ذکر نہ کرے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے تو وہ ذبیحہ حلال نہیں جیسا کہ مسلمان کا ایسا ذبیحہ حلال نہیں۔ باقی رہا نکاح کا مسئلہ تو اگرچہ ان عورتوں سے نکاح کرنا حرام تو نہیں مگر بہت سے دینی و دنیاوی مفاسد کی بنا پر فقہاء نے اس سے منع کیا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بعض صحابہ نے ان کی عورتوں سے نکاح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سختی سے منع فرمایا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہاں تک لکھا

اعزم علیک ان لا تضع کتابی حتی تخلی سبیلہا یعنی میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دے کر آزاد کر دو۔ (کتاب الآثار محمد)

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن ج ۳ ص ۴۲ میں لکھتے ہیں کہ

"الغرض قرآن و سنت اور اسوۂ صحابہ رضہ کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابیہ عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلی پرہیز کریں۔ اھ"

۴ : ان سے عذاب میں تخفیف ہونے کے بارے میں علماء کے مختلف قول ہیں۔ بعض نے اس کو آنحضرت علیہ السلام کی خصوصیت کہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ نے دعا فرمائی تھی کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں عذاب میں تخفیف رہے۔ ان اقوال میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ اس شاخ کے سبز ہونے اور اس کی تسبیح کرنے کی بنا پر عذاب میں تخفیف ہوئی۔ مگر راجح پہلا قول ہے۔ کیونکہ اگر یہ شاخ کی خاصیت ہوتی تو بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ایسا کرتے۔ صحابہ کا عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تشریح ہوتا ہے۔ فتاویٰ شامی اور بہشتی زیور میں آخری قول کی بنا پر استحباب لکھا ہے۔ ورنہ فتاوی دارالعلوم میں ہے۔ ج ۵، ص ۵۱۹

"علماء حنفیہ نیز محققین نے اس کو آنحضرت علیہ السلام کے ساتھ مخصوص کہا ہے۔"

اور رفع عذاب کو آپ کی برکت کی وجہ سے مخصوص کیا ہے لہٰذا احوط اس کا ترک کرنا ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۱۴۰۱ھ

مفتی خیر المدارس ملتان

قرآن کو بوسہ دینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ بعض لوگ قرآن مجید کو کھولنے سے قبل اس کو بوسہ دیتے ہیں آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

محمد اسماعیل دستیارہ۔

الجواب قرآن مجید کو بوسہ دینا جائز ہے۔ روی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یأخذ المصحف کل غداۃ ویقبلہ ویقول عہد ربی ومنشور ربی عزوجل وکان عثمان رضی اللہ عنہ یقبل المصحف ویمسحہ علی وجہہ۔

درمختار علی الشامی (ج ۵ ص ۲۴۶)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو قرآن آہستہ پڑھنا چاہیے

عشاء کی اذان کے بعد فرض کی نماز جماعت ہونے سے پہلے دو حافظ قرآن، ایک دوسرے کو قرآن سناتے ہیں۔ اور دوسرے نمازی حضرات اسی دوران مسجد میں آکر سنت غیر مؤکدہ پڑھنا شروع کر دیں تو اس صورت میں حافظ صاحبان قرآن پڑھنا بند کر دیں یا نمازی سنت پڑھنا۔ یا قرآن آہستہ پڑھا جائے۔ لیکن آہستہ پڑھنا ناممکن ہے کیونکہ ایک دوسرے کو سننا پڑتا ہے۔

۲: سورۃ اقراء میں آیت نمبر ۱۷ فلیدع نادیہ جب ایک طالب علم اس آیت کو پڑھ رہا تھا تو وہ یہاں وقف کر رہا تھا، تو دوسرے سننے والے نے اعتراض کیا کہ یہاں پر صلے پڑھنا ہے آیا معترض صحیح کہتا ہے؟

الجواب اذان کے بعد قرآن مجید یا کوئی اور ذکر اتنی آواز سے پڑھنا جس سے لوگوں کی نماز میں خلل آئے درست نہیں ہے۔ پڑھنے والوں کو چاہیے کہ آہستہ پڑھیں۔

۲: فلیدع نادیہ ۱۷ پر گول آیت ہے۔ اور ہر گول آیت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وقف کیا ہے۔ اور آپ کے وقف کرنے ہی سے اور بتلانے سے آیات کا پتہ چلا ہے۔ لہٰذا تمام گول آیات پر ٹھہرنا جائز ہے اس پر اعتراض کرنا بہت ہی بری بات ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص

سانس فنا ہونے کی وجہ سے کئی آیات ایک سانس میں پڑھے تو بھی جائز ہے۔ غرض یہ کہ ٹھہرنا نہ ٹھہرنا دونوں جائز ہیں۔ اور ٹھہرنے پر اعتراض سنت پر اعتراض ہے۔ والسلام۔

الجواب صحیح　　　　　رحیم بخش

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲/۴/۱۳۹۰ھ　خیر المدارس ملتان

بسم اللہ قرآن پاک کی ایک مستقل آیت ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ عند الاحناف فرض نماز کی ایک رکعت میں یٰس۔ والقرآن الحکیم۔ انک لمن المرسلین۔ تین آیات پڑھ لی جائیں۔ تو کیا نماز بالکل درست ہو جائے گی۔ یہ اشکال اس وجہ سے ہوا کیونکہ یٰس پر اختلافی آیت ہے؟

۲: الحمد للہ رب العالمین۔ ایک قرآنی آیت ہے۔ اس کے قرآنی آیت ہونے کا منکر شریعت کی رو سے کیا کہلائے گا؟

۳: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ایک مستقل قرآنی آیت ہے۔ یا کسی قرآنی آیت کا جزو ہے۔ جو شخص بسم اللہ الرحمن الرحیم کو قرآن پاک کی ایک پوری آیت تسلیم نہ کرے وہ کیسا ہے۔

۴: ولا الضالین کے بعد آمین صرف نماز کے اندر کہنا چاہئے یا نماز سے باہر دوران تلاوت بھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ۱: اگر بعد از فاتحہ صرف مرسلین تک پڑھا ہے تو عند البعض نماز ہو جائے گی۔

فمع عدم وجوده يعمل باطلاق عبارة المحيط من الاكتفاء بالآية التي بلغت ثمانية عشر حرفا لاقامة واجب القراءة

اھ رافعی ج ۱ ص ۵۷۔

لیکن نماز کے معاملے میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اس پر اکتفاء نہ کیا جاوے۔

۲: الحمد للہ رب العالمین کا قرآنی آیت ہونا تواتر سے ثابت ہے۔ اس کا منکر کافر ہے۔

۳: اس پر تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ "بسم اللہ" سورۂ نمل میں قرآن کا جزو ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ آیا "بسم اللہ" سورۂ فاتحہ کا یا تمام سورتوں کا جزو ہے یا نہیں ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ "بسم اللہ" بجز سورۂ نمل کے اور کسی سورت کا جزو نہیں بلکہ ہر سورت کے شروع میں فصل اور امتیاز ظاہر کرنے کے لئے

نماز پھر بھی صحیح ہوگی نفل کے علاوہ کو آیت تسلیم نہ کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

ولم تجز الصلوٰة بها احتياطا ولم يكفر جاحدها لشبهة اختلاف مالك فيها اھ : درمختار علی الشامیۃ ج ۱ ص ۵۰۴۔

۴ : خارج صلوٰۃ میں بھی آمین کہی جاوے۔ ؍ حاشیہ بخاری، ج ۲، ص ۹۰۴۔

الجواب صحیح	۵	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۳	محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان	۱۴۰۲ھ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اختلاف امتی رحمۃ اور نہی عن التفرق میں تطبیق

استفتاء : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حدیث شریف کے اندر آتا ہے "اختلاف امتی رحمۃ" اور قرآن مجید اس کی تکذیب کرتا ہے۔ "ولا تکونوا کالذین تفرقوا" الخ اور "من الذین فرقوا دینهم وکانوا شیعا" الخ؟

الجواب : سائل کو معلوم ہونا چاہئے کہ اختلاف دو قسم کا ہے ایک وہ جو نیک نیتی پر مبنی ہو۔ جیسے اختلافات رائے کے ہیں جیسا کہ دو شخص لاہور جانا چاہتے ہیں۔ اور ان دونوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ موٹر اور لاری کے ذریعہ سے خرچ کم واقع ہوگا۔ اور سواریاں بھی اندر نے کی ہوں گی میں تو موٹر سے جاؤں گا۔ کچھ آدمی اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ دوسرا شخص یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ میں ریل گاڑی سے جاؤں گا۔ کیونکہ ریل گاڑی کا سفر بہ نسبت موٹر کے زیادہ محفوظ ہے اور اس پر وقت بھی کم صرف ہوتا ہے کچھ آدمی اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ اب اس اختلاف میں یہ فائدہ ہے کہ یہ لوگ سہولت سے لاہور پہنچ جائیں گے۔ جو جلدی پہنچنا چاہتے ہیں وہ گاڑی سے اور جو کم پیسے والے ہیں وہ موٹر سے پہنچ جائیں گے۔ اب دیکھئے یہ اختلاف موجب رحمت ہو گیا۔ ہر شخص کو اپنے مزاج کے ماتحت طریق کار اختیار کرنے کا موقع مل گیا۔ ایسا اختلاف مذموم نہیں موجب رحمت ہے۔ یہی مثال اختلاف ائمہ کی ہے کہ اصول میں اور بنیادی مقاصد میں اتفاق ہوتا ہے۔ البتہ طریق کار میں اختلاف ہو جاتا ہے جو مضر نہیں ہے۔ جیسا کہ یونانی اور ڈاکٹری طب مقصد دونوں کا صحت ہے لیکن طریق کار کا اختلاف ہے تو کیا یہ اختلاف مضر ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ مفید ہے۔ کیونکہ بعض طبائع کو یونانی علاج موافق آتا ہے اور بعض کو ڈاکٹری۔ سخت نادان اور جاہل ہیں جو بلا سوچے سمجھے اس حدیث کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور اس کو قرآن مجید کے مخالف

سمجھ لیتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ آریہ سماج اور عیسائی لوگ بلا سوچے سمجھے قرآن مجید کی بعض آیات کو دوسری آیات کے معارض بنا دیتے ہیں۔

دوسرا اختلاف وہ ہے جو کہ خود غرضی اور نفسانیت پر مبنی ہو جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے اختلاف کیا۔ بعض لوگ جو تھوڑے سے تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور اکثر یہود و نصاریٰ نے ان سے اختلاف کیا۔ اور اختلاف کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان پر حق مخفی تھا بلکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ جیسا کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے۔

۱: الذین اٰتینٰھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم (الآیۃ)

۲: فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ (الآیۃ)

وجہ اختلاف یہ تھی کہ ان کو یہ ڈر تھا اگر ہم مسلمان ہو گئے تو لوگوں کی طرف سے جو اصلی نذرانے وغیرہ کی حاصل ہو رہی ہے، بند ہو جائے گی۔ اس وجہ سے انہوں نے اختلاف کیا اور کئی فرقے بن گئے۔ یہ سب فرقے نفسانیت پر مبنی تھے۔ اب اس اختلاف میں ایک فرقہ ایسا بھی تھا جو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا تھا۔ یہ حق پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف کی ہے من اھل الکتاب امۃ قائمۃ۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ آج بھی جو اختلاف نفسانیت پر مبنی ہو وہ حرام ہے اور ناجائز ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں کہ سب فرقے غلط سمجھے جائیں۔ جیسا کہ اہل کتاب میں اختلاف پڑ گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک فرقہ کی تعریف کی۔ کہ وہ حق پر قائم ہے۔ ایسا ہی مسلمانوں میں جو اختلاف نظر آتا ہے تو ضروری ہے کہ اس میں بھی ایک فرقہ ایسا ہو جو حق پر قائم ہو۔ اور وہ مذہب ہے اہل السنۃ والجماعت۔ اور اہلسنت میں جو حنفی، شافعی وغیرہ کا اختلاف نظر آتا ہے۔ وہ پہلی قسم کا اختلاف ہے جو موجب رحمت ہے اس کی وجہ سے فقہی صورتوں میں توسیع ہو کر امت کے لئے آسانی ہو گئی ہے وہ مذموم نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد حبیب اللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان

ہاروت ماروت کی طرف منسوب قصہ غلط ہے

س: کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ہاروت ماروت کے بارے میں روایت ہے کہ ایک عورت پر عاشق ہو گئے تھے اور اس کو اسم اعظم سکھایا اور وہ ناچ میں بہ برکت اسم اعظم آسمان پر چلی گئی اور اب وہ زہرہ ستارہ کہلاتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب یہ ہاروت ماروت والا قصہ بالکل غلط ہے۔ اس کی کوئی سند نہیں۔ اگرچہ یہ بعض تفاسیر میں بھی ملتا ہے لیکن ان حضرات کو اس کے نقل کرنے میں دھوکا ہوا ہے چنانچہ دوسری تفاسیر نے اسے اسرائیلی روایت کہا ہے۔ جیسے تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۱۹۱ میں ہے۔

وما روی فی قصتهما من انهما شربا الخمر وسفکا الدم وزنیا وقتلا وسجدا للصنم فمما لا تعویل علیه لان مداره روایة الیهود۔ کذا فی تفسیر الجمل۔

اور تفسیر خازن میں اس قصہ کو کئی سندوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے لیکن ان کا میلان بھی کمزوری کی طرف ہے۔ کہ یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ تفسیر بیان القرآن میں اس کو ذکر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس میں اس اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ کہ جس بات کی پوری تحقیق نہ ہو، یا کوئی بات غلط مشہور ہو اس کو اس میں ذکر نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا اس قصہ کو بھی اس میں نہیں ذکر کیا گیا۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان۔ احقر علی عفی عنہ معین مفتی خیر المدارس ملتان۔

۲۵ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

نسخ کے بارے میں تحقیق رائے

باسمہ تعالیٰ: قابلِ صد احترام حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب دامت فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گزارش یہ ہے کہ جب سے حضرت دہلوی رحمہ اللہ کی اصطلاحات القرآن میں نسخ کی بحث پڑھی ہے ناکارہ ذہن کے لئے معمہ بن گئی ہے۔ وہ نسخ کی بحث میں فرماتے ہیں کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان میں اور ابن عربی رحمہ اللہ نے بیس آیتوں میں نسخ تسلیم کیا ہے۔ ان کے بعد علامہ زماں حضرت محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان پانچ آیات میں نسخ کا انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن میں کوئی آیت بھی منسوخ نہیں۔ نہ احکام میں نسخ ہوا ہے اور نہ آیات کے الفاظ میں۔ اور جن الفاظ کو منسوخ کہا جاتا ہے وہاں دراصل تعمیم و تخصیص ہے یا یہ کہ وہ احکام اصل میں واجب و فرض نہ تھے۔ لوگ ان کو عملاً واجب سمجھتے تھے۔ دوسری آیت کے نزول کے بعد واضح ہو گیا کہ یہ عمل واجب نہ تھا جس کو علماء نے نسخ سمجھ لیا۔

جن آیات کو منسوخ التلاوت کہا جاتا ہے دراصل وہ قرآن نہ تھا۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیری تعبیر جن کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے تبرک سمجھ کر ان آیات سے ملا کر مصاحف میں لکھ دیا تھا۔ قرآن کریم جب جمع کیا گیا تو ان تفسیری جملوں کو ترک کر دیا گیا۔ جس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ منسوخ التلاوت ہو گئے

اور بے احتیاط محدثین نے اس کی بابت روایت کردی جو بیشتر غلط ہے ۔

لیکن اس کے بالمقابل مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنی کتاب علوم القرآن میں نسخ کی بحث کرتے ہوئے صفحہ ۱۶۰ میں فرماتے ہیں کہ ۔

" جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایسی آیات موجود ہیں جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہے لیکن معتزلہ میں سے ابو مسلم اصفہانی کا کہنا یہ ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی ۔ بلکہ تمام آیات اب بھی واجب العمل ہیں ۔ ابو مسلم اصفہانی کی اتباع میں بعض دوسرے حضرات نے بھی یہی رائے ظاہر کردی ۔ اور ہمارے زمانے میں اکثر تجدد پسند حضرات اسی کے قائل ہیں ۔ چنانچہ جن آیتوں میں نسخ معلوم ہوتا ہے یہ حضرات ان کی ایسی تشریح کرتے ہیں کہ جس سے نسخ تسلیم کرنا نہ پڑے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ موقف دلائل کے لحاظ سے کمزور ہے اور اسے اختیار کرنے کے بعد بعض قرآنی آیات کی تفسیر میں ایسی کھینچا تانی کرنی پڑتی ہے جو اصول تفسیر کے بالکل خلاف ہے "۔

اب آپ ہی بتلائیں کہ ہم کس کے موقف کو لیں ۔ اگر بالفرض ہم نسخ کو تسلیم نہیں کرتے تو قرآن کریم کی آیت " ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نأت بخیر منہا او مثلہا " کا کیا مطلب ہوگا ۔ معاذ اللہ میرا مقصود حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمۃ پر اعتراض کرنا نہیں ۔ وہ تو علم کے بحر عمیق تھے ۔ لیکن میرا ذہن مشوش ہو گیا دو متضاد باتوں کو دیکھ کر ۔ آپ برائے مہربانی ان کا مفصل و مدلل جواب دیں ۔ صرف ہاں یا نہیں میں جواب نہ ہو کیونکہ طالبات کو پڑھانا ہوتا ہے ۔ اس لئے حضرت انور شاہ صاحب کشمیری رح کے موقف کی وضاحت کر دیجئے ۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء ۔

علماء ربانیین اکابر کا فریضہ ہے کہ وہ سائلین کے سوالوں کی تشفی کریں ۔ امید ہے آپ اپنے فریضے سے بطریق احسن سبکدوش ہوں گے ۔ والسلام

فقط جواب کی منتظر

دختر غلام قادر سیال

الجواب

نسخ کا مسئلہ اجماعی ہے ۔ پوری امت مسلمہ میں سے کسی نے نسخ کا انکار نہیں کیا بجز معتزلہ کے اور ان پر بھی علماء نے ہمیشہ رد کیا ہے ۔ روح المعانی : ج ۱ صفحہ ۳۵۲ میں ہے کہ " واتفقت اہل الشرائع علی جواز النسخ و وقوعہ و خالفت الیہود غیر العیسویۃ فی جوازہ و قالوا یمتنع عقلا و ابو مسلم الاصفہانی فی وقوعہ فقال انہ وان جاز عقلا لکنہ لم یقع "۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ "معارف القرآن" جلد ۱ ص ۲۰۸ - میں لکھتے ہیں
"امت کے متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے بھی وقوعِ نسخ کا مطلقاً انکار نہیں کیا خود حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے تطبیق کر کے تعداد تو کم بتلائی ہے مگر مطلقاً وقوعِ نسخ کا انکار نہیں فرمایا - ان کے بعد بھی اکابر علماء دیوبند بلا استثناء سبھی وقوعِ نسخ کے قائل چلے آئے ہیں کسی نے بھی وقوعِ نسخ کا مطلقاً انکار نہیں کیا - واللہ اعلم "

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی مطلقاً نسخ کا انکار نہیں کیا - بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ بالکلیہ کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی کہ اس کے تحت مندرج جزئیات اور صورتوں میں سے کسی صورت یا جزئی پر عمل ظہور پذیر ہو مثلاً آیت کریمہ " وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین الآیۃ " کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں کہ شیخ کے حق میں یہ آیت منسوخ ہو گئی - اسے روزہ ہی رکھنا فرض ہے - البتہ شیخ کبیر وغیرہ کے حق میں اب بھی باقی ہے - یعنی اس کے تحت کئی صورتیں تھیں کچھ منسوخ ہو گئیں اور کچھ باقی ہیں - خلاصہ یہ کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ کا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ کوئی آیت یا کوئی حکم کسی صورت میں بھی منسوخ نہیں ہوا بالفاظ دیگر مطلق نسخ کا حضرت شاہ صاحب رحمہ بھی انکار نہیں کرتے -

فیض الباری شرح بخاری ، ج ۳ ، ص ۱۳۸ - میں حضرت کے الفاظ ہیں -

انکرت النسخ رأسا وادعیت ان النسخ لم یرد فی القرآن رأسا اعنی بالنسخ کون الآیۃ منسوخۃ فی جمیع ما حوتہ بحیث لا تبقی معمولۃ فی جزئی من جزئیاتہا فذلک عندی غیر واقع وما من آیۃ منسوخۃ الا وہی معمولۃ بوجہ من الوجوہ وجہۃ من الجہات اھ

حضرت مولوی قدس سرہٗ کی عبارت سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے - جو سوال میں درج ہے - اس کے بعد بھی کوئی الجھن باقی رہے تو دوبارہ استفسار کر لیں -

فقط واللہ اعلم -

محمد انور عفا اللہ عنہ ،   الجواب صحیح
     بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

... سے واپسی کے بعد حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے جواب لکھا -

الجواب نسخ کے سلسلے میں جمہور اہلسنت والجماعت کا مذہب حق ہے حضرت علامہ انور شاہ رحمہ کی عبارات فیض الباری وغیرہ سے معلوم ہوتی ہے - وہ جمہور کے خلاف نہیں - بلکہ یہ اختلاف لفظی کے قریب ہے - جمہور کسی آیت کو جس معنی کے اعتبار سے منسوخ کہتے ہیں حضرت شاہ صاحب بھی آیت کے اس حقیقی و واقعی حکم کو ظاہری صورت میں باقی نہیں مانتے بلکہ وہ بھی منسوخ ہی کہتے ہیں

لیکن اس کے باوجود اسی آیت کا ایسا محمل تجویز کرنے کی گنجائش سمجھتے ہیں جو کسی نہ کسی صورت میں یا کسی نہ کسی زمانے کے اعتبار سے قابل عمل ہو۔ گویا اس وجہ بعید کی بنا پر آیت معمول بہا رہ گئی من کل الوجوہ منسوخ نہ ٹھہری۔ اور آیت شریفہ ما ننسخ الخ اور اس کی روشنی میں جمہور کا مذہب آیت کے ظاہری ، اصلی ، اور کلی حکم کے بارے میں ہے۔ پس نفی و اثبات کا محل واحد نہیں اس لئے

حضرت شاہ صاحب رح اور جمہور کے مسلک میں کوئی خاص تعارض نہیں۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نقل فرماتے ہیں۔

والشیخ یقول لا یکاد یوجد شئ من القرآن المتلو منسوخا بحیث لا یبقی حکمه فی وجه من الوجوه أو محمل من المحامل بل لا جرم یوجد حکمه مشروعا فی مرتبة من المراتب و حال من الاحوال و زمن من الازمان اھ یتیمة البیان ، ص ۲۹ ۔

فیض الباری کی عبارت میں بھی یہ ہے: وما من آیة منسوخة الا وھی معمولة بوجه من الوجوه وجهة من الجہات اھ

آیت کے منسوخ ہونے کی تصریح کرنے کے باوجود پھر کسی جہت سے معمول بہا ہونے کا دعویٰ کرتے فرماتے ہیں۔ اصطلاحات القرآن سے جو تفصیل نقل کی گئی ہے یہ تفصیل نہیں ملی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

ایک آیت کی غلط تفسیر کی نشاندہی

الشیعہ مورخہ ۳ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ جلد ۲۲ - میں "احسب الناس الآیہ سورۃ عنکبوت۔ کی تفسیر میں ہے: " اور کچھ لوگ ایمان لانے کے بعد جب دردناک اذیتوں سے دوچار ہوئے تو پست ہمت ہو کر کفار کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے" کیا یہ تفسیر صحیح ہے؟

محمد صدیق سکھر سندھ

الجواب — یہ جملہ واقعی وحشتناک اور سوء ادبی ہے۔ جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایسی جماعت کا علم نہیں جنہوں نے علانیہ اظہار اسلام کیا ہو اور پھر اذیتوں کے سبب سے برگشتہ ہو گئے ہوں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ سیر و تاریخ کی کتب میں اس کے برعکس صحابہ رض کی استقامت کے واقعات ملتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۱/۱/۱۳۹۶ھ

مذکورہ آیت کی تفصیل درج ہے۔

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے میں چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟

آیت کا شان نزول و تفصیل۔

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی دیوار سے تکیہ لگائے سایہ میں بیٹھے تھے تو بعض صحابہؓ نے مشرکین کی شکایت کی کہ وہ ہمیں طرح طرح سے ایذائیں پہنچا رہے ہیں۔ آپ ہمارے لئے دعا کریں کہ کافروں کا ظلم وستم ہم سے ٹل جائے۔ یہ سن کر آپ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم سے پہلے گزشتہ دین داروں کے سر آروں سے چیرے گئے اور ان کے دو ٹکڑے کئے گئے۔ مگر وہ اپنے دین سے نہیں ہٹے اور بعض کے سروں میں لوہے کے کنگھے کئے گئے کہ گوشت چیر کر ہڈیوں تک پہنچ گئے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہیں پھرے۔ اور قسم ہے خدا کی کہ یہ دین اسلام مکمل ہو کر پورا ہو کر رہے گا یہاں سوار صنعاء سے لے کر حضر موت تک امن و امان کے ساتھ چلا جائے گا۔ اور اسے کوئی اندیشہ اور خطرہ نہ ہوگا۔ لیکن تم جلدی کرتے ہو۔

مطلب یہ ہے کہ تم عجلت نہ کرو۔ صبر اور استقامت سے کام لو اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا انتظار کرو۔ اور کافروں کی طرف سے تم کو ایذائیں پہنچ رہی ہیں وہ من جانب اللہ ہیں۔ اور یہ آزمائش وامتحان ہیں۔ تاکہ مخلص اور منافق کا فرق ظاہر ہو جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شعبی سے روایت ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی جو مکہ میں گھرے ہوئے تھے اور بخوف کفار ہجرت نہیں کر سکتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے انہیں لکھا کہ تمہارا اسلام مقبول نہیں ہو سکتا جب تک تم ہجرت نہ کرو چنانچہ انہوں نے ہجرت کی مگر کفار ان کو واپس لے گئے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ الۗمّۗ ۚ احسب الناس ان یترکوا الخ

(معارف القرآن، مصنفہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ، ج ۵ ص ۲۵۲ تا ۲۵۳)

فرضوں کے فوراً بعد درس قرآن و حدیث کا حکم

ایک امام فرائض عشاء سے فارغ ہوتے ہی بلند آواز سے حدیث شریف کی تلاوت شروع کر دیتا ہے جب کہ جماعت میں شامل اکثریت امام کے ساتھ فارغ ہو جاتی ہے لیکن دو تین افراد مسبوق ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ امام ہماری نماز کے اختتام کا انتظار کرے کیونکہ ہماری نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ امام کا موقف یہ ہے کہ اکثریت کا اعتبار ہوگا۔ اور دو تین افراد کے لئے اجتماعی امر کو مؤخر نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ اگر ان دو تین کی رعایت کی جائے تو ان کے فارغ ہونے تک دو تین اور آ

جائیں گے اور مساجد میں اوقات نماز میں یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہتا ہے جس کی وجہ سے درس و وعظ کا سلسلہ پھر کسی وقت بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مساجد میں لوگ نماز ہی کے اوقات میں آتے ہیں۔ فرمائیے! امام کا موقف شرعاً صحیح ہے یا دو تین افراد کی رعایت ضروری ہے؟ براہ کرم جواب با حوالہ تحریر فرمائیں۔

۲: ایک امام عشاء کے فرائض کے بعد ادائیگی سنن و نوافل سے پہلے پانچ سات منٹ ایک حدیث اور اس کا ترجمہ روزانہ سناتا ہے اور یہ سلسلہ سب نمازیوں کے اتفاق و رغبت سے شروع ہوا۔ کیونکہ اگر سب نمازیوں کا لحاظ رکھا جائے تو انتظار کی وجہ سے بہت تاخیر ہو جاتی ہے امام سے کہا گیا کہ فرائض کے بعد سنن مؤکدہ میں تاخیر ممنوع ہے۔ اس لئے یہ درس حدیث جائز نہیں۔ لیکن امام کا موقف یہ ہے کہ پانچ سات منٹ کی تاخیر اور فصل معمولی تاخیر ہے اس کا مضائقہ نہیں۔ البتہ فصل کثیر یعنی پندرہ بیس منٹ سنت کی تاخیر خلاف سنت ہے۔ اور فقہ کی کتب میں وصل کو مستحب قرار دیا ہے نہ کہ ضروری جیسا کہ کبیری ص ۳۳۲ سے معلوم ہوتا ہے۔

فالحاصل ان المستحب فی حق الکل وصل السنۃ بالمکتوبۃ من غیر تاخیر۔

اس لئے عدم جواز کا قول صحیح نہیں خلاف استحباب کہا جا سکتا ہے۔ اور فی زمانہ جب کہ فتنہ انکار حدیث شدت پر ہے درس حدیث بہت ضروری ہے اور حدیث کا سنانا بھی ضروریات شرعیہ سے ہے۔

فرمائیے! امام کا موقف صحیح ہے یا عدم جواز کا قول صحیح ہے؟

۳: جن فرائض کے بعد سنن مؤکدہ ہیں ان فرائض کے بعد سنن کی تاخیر علی الاطلاق ممنوع ہے یا امر دنیا کی بنا پر تاخیر ناجائز ہے۔ اگر علی الاطلاق تاخیر ممنوع ہے، تو فتاوی دار العلوم ج ۱ ؛ ۲ ـ ص ۲۲۳ ، سوال ۹۳۰ کی اس عبارت کی کیا توجیہ ہوگی۔

جن نمازوں کے بعد سنت مؤکدہ ہیں ان میں فرضوں کے بعد زیادہ تاخیر کرنے کو مکروہ لکھا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ کچھ حرج نہیں۔ پس بہتر یہ ہے کہ امام جتنی دیر دعا مانگے اس کے ساتھ دعا مانگے۔ (از مفتی عزیز الرحمن)

سعید محمد عزیز خان

صدر منبع العلوم الاسلامیہ: ۲۱۳ ای بی چیچہ کالونی ، فاضل پور۔

الجواب اصل تو یہی ہے کہ درس قرآن یا حدیث سنتوں اور وتروں کے بعد ہو۔ کیونکہ اس میں نہ تو فرائض اور سنن و نوافل کے مابین فصل لازم آئے گا اور نہ مقتدیوں کو اعتراض کا موقع ملے گا۔ رہی یہ بات کہ ان اوقات میں نئے نمازیوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ انہیں پہلے سے مطلع کیا جا سکتا ہے کہ اگر وہ درس میں شامل نہیں ہونا چاہتے تو وہ اپنی نمازیں مسجد کے کسی دوسرے حصے میں اندر یا باہر پڑھتے رہیں اور اگر نمازیوں کے آگے پیچھے ہونے کا خلجان ہو تو امام کی فراغت کو معیار قرار دیا جائے۔

اور اگر متنازعہ فیہ درس ایسی نماز کے بعد شروع ہو جایا کرے جس کے بعد سنتیں نہیں، تو یہ سب سے بہتر ہے۔ اور اگر نمازیوں کا اصرار اس پر ہو کہ درس سنتوں سے قبل ہی ہونا چاہئے تو اس صورت میں جو لوگ نماز میں شریک ہیں اور مسبوق ہیں ان کی رعایت ضروری ہے۔ انکی فراغت کے بعد درس شروع کر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۵ / ۱ / ۱۳۸۸ھ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

ایک موضوع روایت سے قرآن مجید کو غیر محفوظ ثابت کرنے کا جواب

ابن ماجہ صفحہ ۱۴۱ پر حدیث موجود ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ رجم کے متعلق اور رضاعت کبیر کے متعلق ایک صحیفہ لکھا ہوا تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہوا تو ہم آپ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے ایک بکری داخل ہوئی اور وہ اس صحیفہ کو کھا گئی۔

۲۔ ایسے ہی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ آیت لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم میں فی مواسم الحج کا اضافہ کر کے پڑھتے تھے۔

مذکورہ بالا دونوں روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن کریم محفوظ نہیں ہے۔ اس میں ہر وقت کمی واقع ہوتی رہی ہے۔

الجواب یہ حدیث کسی سند صحیح سے ثابت نہیں ہے۔ ابن ماجہ کی سند میں محمد بن اسحاق نامی ایک راوی ہے۔ اس کے متعلق امام سلیمان التیمیؒ فرماتے ہیں۔ کذاب اور حضرت سیدنا امام مالکؒ فرماتے ہیں "دجال من الدجاجلۃ" کہ وہ دجالوں میں ایک دجال تھا۔

(میزان الاعتدال ج ۳ ، ص ۲۱)

اگر بالفرض اسے صحیح تسلیم بھی کرلیں تب بھی اس سے قرآن مجید کے نامکمل ہونے کا اعتراض غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کی حفاظت ایسے طریقے سے کی ہے۔ جہاں نہ بکری کا منہ پہنچ سکتا ہے اور نہ پانی دھو سکتا ہے وہ حضرات صحابہ اور اہل بیت کے منور سینے ہیں۔ دس ہزار سے زائد حضرات صحابہ اور صحابیات جو آپ کی زندگی میں حافظ ہو چکے تھے۔ (مناہل العرفان، ص ۲۵۱)

جب کلام پاک ایک جم غفیر کے سینوں میں محفوظ تھا تو ایک آیت کیا سارے اوراق بھی بکری کھا جاتی تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ بالفرض اگر ایک آیت بھی رہ جاتی تو مدینہ منورہ کے گلی کوچے سے صحابہ قطار در قطار مسجد نبوی کے سامنے آکر لوگوں کو بتاتے کہ اے مسلمانو! دیکھو کہ یہ آیت قرآن میں نہیں لکھی گئی۔ حالانکہ تاریخ گواہ ہے حضرات صحابہ اور اہل بیت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود رہیں۔ لیکن کسی نے ایسی بات نہ کی۔ کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت موجود نہ تھیں یہ آیت اس وقت کیوں نہ لکھوائی۔ معلوم ہوا کہ یہ آیت ہی نہ تھی اس کی نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف کسی نے خواہ مخواہ کر دی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعتراض تو درکنار بلکہ خود جمع صدیقی رضی اللہ عنہ اور جمع عثمانی رضی اللہ عنہ کو خراج تحسین پیش کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اعظم الناس اجرا فی المصاحف ابوبکر رحمۃ اللہ علی ابی بکر هو اول من جمع کتاب اللہ۔

جمع عثمانی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا۔

لو کنت الوالی وقت عثمان لفعلت فی المصاحف مثل الذی فعل (مناہل العرفان ج ۱)

۲ : لیس علیکم جناح الآیۃ

بخاری شریف میں اس آیت کا شان نزول یہ لکھا ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ بازار تھے۔ جہاں حج میں کچھ تجارت بھی کرلیتے تھے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسلام لانے کے بعد اس مبارک سفر میں دنیا کے داخل ہونے کے باعث گناہ کا اندیشہ کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تجارت کر لینے میں کچھ حرج نہیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کو پڑھتے وقت آگے فی مواسم الحج کا لفظ بطور تشریح و تفسیر پڑھا کرتے تھے کہ اس کا تعلق حج کے ساتھ ہے۔ یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ لفظ جزو آیت ہے۔

(کذا فی القسطلانی ج ۳ ص ۶۰)

مگر بعض نے ساتھ ملا کر پڑھنے سے یہ بھی سمجھا ہے کہ وہ بطور قرأت پڑھا کرتے تھے۔ لیکن ایسی صورت میں ائمہ تفسیر نے کہا ہے کہ اس قسم کی قرأتیں درحقیقت تفسیر ہوتی ہیں۔ ان کی حیثیت عام آیت کی سی نہیں ہوتی۔ اور اس کی نظائر قرآن مجید میں اور بھی ہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

خارج نماز تلاوت سننا واجب نہیں

مشہور ہے کہ قرآن مجید پڑھنا سنت ہے اور سننا فرض ہے یہ کیفیت بالا ترتیب ہر کسی خاص وقت میں یہ حکم ہے یا عام حالات میں بھی؟ اگر نماز میں رکھیں تو تعداد کی صورت میں سننا فرض ہے اور انفرادی حالت میں پڑھنا فرض ہے۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ نماز کے باہر تجربہ ہے۔ لہٰذا صحیح صورت واضح فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب خارج نماز میں سماع قرآن میں دو قول ہیں ایک تو یہی جو مشہور ہے کہ سننا واجب ہے۔ لیکن حضرت تھانوی قدس سرہ امداد الفتاوی ج ۱ ص ۹۹ میں لکھتے ہیں کہ میں آسانی کے لئے اسی کو اختیار کرتا ہوں کہ خارج صلوٰۃ سننا مستحب ہے۔ لہٰذا کوئی اشکال نہ رہا۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھی جائے

سورۂ توبہ کے شروع کرتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ اور درمیان میں پڑھنی چاہئے یا کہ نہیں؟

الجواب جو شخص اوپر سے سورۂ انفال کی تلاوت کرتا ہوا آئے وہ بسم اللہ نہ پڑھے لیکن جو شخص سورت کے شروع یا درمیان میں سے اپنی تلاوت شروع کرتا ہے تو اس کو چاہئے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر شروع کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۴ ۔ ۷ ۔ ۱۴۰۲ھ

حمد باری تعالیٰ سے ابتداء کی حکمت

قرآن حکیم کی ابتداء سورۃ فاتحہ سے ہوتی ہے اور اس میں خود اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑائی بیان فرمائی ہے مخلوق کو بڑائی کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا گیا؟ — محمد یعقوب، شامی کالونی ڈاکخانہ راولپنڈی

الجواب تمام دین کی بنیاد معرفت خداوندی پر ہے۔ یہ معرفت حقیقی کامل ہوگی تو دین میں استقامت نصیب ہوگی۔ صحیح معرفت خداوندی کا صرف یہی طریق ہے کہ وہ خود حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات کا تعارف کرائیں۔ اس لئے صفات و عظمت خداوندی کا بیان ضروری ہوا۔

فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۸ / ۱۱ / ۱۳۹۹ھ

کتب تفسیر کو بھی بے وضو ہاتھ نہ لگایا جائے

سوال: قرآن پاک کی تفسیر وکتب حدیث وفقہ کو بغیر وضو ہاتھ لگانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: مذکورہ کتب کو بھی باوضو ہاتھ لگانا چاہئے۔

ومشی فی الفتح علی الکراھۃ فقال قالوا یکرہ مس کتب التفسیر والفقہ والسنن لانھا لا تخلو عن آیات القرآن۔ اھ (شامی ج۱ ص۱۷۴)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۰/۴/۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

قرآن حکیم کی طرف پشت کرنا

سوال: تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے طلباء کو کمروں میں ایک دوسرے کے آگے پیچھے بٹھانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے قرآن پاک کو پیٹھ ہوتی ہے، نیز طلباء کو پڑھائی کے دوران حدث لاحق ہو جاتا ہے۔ اگر طلباء کو بار بار وضو کروایا جائے تو پڑھائی کا نقصان ہوتا ہے۔ شرعاً ان دونوں مسائل کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب: اگر طلبہ کی تعداد زیادہ ہو تو تپائی کی اگلی جانب تختیاں لگائی جائیں جو آڑ بن جائیں اور براہ راست قرآن مجید کو پیٹھ نہ ہو۔ نابالغ طلبہ کو ایک دفعہ وضو کرا دینا کافی ہے۔ بالغ طلبہ بے وضو ہاتھ نہ لگائیں البتہ پڑھ سکتے ہیں۔

ویکرہ دفع مصحف للصبی ولوحہ ولا باس بدفعہ الیہ وطلبہ منہ للضرورۃ۔ (شامی ج۱ ص۱۹۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۶/۷/۱۳۹۹ھ

میت کے قریب قرآن مجید پڑھنے کا حکم

سوال: میت کے پاس بیٹھ کر قرآن پاک پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی محمد احمد گجرودی بہکا۔

الجواب: غسل سے پہلے میت کمل ڈھکی ہوئی نہ ہو تو پاس بیٹھ کر نہ پڑھا کریں۔

تکرہ القراءۃ عندہ حتی یغسل وعللہ الشرنبلالی فی امداد الفتاح تنزیھا للقرآن عن نجاسۃ المیت لتنجسہ بالموت قیل نجاسۃ خبث و قیل حدث وعلیہ فینبغی جوازھا کقراءۃ المحدث۔ وفی الشامی ان

محل الکراھة اذا کان قریبا منه اما اذا بعد عنه بالقرأة فلا کراھة اھ قلت والظاھر ان ھذا ایضا اذا لم یکن للبیت سترة بثوب یستر جمیع بدنه فانه لو صلی فوق نجاسة علی حائل من ثوب او حصیر لا یکرہ فیما یظھر فکذا اذا قرأ عند نجاسة مستورۃ وکذا ینبغی تقیید الکراھة بما اذا قرأ جھراً اھ ۔ (شامی ج ۱ ص ۶۶۳)۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

جس گھر میں قرآن ہو اس میں مجامعت کرنا

ہمارے علاقہ میں یہ مشہور ہے کہ قرآن شریف اپنے گھر رکھنا شرعاً بھی منع ہے جس کمرہ میں قرآن شریف رکھا ہوا ہو تو اس کمرہ میں ہمبستری کرنا درست ہے یا نہیں ؟

محمد حسین بلوچستان

الجواب اگر قرآن مجید کپڑے میں لپیٹا ہوا ہو اور اونچا رکھا ہو تو کوئی حرج نہیں۔

یجوز قربان المرأة فی بیت فیه مصحف مستور اھ (عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۲)

فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲ / ۳ / ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۔

قرآن مجید میں مور کا پر رکھنے کا حکم

قرآن شریف میں مور کا پر رکھنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۵۸ میں ہے کہ کوئی امر مانع نہیں لہذا جائز ہے ۔

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ ۲ / ۴ / ۱۴۰۷ھ

قرآن کریم میں تکرار کی حکمت

قرآن حکیم کی آیات و مضامین میں تکرار بہت ہے ایک بات بار بار کہی گئی ہے اس میں کیا حکمت و فائدہ ہے ؟ وضاحت سے ارشاد فرمائیں ۔

بشیر احمد قادری ، مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر ۔

الجواب نزول قرآن سے ایک بڑا مقصد تذکیر بھی ہے چنانچہ قرآن حکیم کا ایک نام الذکر بھی ہے ارشاد خداوندی ہے انا نحن نزلنا الذکر الآیۃ (پ ۱۴)۔

نیز ارشاد ہے: ان ہذہ تذکرۃ۔
اس کے علاوہ تذکیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض سے قرار دیا گیا۔

۱: فذکر ان نفعت الذکریٰ۔

۲: فذکر بالقرآن من یخاف وعید۔ (پ ۲۶)

مضامین ترغیب و ترہیب کا بار بار ذکر کیا جانا، نیز خداوند قدوس کی بے نہایت نعمت اور اس کی صفات جلالیہ و جمالیہ کا مناسب مقامات میں بہ کرات اعادہ تذکیر کے لئے نہایت ضروری اور بالبداہت مفید ہے۔ پس قرآن کریم میں بعض واقعات انبیاء یا اہم مضامین کا اعادہ خلاف حسن و بلاغت نہیں بلکہ عین مقصود ہے۔
قرآن کریم کو شامل فنون کے کسی فن متین کی کسی تصنیف جیسی سے مقصود طالبین کے لئے مختصر ترین الفاظ میں کچھ ضروری مسائل ہوتا ہے ذکر طلب کا پیدا کرنا مقصود قرآنی ہے۔ متون کی وضع تسہیل طالبین کے لئے ہے بخلاف قرآن کے کہ اس کا موضوع طالبین حق کو پیدا کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی دعوت سے پہلے عالم میں جاہل پیکر اور مدتوں سے نشۂ غفلت میں مدہوش اور صدیوں کی خوابیدہ قومیں یکبارگی اٹھ کھڑی ہوتی ہیں، اور فنی متون کی پوری تاریخ میں ڈھونڈنے سے بھی شاید ایک ایسی مثال نہ مل سکے کہ ان کے اختصار نے کسی ایک غیر طالب کے دل میں شوق و طلب کا کوئی درجہ پیدا کر دیا ہو۔ پس قرآن کریم کے تکرار کو کسی دوسری کتاب پر قیاس کرنا غلط ہے۔ فنی کتب میں تکرار مذموم ہے اور قرآن کریم میں اس تکرار کا نہ ہونا۔ کیونکہ دونوں کی وضع الگ الگ مقاصد کے لئے ہے۔

۲: خداوند تعالیٰ نے انسانی طبائع میں اختلاف و تنوع رکھا ہے۔ بعض طبائع اپنی سلامتی کے سبب معمولی تحریک بلکہ محض اشارہ سے متاثر اور منفعل ہو جاتی ہیں۔ اور بعض کے لئے شدید تقاضے اور بار بار مطالبے کی حاجت ہوتی ہے۔

اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ کسی قسم کا تقاضا بھی انہیں متاثر نہیں کرتا۔ تو چونکہ قرآن بھی ایک دعوت اور مطالبہ ہے جس کے مخاطبین میں تینوں قسم کے انسان ہیں۔ اس میں دوسری قسم کے لوگوں کی رعایت کی بناء پر قرآنی دعوت کا بار بار اعادہ اور اس پر لبیک کہنے کا مطالبہ ضروری ہوا۔

۳: قرآن کریم میں وحی کے بنیادی مسائل (توحید، رسالت، معاد وغیرہ) کو مختلف تعبیرات و عنوانات سے جگہ جگہ دہرایا گیا ہے۔ اور ان کے اثبات کے لئے متعدد طرق سے استدلال کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جیسے دیگر انسانی صفات باہم متفاوت ہیں اسی طرح فہم و ادراک قبول و تاثر کی قوت بھی اپنے اندر تنوع اور اختلاف کو لئے ہوئے ہے۔ بعض کے فہم سے ایک تعبیر زیادہ قریب ہوتی ہے۔ دوسرے بعض کے فہم میں دوسرا عنوان اور دوسری تعبیر۔ ایک شخص ایک طرح سے حق کہنے کو قبول کرتا ہے، دوسرا شخص دوسرے طریقے پر کہنے سے،

جیسا کہ دنیاوی امور و معاملات میں روز مرہ کا مشاہدہ ہے۔ اور اس کے لئے تکرار و اعادۂ مقاصد لازم ہے اور یہ بھی مستحسن و مطلوب ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔

ولقد صرفنا فی ھٰذا القرآن لیذکروا الآیۃ

۴۔ تکرار سے مضمون خوب قلب میں جم جاتا ہے۔ جب کہ مناسب طریق سے اعادہ ہو۔ کما قیل اذا تکرر تقرر۔

۵۔ تکرار مفید تاکید ہے۔ اور تاکید ایک صحیح مقصد ہے تو اہم مضامین کو کسی طور مؤکد کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں بلکہ محاورات میں ہمیشہ کا معمول ہے۔

سرسری طور پر غور کرنے سے تکرار کے یہ چند فوائد معلوم ہوتے ہیں جو معرضِ تحریر میں آگئے۔ اس میں حصر نہیں سمجھنا چاہئے۔

تنبیہ: سورۂ رحمٰن میں فبای آلاء ربکما تکذبان الآیۃ بظاہر مکرر ہے لیکن حقیقت میں تکرار بے محل نہیں۔ کیونکہ ہر آیت کا تعلق الگ ہے اصطلاح میں اسے تکرار نہیں کہا جاتا۔ فصحاء کے کلام نظم و نثر عربی اردو فارسی میں اس کے بے شمار نظائر موجود ہیں۔ تفصیل کے لئے اس مقام پر بیان القرآن ملاحظہ ہو۔ وجوہ بالا تکرار مقاصد سے متعلق تھے تکرار قصص و واقعات کی ایک مزید غرض یہ بھی ہے کہ ایک قصہ سے مختلف نتائج نکالے جاتے ہیں تو ہر ایک موقع پر ایک مناسب نتیجہ نکالنے کی غرض سے اس کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد ستار عفی اللہ عنہ ۱۸/۵/۱۳۸۰ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

دوران تلاوت آنحضرت علیہ السلام کے نام نامی پر درود پاک کا حکم

دوران تلاوت اگر آنحضرت علیہ السلام کا اسم گرامی آجائے تو درود شریف پڑھ کر آگے گزرے یا نہ پڑھیں۔ باحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔ — حبیب احمد، قاسم پور کالونی ملتان

الجواب: افضل یہ ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت اس کی ترتیب کے مطابق جاری رکھیں۔ البتہ تلاوت سے فراغت کے بعد درود شریف پڑھ لیں۔

ولو قرأ القرآن فمرّ علی اسم النبی فقراءۃ القرآن علیٰ تالیفہ ونظمہ افضل من الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک الوقت فان فرغ

مایتعلق
بالحدیث

لولاک لما خلقت الافلاک حدیث ہے یا نہیں

ایک مولوی صاحب نے مسجد میں درس قرآن دیا جس میں ایک نعت خواں کے نعتیہ ذیل جملوں کی تردید کی ۔ "نہ زمین ہوتی نہ آسمان ہوتا ، نہ عرش ہوتا نہ کرسی ہوتی ، نہ لوح محفوظ ہوتی نہ خدا کی خدائی ہوتی" ۔ مولوی صاحب نے کہا ایسا کہنا گناہ کبیرہ ہے ۔ اور حدیث لولاک لما خلقت الافلاک موضوع ہے ۔ اس پر مسجد میں ہنگامہ ہو گیا ۔ واضح فرمائیں کہ مولوی صاحب کا ارشاد درست ہے؟

الجواب اس وقت مسلمانان پاکستان کی اکثریت افراط و تفریط میں مبتلا ہے ۔ نعت خوان بھی غلو کرتے ہیں اس کے جواب میں کچھ مولوی صاحبان بھی غلو کرتے ہیں اعتدال سے کام لینا ضروری ہے لولاک لما خلقت الافلاک کے الفاظ موضوع ہیں لیکن مفہوم صحیح ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۹ ، ۲ ، ۷۶ء

ایک حدیث کی تحقیق

ماہنامہ ترجمان القرآن میں تفہیم القرآن قسط وار شائع ہوتی ہے شوال ۱۳۹۶ھ کے شمارہ میں ایک حدیث ابن ماجہ کے حوالے سے نقل کی گئی ہے کیا یہ حدیث ابن ماجہ میں موجود ہے؟ الا وانی فرطکم علی الحوض واکاثر بکم الامم فلا تسودوا وجھی الی آخر الحدیث ۔

الجواب یہ حدیث ابن ماجہ ص ۲۲۴ مطبع نظامی میں موجود ہے ۔ لیکن مصنف نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے ۔ قال ابو عبد اللہ ھذا الحدیث غریب اھ

شاہ عبد الغنی قدس سرہ فرماتے ہیں وھذا الحدیث فیہ غرائب من جملۃ الالفاظ (حاشیہ ابن ماجہ) اور اسی طرح اس کی سند میں ایک راوی زافر بن سلیمان ہے جسے بعض ائمہ نے ثقہ قرار دیا ہے اور بعض نے اس کے بارے میں جرح کی ہے ۔ قال البخاری عندہ وھم قال ابن عدی عامۃ ما یرویہ لا یتابع علیہ (التہذیب ۱ ص ۳۰۴) ویکتب حدیثہ مع ضعفہ اھ حاشیۃ التہذیب ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

حدیث نجد اور محمد بن عبد الوہاب

مشکوۃ شریف میں ہے کہ آپ نے ملک شام اور یمن کے متعلق دعائے خیر فرمائی ۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ ہمارے نجد کے متعلق بھی دعا فرمائیں ۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہاں سے فتنے اور زلزلے اٹھیں گے اور وہاں سے شیطان کا سینگ پیدا ہوگا ۔ تو کیا نجد یمن میں واقع ہے؟

اس پیشین گوئی کا مصداق محمد بن عبدالوہاب ہے یا اسود عنسی؟ کیا جماعت اہل حدیث محمد بن عبدالوہاب کا گروہ ہے؟

الجواب: مشکوٰۃ شریف والی حدیث تو صحیح ہے مگر اس سے محمد بن عبدالوہاب مراد لینا صحیح نہیں۔ نیز نجد یمن میں بھی نہیں۔ اور غیر مقلدوں کو محمد بن عبدالوہاب کا گروہ کہنا بھی بلا تحقیق بات ہے۔

فقط واللہ اعلم | الجواب صحیح

بندہ اصغر علی غفرلہ | بندہ عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

واللہ لا ادری ما یفعل بی حدیث ہے یا نہیں

زید کہتا ہے واللہ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم حدیث ہے۔ عمرو کہتا ہے یہ کوئی حدیث نہیں۔ اسے حدیث کہنا صحیح نہیں۔ آپ صحیح صورت بیان فرمائیں۔

الجواب: ان کے قریب قریب الفاظ کا اعلان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن پاک میں کرایا گیا ہے سورۃ احقاف میں ہے۔ قل ما کنت بدعا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم (الآیۃ) اور ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں واللہ لا ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی الحدیث اخرجہ احمد (ابن کثیر ج ۴ ص ۱۵۵) وفی روایۃ ما ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بہ[1] الحدیث۔ پس ان الفاظ سے انکار کرنا غلط ہے۔ حدیث تو خیر قرآن حکیم میں ان الفاظ کا اعلان کرایا گیا ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ تو بلا شبہ ثابت ہیں۔ پس انکار غلط ہے۔ ہاں صحیح معنی معلوم کر لیں۔ حضرت حسن بصریؒ وغیرہ حضرات سے منقول ہے کہ اس سے مراد دنیوی انجام سے لاعلمی کا اظہار ہے کہ نامعلوم مجھے بھی مکہ سے نکالا جائے گا یا نہیں۔ طبعی موت آئے گی یا شہادت وغیر ذالک ان امور میں علم نہ ہونے کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اخروی انجام تو حق جل شانہ نے بتا دیا تھا لہذا معلوم تھا۔

فقط واللہ اعلم | الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۷/۵/۹۵ھ | بندہ محمد اسحاق غفرلہ

"علی شہر علم کا دروازہ ہیں" یہ حدیث موضوع ہے

مسئلہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں ابوبکرؓ اس کی بنیاد ہیں، عمرؓ اس کی عمارت ہیں اور عثمانؓ اس کی زینت ہیں اور حضرت علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ یہ حدیث غلط ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث صرف یہ ہے کہ میں علم کا شہر ہوں علیؓ اس کا دروازہ ہیں باقی کچھ نہیں۔

[1] الضمیر راجع الی عثمان بن مظعون۔

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بایں الفاظ کوئی صحیح یا ضعیف حدیث ثابت نہیں۔ دمشق کے ایک واعظ نے منبر پہ بیٹھے بیٹھے اس کو تیار کیا تھا۔ گو الفاظ میں تھوڑا تغیر ہے۔ لوگوں نے جب اس سے کوئی سند کا مطالبہ کیا تو وہ کوئی سند پیش نہ کر سکا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کوئی حدیث نہیں قصہ گویوں کی مبالغہ آرائیاں ہیں۔ اللآلی المصنوعة ، ج ۱ ، ص ۲۰۹) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۹/۸/۱۴۰۳ھ

ایک آیت وحدیث میں تطبیق

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں۔ رب تعالیٰ جل شانہ اپنے کلام مقدس میں ارشاد فرماتے ہیں فمن یعمل مثقال ذرة خیرا الخ ومن یعمل مثقال ذرة شرا الخ۔ اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص باوجود طاقت مالی، بدنی کے سعادت حج مبارک سے مستفیض نہ ہوا تو اس کا خاتمہ یہودیت ونصرانیت پر ہوگا۔ او کما قال تو حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آدمی مذکور حج ادا کرنے والے کے اعمال باقیہ فرائض باطل ہو جائیں گے۔ اور آیت کریمہ کا مضمون اس کے برعکس ہے اس تعارض کی تطبیق کیا ہوگی؟

الجواب آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو برائی معاف نہ ہوئی اس کی سزا ضرور ملے گی اور جو نیکی ضائع نہ ہوئی اس کی جزا ضرور ملے گی جیسا کہ دیگر آیات و احادیث سے ثابت ہے۔ قبول اسلام سے پہلے بہت سے گناہ ہوتے ہیں لیکن اسلام انہیں منہدم کر دیتا ہے۔ قال تعالیٰ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الاسلام یهدم ماکان قبلہ۔ اور اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ۔

معلوم ہوا کہ ارتداد سے حبط اعمال ہو جاتا ہے۔ الغرض آیت میں دیگر نصوص کی روشنی میں قید مذکور ملحوظ ہے۔

اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ باوجود استطاعت کے حج نہ کرنا یہ ناشکری علامت یہودیت ونصرانیت اختیار کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ اور ارتداد سے حبط اعمال ہو جاتا ہے۔ گویا کہ اس کی نیکیاں ضائع ہو چکی ہیں اور آیت میں ایسی نیکیوں پر جزا کا ذکر ہے جو ضائع نہ ہوئی ہوں۔ پس آیت و حدیث میں کوئی تعارض نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث مبالغہ اور تشدید پر محمول ہے۔ وھو من باب المبالغة

والتشدید والایذان بعظمۃ شان الحج کذا فی بعض الحواشی۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو مشکوک قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ وفی اسنادہ مقال وھلال بن عبداللہ مجھول۔ والحارث یضعف فی الحدیث۔

واضح رہے کہ ترکِ حج ارتداد نہیں اور نہ ہی اس کے باعث اعمال ضائع ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ناشکری اللہ تعالیٰ کی حفاظت خاصہ سے نکل جانے اور ارتداد کا سبب بن سکتی ہے جس سے ضیاع ہوتا ہے۔ گویا ترکِ حج سے حبطِ اعمال ہوا تو نہیں لیکن اس کا اندیشہ ضرور لاحق ہو گیا ہے۔

نوٹ: اس آیت کو ظاہر پر رکھنے سے نہ صرف حدیث سے ہی معارضہ قائم نہیں ہوگا بلکہ بہت سی آیات بھی معارض ہو جائیں گی۔ مثلاً فسوف یلقون غیا۔ الا من تاب وآمن وعمل صالحا فاولئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون شیئا۔

فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۰ رجب ۱۳۹۶ھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کنواری لڑکیوں کے دودھ پلانے کی روایت بلا سند ہے

ایک امام مسجد نے دورانِ خطبہ یہ کہا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو جناب بی بی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ مزید تین کنواری لڑکیوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا اور ان کا قدرتی دودھ نمودار ہوا یہ دودھ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا۔ کیا یہ واقعہ درست ہے؟

الجواب: سیرت حلبیہ ص ۹۳ ج ۱ میں بلا سند حیوان المعارف للقضاعی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کنواری لڑکیوں نے دودھ پلایا ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ ان تینوں نے آپ کو اٹھایا ہو اور چھاتی پر لگایا ہو مگر آپ نے دودھ نہ پیا ہو۔ جب تک صحیح سند سے ثابت نہ ہو ایسا کہنا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر لہ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ میں علم سے مراد علم دین ہے

حدیث طَلَبُ الْعِلْمِ

فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ سے کیا مراد ہے؟ اس حدیث میں جو علم کا لفظ ہے اس سے کونسا علم مراد ہے؟ علم دین یا موجودہ سائنسی علم۔ نیز اس حدیث کا شانِ ورود کیا ہے؟ جو اس سے مراد انگریزی اور سائنس وغیرہ لے وہ محرّف فی الحدیث ہوگا یا نہیں؟

الجواب اس حدیث میں "العلم" سے مراد علم دین ہے۔ ابن عبد البر نے اسحاق بن راہویہ سے نقل کیا ہے۔ ان معناہ انہ یلزمہ طلب العلم ما یحتاج الیہ من وضوئہ وصلوٰتہ وزکوٰتہ ان کان لہ مال وکذالک الحج وغیرہ۔ (جامع بیان العلم، ص ۹)۔

عہد رسالت اور عہد صحابہؓ میں علم کا اطلاق عام طور پر علم دین پر ہی ہوتا تھا۔ مقام سرغ میں پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ کیا کہ شام میں طاعون ہے کیا ہمیں واپس لوٹ جانا چاہئے یا نہیں؟ مشورہ میں اختلاف ہوا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ان عندی علماً سمعت رسول اللہ علیہ السلام (الحدیث موطا مالک، ص ۳۶۲)

الحاصل مذکورہ حدیث میں "العلم" سے مراد علم دین ہے۔ اور یہ امر واضح ہے کہ شریعت نے بوجہ ضرورت میں دیگر علوم دنیویہ کا سیکھنا بھی ضروری قرار دیا ہے۔ تاکہ امت مسلمہ دوسروں کی محتاج اور زیردست نہ رہے۔ اس حدیث میں "مسلمۃ" کا لفظ ثابت نہیں۔ قالہ السخاوی۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۰/۱۰/۱۳۹۵ھ

کھانے کے بعد ہاتھ صاف کرنے کی دو مختلف روایتوں کا جواب

سیرت انور مشتاق

حکیم الامت حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ہم بہت سی سنتیں ان کے عمل کو دیکھ کر معلوم کیا کرتے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد تولیہ یا رومال سے ہاتھ پونچھنے کی بجائے ہمیشہ حسب معمول نبوی پاؤں کے تلووں سے ہاتھ پونچھ لیتے تھے۔ اور شمائل نبوی، مصنف سعد حسن خان ٹونکی۔ میں مسئلہ نمبر ۴۲ کے تحت درج ہے کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد ہاتھ دھوتے اور ہاتھوں پر جو تری ہوتی اس کو اپنے ہاتھوں اور چہرے اور سر پر مل کر خشک کر لیا کرتے تھے۔ ان دونوں میں سے کونسی روایت راجح اور صحیح ہے؟

الجواب ترجیح کی حاجت نہیں ، ہو سکتا ہے دونوں طرح معمول نبوی ہو ۔

فقط واللہ اعلم ؛ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ؛ ۱۵/۱۱/۱۳۹۵ھ

سراج اُمتی ابوحنیفہ موضوع

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق سننے میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سراج امتی فرمایا ہے ۔ اور اپنا تھوک کسی صحابی کے منہ میں ڈالا اور کہا کہ امام صاحب کے منہ میں ڈال دینا ۔ یعنی کہا کہ اس آدمی کے منہ میں ڈالنا جو "سراج اُمتی" ہوں گے ۔ پھر وہ تھوک مسلسل بسلسلہ امام صاحب تک پہنچ گیا ۔ کیا یہ دونوں باتیں ثبوت رکھتی ہیں یا نہیں ؟

الجواب تذکرۃ الموضوعات ، ملا علی قاری رحمہ ، ص ۱۱۱ ، میں ہے "سراج امتی ابوحنیفہ موضوع" کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امام صاحب کے متعلق مندرجہ بالا کلمات ثابت نہیں بلکہ یہ حدیث موضوع ہے اور تھوک والا قصہ بھی ایسا ہی ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح　　　　بندہ محمد اسحاق عفا اللہ

عبداللہ عفا اللہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲/۲/۱۳۹۱ھ ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان ؛ ۱۴/۲/۱۳۹۱ھ

انا نبی وآدم بین الماء والطین کی تحقیق

حدیث انا نبی وآدم بین الماء والطین کا مطلب کیا ہے ؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کس طرح نبی تھے جب کہ آپ کا ظہور بعد میں ہوا ؟

الجواب انا نبی وآدم بین الماء والطین ۔ یہ الفاظ کسی حدیث میں نہیں آئے اس باب میں جو احادیث وارد ہیں وہ یہ ہیں ۔

۱ ؛ وعن ابی ھریرۃ قال قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال وآدم بین الروح والجسد رواہ الترمذی ۔

۲ ؛ وعن العرباض بن ساریۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ الخ رواہ فی شرح السنۃ کذا فی المشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ۔

۳ ؛ وروی عن ابن عباس مرفوعاً کنت نبیاً وآدم بین الروح والجسد ۔

رواہ الطبرانی فی الکبیر (مرقاۃ ج ۵ ص ۲۹۴)۔

سم : در روایتے "کنت نبیا" از کتابت یعنی نوشتہ شدہ ام من پیغمبر وحال آنکہ آدم میان آب وگل بود۔ (اللمعات ص ۴۹۹ ج ۴) ——— الحاصل یہ ہے کہ ارواح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اظہار کر دیا گیا تھا۔

کما فی اشعۃ اللمعات : ج ۴ ص ۴۹۹: اینجا میگویند یعنی نبوت آنحضرت علیہ السلام چہ مراد است اگر علم وتقدیر الٰہی مراد است این نبوت ہمہ انبیاء را شامل است واگر بالفعل است آن نحود در دنیا خواہد بود جواب آن است کہ مراد اظہار نبوت اوست صلی اللہ علیہ وسلم پیش از وجود عنصری در ملائکہ وارواح انتہٰی۔

واضح ہے کہ تمام ارواح آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل پیدا کی جا چکی تھیں۔ اور عالم ارواح میں موجود تھیں۔ پس آنحضرت علیہ السلام کی روح پاک بھی عالم ارواح میں تھی۔ فقط

والله اعلم　　　　　　الجواب صحیح

عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔　　بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

امت محمدیہ پر عذاب آخرت نہ ہونے کا مطلب

مشکوٰۃ شریف، ج ۲ ص ۴۰۹ کتاب الرقاق باب الانذار والتحذیر کی فصل ثانی کی پہلی حدیث بروایت ابوداؤد ہے کہ امتی ھذہ امۃ مرحومۃ لیس علیھا عذاب فی الآخرۃ عذابھا فی الدنیا الفتن والزلازل والقتل۔

شیخ محدث دہلوی رح لکھتے ہیں۔ "این ہمہ دلیل ونشان آنست کہ در آخرت برو ے عذابے نباشد" (اشعۃ اللمعات، ج ۴ ص ۲۶۶)۔

تو اب قابل استفسار یہ امر ہے کہ احادیث وعید میں تطبیق کیا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر محدث دہلوی رح شفاعت کے بیان میں ایک رسالہ میں لکھتے ہیں۔

"ومشکل تر آنجا است کہ این نسبت صحیح نہ باشد وزندہ صد ہزار کشتہ در پس ایمانی بہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہ پرچشمہ شیر پدیم" اس عبارت میں بھی وہی اشکال ہے۔

الجواب اشعۃ اللمعات ہمارے پاس موجود نہیں۔ بر تقدیر صحت حدیث اس میں کوئی اشکال نہیں۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ۔ امتی ھذہ امۃ مرحومۃ لیس

لہ کتاب مذکور میں بعد میں تلاش کیا گیا لیکن مستفتی کا اللمعات ج ۴ ص ۲۶۶ کا حوالہ تتبع بسیار کے باوجود نہیں

علیها عذاب الاٰخرۃ (ای عذاب مخلد فی الاٰخرۃ) یعنی دائمی عذاب جو کفار کے لئے ہوتا ہے وہ نہیں ہوگا۔ جیسا کہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ میں یہی مراد ہے۔ دخولاً اخرویاً او فی آخر الامر یعنی دخل فی الجنۃ آخر الامر۔ ایسے ہی یہاں بھی تاویل کی جائے گی تاکہ یہ روایت دوسری روایات واردہ در عذاب عصاۃ و گنہگاران کے مخالف نہ ہو۔ اور اس قسم کے نکات بہت ہیں کما لا یخفی علی من طالع کتب الحدیث۔

اور عبارت شیخ صاحب خط کشیدہ کا بھی یہی مطلب ہے یعنی ایمان باللہ والرسول اگر کسی شخص میں پایا جاتا ہے تو ہزار گناہ بھی اس ایمان کے مقابلہ میں ہیچ اور پیٹھ کے برابر بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ جزیہ تو بچانے سے رہ و لاکھوں کروڑ گناہ بھی اس کو مخلد فی النار نہیں بنا سکتے بلکہ اس کا ایمان آخر کار اسے دوزخ سے نکال کر باہر کر ہی دے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ ۱۳/۱/۱۳۷۰ھ

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ خادم الافتاء۔
خیر المدارس ملتان ۔ ۱۰/۱/۱۳۷۰ھ

بقیہ حاشیہ صفحہ

نہیں ہو سکتا۔ لیکن حدیث مذکور اور حدیث وعید میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات ج ۳ ص ۲۹۰ میں یوں تطبیق بیان فرمائی ہے:

"اما ورود احادیث در وعید مرتکب کبیرہ و تعذیب وے منافات با این ندارد زیرا کہ مغفرت غیر شرک در مشیت حق سبحانہ است و خصوصاً لازم نیست کہ البتہ واقع گردد ولازم نیست کہ بہر فرد واقع شود باید شاید کہ بعضے معذب باشند و بعضے مغفور (یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید) وبالجملہ این امت مخصوص است بمزید رحمت و عنایت باری تعالیٰ کہ اقتضائے نجات و عفو و مغفرت ایشان میکند و ہمہ در مشیت اوست تعالیٰ و واجب نیست بروے چیزے لیکن وفائے وعدہ بخبر صادق مرجو است"

یعنی جن احادیث میں مرتکب کبیرہ کے لئے وعید اور عذاب دینے کا ذکر ہے وہ اس حدیث کے منافی نہیں۔ اس لئے کہ شرک کے علاوہ گناہوں کی مغفرت حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے خصوصاً اور لازم نہیں کہ واقع ہو یہ بھی لازم نہیں کہ ہر فرد پر مغفرت کا وقوع ہو شاید کہ کچھ عذاب دیئے جائیں اور کچھ بخشے جائیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ امت اللہ تعالیٰ کی مزید رحمت و عنایت کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو نجات، عفو اور ان کی مغفرت کی مقتضی ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر منحصر ہے۔ کچھ اس پر واجب نہیں لیکن مخبر صادق سے امید یہی ہے کہ وعدہ پورا کریں گے۔

حدیث امر بسد الابواب الا باب علیؓ کی تحقیق

زید نے مشکوٰۃ شریف باب مناقب علیؓ بن ابی طالب فصل ثالث کی حدیث عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بسد الابواب الا باب علی۔ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب درس دیتے ہوئے پڑھی۔ بکر نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اور زید علی الاعلان اپنے سنی ہونے کا بلکہ دیوبندی حنفی ہونے کا دعویدار ہے۔ اس واقعہ کے پیش نظر آپ فیصلہ صادر فرمائیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا غیر صحیح و موضوع ہے۔ اہل سنت یا اہل تشیع کی۔ اور اس حدیث کے قائل پر شیعیت کا تاثر لگانا درست ہے یا تعصب ہے۔ اور قائل کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب وفی تذکرۃ الموضوعات ص ۹۵ ۔ قلت قال ابن حجر ھذا اقدام علی رد الاحادیث الصحیحۃ بمجرد التوھم وفی اللآلی ھو حدیث مشہور لہ طرق متعددۃ کل طریق لا ینقص عن رتبۃ الحسن والمجموع عنہا یقطع بصحتہ ۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث موضوع نہیں بلکہ متعدد طرق سے مروی ہے ہر طریق درجہ حسن سے کم نہیں ہے۔ لہذا اس حدیث کے بیان کرنے والے پر شیعیت کا حکم لگانا درست نہیں ہے اور اس کے قائل کے پیچھے نماز بغیر شک و شبہ کے درست ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۹ / ۶ / ۱۳۸۹ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

حدیث من صلی علی عند قبری سمعتہ کا ترجمہ "اللہ سنا دیتا ہے" سے کرنا غلط ہے

زید کہتا ہے کہ حدیث شریف من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ جید الاسناد ہے جیسا کہ علامہ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" اور علامہ عثمانیؒ نے "فتح الملہم" میں لکھا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روضۂ اقدس پہ حاضر ہو کر درود شریف پڑھا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں جیسا کہ حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اور "ترجمان السنۃ" ج ۳ میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔ اور دوسری جانب بکر کہتا ہے کہ جو شخص روضۂ اقدس پر پہنچ کر درود شریف پڑھے تو اللہ تعالیٰ سنا دیتا ہے۔

آپ بتلائیں کہ زید و بکر میں سے کس کی بات ٹھیک ہے؟ اور کیا حیات انبیاء کا مسئلہ فروعیات میں سے ہے؟ اور کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر مبارک میں حقیقی طور پر زندہ ہیں یا روحانی طور پر؟ اور یہ حیات اتصال روح سے ہے یا دخول روح سے؟ اور جو شخص روحانی حیات کا قائل ہو اور روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر یہ دعا کرنے کو شرک جانتا ہو کہ یا رسول اللہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف فرمادیں۔ تو یہ شخص کیا اکابرین علماء دیوبند کا مخالف ہوگا؟

الجواب — حدیث مذکورہ کا جو ترجمہ زید نے کیا ہے وہی صحیح ہے دوسرا غلط ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر قبر شریفہ میں بے حس و بے شعور نہیں بلکہ جیسا کہ حدیث مذکور اور اسی طرح دیگر احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود شریف کو خود سنتے ہیں جب کہ روضۂ اطہر پر جاکر خود پڑھا جائے۔ اور اسی طرح روضۂ اقدس پر جاکر شفاعت طلب کرنا جائز ہے۔ معتبر کتب فقہ میں مسطور ہے۔ انکار اس کا جہل ہے۔ جسد اطہر کی حیات دخول روح سے ہے یا اتصال روح سے، یہ دونوں امر محتمل ہیں ایک کی قطعی تعیین واجب نہیں جبکہ آثار حیات کا ثبوت تسلیم کیا جائے۔ حضرات اکابر دیوبند کا یہی مسلک ہے اور یہی محقق ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

[illegible]

قطب ستارہ والی روایت صحیح نہیں

زید کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیل امین آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چھوٹے بھائی کے لفظ سے پکارا۔ اس پر جبرئیل امین نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو عمر میں آپ سے بڑا ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ جبرئیل! جب تم پیدا ہوئے تو تم نے کیا دیکھا؟ جواب دیا کہ اس وقت زمین و آسمان، حجر و شجر، دریا و سمندر کچھ بھی نہ تھا مگر فقط ایک چمک دار ستارہ قطب کی جانب دیکھا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس وہ میرا ہی نور تھا۔ کیا یہ روایت صحیح ہے؟

الجواب — زید کے بیان میں جو حدیث ذکر کی گئی ہے کسی معتبر کتاب میں صحیح سند کے ساتھ نہیں پائی گئی۔ زید پر لازم ہے اگر وہ اس کی صحت کا مدعی ہے تو اس کی سند پیش کرے ورنہ اپنے دعوے میں کاذب قرار پائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ والی روایت موضوع ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ میں اللہ کے نور سے ہوں اور مومنوں کی خلقت میرے نور سے ہے اور وہ روایت یہ ہے اَنَا مِنْ نور اللہ والمؤمنون منی کیا یہ روایت درست ہے؟

الجواب اس روایت کے الفاظ یہ ہیں انا من نور الله والمؤمنون منی الخیر فیّ وفی امتی الی یوم القیامة اھ تذکرۃ الموضوعات میں علامہ طاہر گجراتی ایک دوسری موضوع حدیث کے بارے میں علامہ ابن تیمیہؒ کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں

قال ابن تیمیة موضوع وھو کما قال وکذا حدیث انا من نور اللہ۔

معلوم ہوا کہ صاحب تذکرۃ الموضوعات کے نزدیک یہ حدیث بے اصل ہے۔ حافظ الدنیا علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں لا اعرفہ (تذکرۃ الموضوعات، ص [illegible])

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم

خیر محمد عفی اللہ عنہ — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

◎

منکرین حدیث کے دو اعتراضوں کا جواب

بکر نے زید سے کہا کہ آپ کے الفاظ انکار حدیث پر مبنی ہیں۔ زید نے کہا کہ کوئی شخص حدیث کے انکار سے کافر نہیں ہوتا کیونکہ حدیث کی صحت معتبر نہیں۔ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو سو سال بعد جمع کی گئیں اور حدیثیں جمع کرنے والے خطاء ونسیان کے پتلے انسان ہی تھے۔ اس لئے حدیث کو صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ من ترک الصلوۃ فقد کفر یہ حدیث خود ضعیف ہے۔ زید کے اس دعوے کی تصدیق ایک عالم دین نے بھی کی ہے۔

۲۔ زید نے انکار حدیث کے ثبوت میں یہ بھی کہا کہ بعض احادیث کو پڑھ کر عقل سلیم رکھنے والا انسان حدیث کو صحیح تسلیم نہیں کر سکتا۔ مثلاً ایسی حدیثیں بھی ملتی ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور حضورؐ سے عرض کیا یا نبی اللہ مجھ سے گناہ ہو گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم جماعت سے نماز ادا نہیں کرتے؟ سائل نے کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پانچوں وقت جماعت سے نماز پڑھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ نے تیرے گناہ کو معاف کر دیا۔ زید کا مذکورہ حدیث کو رسول اللہ کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے یا زید نے حدیث کی تحقیر کے لئے اس کو گھڑ لیا ہے؟

الجواب

احادیث کے انکار میں یہ کہنا کہ حدیثیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو سو سال بعد جمع کی گئیں بالکل غلط اور جہالت پر مبنی ہے۔ احادیث کی ایک معتد بہ تعداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھی جا چکی تھی۔ ایک صحابی حضرت ابو شاہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے کا حکم دیا تھا۔ احادیث کا ایک تحریر شدہ مجموعہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کے پاس موجود تھا۔ روایات میں ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات لکھ لیا کرتے تھے۔ زکوٰۃ کی تفصیلات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کرا کر اپنے بعض عاملوں کے پاس روانہ فرمائیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بعض احادیث تحریر شدہ موجود تھیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث کا ایک مجموعہ جمع کیا ہوا تھا۔ ان روایات صحیحہ کے پیش نظر علی الاطلاق یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سو سال بعد جمع کی گئیں۔ کتابت حدیث کے بارے میں اہل حق کی طرف سے کچھ رسائل شائع ہو چکے ہیں۔ تفصیل مطلوب ہو تو ان کی طرف مراجعت کریں۔

۲ : کوئی صحیح قطعی الدلالت حدیث عقل سلیم کے خلاف نہیں۔ بایں معنی کہ جس امر کے لئے حدیث مذکور مثبت ہو دلیل عقل اس کی نفی کردے یا برعکس۔ ہاں استبعاد علیحدہ چیز ہے۔ یہ ممکن ہے کہ جو امر حدیث کا مدلول ہے کسی کی عقل اس امر کو مستبعد سمجھے۔ لیکن اس استبعاد سے امر مدلول النص کا خلاف عقل ہونا لازم نہیں آتا۔ اس قسم کے لوگ جن احادیث کو خلاف عقل کہتے ہیں ان میں ان کو محض استبعاد ہوتا ہے۔ مگر یہ لوگ اپنے خبث باطن کی وجہ سے حدیث کو اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ جہلا اس کو خلاف عقل کہیں۔ کبھی خود واقعہ حدیث میں تحریف و غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے عوام کو حدیث سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ یہی زنا کا واقعہ جو سوال میں مندرج ہے محض کذب بیانی پر مبنی ہے۔ واقعیت صرف اتنی ہے کہ ایک صحابی سے بتقاضائے بشریت کسی اجنبیہ کے ساتھ مس بالشہوت یا بوسہ لینے کی حرکت سرزد ہو گئی۔ فوراً ندامت ہوئی بہت پچھتائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس گناہ سے پاک ہونے کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پشیمانی اور ندامت کے آثار دیکھتے ہوئے جو حقیقت میں توبہ ہے چند تسلی آمیز کلمات ارشاد فرمائے۔ نیز حسنات کا مکفر سیئات ہونا خود قرآن پاک سے ثابت ہے۔ تو اس میں خلاف عقل کون سی بات ہے جو عقل سلیم اس جگہ کسی حد کے اجراء کی مقتضی ہے؟ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
معین مفتی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۳/۲/۱۳۹۱ھ

زیارت روضہ اطہر سے متعلق چار حدیثوں کی تحقیق مندرجہ ذیل چار حدیثیں سند کے لحاظ سے کس درجہ کی ہیں؟ قوی ہیں یا ضعیف۔

۱ : من حج فلم یزرنی فقد جفانی۔

۲ : من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی۔

۳ : من زارنی و زار ابی ابراهیم فی عام واحد ضمنت له الجنة۔

۴ : من زار قبری وجبت له شفاعتی۔

الجواب ۱ : نمبر ایک کے بارے میں تذکرۃ الموضوعات ص ۷۵ میں ہے۔ لابن عدی وجماعته بلفظ من حج ولم یزرنی فقد جفانی۔ ولا یصح قال الصغانی موضوع وفی اللآلی قال الزرکشی هو ضعیف وبالغ ابن الجوزی فذکره فی الموضوعات۔ تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ضعیف ہے۔

۲ : نمبر ۲ کے بارے میں بیہقی نے تضعیف کی ہے۔ وضعفه البیهقی وکذا قال البیهقی طرقه کلها لینة ولکن یتقوی بعضهم ببعضها۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۷۵)

۳ : نمبر ۳ کے بارے میں ابن تیمیہؒ اور نوویؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ قال ابن تیمیة والنووی انه موضوع لا اصل له کذا افتی السیوطی فی الزیلعی عنهما۔

۴ : کو ابن خزیمہ نے ضعیف کہا ہے۔ اشار ابن خزیمة الی تضعیفه۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۷۵)

نوٹ : فضائل کے باب میں ضعیف حدیث سے استدلال ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

الجواب صحیح

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

لولم تذنبوا لذهب الله بکم کی صحیح تشریح عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم والذی نفسی بیده لولم تذنبوا لذهب الله بکم۔ اس حدیث کی تشریح ایک مولوی صاحب یوں بیان کرتے ہیں۔ یعنی تذنبوا ولم تستغفروا فاراد به المعنی اللازم فان من لم یذنب ما علیه ان یستغفر والقرینة علی هذا المعنی ذکر الذنب مع الاستغفار فیما بعد۔ کیا یہ تشریح درست ہے؟

الجواب ــــ حدیث شریف کی یہ تشریح صحیح نہیں ہے۔ امام نووی رح، ملا علی قاری رح، علامہ طیبی رح وغیرہ شراح کے کلام میں اس کا کوئی نشان موجود نہیں۔ اور ظاہر حدیث بھی اس کے خلاف ہے۔ البتہ اگر عوام کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے دفع الوقتی کے طور پر کسی نے یہ کہہ دیا ہو تو شاید معاف ہو۔

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ — بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

نمازِ حنفی میں مندرج پانچویں کلمہ کا حدیث سے ثبوت

س ــــ آپ کی مطبوعہ نماز حنفی مرتبہ مولانا خیر محمد صاحب دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یقیناً قابل قدر مسائل ہیں لیکن ایک بات نے پوچھنے پر مجبور کیا کہ کلمہ پانچواں کلمہ ان الفاظ کے ساتھ مشہور ہے۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب الخ اور آپ کی نماز حنفی میں ان الفاظ میں ہے۔ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی۔ اس کے متعلق وضاحت فرمائیں کہ کون سا زیادہ مستند ہے؟

الجواب ــــ نماز حنفی میں مذکور پانچواں کلمہ بخاری شریف میں مروی ہے۔ وعن شداد بن اوس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید الاستغفار ان تقول اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی الخ رواہ البخاری

مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۰۴ — فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح

۲/۹/۱۴۰۰ھ — بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

گالی گلوچ کی مذمت میں چند احادیث

س ــــ چھوٹے بڑے افراد میں گالی دینے کا رواج عام ہو چکا ہے جس کو برائی بھی تصور نہیں کرتے۔ اور میں نے تو یہ جائزہ لیا ہے کہ ہمارے ملک میں حمد اللہ تعالیٰ کا نام گالی کی نسبت از حد کم لیا جاتا ہے۔ ہر بات پر لوگ گالیاں دیتے ہیں حالانکہ میں جماعت کے بچے بڑوں کو دیکھ کر وہ ان سے گالیاں سن کر خوب بکتے ہیں۔ یہاں تک کہ چھوٹے بڑے بزرگوں کو بھی گالیاں دینے سے باز نہیں آتے۔ حتیٰ کہ اس گالی وغیرہ سے لڑائی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ لہٰذا گالی کی مذمت میں براہِ اشاعت چند احادیث لکھیں۔

الجواب ــــ ۱: عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله كفر۔ (بخاری شریف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا سخت گناہ ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔

۲ : عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ینبغی لصدیق ان یکون لعانا۔ (مسلم شریف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو کسی پر لعنت کرنے والا نہیں ہونا چاہئے۔

۳ : عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال المستبان ما قالا فعلی البادی مالم یعتد المظلوم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو گالی گلوچ کرنے والے جو کچھ آپس میں کہتے ہیں اس کا گناہ ابتدا کرنے والے پر ہے جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے۔

۴ : عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذی (ترمذی شریف)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دوسروں پر طعنہ زنی کرے، لعنت کرے، بیہودہ گوئی کرے وہ مومن نہیں۔

۵ : عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک۔ (مشکوٰۃ ج۲ ص۴۱۱)

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی کسی کو بدکار کہتا ہے یا کافر کہتا ہے، اور وہ ایسا نہ ہو، تو خود کہنے والا ویسا بن جاتا ہے۔

۶ : عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان العبد اذا لعن شیئا صعدت اللعنۃ الی السماء فتغلق ابواب السماء دونھا ثم تھبط فتغلق ابوابھا دونھا ثم تاخذ یمینا وشمالا فاذا لم تجد مساغا رجعت الی الذی لعن فان کان ذلک اھلا والا رجعت الی قائلھا۔ (ابوداؤد مشکوٰۃ ج۲ ص۴۱۳)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت پہلے آسمان پر جاتی ہے تو وہاں دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ پھر زمین پر آتی ہے، تو اس کے بھی دروازے بند ہو جاتے

ہیں ۔ پھر دائیں بائیں جاتی ہے ۔ جب کوئی راستہ نہیں ملتا تو پھر جس پر لعنت کی گئی ہے اس پر جاتی ہے اگر وہ اس کے لائق ہو تو ٹھیک ورنہ کہنے والے پر لوٹ آتی ہے ۔

بھول کر بھی ربش نہیں گالی سفلیوں کی زبان
یہ کمینوں کی علامت ہے رذیلوں کا نشان

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۲۴ / ۳ / ۱۳۹۶ھ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آدم علیہ السلام سے پہلے نبی ہونے کا مطلب

ایک عالم نے حدیث کنت نبیا و ادم بین الماء والطین بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ آدم علیہ السلام کے پانی اور مٹی میں خمیر ہونے کے وقت نبی تھے باعتبار چرچا کے ملائکہ میں ۔ کیا آپ کا محض چرچا تھا یا آنے کی شہرت تھی ؟ یا خود بھی موجود تھے ؟ اور ایک دوسرے آدمی نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے ۔ اب آپ واضح فرمائیں کہ یہ حدیث موضوع ہے ، صحیح ہے یا ضعیف ہے ؟

الجواب کنت نبیا و ادم بین الروح والجسد رواہ البخاری فی تاریخہ و الحاکم و صححہ (تذکرۃ الموضوعات ص ۸۶) عن ابی ھریرۃ قال قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال و ادم بین الروح والجسد رواہ الترمذی مشکوۃ ص ۵۱۳ ۔

الفاظ بالا کے ساتھ یہ روایت کتب حدیث میں پائی جاتی ہے ۔ لیکن جو الفاظ سوال میں لکھے گئے ہیں یہ الفاظ ثابت نہیں بلکہ موضوع ہیں ۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں ۔

اما ما یدور علی الالسنۃ کنت نبیا و ادم بین الماء والطین ۔ فقال السخاوی لم نقف علیہ بھذا اللفظ فضلا عن زیادۃ وکنت نبیا ولا ماء ولا طین ۔ قال الحافظ ابن حجر ان الزیادۃ ضعیفۃ وما قبلھا قوی وقال الزرکشی لا اصل لہ بھذا اللفظ ۔ (مرقاۃ ، ج ۵ ، ص ۲۶۳)

تذکرۃ الموضوعات میں علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ۔

وفی الذیلی وکنت نبیا و ادم بین الماء والطین وکنت نبیا ولا ادم

ولا ماء ولا طین قال ابن تیمیۃ موضوع ص ۸۶ ۔

خلق آدم علیہ السلام سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا باعتبار شہرت کے تھا دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں بھی گو علم الٰہی میں موجود تھیں مگر فرشتوں کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی اور آپ کے عہدۂ رسالت کا اظہار و اعلان کر دیا گیا تھا۔ صاحب لمعات لکھتے ہیں۔ جواب آنست کہ مراد اظہار نبوت او است صلی اللہ علیہ وسلم پیش از وجود عنصری وے در ملائکہ و ارواح چنانکہ وارد شدہ کتابت اسم شریف او بر عرش وغیرہ ج ۴، ص ۴۹۹۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ

زنا کے بارے میں ایک حدیث کا حوالہ

ایک شخص نے زنا کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم گوارا کرتے ہو کہ تمہاری ماں، بہن یا بیٹی کے ساتھ کوئی زنا کرے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ تو فرمایا وہ زانیہ بھی تو کسی کی ماں، بہن، بیٹی ہوگی۔ یہ جواب ایسا ہے کہ زنا کے رد میں اس سے بہتر کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ لیکن کیا یہ حدیث ہے؟ تصدیق مطلوب ہے۔

الجواب یہ حدیث بروایت ابو امامہ رضی اللہ عنہ امام احمد نے بیان فرمائی ہے۔
(ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸)

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۳ / ۱ / ۱۳۹۹ھ

خلق آدم علیٰ صورتہٖ کا مطلب؟

خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے اس کا مطلب کیا ہے؟

الجواب خلق آدم علی صورتہ کا مطلب ہے آدم علیہ السلام کو اپنی پسندیدہ صورت پر پیدا کیا۔ یعنی ایسی صورت عطا فرمائی جو اللہ تعالیٰ کو پسند تھی۔ مثلاً سیدھا قد، بارونق چہرہ، وغیرہ مطابق آیت قرآنی ما غرك بربك الكريم الذي خلقك فسواك فعدلك في أي صورة ما شاء ركبك۔ الآية

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۲۳ / ۱ / ۱۳۹۹ھ

قبر میں عند السؤال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مثالی پیش کئے جانے یا پردے ہٹا دیئے جانے کی تحقیق

قبر میں جب میت سے فرشتے سوال کرتے ہیں "ما ھذا الرجل" تو ھذا کا اشارہ قریب کے لئے ہے یا بعید کے لئے ؟ کیا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل دکھائی جاتی ہے ، یا درمیان سے پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں ، اور آپ اپنے روضۂ مبارک سے میت کو نظر آنے لگتے ہیں ؟

الجواب "ھذا" اشارۂ قریب ہے اس سے مراد معہود ذہنی ہے ۔ میت کے سامنے آپ کی صورت مثالی پیش کئے جانے یا درمیان کے پردے ہٹا دیئے جانے کا تعجب صاحب مرعاۃ المفاتیح کو کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے ثبوت نہیں ملا ۔ پوری عبارت یہ ہے

(ما ھذا الرجل الذی بعث فیکم) ای ارسل الیکم یعنون محمدا صلی اللہ علیہ وسلم وعبر بذلک امتحانا لئلا یتلقن تعظیمہ من عبارۃ القائل والاشارۃ لما فی الذھن فانہ لم یرد حدیث صحیح ولا ضعیف فی انہ یکشف للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا التفات الی قول القبوریین ومن شاکلھم بان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یشھد بذاتہ فی الخارج فی قبر کل میت عند سؤال الملکین اھ (مرعاۃ المفاتیح ج ۱ ۲ ص ۲۵۵)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۱۰/۱۴۰۰ھ

فضیلت عقل کے بارے میں ایک حدیث کی تحقیق

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے نماز ، روزہ ، زکوٰۃ ، حج اور عمرہ اور دوسری تمام نیکیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان یہ سب کچھ کرتا ہے لیکن قیامت کے دن اسے عقل وفہم کے مطابق ہی بدلہ ملے گا ۔ (او کما قال علیہ السلام) یہ حدیث صحیح ہے اس کا مطلب کیا ہے ؟

الجواب "وانما یجزی علی قدر عقلہ" ضعیف" (الی ان قال) وکل حدیث ورد فیہ ذکر العقل لا یثبت ۔ "تذکرۃ الموضوعات" للفتنی ۔ ص ۲۹ ۔ باب العقل ۔ یہ حدیث پوری تو نہیں مل البتہ نشان زدہ عبارت ضعیف ہے ۔ اس عبارت کا یہ

ایک قاعدہ بیان کیا کہ جس حدیث میں عقل کا ذکر ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

دودھ، خوشبو اور تکیہ رد نہ کرنے والی حدیث ضعیف ہے

زید کا یہ خیال ہے کہ تکیہ، خوشبو، اور دودھ یہ تین چیزیں ہیں ان میں سے اگر کوئی چیز کوئی آدمی پیش کرے تو انکار نہیں کرنا چاہئے۔ دین میں اس کی کیا اصل ہے؟

۱: کیا حدیث شریف میں یہ آیا ہے کہ انکار نہ کیا جاوے ان اشیاء کو قبول کر لیا جاوے۔

۲: تو پھر مقدار کیا ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص پانچ سیر، دس سیر دودھ پیش کر دیوے، اسی طرح کوئی زیادہ مقدار میں خوشبو پیش کر دیوے تو کیا کرے؟

الجواب: عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلٰث لا ترد الوسائد والدهن والطيب واللبن (شمائل ترمذی)۔

حدیث شریف میں ان تینوں چیزوں سے انکار نہ کرنا ثابت ہے۔

۲: حدیث شریف میں مقدار کی تصریح نہیں ہے۔ بظاہر تھوڑی مقدار معلوم ہوتی ہے جس سے لینے والے کو بار محسوس نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم

نوٹ: مگر اس حدیث میں بعض محدثین نے کلام کیا ہے۔ لان فیہ عبداللہ بن مسلم بن ہرمز المکی کما فی الموضوعات الکبیر ص ۵۰۔ حدیث میں دہن الطیب سے مراد ایک ہی چیز ہے یعنی خوشبودار تیل وغیرہ جیسا کہ بعض صحیح نسخوں میں حرف "الطیب" ہے۔ حاشیہ شمائل ص ۱۲۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

تہجد کی مختلف روایات میں بہترین تطبیق

سوال: زید فریق اول، بکر فریق ثانی کے درمیان حضرت آقائے نامدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی تعداد میں عرصہ سے اختلاف ہے۔ زید فریق اول رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بغیر تحیۃ الوضوء، و وتر بارہ رکعت نماز تہجد ثابت کرتا ہے کہ کبھی کبھی بارہ رکعت نماز تہجد کا بھی معمول تھا۔ اور بکر فریق ثانی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر تحیۃ الوضوء و وتر آٹھ رکعت نماز تہجد ثابت کرتا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حین حیات تک آٹھ رکعت تہجد پر مستقیم رہے۔ اس سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اور ہر دو فریقین اپنے اپنے دلائل حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔ آپ براہ نوازش ان کے درمیان محاکمہ فرما کر احقر کو مرہون

مستفید فرمائیں کہ حق بات کس جانب ہے اور دلائل قوی کس صاحب کے ہیں ؟

زید فریق اوّل کے دلائل یہ ہیں ۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب فرماتے ہیں کہ نماز تہجد بارہ رکعت ہیں ۔ بہشتی زیور حصہ دوم صفحہ ۳۳ میں فرماتے ہیں ۔ مسئلہ : آدھی رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کا بڑا ثواب ہے ۔ اس کو تہجد کہتے ہیں ۔ یہ نماز اللہ کے نزدیک بہت مقبول ہے اور سب سے زیادہ اس کا ثواب ملتا ہے ۔ تہجد کی کم از کم چار رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں ۔

از تصنیف حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ " انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ " میں فرماتے ہیں ۔ " ومن جملۃ وظائف صلوۃ النوافل التہجد والاستشراق والاستخارۃ والضحیٰ والتہجد اثنا عشر رکعۃ ۔ ص ۹۳ ۔

دلیل دیگر : تصنیف عالم ربانی مقبول بارگاہ سبحانی حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی " مالا بدمنہ " میں فرماتے ہیں " نماز تہجد سنت مؤکدہ ہست پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گاہے ترک نفرمودہ ۔ واگر احیاناً فوت شدہ دوازدہ رکعت در روز قضا فرمودہ و نماز تہجد از چہار رکعت کمتر نشاید و از دوازدہ رکعت زیادہ ہم بہ ثبوت نہ پیوستہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نماز وتر بعد تہجد میخواند سنت ہمیں است ۔

(" مالا بدمنہ ص ۹۹ ")

— دلیل دیگر : حضرت شیخ المشائخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ " غنیۃ الطالبین " میں فرماتے ہیں ۔ وروی انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی من اللیل اثنتی عشر رکعۃ ثم یوتر بواحدۃ ۔ (ص ۵۰۰)

— دلیل دیگر : مولانا الحاج فقیر اللہ حنفیؒ " قطب الارشاد " میں فرماتے ہیں : ادنی التہجد رکعتان واکثرہ اثنتا عشرۃ رکعۃ من غیر وتر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام من اللیل یتہجد ۔ (قطب الارشاد ص ۲۰۱) ۔

— دلیل دیگر : بارہ رکعت کی یہ ہے ۔ کہ حضرت مولانا عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں ۔ " و نماز تہجد از دو رکعت تا دوازدہ رکعت بطور تراویح باید خواند ۔ (فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۱۱۱)

— دلیل دیگر : بارہ رکعت کی یہ ہے ۔ حاشیہ ترمذیہ علامۃ الشیخ محمد بن سلیمان الکردی المدنی رح فرماتے ہیں ۔

" قال ابن الجزری ورد عنہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی اثنتی عشر رکعۃ من اللیل ۔ (ج ۱ ص ۳۳۰) ۔

دلیلے دیگر : بارہ رکعت تہجد کی یہ ہے۔ نسائی شریف میں۔ عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا لم یصل من اللیل منعہ من ذلک نوم غلبتہ عینہ او وجع صلی من النھار ثنتی عشرۃ رکعۃ۔

محشی کا فاضل رحمۃ اللہ بین السطور صراحت تحریر فرماتے ہیں۔ فیعلم منہ ان التہجد ثنتا عشر رکعۃ۔

دوسری جگہ محشی رح فرماتے ہیں۔ علی قولہ صلی من النھار یقضی فی النھار ما فاتہ من اللیل انتہی۔ (نسائی شریف ج ۱ ص ۱۹۹)۔

دلیل دیگر : بارہ رکعت کی یہ ہے " احیاء العلوم میں امام غزالی رح فرماتے ہیں۔

الخامسۃ ان اشتہ نفسنا مانووا فی اذ قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانک ولنا فیہ اسوۃ حسنۃ وقالت عائشۃ رضی اللہ عنہا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا غلبہ النوم او مرض فلم یقم تلک اللیلۃ صلی من اول النھار اثنتی عشرۃ رکعۃ۔ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۳۲)۔

دلیلے دیگر : بارہ رکعت کی یہ ہے۔ علامہ ابن قیم رح " زاد المعاد " جلد اول میں فرماتے ہیں۔

" وکان صلی اللہ علیہ وسلم اذا غلبہ النوم او وجع صلی من النھار ثنتی عشرۃ رکعۃ۔ (جلد اول ص ۸۶)۔

فریق ثانی کے دلائل

علامہ شبیر احمد عثمانی رح " فتح الملہم " جلد ثانی ص ۳۰۰ میں فرماتے ہیں

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یفتتح صلوتہ باللیل برکعتین خفیفتین وھما مبادی التہجد ثم یصلی ثمان رکعات وھی اصل التہجد۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۳۰۰)

دلیلے دیگر : آٹھ رکعت کی یہ ہے۔ علامہ شامی رح فرماتے ہیں جلد اول میں۔

وھذا بناءً علی اقل تہجدہ صلی اللہ علیہ وسلم کان رکعتین وان منتہاہ کان ثمان رکعات۔ (شامی مطبع مجتبائی ص ۴۶۳)۔

دلیلے دیگر : آٹھ رکعت کی یہ ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب فرماتے ہیں۔

الجواب : تہجد میں کم از کم دو رکعت سنت ہے اور زیادہ سے زیادہ جس قدر پڑھے درست ہیں مگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعت سے زیادہ ثابت نہیں۔ (فتاوی رشیدیہ ج ۲ ص ۱۰)

اور "عرف الشذی" میں بھی آٹھ رکعتیں نماز تہجد ثابت ہے۔

"غرض حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر تحیۃ الوضوء و وتر بارہ رکعت نماز تہجد پڑھنا ثابت ہے یا نہ؟

الجواب صورت مسئولہ میں واضح ہے کہ روایات میں سب سے زیادہ تعداد رکعات وہ ہے جو حواشی سندی میں موجود ہے۔ اکثر ما روی فی صلوٰۃ اللیل سبع عشر رکعۃ۔ اس اختلاف کے جمع کی بہترین تقریر وہ ہے جو علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم میں ذکر فرمائی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اصل تہجد آٹھ رکعتیں ہیں لیکن ابتدا میں آپ دو رکعتیں خفیفہ (ہلکی اور مختصر) پڑھا کرتے تھے یہ دس رکعتیں ہوگئیں۔ اسکے بعد وتر پڑھا کرتے تھے۔ اسکے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے جنہیں توابع وتر کہنا چاہیے ان کو ملا کر کل تعداد پندرہ ہوجاتی ہیں۔ اس مختصر سی کیفیت کے بعد اب جس نے گیارہ رکعتیں ذکر کی ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی روایت میں ہے۔ کان یصلی باللیل احدی عشر رکعۃ رواہ مسلم اس میں آٹھ رکعت اصل تہجد اور تین وتر کا بیان ہے۔

۲ جس نے تیرہ رکعتیں بیان کیں۔ مثلاً ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کی روایت بخاری و مسلم میں ہے ان صلوٰتہ صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل ثلاث عشر رکعۃ و رکعتین بعد الفجر سنۃ الصبح۔ اس میں دو رکعتیں مبادی تہجد یا توابع وتر والی کو شامل کر دیا گیا۔

۳ جس نے پندرہ رکعت کا ذکر کیا اس نے مبادی تہجد اور توابع وتر کو شامل کر لیا۔

۴ جس نے سترہ رکعت کا ذکر کیا اس نے صبح کی دو سنتیں جو بعد فجر کے ہیں تحقیق کو ساتھ شامل کر دیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

۲ رکعت مبادی تہجد۔ ۸ رکعت اصل تہجد۔ ۳ وتر۔ ۲ رکعت توابع وتر۔ ۲ رکعت سنت صبح۔

مولانا کی اس تحقیق کے بعد آپ حضرات کا اختلاف حل ہوجاتا ہے۔ اور فیصلہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ تہجد کی کل نماز مع وتر کے پندرہ رکعت ہے۔ اور بغیر وتر کے بارہ رکعت ہے۔ اس میں سے آٹھ رکعت نوافل ہیں جنہیں آپ لمبی تہجد ادا فرماتے تھے اور اس سے پہلے دو رکعتیں مختصر پڑھتے تھے اور اسی طرح وہ دو رکعتیں جو بعد از وتر پڑھی جاتی ہیں مختصر ہوتی تھیں۔ ان بارہ رکعتوں میں تحیۃ الوضو بھی شامل ہے۔ تحیۃ الوضو کی نیت اگر فرض نماز کے ساتھ کرلی جائے تو بھی ادا ہوجاتی ہے پہلی دو رکعتیں خفیفتین مبادی تہجد کہلاتی ہیں ان میں ہی نیت تحیۃ الوضوء ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ تحیۃ الوضوء سے

سے علیحدہ آپ سے نماز پڑھنا ثابت نہیں۔ پس تحیۃ الوضوء انہی بارہ رکعتوں میں شامل تھا۔ فقط

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم خیر المدارس ملتان

۲۷ م ۱۳۷۳ھ

واللہ اعلم
بندہ محمد عبد اللہ غفر لہ
خیر المدارس ملتان

بنی غفار کی بچی کا آنحضرت کے ساتھ سوار ہونے والی روایت کی حیثیت اور اس سے مرزائیوں کے استدلالات کا جواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی غفار کی ایک نوجوان لڑکی کو اپنے ساتھ اونٹنی پر سوار کیا۔ اس میں علی حقیبۃ رحلہ کا کیا مطلب ہے؟ آگے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کے گلے میں قلادہ ڈالا۔ تو قادیانی فرقہ کہتا ہے کہ غیر محرم عورت کو اونٹ پر سوار کیا، اور پھر اس کے گلے میں ہار ڈالا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر محرم عورتوں کے ساتھ بے تکلف اختلاط کی اجازت ہے۔

مولوی عبدالرحیم اشعر معرفت مولوی محمد صدیق جھنگوی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان۔

الجواب مسند احمد چونکہ مدرسہ کے کتب خانہ میں مکمل موجود نہیں ہے لہٰذا اس میں یہ روایت نہیں مل سکی۔ البتہ "سیرت ابن ہشام ص ۲۴۲" کی جلد ثانی میں یہ روایت مکمل مذکور ہے۔ جس کی سند یہ ہے۔

قال ابن اسحاق حدثنا سلیمان بن سحیم عن امیۃ بن ابی الصلت عن امرأۃ من بنی غفار قد سماها لی قالت اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی آخر الحدیث۔

حدیث پر جو اعتراض کیا گیا ہے اس کا جواب دینے سے قبل اس کی سند پر بات کرنا مناسب ہے۔ تاکہ اس کی صحت وضعف واضح ہو جائے۔ ذیل میں ہر راوی پر کلام کیا جاتا ہے۔

۱: ابن اسحاق۔ یہ محمد ابن اسحاق مشہور صاحب مغازی ہیں۔ ان کے بارہ میں ائمہ فن کی آراء مختلف ہیں۔

امام نسائی رح فرماتے ہیں "لیس بالقوی"۔ امام دارقطنی رح فرماتے ہیں "لا یحتج بہ"۔ ابوداؤد رح فرماتے ہیں "قدری معتزلی"۔ سلیمان تیمی رح فرماتے ہیں "کذاب"۔ ہشام بن عروۃ رح کہتے ہیں "بہت بڑا جھوٹا اور کذاب ہے"۔ امام مالک رح نے اس کو "دجال" قرار دیا ہے۔

ولفظه وقال يحيیٰ بن آدم حدثنا ابن ادريس قال كنت عند مالك فقيل له ان ابن اسحاق يقول اعرضوا على علم مالك فانی بيطاره فقال مالك انظروا الى دجال من الدجاجلة ۔ (میزان ج ۳ ص ۲)

امام احمد فرماتے ہیں: "هو كثير التدليس جداً" ابن عدی فرماتے ہیں "كان ابن اسحاق يلعب بالديوك" ۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۲)

۲ : سليمان بن سحيم صدوق كذا فی كشف الاستار ۔

۳ : امية بن ابی الصلت: ہمارے اساتذہ کے طبقہ میں اس نام کا کوئی راوی موجود نہیں۔ لہٰذا یہ مجہول ہے البتہ اس نام کا ایک مشہور ثقفی شاعر گزرا ہے۔ جس کا تذکرہ بعض احادیث میں پایا جاتا ہے۔

ولفظه قال ردفت رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما فقال هل معك من شعر امية بن ابی الصلت قلت نعم فقال هيه الحديث وفی رواية فلقد كاد يسلم فی شعره (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۸)

لیکن یہ شاعر زمانہ اسلام سے قبل وفات پا چکا تھا۔

"اصابہ" میں ہے۔ امية بن ابی الصلت الثقفی الشاعر المشهور قال ابن السكن لم يدرك الاسلام (ج ۱ ص ۱۲۲) ۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اس مقام پر تصریح کرتے ہیں "حتی مات كافراً" یہ مشہور شاعر بھی سلیمان بن سحیم کا استاذ نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نام میں کوئی تصحیف یا غلطی واقع ہوئی ہے۔ صحیح نام امیہ بنت ابی الصلت ہے۔ جیسا کہ سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۴۸ ۔ کی سند میں مذکور ہے۔

ولفظه ، اخبرنا محمد يعنی ابن اسحاق عن سليمان بن سحيم عن امية بنت ابی الصلت عن امرأة من بنی غفار ۔ الحديث ۔

حافظ ذہبی رحمہ اور علامہ ابن حجر رحمہ نے بھی اس کا تذکرہ انہی لفظوں میں کیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ لکھتے ہیں۔ امية بنت ابی الصلت عن الغفارية اللتی حاضت فامرها ان تغسل الدم بملح فقيل امنة بالنون وقيل بياء مشددة فهی بكل حال لا تعرف الا بهذا الحديث رواه ابن اسحاق عن سليمان بن سحيم عنها ۔ (میزان ج ۱ ص ۱۳۱)

مگر یہ راویہ مجہول ہیں۔ جیسا کہ اقتباس بالا کے آخری الفاظ میں مصرح ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ نے "میزان الاعتدال" جلد ۳ کے آخر میں "باب النساء المجہولات" باندھا ہے۔ اور اس میں اس امیہ بنت ابی الصلت کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ امية بنت

ابی الصلت الغفاریہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ج ۳ ص۶۳۸ ۔

حافظ تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں۔ امیۃ بنت ابی الصلت ویقال امینۃ لا یعرف حالہا من الثالثۃ (ص۴۶۹ مطبوعہ لکھنؤ)۔

حافظ ابن حجر رح نے بھی ان کے مجہول الحال ہونے کی تصریح فرمادی۔ بہرحال یہ راویہ مجہول الحال ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مجہول الاسم بھی ہیں۔ جیسا کہ علامہ ذہبی رح نے تصریح فرمائی ہے۔ امیۃ، امنۃ، امیۃ، امنۃ، ام امیۃ، ان کے یہ مختلف نام کتابوں میں ملتے ہیں

۴:- امرأۃ من بنی غفار ان کا نام مذکور نہیں ہے۔ علامہ سہیلی رح نے ان کا نام لیلیٰ بتایا ہے۔ کما فی الاصابہ تحت ترجمۃ امامۃ بنت حکم واللہ اعلم۔ احوال رواۃ کی تفصیل کے پیش نظر یہ ظاہر ہے کہ یہ روایت قابل احتجاج نہیں۔ کیوں کہ اس میں محمد بن اسحاق موجود ہے جس کے بارے میں ائمہ فن کی مختلف آراء آپ پہلے ملاحظہ کرچکے ہیں۔ امام مالک رح نے دجال تک کہا ہے۔ محمد بن اسحاق کثیر التدلیس جدا کما قال احمد میزان الاعتدال ج ۳ ص۴۷۵ اور ابوداؤد کی سند میں یہ سلیمان بن سحیم سے بلفظ "عن" روایت کررہے ہیں۔ اور مدلس کی معنعن روایت قابل قبول نہیں ہے۔ اگر کہا جائے کہ سیرت ابن ہشام میں حدثنی سلیمان بن سحیم موجود ہے۔ تو اولاً جواب یہ ہے کہ ابوداؤد کی روایت زیادہ قابل اعتبار ہے۔ دوسرا یہ کہ ان کا اخبرنی کہنا بھی محل نظر ہے۔

قال احمد هو كثير التدليس جدا قيل له فاذا قال اخبرني وحدثني فهو ثقة قال هو يقول اخبرني ويخالف (ج ۳ ص۴۷ میزان الاعتدال)

اس روایت میں محمد بن اسحاق منفرد ہیں اور ایسی روایت کے بارے میں اہل فن کا فیصلہ ہے کہ اس میں نکارت ہوتی ہے کیوں کہ ان کا حافظہ ایسا قوی نہیں تھا۔ حافظ ذہبی رح فرماتے ہیں وما انفرد به ففيه نكارة فان في حفظه شيئا ۔ میزان الاعتدال ج ۳ ص۴۷۵ ۔

امیۃ بن ابی الصلت مجہول الحال ہے اور مجہول الحال راوی کی روایت قابل قبول نہیں۔

على حقيبة رحله قال في النهاية وهي الزيادة التي تجعل في مؤخر القتب كذا في البذل ج ۱ ص۲۰۲ ترجمہ۔ حقیبۃ پالان کا وہ زائد حصہ ہے جو پالان کی پچھلی جانب ہوتا ہے۔ اونٹ کے پالان میں دو آدمیوں کے بیٹھنے کی الگ الگ جگہیں ہوتی ہے۔ درمیان میں لکڑی حائل ہوتی ہے"

لیکن زید کہتا ہے کہ دونوں حدیثیں غلط اور جھوٹی ہیں۔ جو ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان عظیم ہیں۔ ان دونوں حدیثوں پر ایمان لانا لغویات وکفریات میں سے ہے۔

کیا شرعاً بکر کا قول صحیح ہے یا زید کا۔ اگر غلط ہے تو کیا بکر پر تجدید ایمان و اسلام ضروری ہے یا نہیں اور اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بکر غلطی پر ہے۔ ہر دو روایتیں موضوع ہیں۔ صحاح ستہ اور حدیث کی معتبر کتب میں ان کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ زید کا عقیدہ صحیح ہے۔ بکر ہرگز امامت کے لائق نہیں ہے ایسا عقیدہ کفر ہے۔ اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ واجب ہے۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے اندر حلول کیا ہوا ہے وہ اسلام سے خارج ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان [illegible]

أنّ الله خلق آدم علی صورته حدیث ہے

ایک مشہور حدیث ہے إنّ الله خلق آدم علی صورته اس کا کیا مطلب ہے اور یہ حدیث ہے یا نہیں؟

الجواب مذکورہ حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض صفات اور اخلاق کا کچھ حصہ آدم و بنی آدم کو عطا فرمایا ہے۔ (قرطبی)

فقط واللہ اعلم: محمد انور عفا اللہ عنہ

نوٹ: مذکورہ سوال کے جواب میں طبع اول میں نقل کی غلطی ہے۔ صحیح جواب یہی ہے

"معراج کی رات نوے ہزار کلام ہوئی" موضوع ہے

مشہور ہے کہ جب حضور علیہ السلام معراج پر تشریف لے گئے تو رب العزت کے ساتھ آپ کی نوے ہزار کلام ہوئی۔ تیس ہزار تو ظاہر ہے جو علماء دین کے پاس ہے اور تیس ہزار باطن ہے جو اولیاء کے پاس ہے جن کو علماء دین علیحدہ چیز سمجھتے ہیں۔ اور تیس ہزار آپ نے کسی کو بتلائی ہی نہیں۔ اگر بتلائی ہی نہیں تو مقصد تبلیغ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ ہے فوت ہو جاتا ہے۔ اس کا بیان بالوضاحت فرما دیں۔

الجواب یہ بالکل من گھڑت اور بے بنیاد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کا سرچشمہ قرآن و حدیث ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ ۳/ ر / ۱۳۹۲ھ

سلمان منا اھل البیت کا ثبوت

صاحب اصح السیر صفحہ ... مطبع کراچی لکھتے ہیں واقعہ خندق میں فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس روز تنہا دس آدمیوں کا کام کیا۔ مہاجرین کہتے تھے کہ سلمان ہم میں سے ہیں، انصار کہتے تھے کہ سلمان ہم میں سے ہیں۔ یہ قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ نے فرمایا کہ سلمان تو میرے اہل بیت میں سے ہے۔

۲: کل تقی نقی فہو اھلی۔

۳: حضرت ام سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ الست من اھل البیت فقال بلی ان شاء اللہ۔

یہ تینوں حدیثیں اہل سنت کی کون سی کتب میں ہیں۔ اور سند کے لحاظ سے کیسی ہیں۔

الجواب

۱: یہ حدیث البدایۃ والنہایۃ ج ۴ صفحہ ۹۹ پر موجود ہے لیکن اس حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دن دس آدمیوں کا کام کیا البتہ مہاجرین و انصار کا اختلاف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ سلمان تو میرے اہلبیت میں سے ہیں یہ الفاظ یہاں موجود ہیں۔

۲: بعض معتمد حواشی میں بحوالہ طبرانی باسناد ضعیف اس حدیث کو نقل کیا گیا ہے۔

۳: ابن کثیر میں بحوالہ امام احمد یہ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ فقلت وانا یا رسول اللہ قال صلی اللہ علیہ وسلم وانت۔ ج ۳ ص [illegible]۔ فقط واللہ اعلم

محمد اسحاق غفرلہ

[illegible]ھ

الجواب صحیح: عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

حج کے سلسلہ میں ایک حدیث کی تحقیق

رب تعالیٰ جل شانہٗ اپنے کلام مقدس میں ارشاد فرماتے ہیں فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص باوجود طاقت مالی و بدنی کے سعادت حج مبارک سے مستفید نہ ہوا تو اس کا خاتمہ یہودیت و نصرانیت پر ہوا۔ اوکما قال۔ تو حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آدمی مذکور حج ادا نہ کرنے والے کے باقی اعمال نماز نفل وغیرہ باطل ہو جائیں گے۔ آیت مذکورہ کا مضمون اس کے برعکس ہے۔ اس تعارض کی کیا تطبیق ہوگی؟

الجواب

۱: آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو برائی معاف نہ ہوئی اس کی سزا ضرور ملے گی۔ اور جو نیکی ضائع نہیں ہوئی اس کی جزا ضرور ملے گی۔ جیسا کہ دیگر آیات و احادیث سے ثابت ہے۔ قبول اسلام سے پہلے بہت سے گناہ ہوتے ہیں لیکن اسلام انہیں منہدم کر دیتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ انّ

انه يغفر الذنوب جميعا ۔ وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الاسلام يهدم ما كان قبله ۔ اور اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے ومن يكفر بالايمان فقد حبط عمله ۔ معلوم ہوا کہ ارتداد سے حبط اعمال ہو جاتا ہے ۔ الغرض آیت میں دیگر نصوص کی روشنی میں قید مذکور لازم ہے اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ باوجود استطاعت کے حج نہ کرنا یہ ناشکری ہے جو کہ ارتداد یہودیت و نصرانیت اختیار کرنے کا سبب بن سکتی ہے ۔ اور ارتداد سے حبط اعمال ہوتا ہے ، گویا کہ نیکیاں ضائع ہو گئی ہیں ۔ اور آیت میں ایسی نیکیوں پہ جزا کا ذکر ہے جو ضائع نہ ہوئی ہوں ۔ پس آیت و حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے ۔

۲ : یہ حدیث مبالغہ اور تشدید پر محمول ہے ۔ وهو من باب المبالغة والتشديد والايذان بعظمة شان الحج كذا في بعض الحواشي ۔

۳ : امام ترمذی رح نے اس حدیث کو متکلم فیہ قرار دیا ہے فرماتے ہیں ۔ وفي اسناده مقال وهلال بن عبد الله مجهول والحارث يضعف في الحديث ۔

واضح رہے کہ ترک حج ارتداد نہیں اور نہ اس سے سابقہ اعمال ضائع ہو سکتے ہیں ۔ ہاں یہ ناشکری اللہ تعالیٰ کی حفاظت خاصہ سے نکل جانے اور ارتداد میں داخل ہو جانے کا سبب بن سکتی ہے جس سے ضیاع ہوتا ہے ۔ گویا کہ ترک حج سے حبط اعمال ہوا تو نہیں لیکن ارتداد کا اندیشہ ضرور لاحق ہو گیا ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۔ ۱ / ۲ / ۱۳۹۱ھ

تعظیم اہل بیت سے متعلق چند موضوع احادیث

ایک شخص محمود شاہ نامی نے جو اپنے آپ کو محدث ہزاروی کہتا ہے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "السیف المسلول" ہے اس میں یہ احادیث درج ہیں ۔

۱ : اكرموا وقروا اولادي الصالحون لله والطالحون لي ۔ ص۳

۲ : اقبلوا من محسنهم وتجاوزوا عن مسيئهم ۔ ص۳

۳ : عترتي خلقوا من طينتي ورزقوا فهمي ص۳ وص۴

۴ : من لم يعرف حق عترتي والانصار والعرب فهو لاحدى ثلث اما ولد زانية واما منافق واما امرأ حملت به امه في غير طهر ۔ ص۳

اسی مضمون کی کئی اور احادیث بھی درج ہیں ۔ نیز اس کے عقائد یہ ہیں ۔

۱ ۔ سادات سے جو سلوک کیا جائے وہ براہ راست حضور کے ساتھ ہے اور ان کی تنقیص کرنے والا کافر و مرتد ہے ۔

(السیف المسلول ص۳)

۵۔ کسی صحیح النسب حسنی و حسینی سید سے کفر کا ہونا ناممکن ہے کیونکہ وہ حقیقتاً آلِ رسول ہیں اور نوع و جزءِ رسول سے کیسے ممکن ہے کہ وہ کفر کا ارتکاب کرے۔؟

۶۔ جس طرح حضور کی تعظیم فرضِ قطعی ہے ایسے ہی سادات کی تعظیم بھی فرضِ قطعی ہے۔ وغیر ذالک۔

الجواب عقائد مذکورہ کا کتبِ اہلسنت والجماعت میں کہیں نام و نشان نہیں اور نہ ہی یہ احادیث سننے اور دیکھنے میں آئی ہیں۔ یہ شخص سبّ مدرج اور ضال و مُضل ہے۔ حدودِ شرعیہ سے تجاوز اور غالی ہے مسلمانوں کو ایسے شخص سے بیعت ہونا جائز نہیں۔

باقی رہا احترام و اکرام حضرات ساداتِ کرام اور اعزاز و تعظیم حدودِ شرعیہ کے اندر تو اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۴/۲/۱۴۰۳ھ

احادیث سے ابدال کا ثبوت

طریقت کے عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ دنیا میں ہر وقت ایک غوث، سات قطب اور چالیس ابدال ہوتے ہیں۔ اس سے آگے درجہ صاحب خدمت حضرات کا ہے جن کی کوئی تعداد نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عالم کا نظم و نسق ان حضرات کے ناخن تدبیر سے انجام پاتا ہے۔ خیر و شر کی قوتوں کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن دنیا میں ان قوتوں کے نفاذ میں یہ ہستیاں مؤثر ہوتی ہیں۔ یہ عوام الناس کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ کیونکہ عام طور پر یہ بھی عام لوگ ہی ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ قوت ودیعت ہوتی ہے کہ ایک مقام سے کسی دوسرے بعید مقام تک بغیر کسی ظاہری ذریعۂ آمد و رفت کے بھی جا سکتے ہیں۔ مناسب وقفوں سے ان حضرات کے اجلاس منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں بین الاقوامی مسائل پر تبادلۂ خیال کیا جاتا ہے۔ اور آئندہ کے لئے پالیسیاں مرتب کی جاتی ہیں۔ کسی ایک ابدال یا قطب کے وفات پا جانے پر اس محکمے کے سربراہ (غوث) کی طرف سے فوراً نیا آدمی تعینات کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ کا مشہور قصہ حضرت غوث جیلانی شیخ عبدالقادر جیلانی رح کا بیان کیا جاتا ہے کہ جس رات بغداد کا قطب فوت ہوا اسی رات ایک چور چوری کی غرض سے حضرت کے گھر آیا اور اندھا ہو کر وہیں رہ گیا۔ حضرت نے ایک نظر میں چور سے قطب بنا کر فوت شدہ قطب کی جگہ مقرر فرما دیا۔ یہ اور اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جو میں نے علماء سے سنے ہیں۔ لیکن اس بارے میں اطمینانِ قلب نصیب نہیں ہوا۔ میرے چند بزرگ مُصر ہیں کہ میں اس عقیدہ کو مان لوں۔ میں ان سے کوئی شرعی دلیل طلب کرتا ہوں لیکن وہ دلیل سے قاصر ہیں۔ آپ ان تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالیں۔

الجواب یہ عقیدہ نہیں بلکہ ایک مسئلہ ہے۔ ابدال کا موجود ہونا حدیث سے ثابت ہے۔

۱۔ عن علیؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تسبوا اہل الشام

ہے۔ علامہ سیوطیؒ سے منقول ہے کہ امام نوویؒ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو فرمایا کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے۔ اگرچہ معنیً صحیح ہے۔ (مرقاۃ: ج ۱۰ ص ۱۹۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۳؍۸؍۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

غیبت کے بارے میں ایک حدیث کی تحقیق

کیا کسی نے غیبت کو اشد من الزنا فرمایا گیا ہے یہ حدیث ہے یا مقولہ۔ حالانکہ زنا کی حد نص قرآنی سے ثابت ہے اور دنیا میں قلیل ہوتا ہے اور چھپ کر ہوتا ہے۔ اور غیبت کثیر الوقوع ہوتی ہے اور علی الاعلان اور اس سے فسادات اور خونریزی ہوتی ہے۔ نیز کوئی مقام اور کوئی مجلس وغیرہ اس سے خالی نہیں۔ باوجود اس کے نص قرآنی سے کوئی سزا دنیا میں معلوم نہیں ہوتی۔ دیگر یہ بھی واضح فرمائیں۔ کہ غیبت حقوق اللہ ہے یا حقوق العباد۔ زنا کی اگر حد لگائی جائے تو اس کی کیا صورت اس وقت ہونی چاہئے۔ کیونکہ حکومت میں اسلامی قواعد جاری نہیں۔

الجواب: الغیبۃ اشد من الزنا حدیث ہے بیہقی میں حضرت جابر اور ابو سعید سے مروی ہے[1] نیز احیاء العلوم میں ہے۔

قال انس خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر الربا وعظم شانہ فقال ان الدرھم یصیبہ الرجل من الربا اعظم عند اللہ فی الخطیئۃ من ست وثلاثین زنیۃ یزنیھا الرجل واربی الربا عرض الرجل المسلم قال فی حاشیۃ احیاء العلوم رواہ ابن الدنیا بسند ضعیف۔

قرآن مجید میں غیبت کے متعلق فرمایا گیا۔

۲: ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا۔

۳: یہ ضروری نہیں کہ ہر جرم کی سزا بطور حد کے ذکر کی جائے۔ غیبت حقوق العباد سے ہے۔ لہٰذا اس کی بخشش اس شخص سے کرائی جائے جس کی غیبت کی ہے۔ حدود کے اجراء کے متعلق کوشش کرنی

---

[1] مشکوٰۃ [illegible] پر ہے۔ عن ابی سعید وجابر قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الغیبۃ اشد من الزناء قالوا یا رسول اللہ وکیف الغیبۃ اشد من الزنا قال ان الرجل لیزنی فیتوب فیغفر اللہ لہ وان صاحب الغیبۃ لا یغفر لہ حتی یغفرھا لہ صاحبہ رواہ البیہقی۔ محمد انور مرتب

چاہیئے۔ نیز حاکم یا سلطان کے دوسرا شخص حد نہیں لگا سکتا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ ۱۳ / ۲ / ۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح خیر محمد عفی عنہ ، الجواب صحیح ، بندہ عبدالرحمن غفرلہٗ

انکارِ حدیث کے سلسلہ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی ایک عبارت کی توضیح

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "فتاویٰ عزیزیہ" میں لکھا ہے کہ :

سوال : اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو حدیث شریف سے انکار کرے ۔

جواب : اس مسئلہ میں چند احتمالات ہیں ۔ ۱ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۴ ، آگے لکھتے ہیں لکھا ہے کہ کسی آیت شریفہ کے خلاف ہو ، یا ایسی ہی کوئی اور مناسب وجہ انکار کی اس کے نزدیک ہو تو ایسا انکار میں کوئی حرج نہیں ۔ براہ مہربانی یہ لکھیں کہ شاہ صاحب کی تحقیق ٹھیک ہے یا نہیں ؟

الجواب حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی تحقیق درست ہے ۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ ایک آدمی کسی حدیث کا انکار کسی غرضِ فاسدہ کے تحت نہیں بلکہ اس لئے کر رہا ہے کہ وہ اس کے خیال میں کسی آیت قرآنی کے خلاف ہے یا کسی حدیث کے خلاف ہے تو اس سے کفر لازم نہیں آئے گا ۔ کیونکہ وہ اصل حدیث رسول کا منکر نہیں ، بلکہ جو بات بعنوانِ حدیث اسے پہنچی ہے اس کے حدیث ہونے کا منکر ہے ۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کا منکر ہے کہ اس بات کو حدیث ماننا چاہیئے ۔ بخلاف آج کل کے منکرینِ حدیث کے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ قطع نظر اس سے کہ یہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں یا نہیں ، خود حدیث کی حیثیت یہ نہیں کہ اس پر عمل کرنا ضروری ہو بلکہ معاذ اللہ آنحضرت علیہ السلام کی حیثیت محض ایک پیغام رساں کی سمجھتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام نے ہمیں قرآن پہنچا دیا اب آگے ہم اس کو جیسے سمجھتے رہیں عمل کرتے رہیں ۔ اور آنحضرت علیہ السلام نے جو کچھ اس کی تشریح میں فرمایا یا عمل کیا ۔ وہ ہمارے لئے حجت نہیں ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ نظریہ بے شمار نصوصِ قرآنی کے خلاف ہے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ جس انکارِ حدیث کو کفر نہیں کہہ رہے اس میں اور موجودہ دور کے منکرینِ حدیث کے نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ نیز ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ وہ انکار ، ہوائے نفسانی اور کسی غرضِ فاسدہ کے تحت نہ ہو ۔ اور موجودہ منکرینِ حدیث کا بنیادی مقصد ہی یہ

کہ حدیث سے گلو خلاصی کرکے آیات قرآنی کا جو چاہو مطلب بیان کرلو۔ اور جیسے چاہو اپنی مرضی کا دین بنالو۔ ایسے نظریہ کی گمراہی وضلالت میں کوئی شک نہیں۔

۲۔ چہارم آنکہ حدیثے را بسبب قوت حدیث دیگر یا بجہت آنکہ اعتماد بر قول ناقل ندارد در حدیث قصور کند و یا انکار آں بپرداخت و منشاء انکار ہوائے نفسانی و غرض دنیاوی نباشد و ہمچنیں سرسری کلام خود منظور نداشتہ باشد و غرضے دیگر از اغراض فاسدہ مقصود او نباشد بلکہ بنا بر قواعد اصول حدیث یا مخالفت حدیث مذکور با کدام آیت قرآنی بگمان منکر یا امثال آں انکار حدیث نمودہ باشد پس حرجے در آن نیست۔"

(فتاویٰ عزیزیہ ج ۱ ص ۱۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۹ ر ۳ ر ۱۴۰۰ھ

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" صحیح نہیں

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" کیا یہ واقعی حدیث ہے یا نہیں؟

الجواب علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل قال شیخنا والزرکشی لا اصل لہ ولا یعرف فی کتاب معتبر وریتی بسند ضعیف۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۲۰)

اور موضوعات کبیر ص ۴۶ میں ہے۔

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل قال الدمیری والعسقلانی لا اصل لہ۔

وکذا قال الزرکشی وسکت عنہ السیوطی۔

معلوم ہوا کہ یہ روایت ضعیف ہے اور بقول بعض اس کی کوئی اصل نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ ۸ ر ۳ ر ۱۳۹۴ھ

فرضوں کے بعد سر پہ ہاتھ رکھ کر دعا پڑھنے کا ثبوت

ہر نماز کے بعد سر پہ ہاتھ رکھ کر دعا پڑھیں۔ اس کا کہیں ثبوت ہے؟ اگر ہے تو دلیل تحریر کریں۔ (محمد حسین عثمانی، ص ب ۴۶۲/۳ مکہ مکرمہ سعودی عرب۔)

الجواب حدیث کی کتاب حصن حصین ص ۹۹ میں ہے کہ آنحضرت علیہ السلام جب نماز سے فارغ ہوتے تو دائیں ہاتھ کو سر پہ پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے۔

بسم اللہ الذی لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم اللھم اذھب عنی الھم والحزن۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۔ ۲۳ر۱ر۱۴۰۰ھ

قال علیؓ "انا الصدیق الاکبر" روایۃً و درایۃً صحیح نہیں

بعض شیعہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ صدیق کا لقب حضرت علیؓ کا لقب تھا سنیوں نے اسے از خود حضرت ابوبکرؓ پر چسپاں کر دیا اور اس سلسلہ میں ابن ماجہ کی ایک روایت بھی پیش کرتے ہیں۔ براہ کرم مندرجہ ذیل سوالات کا جواب عنایت فرمائیں۔

۱: حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کا لقب کس نے دیا؟

۲: ابن ماجہ کی وہ روایت کون سی ہے اور اس کا کیا جواب ہے؟

سید قمر علی۔ بستان آباد ملتان

الجواب ۱: صدیق کا لقب حضرت ابوبکرؓ کے لئے خود آنحضرت علیہ السلام کا عطا فرمودہ ہے جیسا کہ ایک دفعہ آنحضرت علیہ السلام بمعیت حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم احد پہاڑ پر چڑھے۔ پہاڑ پر لرزہ طاری ہوا، تو آنحضرت علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

اسکن احد فلیس علیک الا نبی و صدیق و شہیدان۔ (بخاری ج ۱ ص [illegible])۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ "صدیق" کا لقب حضرت ابوبکرؓ کے لئے خود آنحضرت علیہ السلام نے استعمال فرمایا ہے۔

اہل تشیع کی کتاب "تفسیر قمی" ص ۱۵۷ مطبوعہ ایران۔ اور "کشف الغمہ ۲۲" میں بھی یہ لقب حضرت ابوبکرؓ کے لئے منقول ہے۔

۲: یہ حدیث ابن ماجہ ص ۱۲ (اصح المطابع) میں بایں الفاظ مع سند موجود ہے۔

حدثنا محمد بن اسماعیل الرازی ثنا عبید اللہ بن موسیٰ انبأنا العلاء بن صالح عن المنہال عن عباد بن عبد اللہ قال قال علی انا عبد اللہ واخو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا الصدیق الاکبر لا یقولہا بعدی الا کذاب صلیت قبل الناس بسبع سنین الحدیث۔

مذکورہ روایت کے بارے میں محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں چنانچہ علامہ جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "موضوع آفتہ عباد، والمنہال ترکہ شعبہ"

علامہ ذہبی اپنی کتاب "میزان" میں عباد کے حالات لکھتے ہوئے اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ھذا کذب علی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

علامہ ذہبی تلخیص المستدرک (ج ۳ ص ۱۱۲) پر لکھتے ہیں۔ حدیث باطل فاتہمہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ روایت روایۃً محض جھوٹ اور باطل ہے حسب معمول اہل تشیع کا افتراء ہے۔ اس کا راوی عبید اللہ بن موسیٰ شیعہ تھا۔ دیکھئے "کشف الاستار" (ص ۱۸) و"تقریب" (ص ۱۷۱)۔

نیز منہال بن عمرو اور عباد بن عبد اللہ بھی ضعیف ہیں (کشف الاستار ص ۱۸، وتقریب ص ۱۲۱) اور درایۃً بھی یہ روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا افضل الصحابہ ہونا صراحۃً منقول ہے۔ نیز اس نوع کی خودستائی بھی ہے جو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان سے بہت بعید ہے۔ فقط واللہ اعلم

فقیر محمد یوسف عفا اللہ عنہ ۳/۱۰/۱۳۹۹ھ

فضائل درود کی ایک حدیث پر علمی اعتراض کا جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
بعد از سلام مسنون!

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کی ایک عبارت اور "فضائل درود" مصنفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے ایک حدیث میں اپنے اشکالات درج کر رہا ہوں، وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ "تعلیم الاسلام" حصہ چہارم میں شرک فی الصفات کی قسمیں بیان کرتے ہوئے نمبر ۳ پر لکھتے ہیں:

"شرک فی السمع والبصر یعنی خدا تعالیٰ کی صفت سمع و بصر میں کسی دوسرے کو شریک کرنا، مثلاً یہ اعتقاد رکھنا کہ فلاں پیغمبر یا ولی ہماری تمام باتوں کو دور و نزدیک سے سن لیتے ہیں یا ہمارے کاموں کو ہر جگہ سے دیکھ لیتے ہیں صفت شرک ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ دور و نزدیک سے تمام باتوں کا سننا خدا تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے جس میں کوئی غیر شریک نہیں۔ اور "فضائل درود" کی فصل اول میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے حدیث نمبر ۹ یہ نقل کی ہے۔

"اللہ جل شانہ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کر رکھا ہے جس کو ساری مخلوق کی باتیں سننے کی قدرت عطا فرما رکھی ہے۔ پس جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک درود بھیجتا ہے تو وہ فرشتہ مجھ کو اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر درود پہنچاتا ہے کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اس نے

آپ پر درود بھیجا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرشتہ خدا تعالیٰ کی صفت سمع میں شریک ہے کہ دور و نزدیک سے ہماری تمام باتوں کو سنتا ہے۔ فرض کرو یہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع ہے، تب بھی اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کے نزدیک غیر اللہ میں یہ قوت ماننا شرک نہیں۔ ورنہ وہ کتاب میں صحیح ہی ذکر کرتے اور اگر کہا جائے کہ مفتی صاحب کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ ذاتی طور پر کسی غیر اللہ کو دور و نزدیک سے تمام باتوں کے سننے کی قوت حاصل نہیں لیکن عطائی طور پر ممکن ہے۔ اور حدیث میں عطائی قوت کا ہی ذکر ہے، تو پھر اشکال یہ ہے کہ آج کل کے قبر پرست بھی تو یہی کہتے ہیں کہ ہم انبیاء اور اولیاء کے لئے عطائی طور پر یہ قوت مانتے ہیں کہ دور و نزدیک سے وہ ہماری تمام باتوں کو سن لیتے ہیں۔ ان کا کیا قصور ہے؟ کہ ہم انہیں مشرک کہتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا عقیدہ بلا دلیل ہے۔ لہٰذا غلط ہے، لیکن اس عقیدہ کو شرک نہیں کہہ سکتے۔ شاید آپ فرمائیں کہ وہ عطائی تو مانتے ہیں لیکن اس عطائی قوت میں انبیاء و اولیاء کو مستقل اور مختار سمجھتے ہیں جو شرک ہے۔ تو پھر عرض یہ ہے کہ مستقل اور مختار ہونے کا مطلب واضح فرمائیں کیونکہ ایک اعتبار سے تو ہم اپنے تمام اختیاری افعال میں مستقل اور مختار کہلاتے ہیں۔ حالانکہ ہم ادنیٰ سی حرکت میں بھی ارادہ الٰہی کے محتاج ہیں۔ بغیر ارادہ و مشیت الٰہی کے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

لہٰذا اشکال کو اتنی تفصیل سے اس لئے لکھا ہے تاکہ جواب منقح ہو اور شرک فی الصفات کی جامع مانع تعریف سمجھ آجائے۔ جواب الجواب کی نوبت نہ آئے۔

الجواب ۱: اس حدیث میں ایک غیر معروف اور ایک مختلف فیہ راوی ہے۔ چنانچہ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۸۰ میں ہے۔

قال الحافظ رواه كلاهما عن نعيم بن ضمضم وفيه خلاف عن عمران بن الحميري ولا يعرف اهـ۔

۲: مراجعت کتب سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں صحیح الفاظ اسماء الخلائق بالہمزہ ہے جو اسم کی جمع ہے اور اسماع الخلائق بالعین نہیں ہے جو کہ سمع کی جمع ہے۔ چنانچہ ترغیب جلد ۲ ص ۲۸۰ مطبعة ادارة الطباعة المنيرية مصرية میں ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اور ترغیب کے ایک دوسرے نسخے میں بھی ایسے ہی ہے۔ نیز حاشیہ میں اس کا معنی بھی یہ کیا گیا ہے۔

اسمه الاعتماد عليه رجل ثانيا وعرفه اسماء الناس لتبليغ النبي صلى الله عليه وسلم اهـ

اور آخر حدیث کے یہ الفاظ صلی علیک فلان بن فلان بھی اسماع بالہمزہ کے مؤید ہیں۔
اگر کسی نسخہ میں اسماع[۱] بالعین ہے تو یہ واللہ اعلم تصحیف ہے پس صحیح الفاظ کے مطابق آپ کا اشکال حدیث
پر وارد نہیں اور لفظ اسماع بالعین کی تقدیر پر بھی بظاہر ترجمہ بنتا ہے کہ مخلوق (انسانوں) کی مجموعی قوت سماعت
اس فرشتہ کو عطا ہوئی جس کے ذریعہ وہ درود سنتا ہے اس میں بھی کوئی خاص اشکال نہیں۔ کیونکہ ان کی
قوت سماعت خداوند قدوس جل وعلا کی غیر محدود، محیط، ازلی ابدی سمع کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں رکھتی
جو سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ کے کروڑویں حصے کو ہو سکتی ہے، شرکت و مساوات چہ معنی؟
فرشتہ کی یہ قوت سماعت ہے جیسے عام انسانوں میں فرق صرف قلت و کثرت کا ہے اللہ پاک جب کسی مخلوق
میں محدود قوت پیدا فرما دیں جو اس کے فرض منصبی کے لئے ضروری ہو تو اس میں کچھ استبعاد نہیں بلکہ الوہیت
کو اپنی ڈیوٹی کی ادائیگی کے لئے جس وسیع علم و تصرف کی ضرورت تھی وہ ان کو عطا ہوئی یہ شرک نہیں جب
اس فرشتہ کی تخلیق استماع درود شریف کے لئے ہوئی ہے تو اسے ایسی قوت سماعت عطا کرنا بھی ضروری
تھا۔ تقریب فہم کے لئے دور حاضر کے محیر العقول آلات و ایجادات کو بطور نظیر پیش کیا جا سکتا ہے کہ ہزاروں میل
دور بات کہی اور سنی جا سکتی ہے۔ عربی نشر ہونے والی خبریں آپ کا ریڈیو یہاں پکڑ لیتا ہے اور آپ کو سناتا
ہے خداوند قدوس نے قبر نبوی پر اگر ایسے ڈیوٹی پر مستقل فرشتہ مقرر کر دیا جو سب انسانوں کے درود شریف کو
سن کر پہنچا دے تو اس میں کیا استبعاد ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے غیبی نظام میں متحرک خلائی ریڈیو اسٹیشن
کا وجود بھی کوئی قابل انکار چیز نہیں۔ خصوصاً حدیث میں وارد ہے کہ

ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام۔

---

[۱] الترغیب للمنذری میں صفحہ مذکورہ پر صرف ایک جگہ اسماع بالہمزہ ہے جو غلط ہے۔ اس کے نیچے اسی صفحہ
پر اسماع بالعین ہے۔ اور بزار سے جو "مجمع الزوائد: ج ۱۰ ص ۱۶۲" پر نقل کیا ہے وہ بھی بالعین
ہے۔ حافظ ابن القیم رح نے "جلاء الافہام ص ۵۰، ۵۱" پر ابو الشیخ اصبہانی اور معجم طبرانی سے بھی حدیث
عمار رض نقل کی ہے۔ اس میں بھی اسماع بالعین ہے۔ اور ایک روایت دوالی سے صفحہ ۵۵ پر بلفظ
سمع العباد نقل کی ہے۔ لہذا احتمال غلطی کتابت کا نہیں۔ البتہ اسماع معروف کا معنی سمجھ میں نہیں آتا۔

الا ان یقال انہ بمعنی مستمعا لہم واللہ اعلم۔

ملخص از مکتوب حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب مدظلہم مقیم مدینہ منورہ۔

اور اگر بلا واسطہ لہروں کے ذریعہ ہی فرشتہ (موکل بالقبر الشریف) درود شریف کی آواز کو حاصل کرتا ہو تو یہ بھی خارج از امکان نہیں۔ کیونکہ جو ریڈیو کسی کے ذہن پر چھائی ہے تو اس کے آلات بھی ایسے بنائے جاتے ہیں۔ خاص میں استبعاد ہے نہ شرک۔ وائرلیس کا نظام بھی قابل توجہ ہے۔ واضح رہے کہ پوری فضاء میں ایک خدائی ٹیپ ریکارڈ موجود ہے جو ایک ذرہ کی دوسری جگہ منتقلی کی آہٹ بھی ریکارڈ کر رہا ہے اور ایک آواز کو دوسری آواز سے خلط ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد حضرت شیخ الحدیث رہ کے ترجمہ پر بھی اشکال باقی نہیں رہتا۔ نیز اس ترجمہ کا خط کشیدہ جملہ قضیہ مہملہ ہے جو قضیہ جزئیہ کے حکم میں ہے۔ تو حاصل ترجمہ یہ ہوگا کہ انسانوں کی بعض باتیں مثلاً درود شریف سننے کی طاقت عطا فرما رکھی ہے اور "تعلیم الاسلام" کا خط کشیدہ جملہ قضیہ کلیہ ہے فافہم۔

ہاں اشکال ہو سکتا ہے کہ کسی نبی ولی کے لئے بھی دور و نزدیک سے بعض باتیں مثلاً درود کے غیب سے سننے کی قوت مان لی جائے تو کیا یہ شرک نہ ہوگا!

تو جواب یہ ہے کہ علی الدوام ہر انسان کی ایسی باتیں سننے کی قوت ماننا بھی شرک ہو سکتا ہے کیونکہ یہ سماع و قوت، فوق الفطرت و خلاف عادت ہے۔ اللہ پاک نے انسان کو ایسا پیدا نہیں کیا۔ دور و نزدیک کی بات سن سکیں، تو بطور خرق عادت (کرامت و معجزہ) گاہ گاہ ایسا ہونے کا فی الجملہ امکان ہے۔ لیکن علی الدوام نہیں۔ اور فرشتہ (موکل بالقبر الشریف) کو پیدا ہی ایسا کیا ہے تو ایسا سماع جبلی گویا اس کی عادت ہے نہ کہ خرق عادت۔

حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کے لئے ذاتی علم یا سماع یا محیط کل شیئی یہ علی الاطلاق شرک ہے! اور عطائی وجزئی سماع، دو حال سے خالی نہیں تحت العادت ہے یا خرق العادت، پھر دوامی ہے یا وقتی طور پر ثابت کیا جائے تو یہ اس استبعاد سے شرک ہوگا کہ دور و نزدیک سے علی الاطلاق سننا جو خاصہ خداوندی ہے، اس میں انسان کو شریک کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ انسان کو ایسا علم و سماع عطا نہیں ہوا تو بدون تخییل خداوندی کے مخلوق میں ایسا وسیع علم و سماع تسلیم کرنا اشتراک ہے۔ اسی کی روشنی میں فقہاء کے جزئیات ذیل کو سمجھنا بھی آسان ہے۔

وفی البزازیۃ قال علماؤنا من قال ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر۔ (بحر الرائق ج ۵)

وتزوجہ بشہادۃ اللہ ورسولہ ایضاً (ج ۵ ص ۱۳۰)

وھکذا فی الہندیۃ رجل تزوج امرأۃ ولم یحضر الشھود قال خدائے را ورسول را گواہ کردم یکفر۔ ج ۲ ص ۲۹۳۔

علم مذکورہ کو کفر و شرک بتلایا گیا ہے۔ حالانکہ اس میں علم کلی یا علم ذاتی کا اثبات نہیں بلکہ یہی تو قطعیہ میں ہے۔ کوئی صفت، صفات حق تعالیٰ کی بندہ میں نہیں اور جو کچھ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطا فرماتے ہیں اس سے زیادہ کسی میں ہونا ہرگز ممکن نہیں جیسے کہ جس قدر علم و قدرت وغیرہ عطا فرمایا ہے اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرہ برابر نہیں بڑھ سکتا۔ اھ

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

سنن طحاوی کی ایک عبارت سے تقیہ پر جواز کے استدلال کا جواب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل عبارت کہ اس سے شیعہ حضرات کی تقیہ بازی کی تائید ہوتی ہے۔ آیا یہ قول کسی کا الحاقی ہے یا امام طحاوی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ براہ کرم مختلف نسخوں سے مطابقت کے بعد جواب باصواب سے مستفید فرمائیں۔ عبارت یہ ہے۔

عن عکرمۃ انہ قال کنت مع ابن عباس رضی اللہ عنہ عند معاویۃ رضی اللہ عنہ فتحدثنا حتی ذھب ھزیع من اللیل فقام معاویۃ فرکع رکعۃ واحدۃ فقال ابن عباس رضی اللہ عنہ من تری اخذھا الحمار حدثنا ابو بکرۃ قال ثنا ابو داؤد قال ثنا عمران بن حدیر عن عکرمۃ مثلہ الا انہ لم یقل الحمار وقد یجوز ان یکون قول ابن عباس من تری اصاب معاویۃ رضی اللہ عنہ علی التقیۃ ای اصاب فی شیء واحد لانہ کان فی زمنہ ولا یجوز عندنا۔ (طحاوی شریف ج ۱ ص ۱۷۱)۔

کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کوئی شخص حق بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی بھی تقیہ کر کے وقت گزارتے تھے اور یہی بات شیعہ کہتے ہیں۔ نیز مودودی نے بھی تجدید و احیائے دین میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ کوئی آدمی اس زمانہ میں حق بات نہیں کہہ سکتا تھا۔

الجواب مذکورہ حدیث درج ذیل امور کی بنا پر قابل استدلال نہیں۔

۱: عمران بن حدیر نے اسی حدیث کو عثمان بن عمر سے روایت کیا ہے۔ لیکن اس میں حمار کا لفظ موجود نہیں جیسا کہ روایت لاحقہ میں ہے۔ معلوم ہوا کہ حمار کا لفظ روایت میں ثابت نہیں کسی راوی کی طرف سے شاید اضافہ ہوا ہے ورنہ عمران کا دوسرا شاگرد عثمان بھی اسے ضرور نقل کرتا۔

۲: اس روایت کی سند میں متکلم فیہ راوی موجود ہیں۔ ابو عثمان مالک بن یحییٰ کے متعلق علامہ

ذہبی رح فرماتے ہیں۔

فتکلم فیه ابن حبان وقال فی حدیثه نظر۔ (میزان، ج ۲، ص ۴)۔

دوسرا راوی عبدالوہاب بن عطاء بھی ضعیف ہے۔ علامہ ذہبی رح نے امام احمد رح سے نقل کیا ہے۔

انه ضعیف الحدیث مضطرب۔ وقال النسائی لیس بالقوی وایضا قال متروک الحدیث۔

اس لئے حمار کا لفظ پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچتا۔

۳: اگر لفظ حمار کو ثابت بھی مان لیں، تو ممکن ہے کہ حمار ترکیب میں منادی ہو اور اس کا مصداق مخاطب ہے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالے عنہ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ احمق تو کیا سمجھتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رض نے یہ کہاں سے لیا ہے، حضور علیہ السلام ہی سے لیا ہے۔ اب یہ حضرت امیر معاویہ رض کی گویا تصویب ہے ایتار برکعت پر اعتراض کرنے والے کو ڈانٹ دیا ہے۔ مذکورہ توجیہ کے بعد مذکورہ روایت دیگر روایات صحیحہ کے عین مطابق ہو گئی۔

اوتر معاویة رض برکعة کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہما کا فرمان مختلف طرق سے مروی ہے۔

عن عطاء قال ابن عباس رض اصاب معاویة رض (طحاوی) اصاب السنة (ابن ابی شیبه)۔ فقال انه قد صحب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم (بخاری) وفی طریق نافع بن عمر عنه قال اصاب انه فقیه (بخاری) احسن انه فقیه (دارقطنی) ومن طریق قتیبه بن محمد عنه نحوه وزاد اصاب الی قوله لیس احد منا اعلم من معاویة رض۔ (دارقطنی)

مذکورہ بالا جملہ روایات سے سائل کا تخطیہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالے عنہ کی تصویب واضح طور پر ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے مذکورہ روایت حمار والی تاویل ناگزیر ہے تاکہ روایات صحیحہ کے موافق ہو جائے ورنہ اسے دیگر صحیح روایات کے مقابلہ میں شاذ و منکر قرار دیا جائے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایتار برکعت کی توجیہ ہو سکتی ہے کہ دو رکعتیں پہلی پڑھ لی ہوں اور ایک رکعت اس وقت پڑھ لی ہو اور وصل کو ضروری نہ سمجھتے ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالے عنہ کے فعل کی توجیہ بھی امام طحاوی رح نے بیان کی ہے۔ علامہ عینی رح (عمدۃ القاری) وکذا فی امانی، ج ۲، ص ۲۵۲ و قد یجوز ان یکون قول ابن عباس رض اصاب

معاویۃ رض علی التقیۃ الخ۔

اس سے تقیہ شیعی مراد نہیں بلکہ توریہ مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رض کی دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض تھا اس لئے امام طحاوی دفع تعارض کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصاب کہنا توریہ کے طریق سے تھا۔ یعنی ایتار برکعۃ میں تصویب مقصود نہ تھی بلکہ کسی اور بات میں تصویب کی ہے مخاطب نے ایتار برکعۃ میں تصویب سمجھ لی۔ چنانچہ امانی الاحبار میں ہے۔

وھذا من باب الایھام والتوریۃ۔ (ج ۴: ص ۲۵۲)۔

وقال فی المنتخب ای علی اختیار مثلہ لاجل معاویۃ یعنی دفعاً عنہ ما یعیب بہ ذالک الرجل علیہ حتی یمتنع من ان یعیب علیہ۔

(امانی الاحبار، ج ۴: ص ۲۵۲)۔

صاحب منتخب کی کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ سے اہل تشیع کا تقیہ مراد نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدافعت مقصود ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رح نے اعلاء السنن میں اصاب معاویہ رض کی ایک اور توجیہ پیش فرمائی ہے

۔ اصاب انہ فقیہ معناہ اصاب فی زعمہ لانہ مجتہد واراد بذلک زجر التابعین اصغار عن الانکار علی الصحابۃ الکبار لا سیما علی الفقہاء المجتہدین منہم فان کل مجتہد مصیب فی زعمہ وھو یستحق الاجر علی اجتہادہ وان کان مخطئاً فی نفس الامر و یدل علی ارادۃ الزجر قولہ دعہ فانہ قد صحب۔

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں۔

وھذا اولیٰ من قول الطحاوی وقد یجوز ان یکون قول ابن عباس رض اصاب معاویۃ رض علی التقیۃ لہ الخ (اعلاء السنن، ج ۶ ص ۲۳)

علامہ عثمانی رح نے اپنی توجیہ کو اولیٰ اور راجح قرار دیا ہے۔ امام طحاوی رح کی کلام میں تقیہ سے مراد اہل تشیع والا تقیہ نہیں اولاً اس لئے کہ امام طحاوی رح نے " اصاب ای فقیہ " لکھ کر اپنی مراد کو واضح کر دیا کہ اس سے مراد توریہ ہے۔ ثانیاً شارح طحاوی رح نے بھی لفظ تقیہ سے توریہ ہی سمجھا ہے جیسا کہ امانی میں فرماتے ہیں۔

وھذا من باب الایھام والتوریۃ (ج ۴: ص ۲۵۲)۔

ثانیاً ۔ اس لئے کہ روافض کا قصہ کذب کے مترادف ہے ۔ حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف اس کی نسبت وصف عدالت کے منافی ہے ۔

ثالثاً : اس لئے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایسا جبر و تشدد ہرگز نہ تھا کہ کسی کو حق بات کہنے کی بھی جرأت نہ ہو دو ایک مختلف فیہ مسئلہ میں ۔ ایسے جبر و تشدد کا دعویٰ وہی شخص کر سکتا ہے جو تاریخ سے بے خبر ہو ۔ کیونکہ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بردباری ضرب المثل ہے ۔ کیونکہ حلم حبیب کریم کا تاج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان کے سر کی زینت بن چکا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ :

" معاویۃ احلم امتی واجودھا " (حیاۃ الاسلام : ص ۱۵) ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی کا حلم ان کے غضب پر غالب تھا اور سخاوت بخل پر غالب تھی ۔ (العقد الفرید : ج ۳ ص ۳۲۵)

عرب کا مشہور شاعر اخطل حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اپنے خیال ان الفاظ میں کرتا ہے ۔ وطئت لنا دینی بمعصم حلمک ان الصغرت صفا ما حلاجھا ۔

حضرت معاویہ رضی میں وصف حلم اتنا کامل داخل تھا کہ عرب دنیا کا سب سے بڑا مورخ مستشرق ہٹی لکھتا ہے کہ

" عرب مورخین کے نزدیک حضرت معاویہ رضی کی سب سے بڑی خوبی حلم و بردباری تھی ۔

(ہسٹری آف دی عربز : ص ۱۹۰ ، ۱۹۱)

مذکورہ بالا عبارات اور اس کے علاوہ دیگر شہادات کی موجودگی میں یہ کہنا بظاہر مشکل بلکہ غلط ہے کہ ان کے وقت میں جبر و تشدد کی وجہ سے کوئی اظہار رائے نہیں کر سکتا تھا خصوصاً مسائل مختلف فیہ میں ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان

ما یتعلق
بالانبیاء والصلحاء

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی معروف طریقہ پر ہوئی ہے

س ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی راستہ سے پیدا ہوئے جس سے ہم تم پیدا ہوئے اور اس سے آسان تر اور کون سا ہے۔ شریعت مطہرہ مقدسہ اس پر کیا حکم لگاتی ہے۔

الجواب آنحضرت علیہ السلام کی ولادت شریفہ بھی معروف طریقہ پر ہی ہوئی ہے۔ البتہ کیفیت ولادت سے اس طرح بحث کرنا سوء ادبی ہے۔ فقط

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: محمد صدیق غفرلہ رئیس مدرسہ ہذا۔ ۱۴ - ۴ - ۱۳۹۹ھ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ چاک ہونے کی تحقیق

س جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اقدس کو چیر کر اندر کے حصہ کو دھونے اور پھر رکھ کر سینے کا ذکر متعدد کتب میں لکھا ہے۔ کیا کسی اور نبی کا سینہ بھی اسی طرح چاک کیا گیا تھا؟ اور اس طرح چیرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کنت نبیا و ادم بین الماء والطین" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لولاک لما خلقت الافلاک" ظاہر ہوا کہ حضور علیہ السلام روز ازل سے ہی نبی تھے۔ اور جب نبی تھے تو یقیناً پاک بھی ہوں گے۔ پھر سینہ کس لئے چیرا گیا۔ اگر الم نشرح لک صدرک کا مطلب سینہ چیرنا ہے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی خدا کے حضور عرض کی تھی۔ رب اشرح لی صدری۔ مگر یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی سینہ چاک کر کے دھویا گیا۔ اور سیا گیا۔ براہ کرم اس روایت پر روشنی ڈالیں۔

الجواب شق صدر کی روایات صحیح ہیں۔ امام بخاریؒ و امام مسلمؒ وغیرہما نے اپنی اپنی کتابوں میں ان روایات کو نقل فرمایا ہے۔ پس توہمات ذہنیہ کی بنا پر انکار کرنا خلاف تحقیق و منافی دیانت امر ہے۔ دلائل سے جب اس کا وقوع ثابت ہے تو صرف اس بنا پر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی ضرورت ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ واقعہ تو ہو چکا ہماری سمجھ میں آئے تو بھی اور نہ آئے تو بھی۔ روز مرہ کی زندگی میں بھی بعض واقعات ایسے پیش آجاتے ہیں کہ عقل انسانی ان کی ضرورت کی قائل ہوتی ہے اور نہ ان کی کوئی توجیہ کر پاتی ہے۔ لیکن عقل انسانی کی اس درماندگی سے واقعہ کے ہو جانے پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ یہ ہونا اس کے نہ ہونے سے تو نہیں بدلا جا سکتا ہے۔

الف: اس میں اختلاف ہے کہ شق صدر آنحضرت علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص ہے یا دیگر انبیاء

علیہم السلام کا بھی شق صدر ہوا۔

واختلف ھل کان شق الصدر وغسلہ مختصا بہ او وقع لغیرہ من الانبیاء وقد وقع للطبرانی فی قصۃ تابوت بنی اسرائیل انہ کان فیہ الطست التی یغسل فیہ قلوب الانبیاء وھذا مشعر بالمشارکۃ۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۳)۔

ب: حضرت بروایت صحیح مسلم یہ ہے

فاستخرج القلب فاستخرج منہ علقۃ الحدیث (ج ۱ ص ۳۲۳)

قلب مبارک دھویا گیا اور اس میں ایمان و حکمت بھر دیا گیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

ثم جاء بطست من ذھب ممتلئ حکمۃ و ایمانا فافرغہا فی صدری۔

(رواہ مسلم فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۴)۔

اور یہ اعتراض لغو ہے کہ جب آپ پاک تھے تو سینہ کس لئے چیرا گیا۔ قلب پاک ہی میں تو ایمان و حکمت بھرا جاتا ہے۔ نیز پاکی کے بے شمار مراتب ہیں۔ ہر پاکی سے اعلیٰ و بالا اور کمال اور پاکیزگی ہے۔ کمالات کے مراتب غیر متناہی ہیں۔ ہر مرتبہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید علو و رفعت عنایت فرمائی جاتی ہے۔ لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سابقہ طہارت اس نظافت کے خلاف نہیں۔ جیسے کمالات معراج آپ کے سابقہ کمالات کے منافی نہیں اور نہ ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی ذات گرامی معراج سے قبل کمالات سے خالی تھی العیاذ باللہ۔

لولاک لما خلقت الافلاک کے الفاظ حدیث صحیح کے الفاظ نہیں بلکہ مضمون صحیح ہے اور اس کا کسی حدیث سے تعارض نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۸/۷/۱۳۸۹ھ

حق تعالیٰ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا معنی

اللہ تعالیٰ کس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں وہ الفاظ صحیح حدیث سے بیان فرمائیں۔

الجواب ہماری طرف سے درود شریف کی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رحمت خاصہ کے نزول کی اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے درود کے یہ معنی ہیں

کہ حق جل شانہ اپنی رحمت خاصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرماتے ہیں۔ پس انسانوں کے درود کے لئے الفاظ کی حاجت ہے اور اللہ تعالیٰ کے درود کے لئے الفاظ کی حاجت نہیں۔ لہذا یہ سوال غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کے درود شریف کے الفاظ کون سے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۵ / ۲ / ۱۳۸۸ھ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے حقوق کی تفصیل

بعض واعظ حضرات اپنی تقریروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی نسبی شرافت کا بزور انکار کرتے ہیں اور آپ کی وجہ سے جو اہل بیت کرام کی تکریم ہے اس کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ اگر کسی سید موصوف سے معصیت کا ارتکاب ہو جائے تو اس کیلئے عام اجلاس میں کنجر، سکھ وغیرہ کے الفاظ مذمومہ خود بھی استعمال کرتے اور سامعین کو بھی مذکورہ الفاظ استعمال کرنے کو کہتے ہیں۔ کہ سادات کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبی تعلق بالکل مفید نہیں ہے۔ تمام تر دارومدار عمل صالح پر ہے۔ اور حتی کہ صاف کہتے ہیں کہ ہمارا سید شاہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور ہم پر ان کا کوئی احترام و تکریم ضروری نہیں ہے۔ ہم تو دین کے ہیں۔ سین (سید) شین (شاہ) کے نہیں۔ اور صاف کہتے ہیں کہ بھائی خاندان نبوی سے تعلق رکھنا کوئی حکم شرعی نہیں۔

خلاصہ ان کی کلام کا یہ ہے کہ سید بحیثیت سید ہونے کے کوئی مستحق تکریم نہیں محض عمل ہی سبب تعظیم ہے۔ بغرض اہل بیت کرام کی محبت ان حضرات کی تقریروں سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ اور اپنے خیال کے مؤیدات پیش فرماتے ہیں جن میں بعض حسب ذیل ہیں۔ مثلاً بعض وقت ابولہب و ابوجہل، کنعان و آزر کے قصص بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے اسلام ہی قبول نہیں کیا۔ اور لوگوں کو کہتے ہیں کہ دیکھو کنعان کو نوح علیہ السلام کے خاندان نبوت سے ہونے نے اور ابولہب وغیرہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی فائدہ نہ دیا۔

اور بعض اوقات آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں مثلاً سورۃ والعصر پڑھتے ہیں۔ حالانکہ خسر کا تعلق محض ایمان و عمل صالح سے ہے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ جمیع اعمال صالحہ کے ساتھ ہے یا بعض کے ساتھ اگر بعض کے ساتھ ہے تو پھر حضرات واعظین بھی خسر میں ہیں۔ اور الفاظ کنجر سکھ وغیرہ کے مستحق ہیں تو پھر سیدوں کی تخصیص کیوں۔ اور بھی آیات مثل یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی الخ وغیرہ پڑھتے ہیں۔

اور کبھی حدیث " اعمل " پیش کرتے ہیں ۔ غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانی شرف کے ختم ہونے کے واسطے جو آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں ۔ ان کا تعلق مجموعہ ایمان و عمل کے منتفی ہونے سے ہے ۔ ایمان کے بعد شرف نسبی منتفی ہونے پر کوئی آیت بطور دلیل نہیں لاتے ۔

اب مطلب یہ ہے کہ خاندان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبی شرافت اسلام لانے کے بعد ہے یا نہیں ؟ باتفاق علماء اگر جواب نفی میں ہے تو نفی کے صحیح دلائل کیا ہیں ! اور پھر جن میں نسبی شرافت کا ثبوت ملتا ہے جو حسب ذیل ہیں ان کا کیا جواب ہے ۔

۱ : بخاری میں کتاب التفسیر قوله الا المودة فی القربی عن ابن عباس کے تحت حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری و تحریر فرماتے ہیں ۔ قربی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم فحمل الآية على امر المخاطبين بان يودوا اقاربه صلى الله عليه وسلم وهو عام لجميع المكلفين الخ

۲ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے نسب منقطع ہو جائیں گے مگر میرا نسب منقطع نہیں ہوگا ۔ (نقل از مرقات حاشیہ مشکوٰۃ) جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر رشتہ کیا ۔

۳ : مسئلہ زکوٰۃ و کفو میں متقی و فاسق کا کوئی فرق نہیں اس سے فقہاء کرام کا نسبی شرافت کو باقی رکھنا معلوم ہوتا ہے ۔

۴ : حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نابالغی کی حالت میں فوت ہو چکے ہیں عدم شرافت نسبی کے ماتحت عام کلیہ کی بناء پر آجائیں گے کہ اعراف میں ہوں گے یا فقدام ۔ حالانکہ حدیث سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے ۔ وغیرہ وغیرہ الی الدلائل العشرة جن میں شرافت نسبی کا ثبوت ملتا ہے

الجواب اہل بیت کرام کی محبت و اتباع میں اس درجہ غلو کر شریعت مطہرہ کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے رفض و تشیع ہے اور ان سے بغض و دشمنی باعث خسران اور علامت خروج ہے پس اعتدال واجب ہے جو کہ اہل السنۃ والجماعت کا مسلک حق ہے ۔ لہذا اس کی قدرے تفصیل ستفاز عدفیہ امور کے بارے میں کی جاتی ہے ۔ امور مذکورہ کی تنقیح یہ ہے ۔

۱ : اہل بیت کرام کی نسبی شرافت شرعاً معتبر ہے یا کہ نہ ۔

۲ : اگر معتبر ہے تو اہل اسلام کو اس کی رعایت کے بارے میں شارع علیہ السلام کی طرف سے

کیا ہدایات دی گئی ہیں اور اہل بیت کرام کے کیا حقوق ہیں؟

۳ ۔ اور معصیت کی وجہ سے ان کے حقوق پر کوئی اثر پڑتا ہے یا کہ نہیں؟

تنقیحات بالا کا جواب نمبروار درج ذیل ہے۔

۱ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور آپ کی آل کی نسبی شرافت کا بعض احکام میں شرعاً اعتبار کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ نحن اھل بیت لا تحل لنا الصدقۃ۔ بخاری (بحس ج ۲ ص ۹۰۹)۔ نیز ارشاد فرمایا ان اللہ حرم علیکم یا بنی ھاشم غسالۃ ایدی الناس۔ تمام امت کے لیے زکوٰۃ کا مال لینا درست ہے (بشرط فقر) خواہ وہ کسی خاندان سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔ لیکن خاندان نبوت اور آپ کی آل کے لئے یہ مال حرام قرار دیا گیا ہے۔ مخفی نہیں کہ یہ مسئلہ تمام فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ پس فقہاء کرام کی کلام سے اس بارے میں اقتباسات نقل کرنا تحصیل حاصل ہے البتہ بطور نمونہ ایک عبارت "بدائع" سے نقل کی جاتی ہے۔ تحریم صدقہ کی احادیث نقل کرنے کے بعد اس کی علت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں۔

والمعنی ما اشار الیہ انہا من غسالۃ الناس فیتمکن فیہا الخبث فصان اللہ تعالیٰ بنی ھاشم عن ذلک تشریفا لہم واکراما (ج ۲ ص ۴۹)

مسئلہ کفاءت میں بھی شرافت النسب اور اس کی دناءت کا الگ اعتبار کیا گیا ہے کما لا یخفی۔ نیز امامت کے حق اولیٰ ہونے میں بھی ایک درجہ کے اندر فقہاء نے شرافت نسب کا اعتبار کیا ہے کما فی در مختار، شامی (ج ۱ ص ۵۵۷)۔ پس معلوم ہوا کہ شرافت نسب کا بعض احکام میں شرعاً اعتبار کیا گیا ہے۔

۲ ۔ اہل بیت نبوی کے یہ حقوق ہیں کہ ان کے ساتھ محبت رکھی جائے۔ مشکوٰۃ میں ہے کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احبوا اللہ لما یغذوکم من نعمہ واحبونی لحب اللہ واحبوا اھل بیتی لحبی (رواہ الترمذی)

حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی ایک دوسری نفسیاتی وجہ بھی ہے جس کی طرف حدیث بالا میں اشارہ موجود ہے۔ وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا مامور بہ ہونا اور آپ کا تمام امت کے لئے محبوب ہونا اظہر من الشمس ہے۔ تو اس محبت کی وجہ سے آپ کے متعلقین اور آپ کی آل کا محبوب ہونا ایک طبعی تقاضا ہے اور ایک ضروری امر ہے کہ

جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کے در و دیوار اور گلی کوچوں تک سے اُنس و محبت کا تعلق ہو جاتا ہے۔ پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محبوب امت ہیں تو آپ کی آل کا محبوب ہونا بھی لازم ہے یعنی آپ کی آل سے لازمی طور پر محبت ہونی چاہئے۔ تو ایک حق یہ ہوا کہ ان سے محبت رکھی جائے۔

۲: اہل بیت کا دوسرا حق یہ ہے کہ معاشرت میں ان کے ادب و احترام کا خصوصی لحاظ رکھا جائے۔
حدیث میں ہے۔

انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی الخ

کی شرح میں ملا علی قاری ؒ لکھتے ہیں۔ والمراد بالاخذ بهم التمسك بمحبتهم ومحافظة حرمتهم الخ وقال ابن المبارك ومعنى التمسك محبتهم والاهتداء بهديهم وسيرتهم زاد السيد جمال الدين اذا لم يكن مخالفا للدين الخ (مرقاۃ ج ۵ ص ۶۰۰ طبع قدیم)

۳: شارحین کی مذکورہ بالا عبارات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محافظت احترام کے علاوہ اہل بیت کا تیسرا حق یہ بھی ہے کہ ان کا اتباع بھی کیا جائے جب کہ وہ دین کے مخالف نہ ہوں۔

۴: ان کا چوتھا حق یہ ہے کہ ان کو ایذا دینے سے خصوصیت کے ساتھ بچا جائے۔ البتہ شرعی ضرورت کی صورتیں اس سے مستثنیٰ ہوں گی۔ اور حدیث اذکرکم اللہ فی اہل بیتی الخ کی شرح میں ملا علی قاری ؒ نقل کرتے ہیں۔ قال الطيبي اي احذركم الله في شان اهل بيتي واقول اتقوا الله ولا تؤذوهم واحفظوهم الخ

اسی طرح اہل بیت کی فضیلت اور ان سے تعلق رکھنے کی ضرورت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال کے ذریعہ واضح فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ:

" الا ان مثل اهل بيتي فيكم مثل سفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها هلك (رواه احمد)۔

اس حدیث سے مراد بھی یہی ہے کہ اہل بیت کی محبت اور متابعت کو لازم پکڑا جائے۔ کمالا یخفیٰ پس تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ خانوادۂ نبوت بہت سے فضائل کا حامل ہے اور ان کے خصوصی حقوق امت کے ذمہ ثابت ہیں۔

۳: "کیا ان کی معصیت ان کے حق پر اثر انداز ہوتی ہے؟ یعنی اگر ان سے کوئی گناہ صادر ہو جائے تو اہل اسلام کے ذمہ نہ تو ان کی محبت کا حکم باقی رہے اور نہ ان کی توقیر و تعظیم وغیرہ کا۔ کیا ایسا ہوگا

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان کی معصیت سے ان کے حقوق امت کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوں گے۔ قواعد شرعیہ اور اکابر کی کلام سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر مطلق معصیت کو مسقط حقوق کہا جائے تو کون سا انسان ہے باستثناء انبیاء علیہم السلام جس سے معصیت کا صدور نہیں ہوتا۔ اور اہل بیت سے نبی کوئی ہوا نہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اہل بیت کا امت کے ذمہ کوئی حق نہیں۔ حالانکہ یہ خلاف منصوص ہے۔ اور اگر معصیت میں کوئی تحدید وتعیین کی جائے تو اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے جو اس وقت تک ہمارے علم میں موجود نہیں لہٰذا اہل بیت سے محبت اور ان کا اکرام و احترام باوجود صدور معصیت کے بھی مامور بہ ہوگا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حکیم ترمذی سے نقل کیا ہے کہ نسبت طینی کا احترام باقی رہنا چاہیے اگرچہ نسبت دینی میں کمزوری ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔

"ہر کہ جامع این دو صفت است و نسبت دینی را با نسبت طینی جمع کرد اُمید اتم و اکمل شد از غیر خود چنانچہ ائمہ اہل بیت کہ جامع اند میان علم و سیادت و ولایت و با وجود آں رعایت ادب و تعظیم و تقدیم و ادائے حقوق نسبت طینی واجب و لازم است هکذا قال الحکیم" (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۶۹۶)۔

اور اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ شریعت نے ہر شخص کو اپنی ذمہ داریوں کا مکلف بنایا ہے۔ ترک معصیت ان کی ذمہ داری ہے اور ادائے حقوق امت کے ذمہ واجب ہے۔ تو ان کی تقصیر سے ہماری کوتاہی قابل عفو نہیں بن جاوے گی۔ تعلیمات شرعیہ سے یہی ظاہر ہے۔ چنانچہ اولاد و والدین، صدیق و رب المال، مولاۃ و والی وغیرہ کے لئے باہمی حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں شارع علیہ السلام نے اس قسم کی ہدایات دی ہیں کہ ہر فریق کو اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اگرچہ فریق ثانی اس کے زعم میں ظلم ہی کر رہا ہو۔ اس صورت میں البغض فی اللہ جو مامور بہ ہے اس پر عمل کرنے کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ قلب میں ان کے اہل بیت اور مومن ہونے کی وجہ سے محبت و احترام رکھے لیکن اپنے طرز عمل سے ان کے معاصی کا مبغوض ہونا بھی ظاہر کرتا رہے۔

واضح رہے کہ حکم بالا اس صورت میں ہوگا جب کہ سید پر معصیت اور فسق و فجور کا غلبہ نہ ہو۔ یا اس کی تعظیم و تکریم سے عوام کے دینی ضرر کا اندیشہ نہ ہو۔ یا وہ سید کسی بدعت کا داعی نہ ہو۔ اور مبتدعین کا سرغنہ نہ ہو۔ ورنہ ایسا ہونے کی صورت میں وہ مستحق تعظیم نہیں ہے۔ کیونکہ فرمان نبوی ہے۔ من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام أو كما قال۔ (مشکوٰۃ)

نیز یہ امر اس ارشاد نبوی سے بھی ثابت ہے۔ احبوا اهل بیتی لحبی کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بیت سے محبت کرنے کا حکم ان کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے محبوب نبوی ہونے کی وجہ سے ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا فاسق مجاہر اور مبتدع محبت نبوی کے شرف سے سرفراز ہونے کا ہرگز مستحق نہیں۔ پس وہ قابل محبت اور لائق تعظیم نہیں۔ اسی کی طرف اشارہ کیا ہے سید جمال الدین رحمہ اللہ نے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے "اذا لم یکن مخالفا للدین" کی قید بڑھا کر۔ جیسا کہ پہلے مفصل مذکور ہوا۔

الحاصل ایسی صورت میں وہ سید مستحق تعظیم نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مستحق تذلیل و لائق توہین ہے ہرگز نہیں بلکہ ایسے فاسق اور مبتدع کے خیالات و عقائد کی تردید کی جائے لیکن اسے ذلیل نہ کیا جائے۔ سوال میں جو الفاظ تقریر کے درج کئے گئے ہیں ان کا استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

نوٹ: مخفی نہ رہے کہ محبت و اکرام اور چیز ہے اور اتباع اور چیز ہے۔ عاصی کی تکریم و تعظیم کی تو گنجائش ہے لیکن دینی احکام کے بارے میں اتباع صرف شریعت مقدسہ ہی کا کیا جائے گا۔ فقط

واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: محمد عبداللہ غفر اللہ لہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۱/۴/۱۴۰۳ھ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ میں کتنی تاخیر ہوئی

مختلف کتب میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ تین دن تک پڑھی جاتی رہی۔ کیونکہ جگہ تنگ تھی اس لئے لوگ باری باری پڑھتے تھے۔ یہاں چند سوال پیدا ہوتے ہیں۔

۱: جنازہ کو جلد دفن کرنے کا حکم ہے تو پھر جنازہ کو تین دن تک کیوں روکا گیا؟

۲: نماز جنازہ مکان کے اندر نہیں بلکہ کھلے میدان میں پڑھنے کا حکم ہے۔ پھر تنگ جگہ میں کیوں پڑھی گئی؟

۳: نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اگر ایک شخص بھی ادا کردے تو سب کے ذمہ سے ادا ہو جاتا ہے پھر تمام مسلمانوں کا انتظار کرتے کرتے تین دن تک جنازہ مبارک کو روکے رکھنا کیا بے حرمتی نہیں ہے؟

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ دوشنبہ کے دن قریب دوپہر یا بعد زوال ہوئی۔

(کما فی البدایہ، ج ۵، ص ۲۲۴)

وتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین اشتد الضحیٰ من ذلك

الیوم وہی یوم الاثنین ... وقیل عند زوال الشمس۔

چند سطروں کے بعد پھر مصنف رح تحریر فرماتے ہیں۔ ص ۲۵۵ ج ۵۔

فھذا الحدیث فی الصحیح وھو یدل علی ان الوفاة وقعت بعد الزوال۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اہم ترین مسئلہ یہ تھا کہ کسی اختلاف و انتشار سے پہلے امامت کی وحدت کو محفوظ رکھنے کی مؤثر تدبیر کی جاسکے۔ کیونکہ لامرکزیت مذہب وملت کے لئے سم قاتل ہے۔ چنانچہ جنگ جمل وصفین کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ معمولی اختلاف کو فتنہ پردازوں نے کن مہیب نتائج سے دوچار کرادیا۔

بہرحال انتخاب خلیفہ کی فکر ہوئی اور حضرات صحابہ کرامؓ نے کچھ بحث وتمحیص کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرلیا۔ اہل حل وعقد کے اجتماع، بحث وتمحیص، تمام صحابہ رض کی بیعت میں دوشنبہ کا باقی ماندہ حصہ (جو تقریباً چند گھنٹے ہوگا) اور سہ شنبہ کی رات گزرگئی اور سہ شنبہ کے دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ انفرادی طور پر شخص جاری رہی اور یہ سلسلہ شنبہ کی شام تک اور آئندہ متصل رات تک جاری رہا۔ اور سہ شنبہ اور چہارشنبہ کی درمیانی رات جو کہ شرعاً چہارشنبہ کی رات ہے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دفن فرما دیئے گئے۔

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی یوم الاثنین ودفن لیلة الاربعاء (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۷۰)۔

اسی کے بارے میں ج ۵ ص ۲۷۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔

وھو الذی نص علیہ غیر واحد من الائمة سلفا وخلفا منھم سلیمان بن طرخان التیمی وجعفر بن محمد الصادق وابن اسحق وموسیٰ بن عقبة وغیرھم۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ دفن میں تین دن کی تاخیر واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ وفات شریفہ سے صرف تقریباً چھتیس (۳۶) گھنٹوں کے اندر اندر دفن مبارک سے فراغت ہوگئی تھی۔ تین دن کی تاخیر والی روایت معتمد نہیں۔ ابن کثیر رح فرماتے ہیں۔

فقوله مکث ثلثة ایام لا یدفن غریب والصحیح انه مکث بقیة یوم الاثنین ویوم الثلثاء بکماله ودفن لیلة الاربعاء کما قدمناه واللہ اعلم۔

(ہدایہ ج ۱ ص ۱۶۱)۔

تفصیل بالا کے پیش نظر آپ کے سوالات کا بالترتیب جواب یہ ہے۔

۱ : تین دن تک تاخیر واقع نہیں ہوئی۔ لہذا جنازہ کو تین دن تک روکے رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲ : نماز جنازہ چونکہ انفرادی طور پر پڑھی گئی لہذا اس کے لئے حجرہ شریفہ جیسے متبرک مقام کو چھوڑ کر وسیع جگہ کی تلاش بے سود تھی۔ کیوں کہ وسیع جگہ میں بھی نماز انفرادی طور پر ہی پڑھی جاتی۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کے لئے یہی انفرادی طریقہ متعین تھا۔

۳ : تین دن تک روکے رکھنا ہی غلط ہے جس سے العیاذ باللہ بے حرمتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک روایت کی رو سے جنازہ کا یہ طریقہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تجویز فرمودہ تھا کما رواہ البیہقی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ وان تفرد فی صحتہ ابن کثیر واللہ اعلم ہمیں شبہ ظاہر کیا جا رہا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۶ / ۶ / ۱۳۸۹ھ

بلا وجہ توہین رسالت کے بارے میں سوال بھی توہین ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک پروفیسر نے اپنی کلاس میں طلباء سے سوال کیا کہ کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے تو مسلمانوں کا اس شخص سے کیا معاملہ ہوگا؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس پروفیسر کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہنے اور آپ کی توہین کرنے کو کتب مذہب میں اشد ترین جرائم میں سے شمار کیا گیا ہے۔ اور ایسے گھناؤنے جرم کے ارتکاب پر حکومت مرتکب کو قتل یا پھانسی تک سزا دے سکتی ہے۔ لیکن یہ حکومت کا کام ہے عوام اس کے مجاز نہیں۔ لہذا ایسے وقت میں مسلمانوں کا ردعمل یہ ہونا چاہیئے کہ حکومت کے متعلقہ عملہ میں مجرم کے خلاف شکایت کر دیں۔

نفس مسئلہ معلوم کرنے کی غرض سے مناسب طریق پر یہ سوال دریافت کرنے میں حرج نہیں۔ لیکن بلا ضرورت نامناسب طریق پر اس سوال کو چھیڑنا سوء ادبی سے خالی نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۷ / ۱۱ / ۱۳۹۶ھ

سائنس ہی ہمارے کالج کے نوجوانوں کو بھی ٹھنڈے دل سے غور کرنا لازم ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ علماً

تنگ دل نہیں ان کو وسیع الظرف اور فراخ دل ہونا چاہئے ۔ چاہے کسی قسم کا سوال ہو اس پر ناراض نہ ہوں وغیرہ وغیرہ ۔

ہمارے عزیز و محترم نوجوانوں کو معلوم ہو کہ سوال بھی نصف علم ہے ۔ غلط سوال پر تنبیہ کا ارادہ ہونا ، یا غصہ آنا کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے ۔ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ سوال کیا ہے ۔ بطور مثال اگر کسی شخص کو کہا جائے کہ اگر میں تیرے باپ کو گدھا کہوں تو تیرا رویہ کیا ہو گا ۔ تو کیا وہ شخص ایسے سوال سے خوش ہو گا اور ایسے سائل کو عقلمند سمجھے گا ؟

تعجب ہے کہ ایک پروفیسر یہ سوال کرے کہ مسلمانوں کے پیغمبر کی توہین ہو تو مسلمانوں کا کیا ردعمل ہو گا ۔ اور ایسے سوال نامہ کو اخبارات میں شائع کرے اس پر طبیعت کو اشتعال نہ ہو ۔ یہ تو کوئی انتہائی بے غیرت آدمی ہو گا کہ ایسا سوال کو سن کر خاموش رہ جائے ۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت اعلیٰ و ارفع ہے اگر کوئی شخص یہ سوال نامہ شائع کرے کہ پاکستان میں ایک آدمی مسٹر محمد علی جناح کو خوب دل کھول کر گالیاں دے یا اقبال مرحوم کو برا بھلا کہے تو بتلاؤ کہ اے پاکستانیو ! تمہارا کیا ردعمل ہو گا ؟ کیا یہ سوال مسلمانوں کو چھیڑنے کے مترادف نہ ہو گا ؟ اور ایسے سائل پر غصہ آئے گا یا نہیں ؟

اس لئے یہ سوال سراسر جہالت اور نادانی ہے ۔ ہمیں تو تعجب ہوتا ہے کہ پاکستان کے کالجوں میں کیا ایسے عقلمند پروفیسر موجود ہیں بلکہ غالباً وہ انتہائی ملحد اور بے دین ہیں جو مسلمانوں کی رگ ایمان کو دکھانا چاہتے ہیں ۔

والجواب صحیح

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۶/۱/۹۰ھ

○

حضرت یوسف علیہ السلام کتنے خوبصورت تھے ؟

ہمارے ایک چھوٹے سے شہر میں ایک چھوٹا سا کمیشن ہے اور وہاں ایک تقریب میں ایک مولوی صاحب نے کہا کہ کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بہت خوبصورت تھے اس لئے آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں ۔

الجواب درج ذیل روایات و احادیث سے حضرت یوسف علیہ السلام کا بہت خوبصورت ہونا معلوم ہوتا ہے ۔ مستدرک حاکم میں ہے ۔ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اعطی یوسف وامہ شطر الحسن هذا حدیث صحیح ۔ ج ۲ ص ۵۷۰

٭ اگر یہ عمداً ایسے ہی پروفیسر آتے رہے تو کالج طلباء کی تمام محنت ضائع ۔ محمد انور مرتب

۲ ۔ دوسری حدیث شریف میں ہے ۔ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول وھو یصف یوسف حین رآہ فی السماء الثالثۃ ۔ ——— قال رأیت رجلا صورتہ کصورۃ القمر لیلۃ البدر فقلت یا جبریل من ھذا قال ھذا اخوک یوسف (علیہ السلام)۔ قال ابن اسحق وکان اللہ قد اعطی یوسف من الحسن والھیبۃ مالم یعط احدا من العالمین قبلہ ولا بعدہ حتی کان یقال واللہ اعلم انہ اعطی نصف الحسن وقسم النصف الآخر بین الناس اھ کذا فی ابن عساکر ج ۲ ص ۱۱۵)۔

۳ ۔ آیت کریمہ فلما رأینہ اکبرنہ (الی آخر الآیۃ) بھی اسی پر دلالت کرتی ہے ۔

فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۔ ۱۳/۱/۱۴۰۸ھ

آنحضرت علیہ السلام کے والدین کا انتقال کس حالت پر ہوا

۱ ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا کیا نام تھا اور وہ توحید پرست تھے یا بت پرست ؟

۲ ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مسلمان ہو گئے تھے یا نہیں ؟

الجواب

۱ ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر تھے اور آزر کے نام سے مشہور تھے ۔ روایات میں ہے کہ ان کا انتقال کفر پر ہوا ۔

۲ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا تھا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے مگر اہل السنۃ والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ ایسے مسائل میں الجھنا اور بحث کرنا جائز نہیں ۔

وینبغی ان لا یسأل الانسان عما لا حاجۃ الیہ کان یقول کیف ھبط جبرئیل [illegible] و ابوا النبی علیہ السلام ماتا علی ای دین اھ (شامی ج ۶ [illegible])

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۵/۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان شہر

حضور علیہ السلام بھی لوازمات بشریہ سے مستثنیٰ نہ تھے

ایک صاحب مسائل غسل بیان فرما رہے تھے انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی غسل جنابت فرماتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منی آتی تھی۔ تو ایک مولوی صاحب نے کہا کہ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے لہذا تو کافر ہو گیا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منی آتی تھی؟ اور فتویٰ کفر دینے والا مولوی صاحب حق بجانب ہے یا نہیں؟

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوازمات بشریہ سے مستثنیٰ نہ تھے لیکن یہ انداز درست نہیں اور اگر کوئی غلطی سے یہ بات کہہ بیٹھے تو اس کی تکفیر بھی درست نہیں۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲/۹/۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

حضرت حوا کا آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونے کا ثبوت

حضرت حوا کا آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ پسلی کو عربی میں کیا کہتے ہیں۔ مودودی صاحب اس طرح پیدائش کے منکر ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حضرت حوا کے آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونے کی دلیل صریح حدیث ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استوصوا بالنساء خیراً فانہن خلقن من ضلع وان اعوج شئ فی الضلع اعلاہ فان ذہبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء متفق علیہ۔

مشکوٰۃ ص ۲۸۰ باب عشرۃ النساء۔

اور "پسلی" کو عربی میں "ضلع" کہتے ہیں تمام اہل لغت نے "ضلع" کے معنی پسلی لکھے ہیں بطور استشہاد چند حوالے لکھے جاتے ہیں۔ "الضلع" پسلی جمع اضلع وضلوع واضلاع آتی ہے۔ اور "ضلیع" مضبوط پسلیوں والے مرد کو کہتے ہیں اور "ضالع" اس مرد کو کہتے ہیں جو پسلی پر مارنے والا ہو۔ مصباح اللغات ص ۴۰۹۔

اور ایسے ہی "منجد" ص ۴۹۹ میں ہے۔ بلکہ منجد میں تو پسلیوں کا نقشہ بھی دیا ہے۔ ان سے واضح ہوا کہ "ضلع" پسلی کو کہتے ہیں۔ لہذا مودودی صاحب کا انکار صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی عفی عنہ

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

قرآن مجید کے چوتھے پارہ سورۃ نساء کے پہلے رکوع میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے خلق منہا زوجہا یعنی آدم علیہ السلام کے (بدن کے) بعض حصے سے ان کی بیوی (حواء) کو پیدا کیا۔ اس آیت کی تفسیر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی۔ جو کہ جواب میں مذکور حدیث میں موجود ہے۔ لہٰذا جواب مرقوم صحیح ہے۔

خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان ۸ / ۱ / ۱۳۸۵ھ

حضرت خضر علیہ السلام کو فرشتہ تسلیم کرنے کی نفی اور انسان ماننے کی صورت میں اشکالات کا جواب

حضرت خضر علیہ السلام کو انسان تسلیم کرنے کی صورت میں ایک الجھن پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ جو تین کام انہوں نے کئے ان میں سے پہلے دو کام احکام شریعت سے متصادم ہیں۔ یہ تو درست ہے کہ انہوں نے یہ کام اللہ کے حکم سے کئے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اللہ کے ان احکام کی جو حضرت خضر علیہ السلام کو دیئے گئے نوعیت کیا تھی؟ ظاہر ہے کہ یہ تشریعی احکام تو نہ تھے کیونکہ یہ کام کسی شریعت میں بھی جائز نہیں رہے۔ اگر یہ احکام تکوینی تھے تو ان کے مخاطب صرف فرشتے ہوتے ہیں۔

کسی انسان کے لئے یہ گنجائش نہیں کہ وہ حکم شرعی کے خلاف کرے۔ خواہ اسے الہام کے ذریعے اس خلاف شرع کی مصلحت بھی بتادی گئی ہو۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس پر علماء شریعت اور اکابر صوفیاء سب متفق ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی نے تفصیل کے ساتھ عبدالوہاب شعرانی، محی الدین ابن عربی، مجدد الف ثانی، شیخ عبدالقادر جیلانی، جنید بغدادی، سری سقطی، ابوالحسن نوری، ابو سعید الخراز، ابوالعباس احمد الدینوری، اور امام غزالی جیسے نامور بزرگوں کے اقوال نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اہل تصوف کے نزدیک بھی کسی ایسے الہام پر عمل کرنا جائز نہیں جو کہ نص شرعی کے خلاف ہو۔

(روح المعانی ، ج ۱۶ ، ص ۱۹)

اگر قرآن میں بلفظ صریح آجاتا کہ خضر انسان تھے تو ہم مان لیتے کہ وہ انسان ہوتے ہوئے اس ضابطہ سے مستثنیٰ تھے۔ مگر قرآن میں صرف "عبدا من عبادنا" کے لفظ ہیں جو کہ انسان ہونے کو مستلزم نہیں ہیں۔

حدیث میں بھی کوئی ایسا صریح ارشاد موجود نہیں جس سے حضرت خضر کو نسل انسانی کا فرد قرار دیا گیا ہو۔ اس باب میں مستند ترین روایات وہ ہیں جو عن سعید بن جبیر عن ابن عباس عن ابی بن کعب عن رسول اللہ کی سند سے ائمہ حدیث کو پہنچی ہیں۔

ان میں حضرت خضر کے لئے رجل کا ذکر آیا ہے مگر یہ بھی انسانوں کے لئے مخصوص نہیں۔ خود قرآن
میں یہ لفظ جنوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ سورۂ جن میں ہے۔

وانه كان رجال من الانس يعوذون برجال من الجن الآية

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جن یا فرشتہ یا کوئی غیر مرئی وجود جب انسانوں کی شکل میں آئے تو اسے
انسان ہی کہا جائے گا۔ جیسے سورۂ مریم میں ہے: فتمثل لها بشرا سويا
الحاصل اس پیچیدگی کو دفع کرنے کے لئے ایک ہی صورت ہے کہ خضر علیہ السلام کو انسان
نہ مانیں بلکہ فرشتوں میں سے، یا اللہ کی کسی اور مخلوق سے کہیں۔ متقدمین میں سے بھی بعض لوگوں
سے یہ رائے ظاہر کی ہے جسے ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ماوردی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ آپ علمی
تحقیق سے میرا خلجان دور فرمائیں۔ اور حضرت خضرؑ کی صحیح پوزیشن واضح فرمائیں۔

الجواب جمہور علماء سلف کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے اور ان کی شریعت کا زیادہ تعلق
حقائق باطنہ شرعیہ سے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام علی ہذا اکثر انبیاء علیہم السلام کی
شرائع کا تعلق احکام ظاہرہ سے تھا۔ خضر علیہ السلام کے وہ افعال بھی من عند اللہ شریعت تھی اور وحی
منزل تھی۔ اسی واسطے جب خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ وما فعلته عن امري تو موسیٰ علیہ السلام
نے انکار نہیں فرمایا۔

قد نص العلماء على ان غالب الانبياء انما بعثوا ليحكموا بالظاهر
دون ما يطلعوا عليه من بواطن الامور وحقائقها وبعث الخضر ليحكم
عليه من بواطن الامور وحقائقها اهـ

وفي تفسير ابن حيان والجمهور على ان الخضر نبي وكان علمه معرفة
بواطن امور اوحيت اليه اهـ (روح البیان ج ۵ ، ۲۸۱)

خضر علیہ السلام کو ملائکہ سے شمار کرنا قول ضعیف وغریب ہے۔ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں۔

واغرب ما قيل انه من الملائكة . والصحيح انه نبي وجزم به جماعة و
قال الثعلبي هو نبي على جميع الاقوال معمر محجوب عن الابصار وصححه
ابن الجوزي ايضا في كتابه اهـ (عمدة القاري ، ج ۱ ، ص ۲۴۲)۔ فقط

واللہ اعلم

احقر خیر محمد از خیر المدارس ملتان ۔ ۱۰ جمادی الاخری ۱۳۷۲ھ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف ایک کرامت کی نسبت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ گھوڑے کی ایک رکاب میں پاؤں رکھتے اور دوسرے پر پاؤں رکھنے سے پہلے پورا قرآن مجید ختم کر لیتے تھے اور یہ ان کی کرامت بتائی جاتی ہے کیا یہ بات صحیح ہے یا من گھڑت۔

الجواب اس سوال کے جواب کے لئے متعدد کتابیں دیکھی گئیں مگر کسی معتمد کتاب میں اس کا ذکر نہیں ملا۔ جہاں تک اس کرامت کے ممکن ہونے کا تعلق ہے تو ایسی بعید بات نہیں ہے جو ناممکن ہو۔ اللہ تعالیٰ عزوجل بسا اوقات کرامۃً وقت میں ایسی برکت عطا فرماتے ہیں کہ تھوڑے سے وقت میں آدمی اتنا کام کر لیتا ہے جو عام آدمی کے لئے صرف ناممکن ہی نہیں بلکہ ناقابل فہم بھی ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام گھوڑے پر زین کسنے کا حکم فرماتے اور زبور کی تلاوت شروع فرماتے اور زین کسے جانے سے پہلے ختم فرما لیتے۔ (بخاری)

عمدۃ القاری شرح بخاری میں اسی واقعہ کے تحت کئی اور ایسے آدمیوں کے واقعات لکھے ہیں جو تھوڑے سے وقت میں زیادہ کام کر لیتے تھے۔

وفیہ الدلالۃ علی ان اللہ تعالیٰ یطوی الزمان لمن یشاء من عبادہ کما یطوی المکان وھذا لا سبیل الی ادراکہ الا بالفیض الربانی وجاء فی الحدیث ان البرکۃ قد تقع فی الزمن الیسیر حتی یقع فیہ العمل الکثیر وقال النووی اکثر ما بلغنا من ذلک من کان یقرأ اربع ختمات باللیل واربعا بالنھار انتھیٰ ولقد رأیت رجلا حافظا قرأ ثلاث ختمات فی الوتر فی کل رکعۃ ختمۃ فی لیلۃ القدر۔ (عمدۃ القاری ج ۷ : ص ۱۴۲) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۸/۱/۱۳۹۸ھ

عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ پیدا کرنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ پیدا کیا اس کی حکمت کیا ہے حالانکہ قانون قدرت ہے کہ ماں باپ کے ملنے سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو خلاف قانون کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کو دکھانا تھا کہ خلاف قانون پر بھی قادر ہے تو وہ حضرت

آدم علیہ السلام کو پیدا کردیا تھا تو اب تحقیق اس بات کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ پیدا کرنے کی ضرورت کیا پیش آئی تھی!

مستفتی غلام احمد بہاولپور

الجواب جب یہ واضح ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا خلافِ عادت کرنا اظہارِ قدرت کے لئے ہے تو واضح ہو کہ خلافِ عادت (خلافِ قانون) عقلی طور پر تین قسموں پر متصور ہو سکتا ہے۔ ا، بلا ماں باپ۔ ۲، بلا ماں۔ ۳، بلا باپ۔ تو ان تینوں صورتوں کو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے دکھلایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس معروف عادت کے خلاف کہ ماں اور باپ کے واسطہ سے ہی اولاد پیدا کرنے پر جمیع صورِ عقلیہ متصورہ قادر ہیں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کو ماں اور باپ کے بغیر، اور حوا علیہا السلام کو ماں کے بغیر پیدا کیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرکے اظہارِ قدرت کو تام کردیا۔ نیز اس قسم کے سوالات کا منشاء اللہ تعالیٰ کے فاعلِ مختار ہونے میں شک ہے۔ اس لئے ایسے مسائل کے جواب میں کلی بحث ہی مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو فاعلِ مختار تسلیم کرتے ہو یا نہیں۔ لیکن جزئی بحث کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام کیوں کیا اس میں بحث لاحاصل ہے اس لئے کہ کسی کسی جزئیہ کے بارے میں آپ حکمت تلاش کرکے بتا سکیں گے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد صدیق غفرلہ معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: خیر محمد عفی عنہ

کیا آنحضرت علیہ السلام مختون پیدا ہوئے تھے؟ عام مشہور ہے کہ آنحضرت علیہ السلام مختون پیدا ہوئے تھے، اگر یہ بات مستند ہو تو اس کی باحوالہ تصدیق فرماویں۔

نیاز مند: طالب حسین ضیاء، ممتاز آباد ملتان

الجواب اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت منقول نہیں ہے بلکہ علامہ شامیؒ نے بعض محققین سے نقل کیا ہے کہ درست یہی ہے کہ آپ غیر مختون پیدا ہوئے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وقد اختلفت الرواة والحفاظ في ولادة نبينا صلى الله عليه وسلم مختونا ولم يصح فيه شيء وأطال الذهبي في رد قول الحاكم انه تواترت به الرواية وقد ثبت عندهم ضعف الحديث به وقال بعض المحققين من الحفاظ الاشبه بالصواب انه لم يولد مختونا اھ (شامی ج ۵، ص ۲۹۱) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۳/۹/۱۳۹۵ھ

قرآن پاک افضل ہے یا آنحضرت علیہ السلام

قرآن پاک افضل ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم؟

الجواب یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے لہذا کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ مع ہذا ضروریات دین میں سے بھی نہیں۔ اسی لئے فقہاء نے اس میں توقف کا حکم فرمایا ہے۔

وعنه عليه السلام القرآن احب الى الله تعالى من السموات والارض ومن فيهن (در مختار) قوله ومن فيهن ظاهره يعم النبي عليه السلام والمسئلة ذات خلاف والاحوط الوقف (شامی ج۱)

فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۰ر۹ر۱۳۹۶ھ

حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نکاح کے وقت آپ کی عمر مبارک

جس وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدیجۃ الکبریٰؓ سے شادی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا عمر تھی؟ اور خدیجۃ الکبریٰ جن کی کیا عمر تھی؟ اور جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عائشہؓ سے شادی ہوئی تو اس وقت آپ علیہ السلام کی کیا عمر تھی اور عائشہ صدیقہؓ کی کیا عمر تھی؟ بحوالہ تحریر فرما کر مشکور فرماویں تاکہ بے یقینی کو یقین کامل ہو جائے۔

الجواب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح جب ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا تو اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارک پچیس سال دو ماہ دس دن تھی۔ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔ (تاریخ الاسلام حصہ اول ص۲۷)

اور جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچاس سال اور چھ ماہ تھی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چھ سال تھی اور رخصتی کے وقت نو (۹) سال تھی۔ (تاریخ الاسلام حصہ اول ص۴۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۵ر۹ر۱۳۹۶ھ

فضلات نبویہ پاک ہیں

بکر نے تقریر کے دوران یہ حدیث شریف بیان کی کہ ایک صحابیؓ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب مبارک پی لیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ تیرا حدیث رد نہ کرے گا۔ زید اس کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ بکواس ہے۔ جب زید سے کہا گیا کہ تو نے حدیث کو بکواس کیوں کہا؟ تو زید نے کہا کہ میں نے واقعہ حدیث کو بکواس نہیں کہا بلکہ اس واقعہ تقریر کو بکواس کہا ہے۔ اب زید کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مندرجہ بالا مسئلہ کے ثبوت کے لئے زید کے سامنے مدارج النبوت، ج ۱، ص ۲۱۔ سے حدیث پیش کی گئی۔ زید فوراً بولا کہ میں اس حدیث کو نہیں مانتا۔

الجواب یہ واقعہ صحیح ہے اور علماء اہل السنۃ والجماعت کا مذہب یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات بول و براز طاہر ہیں۔ زید کا انکار کرنا جہالت پر مبنی ہے۔ چونکہ آج کل علم کی کمی ہے۔ لوگوں کو ایسے نادر مسائل کا علم نہیں ہوتا اس لئے وہ انکار کر دیتے ہیں۔ جب زید کہتا ہے کہ میرا مقصد صرف واقعہ کا انکار تھا حدیث کی توہین مطلوب نہ تھی تو ہم زید پر کفر و فسق کا فتویٰ نہیں لگا سکتے۔ کسی شخص کی ذات پر فتویٰ لگانے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ البتہ زید کو توبہ کرنی چاہئے۔

فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ ۷ صفر ۱۳۷۹ھ

کیا خود حضور آنحضرت علیہ السلام پر بھی درود پڑھنا واجب تھا؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کیا آنحضرت علیہ السلام پر خود بھی اپنے آپ پر درود پڑھنا واجب تھا جیسے کہ آیت یاایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے۔

الجواب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے حکم سے مستثنیٰ تھے۔ یہ خطاب آپ کے علاوہ باقی تمام مومنین کو ہے۔

وفی المجتبی لا یجب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی علی نفسہ اھ

وفی الشامیۃ لانہ غیر مراد بخطاب صلوا ولا داخل تحت ضمیرہ کما ہو المتبادر من ترکیب صلوا علیہ وقال فی النہر لا یجب علیہ بناء علی ان یاایہا الذین آمنوا لا یتناول الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف یا ایہا الناس، یا عبادی کما عرف فی الاصول والحکمۃ فیہ واللہ تعالیٰ اعلم انہا دعاء وکل شخص مجبول علی الدعاء لنفسہ وطلب الخیر لہا فلم یکن فیہ کلفۃ والایجاب من خطاب التکلیف لا یکون الا فیما فیہ کلفۃ ومشقۃ علی النفس ومنافرۃ لطبعہا لیتحقق الابتلاء اھ (ج ۱، ص [illegible])۔ فقط

واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ۔

آنحضرت علیہ السلام سے صرف عمامہ اور صرف ٹوپی پہننا بھی ثابت ہے

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں بغیر پگڑی کے ٹوپی پہنی ہے یا کہ نہیں؟ اور بغیر ٹوپی کے پگڑی پہنی ہے کہ نہیں۔ بحوالہ تحریر فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ٹوپی یا صرف پگڑی بھی پہنی ہے۔ زاد المعاد، ج ۱ ص ۳۴ میں ہے۔ وکان یلبس القلنسوۃ بغیر عمامۃ ویلبس العمامۃ بغیر قلنسوۃ اھ ولا بأس بلبس القلانس وقد صح انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یلبسھا (کذا فی العالمگیری) وفی الترمذی کانت کمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطحا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ معین مفتی خیر المدارس ملتان۔

۲۰ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ

آدم علیہ السلام کی طرف معصیت کی نسبت بمعنی معروف صحیح نہیں

ایک شخص نے توبہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یہ قصہ شروع کردیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ حکم فرمایا فرشتوں کو کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو سب نے کیا مگر شیطان نے نہ کیا راندہ گیا توبہ نہ کی۔ اور آدم علیہ السلام کو فرمایا ولا تقربا ھذہ الشجرۃ الآیۃ حضرت منع کو بھول بیٹھے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بالمشافہ حضرت آدم علیہ السلام کو یہ حکم فرمایا تھا تو ابلیس سے بھی خطا ہوئی اور حضرت ع سے بھی ہوئی۔ لیکن حضرت ع نے توبہ کرلی اور ابلیس نے توبہ نہ کی۔ تو حضرت ع توبہ کرلینے کے بعد اپنے مرتبہ پر ہے اور ابلیس راندہ گیا۔ یہ بیان صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حضرت آدم علیہ السلام کے فعل میں اور شیطان کے عصیان میں شیطان و آدم علیہ السلام کا فرق ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اس ظاہری غلطی کو سنگین جرم کہنا بھی سنگین جرم ہے۔ آپ کا عصیان نسیان کی بناء پر تھا۔ شیطان نے جب خدا کی قسم کھائی تو دھوکہ میں آگئے اور یہ سمجھے کہ کوئی بندہ خدا تعالیٰ کی جھوٹی قسم نہیں کھاسکتا۔ تو یہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے نام کا احترام اور اطاعت تھی۔ گو صورت کے لحاظ سے حکم عدولی تھی۔ اور اسی بناء پر عتاب کیا گیا۔ ورنہ تو خود اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی صفائی میں ارشاد فرماتے ہیں فنسی ولم نجد لہ عزما الآیۃ کہ آدم علیہ السلام

بھول گئے اور جو کچھ کیا وہ عزم اور ارادہ سے نہیں کیا۔ اور معصیت کے لئے یہ ضروری ہے۔ واعظ کو بھی توبہ کرنی چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ ۲۴ ر ۱ ر ۱۳۹۰ھ

حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرات شیخین سے افضل ہیں؟

زید کہتا ہے کہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے افضل ہیں۔ بکر اس عقیدہ کی مخالفت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تو ضرور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے افضل ہیں لیکن کوئی غیر نبی جبرئیل سے افضل نہیں ہو سکتا۔ زید کہتا ہے کہ عوام مومنین عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور خواص مومنین خواص ملائکہ سے افضل ہیں۔ دونوں سے کون صادق ہے؟ مع دلائل تحریر کریں۔

۲: ایک شخص کہتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمسخر فرمایا کرتے تھے۔ عام مومنین اس شخص کو ناپسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تمسخر کی نسبت توہین ہے۔ کیا وہ شخص حق بجانب ہے؟ یا عام مومنین جو اسے ناپسند کرتے ہیں۔

الجواب حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل ہیں۔

کما فی رد المحتار۔ عن الروضۃ اجمعت الامۃ علی ان الانبیاء افضل الخلیقۃ وان نبینا علیہ السلام افضلھم وان افضل الخلائق بعد الانبیاء الملائکۃ الاربعۃ ۔۔۔۔۔۔ وان الصحابۃ والتابعین ۔۔۔۔۔ افضل من سائر الملائکۃ الخ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وحاصلہ ان قسم البشر الی ثلاثۃ اقسام خواص کالانبیاء واوساط کالصالحین من الصحابۃ وغیرھم وعوام کباقی الناس ۔۔۔۔ وجعل خواص البشر افضل من الملائکۃ خاصھم وعامھم بعدھم فی الفضل خواص الملائکۃ فھم افضل من باقی البشر اوساطھم وعوامھم وبعدھم اوساط البشر فھم افضل من عدا خواص الملائکۃ (ج ۳ ، صـ)۔

۲: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تمسخر کی نسبت بے ادبی اور گستاخی ہے۔ لہٰذا قائل پر توبہ

لازم ہے۔ بقسمو بازاری لوگوں کا فعل ہے۔ خوش طبعی الگ چیز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح محمد عبد اللہ عفی عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

نیند میں بھی انبیاء کرام شیطانی اثرات سے محفوظ رہتے تھے

انبیاء کرام علیہم السلام کو اور انسانوں کی طرح جنابت ہوتی ہے یا نہیں؟ حالت مذکورہ کے بعد آیا انبیاء کرام علیہم السلام پر یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غسل جنابت فرض ہے؟

الجواب حضرات انبیاء علیہم السلام کو حالت نوم میں اثر شیطانی سے جنابت نہیں ہوتی۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان مقدس ہستیوں کو ان اثرات سے محفوظ فرمایا ہے۔ البتہ مباشرت ونکاح کے بعد ان حضرات پر غسل ضروری تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں غسل فرماتے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل سے واضح ہے۔

عن ابی رافع ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم طاف ذات یوم علی نسائہ یغتسل عند ھذہ و عند ھذہ الحدیث [illegible]

عن غضیف بن الحارث قال قلت لعائشۃ أرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یغتسل من الجنابۃ فی اول اللیل او فی آخرہ قالت ربما اغتسل فی اول اللیل وربما اغتسل فی آخرہ۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ [illegible]

شب معراج غوث الاعظم رح کے کاندھے پر پاؤں رکھ کر جانا غلط محض ہے

مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج حضرت سیدنا غوث الاعظم رح کے کندھے پر پاؤں رکھ کر عرش سے آگے تشریف لے گئے کیا یہ درست ہے؟

۲: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد نبوت ہوتی تو حضرت سیدنا غوث الاعظم رح نبی ہوتے کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

الجواب حدیث معراج اور دیگر احادیث میں اس قصے کا کوئی ذکر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز سفر سے انتہاء تک پورا واقعہ نقل فرمایا ہے اور اس میں براق اور سیڑھی کا ذکر ہے۔ شراح حدیث نے بھی اس قصے کو کہیں نقل نہیں کیا۔ نفس قصہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی غالی عقیدت مند ذہن کی اختراع ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کی کوئی سند بیان نہیں کی جاتی جو کسی واقعہ کے غلط اور صحیح ہونے کے لئے بنیادی معیار ہے۔ بعض لوگ جوش عقیدت میں ع

کچھ بڑھا بھی دیتے ہیں زیب داستاں کیلئے

۲: یہ بھی موضوع اور کذب صریح ہے۔ ذخیرۂ احادیث میں کہیں اس کا ذکر نہیں۔ حضرت غوث الاعظم رح

کے وجود سے پہلے اس جملہ کا بھی کوئی وجود نہ تھا۔ اگر یہ پیشین گوئی ہوتی تو آپ کی ولادت سے پہلے کوئی تو اس کا ذکر کرتا۔ مسلم شریف میں سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

- آخر زمانہ میں کچھ دجال اور کذاب ہوں گے جو تم کو ایسی احادیث بیان کریں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی، نہ تمہارے آباء نے۔ ایسے لوگوں سے بچنا، یہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنہ میں مبتلا نہ کر دیں۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۳۰/۵/۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

سایہ نبوی کے حدیث سے دلائل

کیا خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سایہ تھا یا نہیں؟ جو بھی صورت ہو احادیث سے دلائل ذکر فرما دیں۔ لعل محمد خضدار۔

الجواب صحیح روایات و احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سایہ مبارک تھا۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ

عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سجد قال اللهم سجد لك سوادي وخيالي وبك آمن فؤادي ابوء بنعمتك علي وهذا ما جنيت على نفسي يا عظيم يا عظيم اغفر لي فانه لا يغفر الذنوب العظيمة الا الرب العظيم۔

(ج ۱ ص ۵۳۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عموماً حالت سجدہ میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے کہ یا اللہ میرے جسم اور سایہ نے تجھے سجدہ کر دیا اور دل بھی تجھ پر ایمان لے آیا اور میں خود بھی تیری نعمتوں کا معترف ہوں۔ اور پھر اپنی لغزشوں کی معافی بھی تجھ ہی سے چاہتا ہوں۔ مولا! تو بڑا ہے بڑی بڑی لغزشیں معاف فرمایا کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث میں لفظ "خیال" استعمال ہوا ہے۔ لفظ "خیال" کے بارے میں علامہ احمد مصطفیٰ المراغی اپنی تفسیر "المراغی" میں ارشاد فرماتے ہیں۔

والظلال واحدها ظل وهو الخيال الذي يظهر للجسم۔

یعنی ظلال کا واحد ظل ہے جس کے معنی خیال کے ہوتے ہیں۔ اور خیال وہ ہے جو جسم کے لئے ظاہر ہو

سایہ ظاہر ہوتا ہے۔

تفسیر بحر المحیط میں علامہ ابو حیان فرماتے ہیں۔

قال الفراء الظل مصدر يعني في الاصل ثم اطلق على الخيال الذي يظهر للجرم وطوله بسبب انحطاط الشمس وقصره بسبب ارتفاعها فهو منقاد لله تعالى في طوله وقصره وميله من جانب الى جانب۔

(البحر المحیط، ج ۵، ص ۳۰۴)

مشہور نحوی فراء فرماتے ہیں لفظ ظل اصل میں مصدر ہے پھر اس کو خیال کے معنی میں لے لیا گیا ہے۔ جو صورت سایہ جسم کے لئے ظاہر ہو جس کی لمبائی سورج کے نیچا ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اور کمی سورج کے بلند ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ سایہ اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار رہتا ہے۔ کمی اور زیادتی میں بھی اور ادھر ادھر جھکنے میں بھی۔

مذکورہ بالا دونوں حوالوں سے صاف ظاہر ہے کہ " صحیح حدیث سوادی و خیالی " جسم اور سایہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ نیز اس روایت کو علامہ ذہبی رح نے تلخیص مستدرک میں حدیث صحیح کہا ہے۔

دوسری حدیث: عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال بينما النبي صلى الله عليه وسلم يصلي ذات ليلة صلاة اذ مد يده ثم اخرها فقلنا يا رسول الله رأيناك صنعت في هذه الصلاة شيئا لم تكن تصنعه فيما قبله قال اجل انه عرضت علي الجنة فرأيت فيها دالية قطوفها دانية فاردت ان اتناول منها شيئا فاوحي الي ان استأخر فاستأخرت ثم عرضت علي النار فيما بيني وبينكم حتى رأيت ظلي وظلكم فيها فاومأت اليكم ان استأخروا۔

مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۴۵۶

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اور نماز کی حالت میں آپ کا ہاتھ مبارک اچانک آگے بڑھا مگر پھر جلد ہی پیچھے ہٹا لیا۔ ہم نے عرض کیا کہ حضور! آج تو آپ نے خلاف معمول نماز میں نئے عمل کا اضافہ فرمایا۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ قصہ یہ ہے کہ میرے سامنے ابھی ابھی جنت پیش کی گئی میں نے اس میں بہترین پھل دیکھے تو جی میں آیا کہ اس میں سے کچھ اچک لوں مگر فوراً حکم ملا کہ پیچھے ہٹ جاؤ تو میں پیچھے ہٹ گیا۔ پھر مجھ پر جہنم پیش کی گئی۔ اس کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا

دیکھتے ہی میں نے تمہاری طرف اشارہ کیا کہ پیچھے بیٹھے رہو۔
اس روایت کو بھی علامہ ذہبی رح نے حدیث صحیح کہا ہے۔

تیسری حدیث ۔ عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان فی سفر له ۔ فاعتل بعیر لصفیة وفی ابل زینب فضل فقال لها رسول الله صلی الله علیه وسلم ان بعیرا لصفیة اعتل فلو اعطیتها بعیرا من ابلک فقالت انا اعطی تلک الیهودیة قال فترکها رسول الله صلی الله علیه وسلم ذا الحجة والمحرم شهرین او ثلاثة لایاتیها قالت حتی أیست منه وحولت سریری قالت فبینما انا یوما بنصف النهار اذا انا بظل رسول الله صلی الله علیه وسلم مقبلا ۔

مسند امام احمد بن حنبل ج ۶ ص ۱۳۱

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ اچانک حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا۔ اتفاق سے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک سواری زائد تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اپنی زائد سواری حضرت صفیہ رضہ کو دے دو۔ حضرت زینب رضہ نے کہا کیا اس یہودیہ کو دوں؟ پس اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے۔ اور ذوالحجہ اور محرم دو تین مہینے مسلسل ان کے پاس بھی نہیں آئے۔ حضرت زینب رضہ فرماتی ہیں یہاں تک کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئی۔ اور اپنا سامان وغیرہ بھی منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ مگر اچانک ایک دن کیا دیکھتی ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایۂ مبارک آرہا ہے۔

چوتھی حدیث ۔

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه انه ذکر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم حدثهم ان جبریل علیه السلام جاءه فصلی به الصلوات وقتین وقتین الا المغرب جاءنی فصلی بی الظهر حین کان فیئی مثل شراک نعلی ثم جاء فصلی بی العصر حین کان فیئی مثلی ۔ الحدیث (رواہ مجمع الزوائد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور مجھے دو دو وقت کی نمازیں پڑھائیں مگر مغرب دونوں دن ایک ہی وقت پر پڑھائی۔

ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب میرا سایہ میرے تسمے کے برابر ہو گیا۔ اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب میرا سایہ میرے برابر ہو گیا۔

مذکورہ بالا احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ مبارک تھا۔

فقط واللہ اعلم

العبد محمد انور عفا اللہ عنہ خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

[illegible]

ذکر و اَوراد، دُعا، اور تعویذات

و

مَا یَتَعَلَّقُ بِالسُّلُوْکِ

درود تاج کے بعض الفاظ کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ درود تاج میں دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم کے الفاظ آتے ہیں یہ پڑھنے درست ہیں۔ ان کے پڑھنے سے شرک تو لازم نہیں آتا؟

الجواب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بایں معنی "دافع البلاء" کہنا کہ آپ کے ذریعہ سے بلاء دفع ہوتی ہے درست ہے۔ اور بایں معنی کہ آپ خود استقلالاً بلاء کو دفع کرتے ہیں درست نہیں۔ ایسے الفاظ جو موہم شرک ہوں اور عوام میں مفسدہ کا باعث ہوں قابل اجتناب واحتراز ہیں۔ سرور کائنات علیہ التحیۃ والتسلیم کی خدمت اقدس میں درود بھیجنے کے لئے دوسرے صحیح درود شریف بہت ہیں ان کو ہی پڑھا جائے۔ (ماخوذ من مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص ۹۲)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیرالمدارس ملتان — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۸ شوال ۱۳۹۷ھ

درود پاک میں "نور عرشہ" کا حکم

درود شریف صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ واھل بیتہ وازواجہ وذریاتہ ونور عرشہ اجمعین کیا یہ درود شریف صحیح ہے بعض کہتے ہیں کہ غلط ہے۔ اس لئے کہ بریلوی پڑھتے ہیں۔

الجواب اگر نور عرشہ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے تو یہ لفظ آپ کے نام کے ساتھ آنا چاہئے۔ اگر کوئی اور چیز مراد ہے تو اس پہ درود کا کیا مطلب اور پہلی صورت میں اس لفظ کی بجائے "وسید الانبیاء" ذکر ہو جائے تو کیا حرج ہے؟

فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بخشش کیلئے ستر ہزار دفعہ کلمہ پڑھنا

۱: زید اپنی زندگی میں اپنے لئے پچھتر ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھ کر اپنے لئے ذخیرہ کرتا ہے کہ بعد موت کے میری بخشش ہو جائے۔

۲: یا اسی طرح کسی کی موت کے بعد اسے پچھتر ہزار دفعہ پڑھ کر بخشتا ہے تو کیا ان دونوں کی بخشش ہو جائے گی؟

۳: یہ تعداد کتنی ہے؟ ۴: پورا کلمہ طیبہ یا صرف پہلا حصہ پڑھے؟

سائل ہدایت شاہ راولپنڈی۔

الجواب ۱، ۲، ۳: بعض روایات میں وارد ہے کہ جس نے کلمہ طیبہ ستر ہزار دفعہ پڑھا یا اس کے لئے جنت سے فدیہ ہو جائے گا۔ نقلہ الشامی فی رسالۃ منۃ الجلیل اور امام قرطبی رحمہ اللہ سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ کہ دوسرے کے لئے بھی پڑھا جا سکتا ہے یعنی زید اور جس کے لئے پڑھا گیا ہے دونوں کے لئے امید مغفرت ہے۔

۴: ستر ہزار (۷۰۰۰۰)

۴: صرف لا الہ الا اللہ۔ عن الشیخ القرطبی انہ قال سمعت فی بعض الاخبار ان من قال لا الہ الا اللہ سبعین الف مرۃ کانت فداءہ من النار (منۃ الجلیل)۔ کبھی کبھی آخری کلمہ بھی کہہ لینا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۳/۱۰/۱۴۰۰ھ

ختم خواجگان کا حکم

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ختم خواجگان ہمیشہ روزانہ خاندان نقشبندیہ میں پڑھا جاتا ہے چنانچہ جب سے جنگ پاک ہند شروع ہوئی ہے فجر کی نماز میں امام مسجد قنوت نازلہ بھی پڑھتے ہیں۔ اور بعد نماز ظہر چند مقتدیوں کو شامل کر کے ختم بھی پڑھتے ہیں۔ اور یہ امام مسجد خاندان نقشبندیہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ جو کام قرآن و حدیث اور فقہ میں نہ ہو وہ خلاف شریعت ہے۔

الجواب ختم خواجگان مذکورہ بالا درود وظائف کے قبیل سے ہے چونکہ خلاف شریعت کلمات پر مشتمل نہیں ہے لہٰذا اس کے پڑھنے سے کوئی نقصان و حرج نہیں۔ البتہ اسے شرعی حکم کی حیثیت نہ دی جائے کہ تارک پر نکیر کی جانے لگے۔ جو شخص خوشی سے شریک ہو ٹھیک ہے اور شریک نہ ہونے والے پر کوئی الزام نہیں۔ کسی امر کے بدعت اور ممنوع بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا شرعاً ثبوت بھی نہ ہو۔ اور اسے دینی حکم بنا لیا جائے اور اس کے نہ کرنے والے کو مطعون ٹھہرایا جانے لگے۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ۔

دعا میں لی خمسۃ اطفی بہا الخ پڑھنا جائز نہیں

موضع [illegible] سنگھ متصل دیپالپور ضلع ساہیوال کی جامع مسجد کے شمالی اور جنوبی دروازوں پر امام صاحب نے یہ لکھوا دیا تھا۔ لی خمسۃ اطفی بہا حر الوباء الحاطمۃ: المصطفی والمرتضی وابناھما والفاطمۃ۔ امام مسجد مذکور اکثر نمازوں کے بعد یہ پڑھا کرتا تھا کہ

نمازی نے اس شعر کو مسجد کے دروازوں سے مٹا دیا۔ تو امام مذکور سخت ناراض ہوا۔ اور مٹانے والوں کو دشنام طرازی سے نوازتا رہا۔ کیا امام کا یہ عمل جائز تھا یا نہیں؟ شعر کا لکھنا جائز تھا یا مثلاً جائز۔ اور یہ شعر بدعت ہے یا شیعہ کی ایجاد ہے۔ اور اس کا کیا مطلب کیا ہے؟

الجواب

امام مذکور کا آخر نمازوں کے بعد دعا میں یہ شعر پڑھنا درست نہیں بلکہ یہ شعر دعا کے دوران پڑھنا بھی نہیں چاہئے۔ اسی طرح اس کا مسجد کے دروازوں پر لکھنا، لکھوانا بھی جائز نہیں۔ اس نمازی نے بہت اچھا کیا۔ اس کام کی وجہ سے امام مذکور کا اس سے ناراض ہونا اور دشنام وغیرہ دینا بالکل غلط ہے۔ امام مذکور کو اس سے توبہ کرنی چاہئے اور شخص مذکور سے معافی مانگ لینی چاہئے۔ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ ظن غالب ہے کہ یہ شعر شیعہ کی ایجاد ہے۔ امداد الفتاوی ج ۴

فقط واللہ اعلم بندہ محمد سلیمان غفر اللہ لہ

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۲ / ۵ / ۱۳۸۷ھ

دم کرنے پر مال لینا جائز ہے

ایک شخص نے کسی بیمار سے کہا کہ جب آپ کو شفا ہو جائے گی تو اتنا فلاں مال لوں گا۔ اگر شفا نہ ہو تو کچھ نہیں لوں گا۔ اس معالج نے قرآن پاک کی کوئی سورت پڑھ کر پانی پر دم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیمار کو شفا عطا فرمائی۔ اب اس معالج کو وہ مال لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

وفي الشامية وما استدل به بعض المحشين على الجواز بحديث البخاري في اللديغ فهو خطأ لأن المتقدمين المانعين الاستئجار مطلقاً جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن كما ذكره الطحاوي ج ۶ ص ۱۳۱۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تعویذ پر یا کوئی آیت پڑھ کر دم کرنے پر اجرت لینا جائز ہے۔ لیکن صورت مسئولہ میں شخص مذکور کے اس کہنے نے کہ اگر شفا نہ ہو تو کچھ نہ لوں گا، اجارہ کو فاسد کر دیا۔ کما فی الشامیۃ۔ اور اجارہ فاسدہ میں اجیر اجرت مثل کا مستحق ہوتا ہے۔ الحاصل صورت مسئولہ میں دم کنندہ اس چیز کے لینے کا حق دار نہیں جس پر ان دونوں کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ البتہ اجر مثل کا حق دار ہے۔

فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۱ / ۱۱ / ۱۳۹۶ھ

چاند کی دعا منہ پھیر کر مانگنی چاہیئے

۱: چاند کو دیکھ کر ماثورہ دعا اللّٰھم أھلہ الخ کے کلمات زبان سے ادا کئے جائیں اور ہاتھ نہ اٹھائے جائیں تاکہ ستارہ پرستوں سے تشبہ نہ ہو کیا اس طرح درست ہے ؟

۲: قبر پر جا کر صاحب میت کے حق میں دعائے خیر کی جائے تو اس وقت بھی ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔ تاکہ قبر پرستوں سے مشابہت نہ ہو۔ کیا یہ دونوں مسئلے درست ہیں ؟

الجواب ۱: عن قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا رای الہلال صرف وجہہ عنہ۔ رواہ ابو داؤد فی بذل المجہود ج ۵ ص ۲۹۹ ۔ قولہ صرف وجہہ عنہ قال المنذری ھٰذا مرسل الی قولہ وکتب مولانا محمد یحییٰ المرحوم فی التقریر قولہ صرف وجہہ عنہ وذلک لئلا یلزم حین یدعو بالدعوات تشبہ لعبدۃ الشمس والقمر۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ چاند دیکھ کر دعا کرتے وقت منہ پھیر لینا چاہیئے۔

۲: قبرستان میں دعا کرتے وقت مستقبل قبلہ ہو تو رفع ایدی درست بلکہ مستحب ہے۔ وفی حدیث ابن مسعود رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر عبد اللہ ذی البجادین ... الی فلما فرغ من دفنہ استقبل القبلۃ رافعاً یدیہ اخرجہ ابو عوانۃ فی صحیحہ [illegible]

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم

خیر محمد عفا اللہ عنہ — بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۱/۹/۱۳۸۶ھ

دوسرے کیلئے استخارہ کیسے کرے

دوسرے کے کام کے لئے استخارہ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر ہو سکتا ہے تو الفاظ استخارہ کیسے پڑھے ؟

الجواب دوسرے شخص کے لئے بھی استخارہ جائز ہے۔ اور انی استخیرک کے بعد لفلان نام لے کر بڑھا دیا جائے اور ان ھذا الامر خیر لی کی بجائے خیر لہ کہا جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

نادِ علیاً الخ کا وظیفہ پڑھنا جائز نہیں

بعض لوگ مصائب و پریشانیوں میں نادِ علیاً مظہر العجائب کا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ شرعاً اس کا پڑھنا کیسا ہے ؟

الجواب حل مشکلات اور دفع مصائب کے لئے احادیث میں اور بہت سے زوردار وظائف موجود ہیں۔ علماء و محدثین سے پوچھ کر ان کا ورد کیا کریں۔ ایسا مشرک کی وجہ سے نادعلیا کا وظیفہ پڑھنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

سوالاکھ آیت کریمہ کا شرعی حکم

سوال: آج کل یہ عام رواج ہوتا جا رہا ہے کہ کسی گاؤں یا محلے کے لوگ کسی مشکل کے وقت جمع ہو کر آیت کریمہ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کو سوالاکھ دفعہ اس خیال سے ورد کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو اس آیت کے ورد سے مشکل سے نجات دی تھی اسی طرح ہماری مشکل بھی دور ہو جائے گی۔ اس ورد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز مشکل کے وقت سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا کیا طریقہ سکھایا ہے؟

الجواب سوالاکھ مرتبہ آیت کریمہ کا ورد کرنا کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ کہ مصیبت کے وقت ایسا کرنا ضروری ہے۔ بلکہ دعا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ جیسے دوسرے طریقوں سے دعا کرنا جائز و مشروع ہے ایسے ہی آیت کریمہ پڑھ کر دعا کرنا بھی مشروع ہے۔ البتہ بزرگوں کا تجربہ ہے کہ آیت ہذا کا ورد مذکور کر کے دعا کی جائے تو قبولیت کی بہت امید ہے اور دفع بلاء کا ظن غالب ہے۔ بس اس ورد کی شرعی حیثیت یہی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: محمد عفا اللہ عنہ۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

غیر معلوم المعنی وظیفہ پڑھنے کا حکم

سوال: دنیا میں بہت سے منتر اور عزیمتیں اور قرآنی آیات و تعویذات مطلب برآری کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو سمجھ میں نہیں آتے۔ اور بعض آتے ہیں۔ اور مختلف زبانوں میں یہ منتر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات غیر خدا کو پکارا جاتا ہے اور مطلب میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ کام کس حد تک جائز ہے۔ جس کی مثال پیش خدمت ہے۔ یا شمخا شانہ یا طامی حضالہ طامی حق خطلی طیطی یا طالی ؟

یہ ایک لمبا عمل ہمزاد تابع کرنے کا ہے۔ جس میں تعویذ ہوتا ہے اور جن کی نوید نگاہ رکھنی پڑتی ہے۔ یہ عمل جائز ہے یا نہیں!

الجواب مذکورہ عمل پڑھنا جائز نہیں۔ شامی میں ہے: ج ۵، ص ۲۳۰۔

ولا بأس بالمعاذات اذا کتب فیها القرآن او اسماء الله تعالیٰ ویقال رقاه الراقی رقیا و رقیة اذا عوذه ونفث فی عوذته قالوا وانما تکره العوذة اذا کانت بغیر لسان العرب ولا یدری ما هو ولعله یدخله سحرا و کفرا وغیر ذالک واما ما کان من القرآن او شئ من الدعوات فلا بأس به۔ اھ

نیز ہمزاد بھی ایک جن ہوتا ہے اور جنوں کو تابع اور مسخر کرنے سے حدیث میں منع وارد ہوا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

بخاری شریف کی مندرجہ ذیل حدیث سے منع مستنبط ہوتی ہے۔

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه صلی صلوة فقال ان الشیطان عرض لی فشد علی لیقطع الصلوٰة علی فامکننی الله منه فذعته ولقد هممت ان اوثقه الی ساریة حتی تصبحوا فتنظروا الیه فذکرت قول سلیمان رب هب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی فرده الله خاسئا (بخاری ج ۱ ص ۱۶۱) کذا ذکرہ الشراح۔ والجواب صحیح

محمد عبداللہ عفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹/۱/۱۴۰۰ھ

عملیات کے ذریعہ کمائے ہوئے پیسے کا حکم

عملیات اور وظائف کے ذریعہ مال حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ ایسے عملیات تجربہ میں آچکے ہیں کہ مصلے کے نیچے پیسے رکھ کر عمل شروع کیا اور مصلے کے نیچے سے بغیر شمار کئے اٹھا کر خرچ کرتے رہے اور پیسے ختم نہ ہوئے۔ حافظ عبدالستار علو والی۔

الجواب حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ یہ بواسطہ جنات چوری ہے لہٰذا حرام ہے۔ (امداد الفتاوی، ج ۴، ص ۱۰۵)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

درود شریف کے بارے میں چند مسائل ۱: صلوٰۃ وسلام خارج نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۲: سلام بالاخفاء پڑھے یا بالجہر؟

۳: مخصوص طرز میں پڑھے یا جیسے چاہے۔ ۴: قعود میں پڑھے یا قیام میں؟

الجواب ۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا ایک بہترین عبادت ہے اور یہی ایک ایسی عبادت ہے جو کبھی رد نہیں ہوتی۔ لہذا خارج نماز بھی جتنا پڑھا جاسکے غنیمت سمجھیے۔

۲: دعا اور عبادت میں اصل اخفاء ہے لقولہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ الآیۃ اگر کسی وقت طبیعت کا تقاضا جہر کا ہو تو چند شرائط کے ساتھ گنجائش ہے۔

۱- جہر مفرط نہ ہو۔ جہر کی وجہ سے کسی عبادت کرنے والے کی عبادت میں خلل نہ آوے۔

۲- کسی سونے والے اور بیمار کو اذیت نہ ہو۔

۳- ریا مقصود نہ ہو۔

۳: اگر مخصوص طرز سے مراد نغمہ اور لے ہے تو یہ شریعت میں کوئی مطلوب نہیں۔ از خود پیدا ہو تو ممنوع نہیں۔ بلکہ کثرت مقصود و مطلوب ہونی چاہیے۔

۴: جن عبادات کو کسی خاص کیفیت سے ادا کرنا مقصود ہے۔ ان عبادات میں شریعت نے کیفیت ذکر کی ہے۔ کہ یہ عبادات بیٹھ کر کی جائیں یا کھڑے ہو کر وغیرہ وغیرہ۔

اور جن میں شریعت نے کوئی خاص قید ذکر نہیں کی ان کو عام با ادب طریقے پر ادا کیا جائے گا مستحسن طریقہ یہی ہے کہ احترام کے ساتھ قبلہ رو بیٹھ کر دل جمعی کے ساتھ عبادت کی جائے۔

درود شریف میں بھی یہ ادب ملحوظ رکھا جائے گا۔ قیام کو لازم سمجھنا غلط ہے۔ اور اگر اس خیال سے قیام ہو کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں تو یہ عقیدہ فاسد اور قیام ممنوع ہے۔ اور اگر کوئی خاص گروہ اس عقیدہ کے تحت قیام کرتا ہے تو ان کے تشبہ سے بچنا بھی ضروری ہے۔ نیز عقیدہ ہو کہ میرا درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بذریعہ ملائکہ پیش کیا جاتا ہے۔ درود کے الفاظ مسنون و منقول ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور: نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

بندہ محمد عبد الستار عفا اللہ عنہ: ۲۲ / ۸ / ۱۳۹۸ھ

لہ فیہ نظر۔ محمد انور

دم کی ایک مروّج صورت کا حکم

گزارش ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مسجد کے باہر بچے اور لوگ برتن لئے کھڑے رہتے ہیں کہ نماز ختم ہو اور وہ اپنے برتن میں دم کرائیں۔ رمضان شریف میں یہاں بوتلوں کی قطاروں کی قطار لگ جاتی ہے۔ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ نیز اس کے متعلق کوئی حدیث نبوی ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب اس میں کوئی خلاف شرع امر نہیں۔ ہاں شور و شغب ہوتا ہو تو شور سے روکنا چاہئے۔ دم کرنا حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے زخم ہو گیا تھا فرماتے ہیں کہ میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ نے تین مرتبہ دم فرمایا تو زخم درست ہو گیا۔ فاتیت النبی علیہ السلام فنفث فیہ ثلاث نفثات فما اشتکیتها حتی الساعة۔ (مشکوٰۃ ص [illegible])۔

نیز حدیث میں ہے۔ کان رسول اللہ علیہ السلام اذا صلی الغداة جاء خدم المدینة بآنیتهم فیها الماء فما یأتون باناء الا غمس یده فیها فربما جاءوا بالغداة الباردة فیغمس یده فیها الخ (مشکوٰۃ ص ۵۱۸)

فقط واللہ اعلم۔ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۶/۱۰/۱۳۹۵ھ

دم اور تعویذ دینے کا ثبوت

اگر کسی شخص پر آسیب کا اثر ہو، اس کو دور کرنے کے لئے قرآن و حدیث کی روشنی میں تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ سننے میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کسی قسم کا تعویذ بنا کر گلے میں لٹکانا شرک ہے یا منع ہے۔ کیا اس قسم کی حدیث کتب احادیث میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی وضاحت کیجئے۔

۲: جو لوگ تعویذوں کا پیشہ کرتے ہیں اور اجرت لیتے ہیں۔ کیا یہ اجرت لینا جائز ہے؟

الجواب بخاری و مسلم میں روایت آئی ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے سانپ کے ڈسے ہوئے کو سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور اس کے عوض میں کچھ بکریاں بھی لیں۔ ایسے ہی ابن ماجہ میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیر الدواء القرآن ذکره ابن القیم فی زاد المعاد واحتج به فهو حسن او صحیح عنده۔

نیز بخاری و مسلم میں یہ روایت آئی ہے کہ آنحضرت علیہ السلام معوذتین پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کرتے تھے۔ عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اشتکی

یشفی بہ نفسہ بالمعوذات ... (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۵۵)

قرآنی آیات یا ادعیہ ماثورہ سے شفا کا انکار کرنا سراسر جہالت و حماقت اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کے تجربات کو جھٹلانا ہے۔

رہا تعویذات کا مسئلہ تو حصن حصین کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو آدمی ان کلمات کو پڑھ نہ سکے تو ان کو لکھ کر گلے میں ڈال لے۔ (حصن حصین ص ۵۹ طبع لکھنؤ) نیز یہی روایت ابوداؤد میں بھی موجود ہے۔[1]

البتہ یہ ضروری ہے کہ تعویذ کے کلمات شرکیہ یا غیر معلوم المعنی نہ ہوں۔ جاہلیت والے ایسے ہی تعویذ استعمال کرتے تھے جن کے الفاظ شرکیہ تھے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد کا مطلب بھی یہی ہے۔ کہ ایسے تعویذوں سے بچا جائے۔ کیونکہ اس حدیث کے آخر میں لفظ یہ ہیں۔ "کہ یہ شرک ہے" اور ظاہر ہے کہ شرکیہ تعویذ ہوں گے تو ان کے استعمال سے شرک لازم آئے گا۔ جائز تعویذوں کے بارے میں یہ ارشاد نہیں ہے۔

۲: نفس اجرت لینا تو جائز ہے جیسا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے دم کرنے پر اجرت لینا ثابت ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں مجبور کرنا، ناحق تنگ کرنا یا اور کوئی ایسی بات کرنا ممنوع ہے۔

فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۲۰/۲/۱۴۰۲ھ

تعویذات کیلئے مستند کتب

تعویذات کے لکھنے اور ان کے پہننے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد یا عمل ہے یا نہیں!

۲: لوگ ہمیں تعویذ لکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ان کو لکھ کر دیا جائے تو کہ وہ شرکیہ تعویذات و عملیات سے بچیں۔

الجواب ۱: حصن حصین میں ایک حدیث آئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو آدمی ان کلمات کو پڑھ نہ سکے تو تعویذ بنا کر گلے میں ڈال لے، نیز تعامل سلف بھی ایک اہم دلیل ہے۔

۲: اعمال قرآنی، مجربات عزیزی، شفاء العلیل اس سلسلہ میں مفید و معتمد علیہا ہیں۔

فقط واللہ اعلم۔

---

[1] عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعلمھم من الفزع کلمات اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من غضبہ وشر عبادہ ومن ھمزات الشیاطین وان یحضرون وکان عبداللہ بن عمرو یعلمھن من عقل من بنیہ ومن لم یعقل کتبہ فاعلقہ علیہ (ابوداؤد ج ۲ ص ۵۴۳)۔ فیہ دلیل علی جواز کتابۃ التعاویذ والرقی وتعلیقھا۔ (بذل المجہود ج ۵ ص ۱۱)

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۳ ، ۶ ، ۱۳۹۹ھ

اعینونی عباد اللہ کے وظیفے کا حکم

کتاب "شہباز شریعت" جو ایک بڑے عالم کی لکھی ہوئی ہے، ص ۳۴۲ ۔ پر ہے کہ اعینونی عباد اللہ رحمکم اللہ ۔ یا عباد اللہ اعینونی ۔ اس کو ۳ مرتبہ پڑھا جائے جو شخص غائب سے امداد چاہے وہ یہ پڑھے ۔ ایک شخص اعتراض کرتا ہے کہ جب غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز نہیں ہے جیسا کہ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ ناجائز ہے، تو مذکورہ وظیفہ جائز کیسے ہے؟ اور ان اللہ کے بندوں سے کون بندے مراد ہیں ۔ کیا یہ حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب باوجود تلاش کے اصل کتاب سے یہ حدیث نہیں مل سکی اور کتاب بھی پوری نہیں ملی شاید دوسری جلدوں میں یہ حدیث موجود ہو ۔ لہذا حدیث کی صحت اور ضعف کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی ۔ البتہ ان عبارات کو ہر شخص غائب سے استمداد کیلئے پڑھنا جائز نہیں ۔ اور نہ ہی بطور وظیفہ ان کا پڑھنا روا ہے ۔ بلکہ یہ تو صرف اس شخص کے لئے ہے جو صحرا میں کوئی چیز گم کر دے، جیسا کہ خود الفاظ حدیث سے ظاہر ہے ۔ پس اس حدیث سے ہر غائب سے ہر مقام پر ہر وقت مطلقاً استمداد واستعانت کا جواز ثابت نہیں ہوگا ۔ نیز یہ بھی متعین نہیں کہ یہ عباد اللہ کس طرح اعانت کرتے ہیں ۔ دعا کرتے ہیں یا کسی اور طریقے سے اور ان عباد اللہ کے مصداق میں علماء کا اختلاف ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ فرشتے ہیں ۔ اور بعضوں کے نزدیک ابدال ہوتے ہیں ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

اگر بعض فرشتوں کو یا رجال غیب کو صحرا میں حق تعالیٰ سبحانہ نے اسی خدمت پر مامور فرمایا ہو تو کچھ عجیب نہیں ۔ لیکن اس سے مطلقاً استمداد غیر اللہ کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا ۔

تنبیہ ۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ۔

وهو بارض ليس بها انيس فليقل يا عباد الله اعينوني ...... فان لله عبادا لا يراهم ۔ حدیث سے امور ذیل مستفاد ہوئے ۔

۱ ۔ جب صحرا میں کوئی شئے گم ہو جائے تو اس وقت خط کشیدہ الفاظ کہے جائیں ۔

۲ ۔ وہاں کچھ رجال غیب ہوتے ہیں جو ہر شخص کو نظر نہیں آتے ۔

حدیث میں یہ نہیں بتایا گیا کہ عباد اللہ کی اعانت کی نوعیت کیا ہوتی ہے ۔ وہ صرف دعا کرتے

ہیں یا کچھ اور۔ پس اس میں کوئی قابل تعجب بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ عز وجل اس لق و دق صحراء میں کچھ رجال غیب کو ایسے امور کے لئے مامور فرما دیتے ہوں۔ لیکن یہ ندا لغیب نہیں ہوگی بلکہ وہیں کے رہنے والوں کو پکارنا ہے۔ نہ معلوم ان کی کتنی تعداد ہے کہ وہ ہمیں نظر نہ آتے ہوں۔ اور ان کا وہاں موجود ہونا خود اس حدیث سے ثابت ہے۔ بخلاف " یا شیخ عبدالقادر الخ " کے کہ یہ ندا لغیب ہے۔ کیونکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہ العزیز ہر جگہ اور ہر گھر میں موجود ہوتے ہیں۔ پس دونوں کا حکم قطعاً الگ ہے۔ البتہ یہ کہ " یا عباد اللہ الخ " کو ہر جگہ پر بطور وظیفہ پڑھنا پھر بھی جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ حدیث سے ایسا عموم ثابت نہیں ہوتا۔ جس مقدار کے لئے حدیث سے اجازت معلوم ہوتی ہے اس کو جائز سمجھا جائے۔ یعنی صرف جنگل میں جبکہ کوئی چیز گم ہو جائے۔ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کے خلاف یہ اس لئے نہیں ہوگا کہ یہ استعانت ایسی ہی ہے جیسے ایک انسان دوسرے انسان کی معمولی کاموں میں امداد کرتا ہے۔

اس تفصیل و بحث کی حاجت اس وقت ہے جب کہ سند کے اعتبار سے حدیث کی صحت معلوم ہو جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

وہ تعویذات کونسے جائز ہیں جن میں شرکیہ کلمات نہ ہوں رقیہ یعنی دم، تعویذ، تمیمہ، تینوں کی وضاحت کریں کہ کون سے ناجائز اور شرک ہیں۔ بینوا و توجروا۔

الجواب: احادیث کی روایات اس کے بارے میں مختلف ہیں۔ بعض سے جواز اور بعض سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے فقہاء نے تعویذات کے متعلق ضابطہ یہ لکھا ہے کہ قرآنی آیات اور ادعیہ ماثورہ یا ایسے کلمات جن سے کوئی کفر و شرک لازم نہ آتا ہو بلکہ شرک کا وہم بھی نہ ہوتا ہو۔ ایسے دم اور تعویذات کرنا، اور استعمال کرنا شرعاً درست ہے۔ اس کے علاوہ شرکیہ کلمات والے تعویذات کا استعمال ناجائز ہے۔ بلکہ فقہاء نے ایسے دم اور تعویذات سے بھی منع کیا ہے جن کے معنی معلوم نہ ہوں۔ شامیہ میں ہے۔ قالوا انما تکرہ العوذ اذا کانت بغیر لسان العرب ولا یدری ما هو ولعله یدخله کفر او غیر ذلک (شامی ج ۵ ص ۲۳۲)

فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

ذکر بالجہر کے احکام

۱۔ علماء احناف کے ہاں "ذکر" بلند آواز سے کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ مسجد میں اگر کسی کی نماز خراب ہونے، یا کسی مسافر کی نیند خراب ہونے یا ریا کا خوف نہ ہو تو ذکر جہر کرنا کیسا ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی کا خوف ہو تو کیا حکم ہے۔ نیز جہر کتنا اونچا جائز ہے۔

۲۔ بعض صوفیاء کے ہاں حلقہ بنا کر مسجد میں ذکر بالجہر کیا جاتا ہے یہ عمل کیسا ہے۔

۳۔ سلاسل اربعہ نقشبندی، سہروردی، چشتی، قادری یہ دلائل اربعہ کی رو سے حق ہیں یا نہیں۔

۴۔ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ اور ان کے جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انور جمعرات کو بعد از نماز مغرب لائٹ بند کر کے، حلقہ بنا کر شیرانوالہ مسجد میں ذکر جہر کرواتے ہیں۔ اور جہر اتنا اونچا ہوتا ہے کہ پاس بیٹھنے والے سن اور سمجھ سکتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب

۱، ۲۔ ذکر جہر ہر طور سے جائز ہے کسی کو اس سے منع نہیں کرنا چاہئے۔ ذکر کسی ہیئت کے ساتھ مقید نہیں۔ بلکہ بوجہ اطلاق اولہ مطلق ہے۔ خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر۔ یا صف باندھ کر یا کسی صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر غرضیکہ کوئی ہیئت ہو جائز ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکۃ۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ ج۱)

وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منھم (متفق علیہ)

وقال اللہ تعالیٰ یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم الآیۃ

وفی تفسیر الاحمدی فی بحث الجھر والاخفاء: وھذا بحث مختلف فیہ بین الامام فی زماننا ولا طائل تحتہ اذ المقصود بکل الوصول الی اللہ تعالیٰ بای طریق کان۔

البتہ اس میں اس بات کا خیال ضرور رہے کہ یہ جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ کسی نائم یا نمازی کو اذیت نہ ہو، اور جہر نہایت مفرط نہ ہو۔ نیز کسی طریقہ کو لازم نہ سمجھا جائے، اور اعتقادی ہو گا ...

ذکر جہر ادنیٰ کی حد تو متعین ہے۔ وہ یہ کہ ساتھ والوں کے علاوہ دوسرے بھی سن سکیں۔ کما فی الشامیۃ ج ۱ ص ۴۹۹۔

وادنی الجہر اسماع غیرہ ومن لیس بقربہ لیکن اکثر کی کوئی حد نہیں۔ وفیہا لاحد لہ فاقصہ ما شاء ج ۱ ص ۴۹۹ یعنی انشاء پر موقوف ہے مگر اس کے جواز کی شرط وہی ہے کہ کسی مصلی و نائم کو تشویش نہ ہو کما صرح بہ الفقہاء۔

۳: مسئلہ سبل الحق میں۔

۴: جائز ہے بشرطیکہ نہ کرنے والوں پر نکیر نہ کیا جاتا ہو۔ اور اس کو عبادت مقصودہ نہ سمجھا جاتا ہو۔ فقط واللہ اعلم۔ عبدہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

الجواب صحیح بندہ محمد عفا اللہ عنہ ۲۲ / ۴ / ۱۳۸۶ھ

سپیکر پر ذکر جہر مناسب نہیں

ذکر جہر زور زور سے سپیکر پر پڑھنا درست ہے؟ اسی طرح حدیث و تفسیر کو آدھی رات کو لوگوں کی نیند حرام ہو۔ یا نماز کے اوقات میں جبکہ دوسری مساجد میں نماز ہو رہی ہو۔ آیا یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب بلند آواز سے ذکر کرنے سے کسی نمازی کو یا سونے والے کو تکلیف ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں۔ اور جہر مفرط ذکر میں ویسے ہی درست نہیں، کسی کو تکلیف ہو یا نہ ہو۔ دلیلہ ما فی الاتقان ج ۲ ص ۱۱۳۔ قال النووی ان الاخفاء افضل حیث خاف الریاء او تأذی المصلون او النائمون بجہرہ اھ

اور ابو داؤد میں سند صحیح کے ساتھ روایت ہے۔ عن ابی سعید رضی اللہ عنہ اعتکف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد فسمعہم یجہرون بالقراءۃ فکشف الستر وقال ان کلکم مناج ربہ فلا یؤذین بعضکم بعضا اھ

(امداد الاحکام ج ۱ ص ۲۲۸)

اور اس میں اصل مقصود حاضرین کو سنانا ہوتا ہے لہذا آواز اتنی ہی رکھنی چاہیے کہ محدود رہے فقط (ورنہ صوت جاذبہ) لانہ حیث خیف الریاء او تأذی المصلین او النیام ان شرط لہ وفی حاشیۃ الحموی عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرہا الا ان یشوش جہرہم علی نائم او مصل او قاری

۱ ؎ شامی ج ۱ ص ۳۹۴۔ وقال الشامی ای رفع الصوت بالذکر بدعۃ۔ (شامی ...)

واللہ اعلم: محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۶/۹/۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

لفظ یا اللہ کے ساتھ دعا مانگنا — ایک شخص کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے وقت یا پکارتے وقت صفاتی نام لینا چاہئے ذاتی نام سے دعا نہیں کرنی چاہئے اس بات کے متعلق وہ یہ دلائل پیش کرتا ہے۔

۱: اصول ہے کہ اپنے سے بڑے کو نام سے پکارنا بے ادبی ہے۔ اور کسی معاشرے میں بھی یہ جائز نہیں ہے جیسے باپ یا استاد کو نام سے پکارا جائے تو وہ یقیناً ناراض ہوگا۔

۲: کسی اللہ کے رسول نے اللہ تعالیٰ کو ذاتی نام سے نہیں پکارا۔ اگر جائز ہوتا تو کیا انبیاء علیہم السلام کو ذاتی نام سے نفرت تھی؟ ہر وقت پکارا یا اللہ کہتے۔

۳: آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ ذاتی نام سے پکارنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ لا تجعلوا دعاء الرسول الآیۃ۔ جب باری تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے احترام کے خواہاں ہیں کہ یا محمد کہہ کر کوئی نہ پکارے بلکہ یا رسول اللہ، یا نبی، یا ابا القاسم کہے۔

۴: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ما لکم لا ترجون للہ وقارا ۔ وقد خلقکم اطوارا ۔ (سورۃ نوح، پ ۲۹) جب انسانوں میں کوئی محترم ہے تو اللہ تعالیٰ کے متعلق احترام کی پرواہ کیوں نہیں؟

خلاصہ یہ ہے کہ دعا یا اللہ کہہ کر نہ مانگنی چاہئے صفاتی نام سے، مثلاً اے میرے مالک والے میرے پروردگار وغیرہ نیز اللّٰھم لفظ الٰہ سے مشتق ہے اور لفظ اللہ خدا تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ تو کیا اس شخص کا یہ کہنا درست ہے؟

الجواب — اسم ذات کے ساتھ دعا کرنا درست ہے۔ جلالین شریف میں ہے۔ وکان صلی اللہ علیہ وسلم یقول یا اللہ یا رحمٰن فقالوا انہ ینہانا ان نعبد الٰہین وہو یدعو الٰہا آخر معہ فنزل قل لہم ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ای سموہ بایہما او نادوہ بان تقولوا یا اللہ یا رحمٰن۔ (ص ۲۳۹)۔

مذکورہ عبارت سے ظاہر ہے کہ خدائے پاک نے قرآن پاک میں یا اللہ کہہ کر دعا مانگنے کی اجازت دی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح دعا فرماتے تھے۔ اور دوسری آیت بھی اس کے بارے میں

صریح ہے۔ وللّٰہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا۔ اسماء حسنیٰ میں لفظ اللّٰہم بھی داخل ہے نیز اس سے پکارنا بھی جائز ہے۔ حواشی جلالین میں ہے۔

بل یدعی باسمائه التی ورد التوقیف علی وجه التعظیم فیقال یا الله یا رحمٰن یا عزیز یا کریم ۔ (ص ۱۲۵)

قل اللّٰھم کا ترجمہ صاحب جلالین نے "یا اللہ" کیا ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ کے آخر میں میم مشدد حرف ندا کا بدل ہے۔ اس لئے یا اللّٰہم نہیں کہا جاتا۔ اور اللّٰہم سے بے شمار جگہوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا فرمانا ثابت ہے۔ کما لا یخفی۔ مشکوٰۃ ج ۲ صفحہ

اور ایک حدیث میں ہے۔ لا تقوم الساعة حتی لا یقال فی الارض اللّٰہ اللّٰہ۔ معلوم ہوا کہ اللہ اللہ کا ذکر جائز ہے۔ ان دلائل کے مقابلہ میں سوال میں ذکر کردہ قیاسات کا کوئی اعتبار نہیں جب نقل ہی جانے تو عقل کا کام صرف تسلیم کرنا ہے نہ کہ قیاس لڑانا۔ بندوں کے ضعف کی بنا پر حق جل شانہ نے اپنا پاک نام لینے کی اجازت دی ہے۔ تو ناراض کیوں ہوں گے؟ انبیاء علیہم السلام سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ آپ یا اللہ کہتے تھے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۲/ ۸ / ۹۱ ھ

فرضوں کی جماعت کے بعد دعا کا ثبوت

دعاء بعد از ادائیگی جماعت نماز فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء مانگنے کے مطابق حدیث یا سنت کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے کہ جائز ہے۔ کون سی احادیث سے ثابت ہے؟

الجواب: فرضوں کے بعد دعاء مانگنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے احادیث صحیحہ سے ثابت اور موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرضوں کے سلام کے بعد کچھ دیر ذکر و دعا میں مشغول رہتے تھے اور آپ کے یہ اذکار اور دعائیں بھی احادیث میں منقول ہیں۔ بنا بریں ائمہ اربعہ اور احناف کا مسلک ہے کہ فرائض کے بعد امام و مقتدی کا دعاء مانگنا سنت و مستحب ہے۔ متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض کے بعد دعاء مانگنے کی ترغیب دی اور کچھ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ان کے مناسب حال ادعیہ بھی تلقین فرمائیں۔

آنحضرت علیہ السلام کا عمل: عن الاسود العامری عن ابیه قال صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الفجر فلما سلم انحرف و رفع یدیه ودعا۔ الحدیث۔ اخرجه ابن ابی شیبه

فی مصنفہ)۔

۲ : عن ابی بکرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعو بهن اللهم انی اعوذ بک من الکفر دبر کل صلوٰۃ اھ (رواہ احمد والترمذی والنسائی)۔

کیا خیال ہے جب نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے رہے ہوں گے تو صحابہ بھی دعا میں شریک نہ ہوتے رہے ہوں گے۔

۳ : قال محمد بن یحیی الاسلمی رأیت عبد اللہ بن الزبیر ورأی رجلا رافعا یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلوٰتہ فلما فرغ منہا قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوٰتہ رجالہ ثقات نقلہ السیوطی عن ابن ابی شیبہ۔

ان حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بعد دعائیں

۴ : عن ابی امامۃ ما دنوت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دبر صلوٰۃ مکتوبۃ ولا تطوع الا سمعتہ یقول اللہم اغفر لی ذنوبی وخطایای کلہا الحدیث (اخرجہ ابن السنی)

۵ : عن المغیرۃ بن شعبۃ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا فرغ من الصلوٰۃ قال لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شیء قدیر ولفظ البخاری دبر کل صلوٰۃ اھ

(بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی)۔

۶ : عن عبد اللہ بن الزبیر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی دبر الصلوٰت لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الحدیث رواہ مسلم

۷ : عن انس رضی اللہ عنہ قال ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنا الا قال حین اقبل علینا بوجہہ اللہم انی اعوذ بک من کل عمل یخزینی ومن کل صاحب یؤذینی واعوذ بک من عمل یلہینی واعوذ بک من کل فقر ینسینی واعوذ بک من کل غنی یطغینی اھ (رواہ البزار وابو یعلی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف

منہ پھیر کر یہ دعا مانگتے تھے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بجائے شرکت کرنے کے یا آمین کہنے کے اٹھ کر چل دیتے ہوں۔

۸ : عن علی قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من الصلوۃ قال اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت الحدیث : (ابوداؤد)۔

۹ : عن ثوبان رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان ینصرف من صلوتہ استغفر ثلاث مرات ثم قال اللھم انت السلام الخ۔ (ابوداؤد)

نمازوں کے بعد دعا کے بارے میں آپ کے ارشادات

۱۰ : عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقرء المعوذات دبر کل صلوۃ (احمد، ابوداؤد)

۱۱ : قیل یا رسول اللہ ای الدعاء اسمع فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوف اللیل الآخر ودبر الصلوات المکتوبات۔ (رواہ الترمذی)

۱۲ : عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا معاذ انی واللہ احبک فلا تدع دبر کل صلوۃ ان تقول اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک الحدیث۔ (ابوداؤد والنسائی)

۱۳ : عن الفضل بن عباس الصلوۃ مثنی مثنی تشہد فی رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیک یقول ترفعھما الی ربک مستقبلا ببطونھما وجھک وتقول یارب یارب ومن لم یفعل فھو کذا وکذا وفی روایۃ فھو خداج (اخرجہ الترمذی)

۱۴ : اخرج الطبرانی من روایۃ جعفر بن محمد الصادق قال الدعاء بعد المکتوبۃ افضل من الدعاء بعد النافلۃ کفضل المکتوبۃ علی النافلۃ کذا فی السعایۃ۔

۱۵ : واعلم انہ لا خلاف بان المذاھب الاربعۃ فی ندب الدعاء سرا للامام والفذ واجاز المالکیۃ والشافعیۃ جھر الامام بہ لتعلیم المؤمنین ارنا مینھم۔

علی دعائہم اھ (از کتاب مسائل السعادات الی سبیل الدعوات ، مؤلفہ شیخ محمد علی مفتی مالکیہ مکہ)۔

علماء امت کا اجماع

(۲) قد اجمع العلماء علی استحباب الذکر والدعاء بعد الصلوٰۃ وجاءت فیہ احادیث کثیرۃ۔

(تہذیب الاذکار للرملی)

کتب تفسیر سے ثبوت

(۳) ابن المثنی انہ قال فی تفسیر قولہ تعالیٰ فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم الآیۃ ای اذکروا اللہ تعالیٰ وادعوا بعد الفراغ من الصلوٰۃ انتہی۔ (النفحۃ المرغوبۃ) فہذہ نبذۃ من دلائل فصلت وبینت فی النفائس المرغوبۃ ومسالک السعادات وان شئت التفصیل فعلیک بہ فان یشفیک ویکفیک ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مزید تفصیل مطلوب ہو تو دیکھئے رسالہ "النفائس المرغوبہ" مؤلفہ حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ اس میں دو سو چند سے زائد علماء عرب و عجم کی تصدیق و توثیق سے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲؍ ۱؍ ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

بارش حاصل کرنے کا [illegible] طریقہ

ایک علاقہ چھچھ بالا ضلع ڈیرہ غازی خان میں ایک بزرگ علی شاہ کا مزار ہے اس کے متعلقین نے مشہور کر رکھا ہے کہ صاحب قبر نے اپنی حیات میں ارشاد فرمایا تھا کہ جب بارش بند ہو جائے تو دو قومیں (ماچھی، ماہانی) صرف میرے مزار کو اس صورت میں غسل دیں کہ ایک نو عمر نابالغ لڑکی کسی قریب کے کنوئیں سے پانی بھر لائے اور پانی کے ساتھ چند صندل، کنگھی (گل سرشوئی) تیل سرسوں وغیرہ اور تبرکات چیزیں شامل ہوں غسل دینے سے بند بارانی ٹوٹ کر پھر آبادی ہو جائے گی۔

کیا اس طریقہ پر غسل دینا اور اس کو ذریعہ نزول بارش سمجھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور ایسے طریقہ پر روکنے اور طعن کرنے والے کا کیا حکم ہے۔ نیز اگر کوئی کہے کہ نزول مطر تو من جانب اللہ ہے لیکن تیمناً اور تبرکاً اور حسب ارشاد ولی ہم ایسا کام کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بارش حاصل کرنے کا مسنون طریقہ استغفار، دعا، اور نماز استسقاء پڑھنا ہے جو کہ نزول بارش کے لئے مجرب ہے جو لوگ مسنون طریقہ کو ترک کرتے ہیں وہ ایسی رسوم اور بدعات بے اصل میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایسا فعل بالکل بے سند ہے چھوڑ دینا لازم ہے۔ جو لوگ منع کرتے ہیں وہ حق پر ہیں۔ اور جو لوگ ایسا کام کرتے ہیں وہ راہ سنت سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ان کی یہ تاویل کہ ہم تیمناً و تبرکاً ایسا کرتے ہیں غلط ہے۔ بارش کی بندش کے وقت کسی نبی یا صحابی یا تابعی یا امام یا ولی کی قبر سے تیمن و تبرک اس طرح کسی نے بھی حاصل نہیں کیا ایسا عمل چھوڑ دینا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۷۴ھ

ادعیہ ماثورہ میں زیادتی الفاظ خلاف اولیٰ ہے

فرض نماز کے بعد جو ایک مرتبہ دعا مانگی جاتی ہے مثلاً اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام (نماز حنفی مجموعہ رسائل شریف از شیخ حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہم) اس دعا میں جو بعض لوگوں نے تصرف اور غلو کر کے کچھ زائد الفاظ اور بڑھا دیئے ہیں مثلاً منک السلام کے بعد والیک یرجع السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام اور تبارکت کے بعد وتعالیت بھی پڑھتے ہیں۔ ان زائد الفاظ کا ثبوت احادیث وغیرہ میں ملتا ہے یا نہیں۔ بصورت نفی اگر یہ الفاظ بھی پڑھے جائیں تو موجب ثواب (بدعت حسنہ) ہوں گے یا موجب معصیت (بدعت سیئہ) ہوں گے؟

نیز وہ اپنے جملے "حینا ربنا بالسلام" کا معنی کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو ہمیں ہمارے اسلام پر زندہ رکھ۔ آیا حینا (از تحیہ) اس کے معنی زندہ رکھنے کے ہیں یا سلام کرنے اور درود بھیجنے کے ہیں۔ اگر اس کے معنی زندہ رکھنے کے ہوں تو پھر ہمیں تتبع اور تلاش کے باوجود کوئی استشہاد نہیں ملتا کہ فلاں محقق اور لغوی نے "تحیہ" کے معنی یہ لکھے ہیں زندہ رکھنے کے۔ بر تقدیر نفی معنی لغو اور بیہودہ ہو جاتے ہیں فافہم۔

۲۔ اذان کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے مثلاً اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمدا الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ انک لا تخلف المیعاد (حصن حصین) اگر لوگ والفضیلۃ کے بعد والدرجۃ الرفیعۃ اور اسی طرح وعدتہ کے بعد وارزقنا شفاعتہ بھی

پڑھتے ہیں۔ آیا ان الفاظ کے پڑھنے کا کہیں ثبوت ہے یا نہیں ؟

الجواب (۱) نماز مفروضہ اور اذان کے بعد افضل یہ ہے کہ ادعیہ ماثورہ پڑھی جائیں جو زیادہ صحیح ہیں منقول ہیں۔ ان ادعیہ میں بعض کلمات مثلاً والیک یرجع السلام اھ والدرجۃ الرفیعۃ اھ وغیرھا بعد میں زائد ہو کر شہرت پذیر ہو گئے ہیں۔ احادیث مرفوعہ میں ان کا ثبوت نہیں اس لئے ان کا پڑھنا خلاف اولیٰ کے درجہ میں جائز ہوا۔ علامہ شامی رح لکھتے ہیں۔ قال ابن حجر فی شرح المنہاج وزیادۃ والدرجۃ الرفیعۃ وختمہ بیا ارحم الراحمین لا اصل لھما (شامی، ج ۱، ص ۴۹۶) والاولیٰ ان یدعو بالادعیۃ المأثورۃ اھ (شرح نقایہ، ج ۱، ص ۶۱)
واما زیادۃ والدرجۃ الرفیعۃ المشتھرۃ علی الالسنۃ فقال السخاوی لم اراہ فی شیء من الروایات (حاشیہ شرح نقایہ ج ۱ ص ۶۱)۔

(۲) لفظ حیینا ربنا بالسلام مشتق ہے حیوۃ سے، اس کے معنی زندہ رکھ، درست ہیں۔
علامہ طاہر گجراتی ایک حدیث کا ترجمہ۔ ان الملائکۃ قالت لآدم حیاک اللہ اھ ای ابقاک اللہ من الحیوۃ اھ کرتے ہیں۔ (مجمع البحار، ج ۱، ص ۳۲۲) فقط واللہ اعلم۔

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ، خادم مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۷۳ھ

الدعاء بعد المکتوبۃ برفع الیدین

ایھا العلماء الکرام والجھابذۃ العظام ما جوابکم عن قول الشاطبی فی کتابہ الاعتصام ج ۱ ص ۳۵۷: فتارۃ نسبت الی القول بان الدعاء لا ینفع ولا فائدۃ فیہ کما یعزی الی بعض الناس بسبب انی لم التزم الدعاء بھیئۃ الاجتماع فی ادبار الصلوۃ حالۃ الامامۃ وسیأتی ما فی ذلک من المخالفۃ للسنۃ وللسلف الصالح والعلماء ؟

ولم ار ردا لذالک فی المصنفات لبخاری الاوان ومسلم الزمان کحضرۃ الجنجوھی ومجاھد العصر لیث الدھر شیخ الوقت کحضرۃ النانوتوی وزھری التصانیف وعکرمۃ التبلیغ کحضرۃ صاحب بذل المجھود قدس اللہ اسرارھم ورأیت جمھور الاحناف واھل الظواھر یلتزمون بالدعاء عقیب الصلوۃ حالۃ الامامۃ۔ فبکمال عنایتکم وبنعمۃ اللہ علیکم وفضلہ اسرعوا بالجواب لتکونوا صدقہ

وفی الآخر نشکرکم ۔

ڈاکٹر ضیاء الحسن الانصاری ، میڈیکل آفیسر ضلع مظفر گڑھ ۔

الجواب اقول وباللہ التوفیق ، مسئلۃ الدعاء بعد الصلوات مختلفۃ فیہ ۔ انکر الحافظ ابن القیم سنیۃ الدعاء بعد السلام مستقبل القبلۃ سواء الامام والمأموم والمنفرد ۔ وقال لم یفعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا الخلفاء بعدہ ولا ارشد علیہ امتہ انما ھو استحسان رآہ من رآہ عوضا من السنۃ بعدھا قال وعامۃ الادعیۃ المتعلقۃ بالصلوۃ انما فعلہا فیہا وامر بہا فیہا کما فی ھدی النبوۃ لابن القیم ورده الحافظ ابن الحجر وقال من ادعاہ من نفیہ مطلقا فدعواہ مردود ۔

والاحادیث التی یستدل بہا علیہا الاولی ما رواہ ابوداؤد والنسائی عن معاذ بن جبل ان النبی علیہ السلام قال لہ یا معاذ انی واللہ لاحبک فلا تدع دبر کل صلوۃ ان تقول اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک الحدیث

والثانیہ عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی علیہ السلام یدعوا بہن (اللھم انی اعوذبک من الکفر والفقر وعذاب القبر) دبر کل صلوۃ (رواہ احمد والترمذی والنسائی)

الثالثۃ عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ الصلوۃ مثنیٰ مثنیٰ تشہد فی رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع بیدیک یقول ترفعہما الی ربک مستقبلا ببطونہما وجہک وتقول یارب یارب ومن لم یفعل فہو کذا وکذا وفی روایۃ فہو خداج اخرجہ الترمذی والروایات فی ہذا الباب کثیرۃ فالدعاء بعد الصلوات من السنن الثابتۃ فلا تکن فی مریۃ واللہ اعلم ۔

محمد عبداللہ غفرلہ ۔ ۲۴ / رجب ۱۴۰۰ھ

الدعاء بعد المکتوبات برفع الایدی ثابت بالاحادیث المرفوعۃ جمعہا العلامۃ المفتی کفایت اللہ الدہلوی فی رسالۃ مستقلۃ فی ہذا الباب تسمی بالنفائس المرغوبۃ فارجع الیہا واغتنمہا ۔

خیر محمد جالندھری عفا اللہ عنہ

دعا کرتے وقت دونوں ہتھیلیوں میں فاصلہ ہو

دعا کرتے وقت دونوں ہتھیلیوں کے کنارے آپس میں ملے ہونے چاہئیں یا دونوں میں فاصلہ ہونا چاہئے ؟ ۔

الجواب بہتر یہی ہے کہ دونوں ہتھیلیاں پھیلی ہوئی ہوں اور دونوں کے درمیان قدرے فاصلہ ہو ۔ الافضل ان یبسط کفیہ ویکون بینہما فرجۃ کذا فی القنیۃ (منیۃ المفتی ص ۴۵) فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان ۳/۱۰/۱۳۹۴ھ

دعا میں آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ الآیۃ کو ضروری سمجھنا

ایک عالم دین کہتا ہے کہ دعا میں آیت کریمہ ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی ضروری ہے ، اس کے بارہ میں وضاحت فرمائیں کہ آیا یہ آیت ضروری ہے یا نہیں ؟ ۔

الجواب دعا میں اس آیت کے پڑھنے کو ضروری کہنا اور اسے ایک خاص فرقے کا شعار بنا لینا درست نہیں کیونکہ عہد رسالت اور عہد صحابہؓ وخیر القرون میں اس کا ثبوت نہیں ۔ لہٰذا اسے دعا کے لئے مخصوص کرنا صحیح نہیں ۔ باقی اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر اس آیت کا پڑھنا درست ہے حسامدین اہلحدیث میں دعا کے اندر یا نماز کے اندر پڑھنے کا نہیں لکھا لہٰذا پڑھنے کو کوئی منع نہیں کرتا ۔

فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۳/۱۰/۱۳۹۴ھ

آیات قرآنیہ والے تعویذ کو جلانے کا حکم

آیات قرآنی کو تعویذ میں لکھ کر تعویذ کو جلانا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اس تعویذ کو جلانے کے بارے میں کیا حکم ہے آیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟ وضاحت سے فتوے صادر فرمائیں ، بینوا توجروا ۔

الجواب آیات قرآنی لکھ کر تعویذ کو جلانا جائز نہیں ہے ۔ کما فی الشامیۃ ج ۵ ص ۱۰۰ ۔

وفی الذخیرۃ المصحف اذا خلق وتعذر القرأۃ منہ لا یحرق بالنار الیہ اشار محمد وبہ ناخذ ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۵/۵/۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔

عملیات کے ذریعہ ملائکہ و جنات کو مسخر کرنا

۱ : جنات کو عمل کے ذریعہ مسخر کرنا درست ہے یا نہیں؟

۲ : بعض علماء و بزرگان دین کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات ان کے تابع تھے آیا وہ جنات ان کے تابع کئے گئے تھے یا خود بخود ان کے تابع ہو گئے تھے؟

۳ : مؤکل اصطلاح عاملین میں بصیغہ اسم فاعل ہے یا بصیغہ اسم مفعول یعنی بکسر الکاف ہے یا بفتح الکاف ہے؟

۴ : یہ مؤکل از نوع جنات ہوتا ہے یا از نوع فرشتگان، یا دونوں پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اگر فرشتوں پر اطلاق ہوتا ہے تو ان پر "تابع کرنے" کا لفظ بولنا جائز ہے یا نہیں؟

۵ : تسخیر فرشتگان کسی قرآنی آیت سے یا اسمائے الٰہی وغیرہ سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟

۶ : تسخیر فرشتگان بحکم شریعت شریف جائز ہے یا نہیں؟

الجواب : جلب منفعت کے لئے مسخر کرنا جائز نہیں گو عمل صحیح کے ذریعہ سے کیا جائے۔ کیونکہ اس میں استرقاق حر یعنی آزاد کو غلام بنانا ہے۔ اور بلا حق شرعی اس سے بیگار لینا ہے جو کہ حرام ہے۔ (معارف القرآن : ج ۷، ص ۲۴۶)

۲ : ظاہر ہے کہ وہ مسنوع شرعی کا ارتکاب نہ کرتے ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ بطور کرامت جنات کو ایسے لوگوں کے تابع کر دیتے ہیں اس میں کسی عمل و وظیفہ کو دخل نہیں۔ (معارف القرآن : ج ۵ : ص ۲۹۵)۔

بجا ہو تسخیر اس قبیل سے ہوتی تھی ؎

تو گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

۳ : قاعدہ کی رو سے تو مؤکل بفتح الکاف ہونا چاہئے۔

۴ ، ۵ : کتاب الجواہر شمس المعارف الکبریٰ جو تعویذات و عملیات کے لئے اصل کی حیثیت رکھتی ہے اس میں ج ۱، ص ۹۹ میں ایک عمل کے تحت لکھا ہے۔ منافع الملائکہ اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی مسخر ہو سکتے ہیں۔

۶ : قواعد کے لحاظ سے جائز نہیں ——— فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔

پیر طریقت میں کن اوصاف کا ہونا ضروری ہے؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کی جائے تو ان میں کون سی خصوصیات موجود ہوں۔ اس کی وضاحت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب کسی دیندار متقی، متبع سنت شیخ سے بیعت کرنا دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے پس اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ فی زمانہ ضروری ہے۔ لیکن پیر و شیخ کے شرائط یہ ہیں۔

۱ ؛ دین کی کتابوں اور مسائل کا ضروری علم ہونا۔

۲ ؛ کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرنا۔

۳ ؛ کسی شیخ کامل کی خدمت و تربیت میں ایک عرصہ تک رہ چکا ہو۔ اور مجاز بھی ہو۔

۴ ؛ دنیا داروں کی بہ نسبت دیندار لوگوں (علماء و صلحاء) کا رجحان اس کی طرف زیادہ ہو۔

۵ ؛ اس کی صحبت میں بیٹھنے سے طلب دنیا کی سرد پڑنے لگے اور آخرت کا شوق دن بدن بڑھتا چلا جائے۔

۶ ؛ اس سے تعلق رکھنے والوں میں اکثر کی دینی حالت اچھی ہوگئی ہو۔ مثلاً بے نمازی نماز و روزہ کے پابند ہوگئے ہوں۔ داڑھی منڈانے والے اس گناہ کو چھوڑ چکے ہوں۔ دیگر معاملات اور معاشرت میں بھی پابندی شریعت کا غلبہ ہو۔ وغیر ذالک۔

ایسے شیخ کی بیعت اس زمانہ میں کیمیا ہے۔ اور جو پیر ایسا نہ ہو اس سے بیعت نہ کرے۔

فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۰ر۲ر۱۳۰۳ھ

من لیس لہ شیخ فشیخہ ابلیس کسی بزرگ کا قول ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ آیا یہ حدیث شریف ہے یا کسی شیخ و بزرگ کا قول ہے؟ "من لیس لہ شیخ فشیخہ ابلیس" اس کی مکمل وضاحت فرمائیں۔

الجواب من لیس لہ شیخ فشیخہ ابلیس، یہ مقولہ بعض بزرگوں کا ہے، حدیث شریف نہیں۔ البتہ اس کا مطلب درست ہے۔ کہ جو شخص اپنے استاذ، والد یا کسی متبع سنت بزرگ کو اپنا رہنما نہیں بناتا وہ شیطان کے پھندے میں پھنس جاتا ہے۔ کذا فی بعض الفتاویٰ، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۲ ، ۱ ، ۱۳۸۳ھ

آنحضرت علیہ السلام کی طرف مروجہ "وجد و رقص" کی نسبت کذب و افتراء ہے

حافظ جیون داجل نے ایک کتاب بنام ضیاء نورانی لکھی ہے۔ جس میں حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سیرانی کے کشف و کرامات لکھنے کے بعد وجد و سرود اور رقص پر جواز کا ثبوت دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :- "حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات صحن مسجد میں تشریف فرما تھی۔ کہ ایک مرد اور دو عورتیں حبشی تشریف لائیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شعر ترنم سے پڑھو۔ انہوں نے وہ شعر ترنم سے پڑھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھے اور ان کا طواف کیا، اور پھر رقص کیا۔ ابوبکرؓ نزدیک آئے تو حضور نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر وجد کیا۔ اور زمین پر پاؤں مارتے رہے۔ عمرؓ آیا تو اس کا چہرہ متغیر ہوا۔ اور اس نے چاہا کہ دف والوں کو نکال دوں۔ مگر حضور نے فرمایا کہ خدا کی رحمت کے نزول کا وقت ہے ان کو نہ نکال۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کے چار ٹکڑے کر کے ان کو دیئے۔"

ہمارے گاؤں کے نزدیک ایک چک ہے اس چک کی مسجد میں ایک سید صاحب امام مسجد ہیں اور جمعہ کی نماز بھی یہاں پڑھایا کرتے ہیں۔ دوران خطبہ انہوں نے کہا کہ بیشک تماشہ دیکھو، قوالی سنو، نقلیں دیکھو۔ کیوں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نے بمعیت حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خود دیکھا ہے ۔ تم بھی ان چیزوں کے دیکھنے کو سنت نبوی کہو۔ جو شخص اس کے عدم جواز کا فتویٰ دے وہ کافر ہے اور سنت کا منکر ہے۔ خود بھی دیکھو اپنی عورتوں کو بھی دکھاؤ۔

الجواب یہ واقعہ مذکورہ اور اس قسم کے دوسرے واقعات سب موضوع اور بناوٹی ہیں۔ ان کا کوئی پایۂ ثبوت نہیں۔ ایسی غلط باتیں حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے سے ایمان کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ کیوں کہ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین اور بے ادبی ہے اور ایسے غلط اور برے عقیدے والے امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے بلکہ جائز ہی نہیں۔

"ضیاء نورانی" کتاب ہم نے نہیں دیکھی۔ اگر ایسے واقعات اس میں درج ہیں تو یہ کتاب غلط اور غیر معتبر ہے۔ اس کا مطالعہ جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفی عنہ خادم الافتاء مدرسہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

تصوف کے لئے "تسہیل قصد السبیل" کا مطالعہ ضروری ہے

کیا مرید اپنے پیر کو مندرجہ ذیل الفاظ سے پکار سکتا ہے جو شرعاً کہاں تک جائز ہے۔ ۱۔ آنحضرت۔ ۲۔ میرے پیر۔ [illegible] رحمۃ للعالمین تھے یا نہیں۔

۳۔ ندا کرنا کسی ولی کو لفظ یا اور واسطے کر کے پکارنا۔

۴۔ کسی نبی یا ولی سے نزدیک یا دور سے امداد طلب کرنا۔

۵۔ کسی نبی یا ولی سے فریاد کرنا۔

۶۔ کوئی نبی یا ولی اپنی قبر سے دور کی پکار سنتا ہے؟

الجواب پیری و مریدی تو جائز ہے۔ بزرگانِ دین نے اس طریق سے بہت سی دینی خدمات انجام دی ہیں۔ مگر اس سلسلہ میں راہِ اعتدال کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ اکابر اولیاء میں سے ایک بزرگ کا رسالہ بھی ہے "آداب الشیخ والمرید"۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی ایک کتاب "تصوف و درویشی" کے سلسلہ میں بنام "تسہیل قصد السبیل" ہے جس میں پیری مریدی کے آداب ذکر فرمائے ہیں۔ اور اس رسالہ کا خلاصہ بھی شائع فرمایا ہے۔ لہٰذا اگر تصوف اور درویشی کی حقیقت سمجھنی ہو تو اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

اس سلسلہ میں افراط و تفریط اور غلو و مبالغہ زیادہ ہو چکا ہے۔ واقعی بہت سے لوگ پیروں کو حد سے زیادہ بڑھا دیتے ہیں۔ حضرات پیرانِ عظام جو ہمارے معنوں کے اندر شیخِ طریقت ہوتے ہیں ہم لوگوں نے ان کو خدائی اختیارات سپرد کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ سو یاد رہے کہ پیر کو دور سے پکارنا، اور یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ پکار کو دور سے سنتا ہے غلط عقیدہ ہے۔ ناجائز ہے وغیرہ ذلک۔ اس قسم کے عقائد صحیحہ اور فاسدہ کی تفصیل بہشتی زیور کے پہلے حصہ میں مطالعہ فرمادیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۱/ ۲ / ۹۳ ۱۳ھ

ذکر کے وقت روشنی ختم کرنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و دین اس مسئلہ کہ ایک دیوبندی عالم ایک عرصہ تک اپنے عہدِ حیات میں سلسلہ قادری کے طریق پر اپنے قصبہ کی حلقہ ذکر میں ہر جمعرات کو ذکر اللہ کی مجلس منعقد کرتے تھے۔ مذکورہ بزرگ کے جانشین نے جامع مسجد میں ذکر کی مجلس منعقد کی۔ ذکر کے لئے بتی گل کر دی جاتی ہے۔ ذکر کے برکات بتلائے جاتے ہیں۔ چند اصحاب نے اس سلسلہ میں اعتراض کئے ہیں جو جماعتی انشقاق کا باعث بن رہے ہیں۔ جس مسجد میں دیوبندی حنفی، غیر مقلد وغیرہ اور دیگر اہلِ توحید ایک جگہ جمع ہوتے تھے اب ان میں نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ اعتراضات

یہ ہیں۔

۱ : خانۂ خدا میں بتی بجھانا بدعت ہے۔

۲ : مسجد میں ذکر جہر کرنا بدعت ہے۔ کیا امام اعظم رح سے ثابت ہے؟

۳ : گیارہ مرتبہ قل ہو اللہ شریف پڑھ کر شیخ عبدالقادر جیلانی رح کو ایصالِ ثواب کرنا بدعت ہے۔

مہربانی فرما کر اس کا مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب ۱ : ذکر کرنا انفرادی یا اجتماعی طریق سے جائز ہے۔ بلکہ مستحب ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ کی بات نہیں۔ البتہ ذکر کرتے وقت بتی بجھانا اگرچہ اس میں یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ اگر ایسے وقت میں بتی بجھائی کہ لوگ مسجد میں نماز پڑھ رہے ہوں یا آجا رہے ہوں۔ کسی نے جوتا اٹھانا ہے کسی نے سامان لینا ہے۔ بتی بجھانے سے لوگوں کو تکلیف ہونے لگے تو یہ بتی بجھانا گناہ ہوگا۔ لایذاء الناس۔

اور اگر ایسے وقت میں بتی گل کی جب کہ سب لوگ نماز سے فارغ ہو کر چلے گئے۔ ماسوائے ذاکرین و شاغلین کے مسجد میں کوئی نہیں رہا تو پھر بتی بجھانے میں کوئی حرج نہیں۔

۲ : ذکر جہر ہلکی آواز سے جیسے شخص کی چھینک ہوتی ہے ثابت ہے اس میں دل جمعی اور سکون اور دفع وساوس ہوتا ہے۔ البتہ جہر عنیف جس سے قریب والے نمازیوں کو تشویش لاحق ہو جائز نہیں۔

۳ : قرآن خوانی اور دیگر عبادات بدنیہ کا ثواب اہل السنت والجماعت کے نزدیک میت کو پہنچتا ہے۔ معتزلہ اس میں مخالف ہیں۔ لہٰذا ایصالِ ثواب جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۵ / ۵ / ۱۳۹۳ھ

ذاتِ باری تعالیٰ پر لفظ شخص کا اطلاق

لفظ شخص کا اطلاق ذاتِ باری تعالیٰ پر کیسے ہے؟ اگر صحیح نہیں تو شاہ رفیع الدین رح کے ترجمہ میں موجود ہے۔ اس کی کیا تاویل ہے؟

الجواب ذاتِ باری تعالیٰ پر شخص کا اطلاق حدیث شریف میں دو مقامات پر واقع ہے۔ ولا شخص اغیر من اللہ ـ ولا شخص احب الیہ العذر من اللہ (مسلم شریف ج ۱ ، ص ۴۹۱)۔ لیکن یہ لفظ مؤول یا مستعبد ہے۔ نووی رح لکھتے ہیں "ای لا احد اغیر من اللہ انما قال لا شخص استعارۃ ـ یہی تاویل شاہ رفیع الدین رح کے

ترجمہ میں کی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۵ ، ۲ ، ۵ ۹ ۱۳ ھ

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق غفرلہ نیر المدارس ملتان۔

سلسلہ نقشبندیہ کے ایک خاص تصور کا حکم

سلسلۂ مبارکہ نقشبندیہ فضلیہ غفوریہ حضرت سید ناشیخ مولانا محمد عبدالغفور العباسی المدنی نیشیہ ، محلہ طیب الحیدری ، مدینہ منورہ ، حجاز مقدس ، ناشر ، سید محمد علاؤالدین جیلانی نقشبندی المجددی چشتی القادری۔ کے صفحہ ۳ پر طریقۂ ذکر یوں مرقوم ہے کہ:

" یہ خیال رکھے کہ جس جگہ مرشد نے انگلی رکھ کر ذکر تلقین کیا تھا اس جگہ سوراخ ہو گیا ہے ، آسمان سے ہلکے زرد رنگ کے نور کی ایک دھار میرے پیر کے دل پر گر رہی ہے اور ان کے دل سے ہو کر میرے دل میں اس سوراخ کے ذریعہ آ رہی ہے "

الجواب: شرعاً اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ کیا یہ ارشادات و ریاضات سلوک ، شرعی احکام نہیں ہوتے بلکہ از قبیل تدابیر و معالجات باطنیہ ایں مقصود کیسوئی اور حصول دھیان کے بادی تعالیٰ ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۲۱ ر ۳ ر ۱۴۰۰ ھ

تصور شیخ کا ترک ہی اولیٰ ہے

علمائے دیوبند کی نظر میں " تصور شیخ " کیسا ہے ؟ کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

سائل ، فقیر سعید قریشی ہاشمی ، بانڈی گل بیگم مزنگ لاہور۔

الجواب: حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں " درست ہے اکابر نے پاک نیت سے اس عمل کو کیا ہے " (مجموعۃ الفتاویٰ جلد ۲ ، ص ۱۰۳)۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔ " کسی کا تصور کرنا بطور خیال کے کچھ حرج نہیں مگر رابطہ جو مشائخ میں مروج ہے کہ اس کو مشائخ نے کسی علاج کے واسطے تجویز کیا تھا۔ اگر اسی حد پر رہے کہ جس حد پر بزرگوں نے تجویز کیا تھا تو چنداں دشوار نہیں۔ مگر ترک اس کا بھی اولیٰ ہے کہ مختلف فیہ بین العلماء ہے ، اور ایسا ضروری بھی نہیں کہ بدون اس کے کام نہ چل سکے ، اور جو اس حد سے بڑھ جاوے تو البتہ ناجائز ہے۔ انتہٰی بلفظہٖ (فتاویٰ رشیدیہ ، ج ۱ ، ص ۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

اشغالِ صوفیہ کی اصل حدیث سے ثابت ہے۔

سلاسل اربعہ نقشبندیہ، سہروردیہ، چشتیہ میں ذکر اللہ کا جو طریقہ رائج ہے وہ شرعاً ثابت ہے یا نہ؟ فرائض کے علاوہ ذکر اللہ کے لئے کوئی خاص طریق مقرر ہے یا نہ۔ اگر نہیں تو پھر کسی طریق کو مخصوص بنانا بدعت ہے یا نہ؟

الجواب: سلاسل اربعہ کے اوراد و اشغال دوران کی ہیئت خاصہ جائز ہیں اور ان کی حقیقت معالجہ نفسانی ہے۔ بزرگان سلسلہ نے مفید سمجھ کر انہیں تجویز کیا ہے۔ لیکن یہ احکام شرعیہ میں داخل نہیں۔ لہٰذا یہ بدعت بھی نہیں۔ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو غلط فہمی پر مبنی ہے۔ قطب العالم حضرت گنگوہی قدس سرہ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

- صوفیہ کرام کے اشغال بطور معالجہ کے ہیں۔ سب کی اصل نصوص سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اصل علاج ثابت ہے مگر خصوصیت ہر نسخہ حدیث صریح سے ثابت نہیں۔ ایسا ہی سب اذکار کی اصل ثابت ہے۔ سو یہ بدعت نہیں۔ ہاں ان ہیئات کو سنت ضروری سمجھنا بدعت ہے۔ اور اس کو غلو کرنے سے بدعت لکھا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص [illegible])

فقط واللہ اعلم ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ [illegible]

الجواب صحیح ۔ بندہ محمد اسحاق غفرلہ

شمائم امدادیہ کی پانچ عبارتوں پر اعتراضات کے جواب

کتاب شمائم امدادیہ، حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ میں چند ایک ایسی عبارات دیکھنے میں آئی ہیں کہ جن پر مخالفین نے اعتراضات کئے ہیں جس کے جواب کے لئے آپ کی طرف رجوع کی ضرورت پڑی ہے۔ براہ کرم مندرجہ ذیل عبارتوں کا جواب شافی عنایت فرمائیں۔ تاکہ موثر مدافعت ہو سکے۔

۱۔ لفظ غوث حضرت جیلانی کے نام پر استعمال کیا گیا ہے جس کی تفسیر اور مفہوم ہوا آپ سے مخفی نہیں۔ اس جگہ کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ اہل بدعت کہیں تو ان پر کفر کا فتویٰ لگتا ہے۔ ص [illegible]

۲۔ ایک بیمار کو لفظ اللہ کہنے سے روک کر لفظ آہ کے استعمال کا حکم دیا گیا ہے۔ اور لفظ اللہ کے استعمال سے اضافہ علالت کا ذکر اور لفظ آہ سے شفا کا بیان ہے۔ تو گویا کہ لفظ آہ اسم اللہ سے افضل ہوا۔ ص [illegible]

۳۔ قیام بوقت میلاد کو جائز کہتے ہوئے احتمال تشریف آوری حضور علیہ السلام کو جائز ٹھہرایا گیا ہے جیسا کہ

قدس سرہ نے فرمائی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آہ و آہ کرنے میں اپنے ضعف و بے چارگی اور عبدیت
کا اظہار ہے۔ اور بے چارگی میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ تو ان بزرگوں کی آہ و زاری سے اللہ تعالیٰ
نے شفا عنایت فرمادی۔ بخلاف اللہ اللہ کہنے کے۔ کیوں کہ یہ ذکر اللہ تو ہے لیکن اس میں اپنی بے چارگی
اور ضعف و عدم تحمل کا اظہار نہیں۔ ثواب تو یقیناً کامل ہوگا۔ مگر تکلیف زائل نہ ہوتی۔ واضح رہے کہ
حکایات حالات جزئیہ خاصہ سے متعلق ہوتی ہیں۔ ان سے کسی کلیہ کا استنباط نہیں کیا جا سکتا۔

۳ : دلائل صحیحہ سے قیام مروجہ فی المولد کا جائز نہ ہونا ثابت ہے۔ پس تاوقتیکہ اس کے جواز کا ثبوت
قرآن و حدیث و فقہ سے نہ دیا جائے صرف نقل حکایت کافی نہیں۔ اور اس سے اس کا جواز ثابت
نہ ہوگا۔ واضح رہے کہ ایک نفس قیام عند ذکر اسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور دوسرے یہ قیام مع
انضمام مفاسد کے ہے۔ اول الذکر نفسہ کسی نے منع نہیں کیا۔ بلکہ اس کی ممانعت مانعین کے نزدیک
بوجہ انضمام مفاسد کے ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ صرف قیام خالی عن المفاسد کو جائز
فرماتے ہیں۔ وہ بھی اس وجہ سے کہ فاعل پر نکیر نہ کی جائے۔ نہ یہ کہ ایسا کرنا واجب یا سنت ہے۔ آنحضرت
علیہ السلام کی روح مقدس کی تشریف آوری ایسی مجالس میں کسی دلیل صحیح سے ثابت نہیں۔ لہٰذا اس کا اعتقاد
کرنا کہ تشریف لاتے ہیں، قول بلا دلیل ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ عدم وقوع سے عدم امکان یا استحالہ
لازم نہیں آتا۔ یہی ثبوت امکان و احتمال حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔
حضرت حاجی صاحب " وقوع " کا اعتقاد یا جزم نہیں فرماتے۔ پس اعتراض کی حاجت نہیں۔

۴ : ان اشعار کے معنی میں کوئی خرابی نہیں۔ کیوں کہ یہ سلسلۂ سلوک طریق حضرت اپنے شیخ سے
اعانت و توجہ کی درخواست کر رہے ہیں۔ چنانچہ " پھر خوف کیا کشتی سے " کا جملہ اس پر دال
ہے۔ نیز " حسن کے ہاتھوں کا پنجہ زیر دست۔ رہا " اس پر دلالت کرتا ہے۔ ظاہری استاد سے
ایسی درخواست ممنوع نہیں تو باطنی استاد سے کیوں جائز نہیں؟ " اور دل سے ہرگز نہیں ہے التجا "
اس مصرع میں " اور دل " سے مراد دیگر مشائخ ہیں۔ میرے واسطے میرا شیخ کافی ہے۔ اصطلاح میں اسے توحید
مطلب کہتے ہیں۔ نعوذ باللہ تعالیٰ حق تعالیٰ سے استغناء مقصود نہیں۔ یہی معنی اس سے پہلے مصرع کا ہے۔
عدم تفطن سے دھوکہ کھایا جاتا ہے۔

۵ : " عارف جنتی اور دوزخی کو پہچان لیتے ہیں " اس ملفوظ سے مراد ظاہر ہے کہ علامات اور آثار
سے پہچان لیتے ہیں۔ یا بعض اوقات بذریعہ کشف و الہام اولیاء کو یہ معلوم ہو جاتا ہے۔ اور اس
معنی میں شریعت کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ البتہ ایسی پہچان یا کشف و الہام میں قطعیت کا یقین کرنا

ضروری نہیں ۔ اور نہ ہی ایسا ہونا ضروری ہوتا ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۹/۴/۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

○

کیا بیعت طریقت ضروری ہے؟ بعض لوگ بیعت کی اہمیت پر بہت زور دیتے ہیں ۔ آپ فرمائیں کہ کیا مروجہ بیعت طریقت ضروری ہے ! اگر کوئی شخص کسی سے بیعت نہ ہو تو اس سے قیامت کے دن سوال ہوگا ؟

الجواب بیعت کا مقصد نسبت احسان کو حاصل کرنا ہے جو کہ حدیث شریف "ان تعبد اللہ کانک تراہ ، الحدیث" میں مذکور ہے ۔ اکثر یہی ہوتا ہے کہ یہ نسبت کسی صاحب نسبت کے توسل ہی سے حاصل ہوتی ہے ۔ گو بعض کو اس کے بغیر بھی حاصل ہو جاتی ہے ۔ مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے ۔ لہٰذا اس نسبت کو حاصل کرنے کے لئے بیعت ہونا مستحب ہے ۔ (فتاوی رشیدیہ ، ص ۵۰)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

○

ما يتعلق
بالفرق المختلفة

اہل السنۃ والجماعت کی تعریف

اہل السنۃ والجماعت کی تعریف بحوالہ کتب معتبرہ مفصل و مدلل مطلوب ہے۔

عتیق الرحمٰن ، فیصل آباد

الجواب

۱ : اہل السنۃ والجماعۃ میں تین لفظ ہیں۔ ایک لفظ "اہل" ہے جس کے معنی اشخاص اور افراد اور گروہ کے ہیں۔ دوسرا لفظ "سنت" ہے جس کے معنی طریقہ کے ہیں۔ تیسرا لفظ "جماعت" ہے جس سے جماعت صحابہ رضؓ مراد ہے۔ پس اہل السنۃ والجماعۃ اس گروہ کا نام ہے جو آنحضرت علیہ السلام کی سنت اور جماعت صحابہ رضؓ کے طریقے پر ہو، اور حضرات فقہاء اور محدثین اور متکلمین، اولیاء، و عارفین سب اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ اصول دین میں سب متفق ہیں ان حضرات میں اختلاف فروعی اور جزئی ہے اصولی نہیں۔

(عقائد الاسلام ج ۱ ص ۱۵۵)

۲ : اہل السنۃ والجماعۃ وہ مسلمان ہیں جو عقائد و احکام میں حضرات صحابہ رضؓ کے مسلک پر ہوں اور قرآن کے ساتھ سنت نبویہ کو بھی ثابت مانتے اور اس پر عمل کرتے ہوں۔

قال فی شرح العقائد النسفیۃ فبھت الجبائی وترک الاشعری مذھبہ فاشتغل ھو ومن تبعہ بابطال رأی المعتزلۃ واثبات ما ورد بہ السنۃ ومضی علیہ الجماعۃ ، ص ۱۲

یہ تو اس لقب کے معنی ہیں اور اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو عقائد میں امام ابو الحسن اشعری یا ابو منصور ماتریدی کے متبع ہوں۔ کما فی حاشیۃ الخیالی علی شرح العقائد ، ص ۱۹۔

(امداد الاحکام ج ۱ ص ۱۰۷)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۲۹ / ۱۱ / ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

تبلیغی سفر میں ایک روپیہ خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ تک مل سکتا ہے؟

تبلیغی جماعت والے اپنے سفر کے وہی فضائل بیان کرتے ہیں جو جہاد کے بارے میں وارد ہیں کیا یہ درست ہے اور آپ کے حوالہ سے ابوداؤد شریف کی روایت کا خلاصہ پیش کرتے ہیں کہ ایک روپیہ خرچ کرو گے تو

سات لاکھ تک کا ثواب ملے گا۔ ابوداؤد کی وہ روایت بھی نقل فرمادیں۔

الجواب تبلیغی جماعت میں دورہ کرنا بھی جہاد کے اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ لہٰذا وہ فضائل جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وارد ہوئے ہیں وہ تبلیغی گشت وسفر کے لئے پیش کئے جاسکتے ہیں کیونکہ اس دعوت وتبلیغ کے ذریعہ سے بھی اسلام دنیا میں پھیلا ہے اس لئے اس راستہ میں نکل کر ایک روپیہ خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ تک پہنچ سکتا ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے۔

عن علي وابي الدرداء وابي هريرة وابي امامة وعبد الله بن عمر وجابر بن عبد الله وعمران بن حصين رضي الله عنهم اجمعين كلهم يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من ارسل نفقة في سبيل الله واقام في بيته فله بكل درهم سبع مائة درهم ومن غزا بنفسه في سبيل الله وانفق في وجه ذلك فله بكل درهم سبع مائة الف درهم ثم تلا هذه الآية والله يضاعف لمن يشاء رواه ابن ماجة (مشكوٰة ج ۲ ص ۳۳۵)

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۸/۳/۱۳۹۵ھ

مذاہب اربعہ میں انحصار اجماع سے ثابت ہے

(س) دلائل حصر مذاہب اربعہ چیست آیا مذہب خامس باطل است؟

الجواب سلف میں ایک بڑی جماعت مجتہدین کی ہوئی ہے۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ مثلاً ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ، سفیان ثوری رحمہ اللہ، امام اوزاعی رحمہ اللہ، ربیعۃ الرائی رحمہ اللہ، لیث رحمہ اللہ، اسحاق رحمہ اللہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ ان کے زمانہ میں ان حضرات میں سے کسی بھی ایک امام کی اتباع کرنا جائز تھا کیونکہ سب اہل حق میں سے تھے اور مذاہب اربعہ یا خمسہ کی کوئی تخصیص یا ان میں انحصار نہ تھا چنانچہ ہر امام کے لئے کم وبیش کچھ نہ کچھ لوگ تقلید کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ مقلدین خواہ ان کے شاگردوں کا مخصوص ومحدود حلقہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن مرور زمانہ سے ایک ایک کرکے سب مجتہدین کے مذاہب مندرس ہوتے چلے گئے۔ بلکہ بعض ائمہ کے مذاہب سرے سے باضابطہ مدون ہی نہیں ہوسکے تھے تا آنکہ امت کے ہاتھوں میں کسی ایک کا مذہب بھی مدون ومنضبط شکل میں موجود نہیں رہا۔ البتہ ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم کے

مذاہب کو حق تعالیٰ نے یہ مقبولیت عنایت فرمائی کہ مشرق و مغرب میں ان کا چرچا ہوا۔ اور کروڑہا انسانوں نے اس کو معمول بہا بنایا۔ اور تا حال بنائے ہوئے ہیں۔ اور صدیوں سے ہزارہا ایسے علماء و فقہاء مذاہب اربعہ کے متبع پائے جاتے رہے ہیں۔ جنہوں نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق مختلف اعتبارات سے ان مذاہب کی خدمت کر کے بام عروج تک پہنچانے کی سعی بلیغ کی ہے۔

چنانچہ بحمدہ تعالیٰ ہر مذہب اپنے اپنے اصول و فروع، و براہین و دلائل کے ساتھ منضبط و منقح شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ ہر ایک شخص بدون کسی الجھن کے اس پر عمل کر سکتا ہے۔ بس مذاہب اربعہ کے اسی شیوع و انتشار اور تحریر و انضباط کے پیش نظر متأخرین نے اجماع کیا ہے کہ اب مذاہب اربعہ میں انحصار ہے۔ اور مذہب خامس کا احداث باطل ہے۔ اور مدون اور محرر ہونے کی وجہ سے دیگر کسی مجتہد کے مذہب پر عمل جائز نہیں۔

چنانچہ سند المتأخرین حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

اور اب ہمیں سوائے تقلید کے کوئی چارہ نہیں اور اسی طرح اجماع ہے کہ مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی مذہب پر عمل نہ کرے۔

فی الاشباہ وما خالف الائمۃ الاربعۃ مخالف للاجماع وان فیہ خلاف لغیرھم فقد صرح فی التحریر ان الاجماع انعقد علی عدم العمل بمذہب مخالف للاربعۃ لانضباط مذاہبھم وانتشارھا وکثرۃ اتباعھا

(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱ - ص ۹۳)۔

علامہ شامی رح نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ احداث مذہب خامس جائز نہیں۔ ایک بحث کے سلسلے میں کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فانہ لا یجوز احداث قول خارج عن المذاہب الاربعۃ۔ (شامی جز ۱ ص ۴۹۴)

پس تفصیل بالا سے جملہ استفسارات بالا کا جواب ظاہر ہے کہ ابتداءً مذاہب اربعہ میں انحصار نہیں تھا کما لا یخفیٰ۔ اور اب ان میں انحصار ہے۔ اور دلیل اس کی اجماع ہے اور وجہ اس کی ان مذاہب کی تدوین والضباط و انتشار و مقبولیت عند اللہ و عند الناس ہے۔ کما فی التحریر۔

احداث مذہب خامس باطل ہے کما فی الشامیہ۔ لمخالفۃ الاجماع قلت وایضا لفقدان المجتہد فی زماننا لعدم استجماع شرائطہ کما قال ابن نجیم فی بعض رسائلہ ان القیاس بعد الاربعمائۃ منقطع (شامی ج ۱ ص ۵۵)

واضح رہے کہ یہ استثناء عادی ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔

سبّابِ معاویہؓ سے میل جول میں سلبِ ایمان کا اندیشہ ہے

ایک شخص میاں خان گڑھ کا رہنے والا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بُرے الفاظ کہتا ہے اور شیعہ مذہب والوں سے دوستی رکھتا ہے ۔ نیز اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعت سے کہلاتا ہے ۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے ؟

مولوی برخوردار : خان گڑھ

الجواب ایسا شخص جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں سب و بدگوئی کرے ، اور لوگوں کو بھی اس بات پر برانگیختہ کرے وہ ہرگز ہرگز اہل السنۃ والجماعت میں داخل نہیں ہو سکتا ۔ ایسے شخص سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہیئے ۔ ورنہ ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد ۳ ذیقعدہ ۱۳۶۹ ھ

تفضیلی شیعہ کسے کہتے ہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و دین متین اس مسئلہ کہ تفضیلی شیعہ کون ہے ۔ اس کی تعریف بیان کریں ۔

الجواب تفضیلی شیعہ اسے کہتے ہیں جو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر صرف فضیلت دیتے ہیں ۔ اور حضرات خلفائے ثلاثہ کا پورا احترام کرتا ہو ۔ اور ان کو خلیفہ برحق تسلیم کرتا ہو ۔ غاصب اور منافق وغیرہ خیال نہ کرتا ہو ۔ اور ان حضرات خلفاء ثلاثہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کسی صحابی کی ذرہ برابر توہین یا تنقیص شان کو حرام سمجھتا ہو ۔ ایسے تفضیلی شیعہ کے ساتھ عقد مناکحت فیما بین المسلمین جائز ہے لیکن چونکہ پاکستان میں عام طور پر ایسے شیعہ موجود نہیں ہیں ۔ بلکہ عموماً غالی اور سبّی اور بدعقیدہ لوگ ہیں ۔ اور اس کے ساتھ تقیہ بھی کرتے ہیں ۔ لہٰذا مروجہ دور کے شیعوں کے ساتھ عقد مناکحت جائز نہیں ۔

فقط واللہ اعلم : بندہ محمد اسحاق نائب مفتی

الجواب صحیح : بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۔ ۲۰۲۰ ۱۳۸۳ ھ

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کو بگاڑ کر کہنا

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو "حسینے" نصف نام سے پکارنا کیسا ہے ؟

الجواب: کسی شخص کو آدھے نام سے پکارنا معیوب ہے۔ مثلاً خدا بخش کو "خدے" کہہ کر بلانا ٹھیک نہیں بلکہ ایسے پکارنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ پکارنے والے کے دل میں جس کو آدھے نام سے پکار رہا ہے یا بلا رہا ہے اس کی بالکل عزت و حرمت نہیں ہے۔ اگر پکارنے والے کے دل میں اس کا احترام ہوتا تو پورا نام تو کیا بلکہ بہت سے القاب و آداب کے بعد اس کا نام مبارک زبان پر لاتا۔ جو لوگ "حسنے" کہہ کر پکارتے ہیں ان کے دلوں میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی احترام نہیں ہوتا۔ لہٰذا پورے نام سے پکارنا چاہئے۔ اور "حسنے" کہنا ٹھیک نہیں۔ قرآن مجید میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے۔ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ (سورۃ حجرات ۱۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: خیر محمد عفی عنہ ، الجواب صحیح: محمد عبد اللہ غفرلہ

علماء دیوبند اور محمد بن عبد الوہاب

ہمارے ہاں شہر کے مقامی مولوی صاحب نے بیان کیا ہے۔ جو کہ خود دیوبندی عقائد رکھتا ہے وہابیت کے متعلق کہ وہابیت کی تحریک محمد بن عبد الوہاب سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کے گروپ کے افراد کو وہابی کہا جاتا ہے۔ اور علماء دیوبند کا اس محمد بن عبد الوہاب کے ساتھ سخت اختلاف ہے۔ اور اس گروپ پر علماء دیوبند نے کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ کیونکہ وہ رسول پاک کی قبر کی زیارت کا منکر ہے۔ نیز مولوی صاحب نے چند کتابیں دکھائیں۔ ان میں سے ایک کتاب "الشہاب الثاقب" مؤلفہ حضرت حسین احمد مدنی ہے تو آپ سے گزارش ہے کہ آپ محمد بن عبد الوہاب کے متعلق علماء دیوبند کے عقائد اور خیالات واضح فرمائیں۔

المستفتی: نذر محمد بلوچستان

الجواب: یہ درست ہے کہ وہابی کا لقب محمد بن عبد الوہاب کے پیروکاروں کے لئے ہی مشہور ہوا علماء دیوبند کو نہ ان سے تلمذ کا رشتہ حاصل ہے اور نہ عقیدت کا۔ بلکہ بہت سے مسائل میں ان کے خلاف ہیں۔ لیکن علماء دیوبند نے ان کی تکفیر نہیں کی۔ حضرت مدنی کی "الشہاب الثاقب" بھی دیکھی گئی ہے تو اس میں تکفیر کا حکم نہیں ملا۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

تقلید کو شرک کہنے والا اہل سنت والجماعت سے خارج ہے

ما قولکم ایہا العلماء الکرام والفضلاء العظام !

اندریں مسئلہ کہ زید تقلید شخصی کو حرام بلکہ شرک و کفر سے تعبیر کرتا ہے اور مقلدین ائمہ کو مشرک و کافر کہتا ہے حتیٰ کہ ائمہ دین کے بارے میں بھی کہتا ہے کہ وہ بھی معاذ اللہ کافر و مشرک تھے۔ اب ایسے شخص کا نماز جنازہ یا اس کے ساتھ میل جول سلام و کلام یا اس کے ساتھ کسی قسم کی شرکت درست ہے یا نہیں ؟

۲ : کیا شریعت مطہرہ میں زید مسلمان ہے یا اسلام سے خارج ہے جو لوگ اپنے آپ کو امام اعظم رح کے مقلد کہتے ہوئے اس کے ساتھ کسی قسم کا برتاؤ کریں ، تو ان کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب ایسا شخص جو تقلید ائمہ کو شرک کہے اور مقلدوں کو مشرک بتلاوے اہل ہوی میں سے ہے اہل سنت والجماعت سے خارج و مبتدع ہے۔ مقلدین کو چاہئے کہ ایسے آدمی کی بات نہ سنتے ہوئے اپنے مسلک پر کاربند رہیں۔ ایسے آدمیوں سے بحث و مناظرہ اور چھیڑ چھاڑ کرنے سے ان کو عزت اور شہرت حاصل ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی بات بالکل نہ سننا ان کا علاج ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۹ / ۲ / ۱۳۷۹ھ

کم علم عوام بھی تبلیغ کر سکتے ہیں

کیا فرماتے ہیں علماء دین و حامیان شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ زید کہتا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر حکام کا کام ہے عوام الناس کی ذمہ داری نہیں۔ کیونکہ امر و نہی کی اصل الفعل والافعل ہے علی سبیل الاستعلاء اور اس طریق پہ امر و نہی حکام ہی کر سکتے ہیں۔ پس شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا ، اور حضرت مولانا احتشام الحسن رحمہما اللہ تعالیٰ اور دیگر حضرات نے اپنی کتب میں عام لوگوں کے لئے جو اس قسم کی حدیثیں تحریر کی ہیں ، صحیح نہیں۔ کیونکہ عوام اس کے اہل نہیں۔

کیا زید کی یہ بات قابل قبول ہے ؟ اگر نہیں تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مصور کون ہیں ؟

۲ : امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے علم شرط ہے۔ لہٰذا یہ فریضہ صرف علماء کرام سے متعلق ہوگا۔

۳ : امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے کا خود عامل ہونا ضروری ہے کیونکہ " دیگراں را نصیحت و خود را فضیحت " تو صحیح نہیں۔ لہٰذا جماعت میں چلنے والے ایسے افراد کے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کیا حکم جواز ہے۔ بینوا بالتفصیل توجروا عند اللہ الرحیم الجزیل۔

کریم بخش غفرلہ مدرس مدرسہ جامعہ علوم شرعیہ جی ٹی روڈ غلہ منڈی ساہیوال

الجواب امر و نہی کا علیٰ سبیل الاستعلاء ہونا یہ مصطلح اہل اصول ہے۔ اہل عربیہ کی اصطلاح نہیں۔ کما یستفید من ھذہ العبارۃ ان ارید اصطلاح العربیۃ فالتعریف غیر جامع لان صیغۃ افعل عندھم امر سواء کان علیٰ طریق الاستعلاء او غیرہ۔ (التلویح علی التوضیح صـ۳۲۲)۔
لہذا کار خیر کے لئے التماس اور دعاء بھی اسی لحاظ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں داخل ہوں گے۔ حالانکہ التماس کی تعریف "طلب الفعل مع التساوی" اور دعا "دعوۃ" کی تعریف "طلب الفعل مع الخضوع" اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تفاسیر میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو دعوت الی الخیر کی دو نوعیں قرار دیا گیا ہے۔ نیز ان کو ترغیب سے تعبیر کیا گیا ہے کہ مناسب امور کے کرنے کی ترغیب امر بالمعروف ہے اور نامناسب امور کے چھوڑنے کی ترغیب نہی عن المنکر ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن میں ہے۔

الدعوۃ الی فعل الخیر یندرج تحتہا نوعان احدھما الترغیب فی فعل ماینبغی وھو الامر بالمعروف والثانی الترغیب فی ترک مالا ینبغی وھو النہی عن المنکر۔ (ج ۱ صـ۳۲۳)

چونکہ دعوت الی الخیر جنس ہے۔ لہذا جہاں بھی دعوت الی الخیر الی اللہ کا بیان ہے۔ وہاں اس کے تحت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ضمناً بطور انواع مطلوب ہیں۔ کما فی قولہ تعالیٰ

قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی " وقولہ تعالیٰ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ " وقولہ تعالیٰ ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین"

آخر الذکر آیت کی تشریح میں تفسیر عثمانی میں ہے۔

" پہلے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا الخ میں ان مخصوص مقبول بندوں کا ذکر تھا جنہوں نے صرف اللہ کی ربوبیت پر اعتقاد جما کر اپنی استقامت کا ثبوت دیا۔

یہاں ان کے ایک اور اعلیٰ مقام کا ذکر کرتے ہیں۔

" یعنی بہترین شخص وہ ہے جو خود اللہ کا ہو رہے اس کی حکم برداری کا اعلان کرے۔ اسی کی پسندیدہ روش پر چلے اور دنیا کو اسی کی طرف آنے کی دعوت دے اس کا قول و فعل بندوں کو خدا کی طرف کھینچنے میں مؤثر ہو۔ جس نیکی کی طرف بلائے بذات خود اس پر عامل ہو۔ خدا کی نسبت اپنی بندگی اور فرمانبرداری کا اعلان

کرنے سے کسی موقع پر اور کسی وقت نہ جھجکے اس کا طغرائے تربیت صرف اسلام ہو اور جس کی تمام فطری اور فرقہ وارانہ نسبتوں سے یکسو ہو کر اپنے مسلم خالص ہونے کی منادی کرے۔ اور اسی اعلیٰ مقام کی طرف لوگوں کو بلانے میں ان دعوت دینے کے لئے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی عمریں صرف کی تھیں۔ انتہیٰ بلفظہ

وفی روح المعانی، ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ ای الی توحیدہ تعالیٰ وطاعتہ والظاہر العموم فی کل داع الیہ تعالیٰ والی ذلک ذہب الحسن ومقاتل وجماعۃ۔ وقیل بالخصوص۔

وقیل نزلت۔ ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا الی التوحید الی ان قال او اصحابہ علیہ السلام او المؤذنون او جمیع الہداۃ والدعاۃ الی اللہ ۔ اور یہ دعوت الی اللہ فی الجملہ فرض ہے۔

احکام القرآن للجصاص میں ہے۔

فیہ بیان ان ذلک احسن قول ودل بذلک علی لزوم فرض الدعاء الی اللہ اذ لا جائز ان یکون النفل احسن من الفرض فلو لم یکن الدعاء الی اللہ فرضا وقد جعلہ من احسن قول اقتضی ذلک ان یکون احسن من الفرض وذلک ممتنع۔ ج ۳ ص ۵۰۳

۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اصطلاح اہل اصول ہی مراد ہو تب بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکام کے ساتھ اختصاص ثابت نہیں ہوتا کیونکہ افعل ولا تفعل کا علی سبیل الاستعلاء کہنا قائل کے اعتبار سے ضروری نہیں بلکہ اصل آمر کے اعتبار سے ضروری ہے۔ جیسے کسی اعلیٰ کی طرف سے پیغام رسانی کرتے ہوئے کوئی ادنیٰ کسی اعلیٰ کو افعل ولا تفعل کہتا ہے یعنی امر و نہی کرتا ہے حالانکہ ادنیٰ ہونے کی وجہ سے اس کا یہ قول علی سبیل الاستعلاء نہیں اس کے باوجود وہ امر کہلاتا ہے کیونکہ عرف میں اس جیسی کلام ادنیٰ درجہ کے قائل کی شمار نہیں ہوتی۔ بلکہ جس کی طرف سے پیغام رسانی کی جا رہی ہے یہ کلام اس کی سمجھی جاتی ہے۔ اور چونکہ آمر مستعلی ہے لہٰذا اس کے استعلاء کا اثر قائل میں بھی آ جائے گا۔ بعینہ اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حال ہے۔ کہ اگرچہ امر و نہی کرنے والا ادنیٰ ہو لیکن چونکہ اس کی حیثیت مبلغ و پیغام رسانی کی ہے اس لئے اس میں استعلاء کا نہ ہونا اس کے قول کو امر و نہی کہنے میں مضر اور مانع نہیں ہے۔ کیونکہ اصل آمر اور ناہی تو خدا اور رسول خدا ہیں۔ جن میں بدرجہ اتم علو موجود ہے بلکہ وہ تو سرچشمہ ہیں۔

وھذا الجواب مستفاد من ھذہ العبارۃ ویرد علی عکس التعریف

قول الادنی للاعلی افعل تبلیغا وحکایة عن الآمر المستحق فانه
امر ولیس علی سبیل الاستعلاء ومن القائل قلنا مثله لا یسمیٰ فی العرف
مقول هذا القائل الا دلالة بل مقول للمبلغ عنه وفیه استعلاء من
جهته ۔ (تلویح علی التوضیح ص ۳۲۲)

ان اصولی وضاحتوں کے بعد ہم اپنے موقف کی تائید میں قرآن وحدیث اور جزئیات فقہ کے حوالہ جات
پیش کرتے ہیں جن سے اس فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مسلمانوں کے تمام اشخاص سے علی العموم متعلق
ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

۱: قرآن مجید میں امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی دیگر امم پر فضیلت اور خیریت کا سبب اور
باعث فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

كنتم خير امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن
المنكر وتؤمنون بالله الآية

اس آیت کے تحت تفسیر خازن میں ہے کہ اس آیت میں اگرچہ خطاب صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ہے
لیکن حکم عام ہے۔ یعنی پوری امت کو شامل ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے قرآن مجید میں ہے کتب
علیکم الصیام ۔ کتب علیکم القصاص ان میں الفاظ کے اعتبار سے خطاب حاضرین یعنی
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہے لیکن روزے اور قصاص کا حکم پوری امت پر لاگو ہے۔ ایسے ہی یہاں ہے

ولفظه : قال الزجاج قوله كنتم خير امة الخطاب فيه مع اصحاب
رسول الله صلى الله عليه وسلم لكنه عام في حق الكل كذا ههنا ۔
(خازن ج ۱ ص ۳۰۳)

نیز لفظ امت بھی عموم پر دال ہے۔ کیونکہ مراد اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہے۔

اصل الامة الطائفة المجتمعة على الشئ الواحد فامة نبينا صلى الله عليه
وسلم هم الجماعة الموصوفون بالايمان بالله والاقرار بنبوته

اس کی تائید حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ذیل ارشادات سے بھی ہوتی ہے۔

قال عليه السلام لا تجتمع امتي على الضلالة ۔ وروى انه عليه السلام
يقول يوم القيامة امتي امتي ۔

تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر کے تحت تفسیر کبیر میں ہے کہ اس

سے حکم سابق یعنی اس کی خیریت کی علت اور سبب کا بیان مقصود ہے کیونکہ اصول فقہ میں یہ بات طے شدہ ہے کہ حکم کو اگر اس کے مناسب وصف کے ساتھ ذکر کیا جائے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وصف اس حکم کے لئے علت ہے جیسے کہتے ہیں کہ زید معزز آدمی ہے لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے اور انہیں کپڑا پہناتا ہے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔ تو گویا زید کا معزز ہونا اس کے کھانا کھلانے، کپڑا پہنانے اور دیگر ضروریات کا خیال رکھنے کی بنا پر ہے۔ اگر یہ اوصاف نہ ہوں تو اسے یہ اعزاز حاصل نہ ہوگا۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے پہلے کنتم خیر امة ارشاد فرما کر اس امت کے بہتر اور افضل ہونے کا حکم لگایا۔ اور اس کے متصل یہ تین اوصاف امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اور ایمان باللہ۔ ذکر کیے۔ معلوم ہوا کہ اس امت کی فضیلت انہیں اوصاف کی رہین منت ہے۔

وقوله تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله واعلم ان هذا كلام مستأنف والمقصود منه بيان علة تلك الخيرية كما تقول زيد كريم يطعم الناس ويكسوهم ويقوم بمصالحهم وتحقيق الكلام انه ثبت في اصول الفقه ان ذكر الحكم مقرونا بالوصف المناسب له يدل على كون ذلك الحكم معللا بذلك الوصف فههنا حكم تعالى بثبوت وصف الخيرية لهذه الامة ثم ذكر عقيبه هذا الحكم وهذه الطاعات اعني الامر بالمعروف والنهي عن المنكر والايمان فوجب كون تلك الخيرية معللة بهذه العبادات اھ (ج ۸ ص ۱۹۰)

بلکہ تینوں اوصاف میں سے بنیادی اور حقیقی علتیں صرف پہلی دو ہیں یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیونکہ ایمان باللہ تو تمام حق پرست امتوں میں مشترک ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس امت کو سب پر فضیلت دی۔ ظاہر ہے کہ اس خیریت و فضیلت کا باعث ایمان باللہ تو نہیں ہو سکتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ اس خیریت کے حصول میں مؤثر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اسی بنا پر صفت ایمان کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ البتہ ایمان باللہ اس مؤثر کی تاثیر کے لئے شرط ہے جب تک یہ نہ ہو کوئی عمل اور عبادت بھی اس صفت خیریت میں مؤثر نہ ہوگی۔

ان الايمان بالله امر مشترك فيه بين جميع الامم المحقة ثم انه تعالى فضل هذه الامة على سائر الامم المحقة فيمتنع ان يكون المؤثر في حصول هذه الزيادة هو كون هذه الامة اقوى حالا في الايمـ

بالمعروف والنهي عن المنکر۔ واما الایمان باللہ فهو شرط لتأثیر هذا المؤثر في هذا الحکم لانه ما لم یوجد الایمان لم یصر شيء من الطاعات مؤثرا في صفة الخیریة فثبت ان الموجب لهذه الخیریة هو کونهم آمرین بالمعروف ناهین عن المنکر واما ایمانهم فذلك شرط التاثیر والمؤثر الصق بالاثر من شرط التاثیر فلهذا السبب قدم اللہ تعالی ذکر الامر بالمعروف والنهي عن المنکر علی ذکر الایمان۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۹۱)

چونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اسی پوری خیریت اور فضیلت کا باعث ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر سلف صالحین رحمہم اللہ نے اپنے اپنے انداز میں اس کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من امر بالمعروف ونهی عن المنکر کان خلیفة اللہ فی ارضه وخلیفة رسوله وخلیفة کتابه۔

جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے وہ خدا کی زمین میں خدا، اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کا نائب ہے۔

عن علی رضی اللہ عنه افضل الجهاد الامر بالمعروف والنهی عن المنکر

افضل جہاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

روی الحسن عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنه انه قال ایها الناس ائتمروا بالمعروف وانهوا عن المنکر تعیشوا بالخیر۔

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا۔ اے لوگو! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو خیریت کے ساتھ رہو گے۔

عن علی رضی اللہ تعالی عنه من لم یعرف بقلبه معروفا ولم ینکر منکرا نکس فجعل اعلاه اسفله، وعن الثوری اذا کان الرجل محببا فی جیرانه محمودا عند اخوانه فاعلم انه مداهن، وهذه کلها فی الکبیر۔

۲۔ قرآن مجید کی دوسری آیت جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تمام مسلمانوں کے افراد سے متعلق ہونے کی دلیل ہے۔

والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینهون

عن المنکر ویقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ ویطیعون اللّٰہ ورسولہ

اولٰئک سیرحمھم اللّٰہ ۔ الآیۃ

اس آیت میں بھی مذکورہ بالا اوصاف تمام مومنین کے بیان کئے گئے ہیں بلکہ مومنات کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے ۔ نیز اقامت صلوٰۃ ، ایتاء زکوٰۃ ، اللہ و رسول کی اطاعت الخ اوصاف کا تعلق تمام مومنین سے ہے جس میں کچھ بھی خفا نہیں ۔ اس کے قرینے سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تعلق بھی تمام مومنین سے ہوگا ذکر صرف حکام سے ۔ اختصار کے پیش نظر ترجمہ نہیں کیا گیا ۔

۳ ۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و اولٰئک ھم المفلحون ۔

۴ ۔ لعن الذین کفروا ۔ الی ۔ کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون ۔

۵ ۔ یا بنی اقم الصلوٰۃ وأمر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علی ما اصابک ان ذالک من عزم الامور ۔

فائدہ : اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب اللہ و رسول سابقہ شرائع کو بغیر انکار کے بیان فرمائیں تو وہ ہمارے لئے بھی واجب العمل ہیں ۔ کما ہو مقرر فی کتب الاصول ۔

آیات کی طرح احادیث بھی عموم پر دال ہیں

۱ ۔ عن ابی سعید الخدری رض عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان ۔ وفی المرقاۃ قولہ منکم ای فیہ من المؤمنین والخطاب للصحابۃ اصالۃ ولغیرھم من الامۃ تبعا اھ

مرقات کی مذکورہ عبارت سے ایک تو اس فریضے کا عموم ثابت ہو گیا کہ تمام مسلمان اس کے اہل ہیں ۔ دوسرا ضمنا یہ بھی معلوم ہو گیا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تعلق صرف مومنین سے ہے انہیں کو ہی نیکی کی ترغیب اور برائی سے روکا جائے گا ۔ کیونکہ کفار تو شریعت کے فروعی احکام کے مکلف ہی نہیں ۔

۲ ۔ عن حذیفۃ رض ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ

لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر او ليوشكن الله ان يبعث عليكم عذابا من عنده ثم لتدعنه فلا يستجاب لكم رواه الترمذي۔

۸: كل كلام ابن آدم عليه لا له الا امر بمعروف او نهي عن منكر او ذكر الله او كما قال ۔ ان کے علاوہ بے شمار احادیث ہیں۔

۹: فتاوی عالمگیری میں ہے۔

ان الامر بالمعروف على وجوه ان كان يعلم باكبر رأيه انه لو امرهم بالمعروف يقبلون ذلك ويمتنعون عن المنكر واجب عليه ولا يسعه تركه ولو علم باكبر رأيه انه لو امرهم بذلك قذفوه وشتموه فتركه افضل اھ۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ امر بالمعروف حکام کے ساتھ خاص نہیں۔ کیوں کہ حکام کے ساتھ تو قذف و شتم کا معاملہ نہیں ہوتا۔

۱۰: شامی میں ہے۔

لو كان مع امرأته وهو يزني بها او مع محرمه وهما مطاوعان قتلهما جميعا مطلقا اھ۔ لانه ليس من الحد بل من الامر بالمعروف والنهي عن المنكر۔ قلت ويدل عليه ان الحد لا يليه الا الامام اھ

۱۱: مرقاۃ شرح مشکوۃ میں تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے حکام کے ساتھ خاص نہ ہونے پر صراحت موجود ہے۔

ولا يختص ذلك باصحاب الولايات بل هو ثابت على آحاد المسلمين فان السلف الصالح كانوا يامرون الولاة بالمعروف وينهونهم عن المنكر مع تقرير المسلمين اياهم وترك توبيخهم على التشاغل به۔ (ج۵ ص۶)

اور یہ فریضہ حکام کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کے تمام افراد پر ثابت ہے۔ سلف صالحین حکام کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے تھے۔

(ج - س ۶) فریضۂ تبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو علماء کے ساتھ خاص کر لینا بھی درست نہیں کیوں کہ علماء کا کام راہ حق بتانا اور سیدھا راستہ دکھانا ہے۔ پھر اس کے موافق عمل کرانے اور مخلوق خدا کو اس پر چلانے میں دوسرے لوگ بھی برابر کے شریک ہیں۔ بلکہ زیادہ تر وہی مکلف ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

الا کلکم راع وکلکم مسؤول عن رعیتہ فالامیر الذی علی الناس راع علیہم وھو مسؤول عنہم والرجل راع علی اھل بیتہ وھو مسؤول عنہم والمرأۃ راعیۃ علی بیت بعلہا وولدہ وھی مسؤولۃ عنہم والعبد راع علی مال سیدہ وھو مسؤول عنہ فکلکم راع وکلکم مسؤول عن رعیتہ (بخاری ومسلم)

نیز علماء نے جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے علم کو شرط قرار دیا ہے وہ بھی صرف ان افعال واقوال کے بارہ میں ہے۔ جو باریک قسم کے ہوں اور اجتہاد کے متعلق ہوں۔

لیکن واجبات ظاہرہ اور محرمات مشہورہ جیسے نماز، روزہ، زنا، شراب وغیرہ تک اس قسم کے جتنے کام ہیں تو ان کو تمام مسلمان جانتے ہیں لہٰذا ان جیسے امور میں یہ فریضہ ان پر ثابت ہوگا۔ چنانچہ مرقاۃ میں ہے۔

ثم انہ انما یأمر وینہی من کان عالما بما یأمر بہ وینہی عنہ وذلک یختلف باختلاف الشیء فان کان من الواجبات الظاھرۃ والمحرمات المشہورۃ کالصلوۃ والصیام والزنا والخمر ونحوھا فکل المسلمین عالم بہا وان کان من دقائق الافعال والاقوال ومما یتعلق بالاجتہاد فلم یکن للعوام مدخل فیہ لان انکارہ علی ذلک للعلماء . مر (ج ۵ : ص ۳)

جواب سوال نمبر ۳ اگرچہ بعض نے ایسے شخص یعنی فاسق کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مجاز قرار نہیں دیا۔ لیکن اکثر علماء کے نزدیک یہ فریضہ اس کی طرف بھی متوجہ ہے۔ کیونکہ دو چیزیں الگ الگ واجب ہیں۔ ۱ : خود نیکی پر چلنا، برائی سے بچنا۔ ۲ : دوسروں کو نیکی پر چلانا اور برائی سے بچانا۔ تو کسی بنا پر ایک واجب کے چھوٹ جانے کی وجہ سے دوسرا واجب کیوں کر چھوڑا جا سکتا ہے؟ نہ ایک کا چھوڑنا دوسرے کے چھوڑنے کو مستلزم ہے اور نہ اس کے لئے صحیح ہے۔

۱ : العلماء قالوا الفاسق لہ ان یأمر بالمعروف لانہ یجب علیہ ترک ذلک المنکر ویجب علیہ النہی عن ذلک المنکر فبان ترک احد الواجبین لا یلزمہ ترک الواجب الآخر۔ (تفسیر کبیر : ج ۸ ص ۱۷۱)

۲ : وفی المرقاۃ شرح المشکوۃ : ولا یشترط فی الآمر والناھی ان یکون کامل الحال ممتثلا ما یأمر بہ مجتنبا ما ینہی عنہ بل یجب علیہ مطلقا لان الواجب علیہ شیئان ان یأمر نفسہ وینہاھا ویأمر

غيره وينهاه فاذا اخل باحدهما كيف يباح له الاخلال بالآخر۔ (ج۵: ص ۳)

۳:　　وقريب من هذا في الهندية: ج ۳، ص ۱۱۱: ۔اسی مضمون کی تصریح حدیث میں بھی موجود ہے۔

عن انس رضی الله تعالی عنه قال قلنا یارسول الله لاتامر بالمعروف حتی نعمل به كله ولاننهی عن المنكر حتی نجتنبه كله فقال صلی الله علیه وسلم بل مروا بالمعروف وان لم تعملوا به كله وانهوا عن المنكر وان لم تجتنبوه كله او كما قال۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم بھلائیوں کا حکم نہ کریں جب تک کہ خودتمام پرعمل نہ کریں اور برائیوں سے منع نہ کریں جب تک کہ خودتمام برائیوں سے نہ بچیں تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم بھلی باتوں کا حکم کرواگرچہ تم خودان سب کے پابند نہ ہو اور برائیوں سے منع کرواگرچہ تم خودان سب سے نہ بچ رہے ہو۔ تفسیر کبیر میں ہے۔

عن السلف مروا بالخیر وان لم تفعلوا۔ کہ بھلائی کا حکم کرواگرچہ خودنہ کرسکو۔ عن الحسن انه سمع مطرف بن عبدالله یقول لااقول مالاافعل فقال وایناتفعل مایقول ودالشیطان لو ظفر بهذه الکلمة منکم فلایامر احد بمعروف ولاینهی عن منکر۔ (ج ۸: ص ۱۸۹)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے مطرف بن عبداللہ رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے (میں ایسی بات نہیں کہتا جس پر میں عمل نہیں کرتا) سن کر ارشاد فرمایا کہ ہم میں سے کون ہے جو اپنی ہر کہی ہوئی بات پر عمل کرتا ہو۔ شیطان پسند کرتا ہے کہ کاش وہ تمہاری اس بات میں کامیاب ہوجائے پھر نہ کوئی امر بالمعروف کرے اور نہ نہی عن المنکر۔

اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خودعمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں یا بےعملی میں کوئی حرج نہیں عمل بہر حال ضروری ہے دوسروں کو امر و نہی کرتے ہوئے اپنے سے غافل نہ ہو، بلکہ جس قدر دوسروں کی اصلاح کی ضرورت ہے اس سے بہت زیادہ اپنے نفس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی حدیثوں میں بہت زیادہ اہتمام سے منع فرمایا ہے کہ لوگوں کو نصیحت کرتا پھرے اور خودمبتلائے معاصی رہے۔

قرآن مجید میں ہے اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم الآیة کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو۔

بہرکیف اپنی طرف سے پوری کوشش کرکے عمل کرتا رہے اپنے اختیار سے عمل میں کوئی کمی نہ آنے دے لیکن اگر سستی یا کسی عذر کی بناء پر ایک بات پر خود عمل نہیں کرسکا تو دوسروں کو اس کی دعوت دینے سے نہ ہچکچائے۔ یہی دعوت خود اس کو عمل پر لانے کا پیش خیمہ بنے گی جیسے کہ مشاہدہ ہے۔

<u>الحاصل</u>:۔ مذکورہ بالا دلائل قویہ سے معلوم ہوگیا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دعوت الی الخیر کا فریضہ علی الاطلاق نہ حکام کے ساتھ خاص ہے نہ علماء سے اور نہ متقین سے بلکہ مسلمانوں کے تمام افراد اس کے مکلف ہیں۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

<u>غیر مسلم کے ساتھ احسان وسلوک کرنے کا حکم</u>:۔ ہمارے ہاں دفتر کے عیسائی اور ہندو ہیں کیا ہم ان کے ساتھ کھا پی سکتے ہیں؟ ان سے تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں؟ اگر تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں تو کس حد تک؟

<u>الجواب</u>:۔ کفار کے ساتھ بلا ضرورت میل جول فی نفسہ برا ہے کیوں کہ محبت واختلاط ہی سے محبت بڑھتی ہے۔ اور ساتھ کھانے سے اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور کفار سے تعلق ومحبت بنص قرآن ممنوع ہے حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ "اقتضاء الصراط المستقیم فی مخالفۃ اصحاب الجحیم" میں اس موضوع پر مفصل کلام فرمایا ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ کافر سے زائد از حاجت کوئی تعلق نہ رکھے لیکن ان کے ساتھ احسان وسلوک کرتے رہیں۔ آپ کے عمل سے وہ متاثر ہوں متنفر نہ ہوں۔ ان کو صراط مستقیم پر لانے کا دل میں جذبہ ہو تڑپ ہو مگر دل میں ان کی محبت نہ ہو۔ اگر کوئی ضرورت اکٹھے کھانے کی داعی ہو تو جو تڑپ ہے خلاصہ یہ کہ اکٹھے کھانا دلی محبت سے نہ ہو تو ضرورت کے تحت جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱ / ۲ / ۱۴۰۳ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

<u>مرزائیوں کے ساتھ تعلقات کے مفصل احکام</u>:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ فرقہ مرزائیہ کا کفر وارتداد جبکہ شرعاً عقلاً نقلاً نصف النہار کی طرح روشن اور واضح ہو چکا ہے تو اس صورت میں اہل اسلام فرقہ مرزائیہ کے ساتھ حدود شرعیہ میں رہتے ہوئے کس حد تک معاملات وبرتاؤ کرسکتے ہیں۔ مرزائیوں کی دعوتیں ان کے ساتھ کھانا پینا کاروبار، لین دین حتی کہ ان کے ساتھ نشست وبرخاست

تک کے مسائل پر روشنی ڈالیں۔

الجواب :۔واضح رہے کہ موالات یعنی دلی محبت ومودت کسی غیر مسلم سے کسی بھی حال میں قطعاً جائز نہیں لقولہ تعالی یاایھاالذین امنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء ۔(الآیۃ)البتہ مواسات یعنی ہمدردی، خیرخواہی، نفع رسانی کی اجازت ہے لیکن جو کفار برسرپیکار ہوں ان کے ساتھ اس کی بھی اجازت نہیں تعلقات کا تیسرا درجہ مدارات یعنی ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ ہے یہ بھی غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو یا وہ بحیثیت مہمان آئے ہوں یا ان کے شر اور فتنہ سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہو۔ آخری درجہ معاملات ہے یعنی کفار سے تجارت، اجارات، صنعت وحرفت کے معاملات۔ یہ بھی جائز ہیں۔ بجز ایسی حالت کے کہ ان سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو۔ اگر ایسا ہو تو یہ بھی جائز نہیں۔

مذکورہ بالا توضیح سے نتیجہ یہ نکلا کہ آنعزیز نے جن کے ساتھ نشست وبرخاست، کھانا پینا، آمدورفت، میل جول، دلی محبت اور دوستی کی بناء پر ہو تو ناجائز اور حرام ہے اگر کسی دینی وشرعی غرض کے تحت ہو تو جائز ہے مگر چونکہ عام طور پر اس قسم کے تعلقات دلی دوستی کی بناء پر ہوتے ہیں اور ان تعلقات کی خاصیت بھی یہ ہے کہ یہ دلی قرب پیدا کرتے ہیں مزید برآں عوام الناس میں صحیح نیت کا بھی اہتمام نہیں ہوتا اس لیے اس قسم کے تعلقات کو علی الاطلاق منع کیا جاتا ہے لسد باب المفاسد۔

قال اللہ تعالی ولاترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار الآیۃ

تعلقات کی یہ تفصیل مختلف آیات قرآنی کا خلاصہ ہے۔ بالخصوص مرزائیوں کی تقریبات میں شمولیت اور ان کے ہم پیالہ وہم نوالہ بن کر رہنا جائز نہیں، کیونکہ اس کا انجام خود مرزائی بن جاتا ہوتا ہے والعیاذ باللہ تعالی اس لیے سخت احتراز لازم ہے۔

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۹/۷/۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

ہندوؤں سے تعلقات کے بارے میں :۔ میں کچھ کاروبار کرتا ہوں جس میں ہندوؤں سے بھی تعلقات رکھنے ہوتے ہیں میں اس میں کیا رویہ اختیار کروں اپنے ملک میں اقلیتی غیر مسلموں سے بات چیت، اٹھنے بیٹھنے وغیرہ کی کہاں تک گنجائش ہے؟ ایک ایسے ملک میں جہاں حکومت غیر مسلم ہو (جیسے ہندوستان) وہاں تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہو تو اس مسلمان کے گھر نہ جانا اور تعلقات توڑنا

کیسا ہے؟

المستفتی: محمد اظہار الحق صندوق البرید ۶۲۷ جادو طرابلس لیبیا

الجواب: سچا مومن وہ ہے جو ایک مقصد کے تحت زندگی گزارتا ہے اس کا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا، کھانا پینا، بولنا بات کرنا اسی مقصد کے تحت ہوتا ہے۔ اور وہ مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے اور جو ایک مقصد کے تحت زندگی گزار رہا ہو وہ کبھی بھی کسی ایسے شخص سے دلی لگاؤ اور محبت پیدا نہیں کرے گا جو اس کے مقصد کا دشمن اور مخالف ہو۔ کافر خواہ کوئی بھی ہو وہ مسلمان کے مقصد کا کھلا دشمن ہے اور یہ ایک حقیقت ہے جو محسوس ہونے ہو کوئی سمجھے نہ سمجھے یہی وجہ ہے کہ قرآنی تصریحات کے مطابق کسی بھی کافر سے کسی بھی حال میں دلی دوستی اور یارانہ جائز نہیں۔ خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کے ساتھ محبت و دوستی رکھنے والا کس منہ سے خدا کو کہے گا کہ اے اللہ میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں اور تجھ سے محبت کرتا ہوں۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب　　　شرم تم کو مگر نہیں آتی

البتہ غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی لین دین، حسن سلوک، احسان و رواداری، ہمدردی و نفع رسانی کی اسلام اجازت دیتا ہے بشرطیکہ یہ بھی اسی مقصد کے تحت ہوں، یعنی ان کو راہ راست پر لانا اور انہیں اسلام کے محاسن سے آگاہ کرنا مقصود ہو۔ اسی غرض کے تحت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار کی مہمان نوازیاں بھی کی ہیں۔ انہیں عطیات بھی دیئے ہیں اور جس قدر اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ رواداری برتی ہے کسی مذہب کی تاریخ اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی ہے یار و اغیار سب ہی اس کے شاہد ہیں اس ضروری وضاحت کے بعد اب اپنے سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

۱: جس خوش اخلاقی سے وہ پیش آئے آپ اس سے بڑھ کر پیش آئیں مگر یہ ضرور خیال رہے کہ یہ تعلقات دینی حدود میں رہیں اور مقصد تعلقات پر قربان نہ ہو۔

۲: فقہاء نے ابواب کی شکل میں ذمیوں کے حقوق و فرائض بیان کیے ہیں کسی مستند فقہ کی کتاب میں دیکھ لیے جائیں۔ تعلقات کی حد میں اس کا حکم وہی ہے جو ایک عام غیر مسلم کا ہے۔

۳: تفصیل گزر چکی ہے۔

۴: اگر اس مسلمان کا غیر مسلمان سے یارانہ اور دلی دوستی ہے تو پھر اس مسلمان کو چھوڑ دیا جائے تاکہ اسے احساس پیدا ہو اور اگر یہ نہیں تو پھر تعلقات توڑنے مناسب نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۲ر۸ر۱۳۹۸ھ　　　الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

شیعہ اثنا عشریہ کے خاص عقائد

جن کی بناء پر متقدمین و متاخرین علماء و فقہاء نے ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے

از بندہ عاجز محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

اثنا عشریہ کی بنیادی اور مستند کتابوں کے مطالعہ کے بعد خاص طور سے ان کے یہ تین عقیدے اس طرح آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں جس کے بعد کسی شک و شبہ اور تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔

ایک :۔ یہ کہ حضرات شیخین (سیدنا حضرت ابوبکر صدیق و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ (معاذ اللہ) نہ صرف یہ کہ کافر و منافق تھے بلکہ اگلی امتوں کے اور اس امت کے خبیث ترین کافروں، فرعون، ہامان، و نمرود اور ابولہب و ابوجہل سے بھی حتیٰ کہ شیطان مردود سے بھی بدتر درجہ کے کافر تھے، اور جہنم میں سب سے زیادہ عذاب انہیں دونوں پر ہے۔

دوسرا :۔ یہ کہ موجودہ قرآن محرف ہے اس میں ہر طرح کی تحریف اور کمی بیشی ہوئی ہے یہ بعینہ وہ کتاب اللہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل فرمائی گئی تھی۔

تیسرا :۔ یہ کہ ان کا بنیادی عقیدہ "امامت" ختم نبوت کی قطعی نفی کرتا ہے لہذا وہ اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے ختم نبوت کے منکر ہیں اگرچہ زبان سے حضور کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں (جس طرح قادیانی بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہتے ہیں)۔

☆

اب تینوں عقیدوں کے بارے میں اثنا عشریہ کے ائمہ معصومین کے ارشادات اور ان کے ان علماء ومجتہدین کے بیانات جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائے جائیں۔

شیخین کے بارے میں:

شیعہ اثنا عشریہ کی حدیث کی کتابوں میں ان کے نزدیک سب سے زیادہ مستند ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی رازی (م ۳۲۸ھ) کی کتاب "الجامع الکافی" ہے اس کا درجہ ان کے نزدیک وہی ہے جو علماء اہلسنت کے نزدیک امام بخاری کی "الجامع الصحیح" کا ہے، بلکہ اس سے بھی بالاتر اس کے آخری حصہ "کتاب الروضہ" میں شیعوں کے ساتویں امام معصوم ابو الحسن موسیٰ کا ایک طویل مکتوب پوری سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ اس میں شیخین کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

فلعمری لقد نافقا قبل ذالک وردا علی اللہ جل ذکرہ کلامہ وھزءا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وھما الکافران علیہما لعنة اللہ والملئکة والناس اجمعین (کتاب الروضة ص ۱۲ طبع لکھنؤ)	میں قسم کھاتا ہوں کہ وہ دونوں پہلے سے منافق تھے انہوں نے اللہ کے کلام کو رد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ تمسخر کیا۔ وہ دونوں قطعی کافر ہیں۔ ان پر اللہ کی اور اس کے فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی لعنت

اور اسی کتاب الروضہ میں شیعوں کے پانچویں امام معصوم امام باقر کا یہ ارشاد شیخین کے بارے میں روایت کیا گیا۔

ان الشیخین فارقا الدنیا ولم یتوبا ولم یتذکرا ما صنعا بامیر المؤمنین علیہ السلام فعلیہما لعنة اللہ والملئکة والناس اجمعین۔ کتاب الروضة۔ ص ۱۱۵ طبع لکھنؤ)	یہ دونوں دنیا سے چلے گئے اور انہوں نے امیر المؤمنین علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس سے توبہ نہیں کی اور اس کو یاد بھی نہیں کیا تو ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور انسانوں کی سب کی لعنت

ملا باقر مجلسی شیعوں کے گیارہویں صدی ہجری کے بہت بڑے مجتہد اور محدث ہیں علمائے شیعہ ان کو خاتم المحدثین کہتے اور لکھتے ہیں، کثیر التصانیف ہیں۔ ہمارا اندازہ ہے کہ ان کی کتابیں شیعوں میں دوسرے تمام مصنفوں سے زیادہ مقبول ہیں، ان کو شیعہ مذہب کا ترجمان اعظم کہا جا سکتا ہے (خمینی صاحب نے بھی اپنی کتاب کشف الاسرار میں مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لیے مجلسی کی کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے۔ کشف الاسرار ص ۱۲۱) ان مجلسی صاحب نے اپنی کتاب "جلاء العیون" میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منسوب کر کے ایک طویل روایت نقل کی ہے، اس میں یہ بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ،

در جہنم تابوتے ہست کہ دوازدہ کس در آں تابوت ہستند شش کس از گزشتگاں	جہنم میں ایک صندوق ہے جس میں بارہ آدمی بند ہیں چھ پچھلی امتوں کے اور چھ اس امت کے

و شش نفر از ایں است و آں تابوت در چاہے
است در قعر جہنم و بر آں چاہ سنگے افتادہ
است کہ حق تعالیٰ ہرگاہ بخواہد کہ جہنم را مشتعل سازد
امر میفرماید کہ آں سنگ را از سر چاہ بردارند
چوں سنگ را بر میدارند جمیع جہنم مشتعل
شود از حرارت آں چاہ۔ پس من در حضور
شما پرسیدم کہ آنہا کیستند؟ فرمود کہ
اما از پیشینیاں پس ایں شش نفر
قابیل و فرعون و نمرود و پے کنندہ
ناقہ صالح، و دو کس از بنی اسرائیل
کہ بعد از موسیٰ و عیسیٰ دین ایشاں را تغیر دادند و امت
ایشاں را گمراہ کردند۔ اما از ایں امت پس دجال است
و پنج نفر ابوبکر و عمر و ابو عبیدہ بن الجراح و سالم مولی حذیفہ
و سعد بن العاص (جلاء العیون۔ ص ۱۲۷ طبع ایران)

اور وہ صندوق جہنم کے ایک آتشی کنویں میں ہے اور وہ
کنواں ایک پتھر سے بند کر دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ جب جہنم
کی آگ کو بھڑکانا چاہے گا تو حکم فرمائے گا کہ جس
پتھر سے کنواں بند کیا گیا ہے اس کو ہٹا دیا جائے جب وہ
پتھر ہٹا دیا جائے گا تو اس کنویں کی آگ سے سارا جہنم
بھڑک اٹھے گا۔ (آگے راوی کہتا ہے) میں نے حضرت
امام سے پوچھا کہ وہ بارہ آدمی کون ہیں جو اس صندوق
میں بند ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگلی امتوں کے چھ
آدمی تو یہ ہیں قابیل نمرود و فرعون اور حضرت صالح علیہ
السلام کی اونٹنی کا قاتل اور بنی اسرائیل میں سے وہ دو
آدمی جنہوں نے حضرت موسیٰ و عیسیٰ کے بعد ان کے
دین کو بدل ڈالا اور ان کی امتوں کو گمراہ کیا اور اس امت
کے چھ آدمی یہ ہیں، دجال۔ اور ابوبکر۔ عمر۔ ابو عبیدہ بن
الجراح۔ سالم مولی حذیفہ اور سعد بن العاص

(راقم سطور عرض کرتا ہے کہ مجلسی نے جہنم کے اس آتشی تابوت کی روایت جس میں بارہ آدمی بند ہیں
جن میں معاذ اللہ شیخین بھی ہیں اپنی دوسری کتاب حق الیقین میں بھی ذکر کی ہے (حق الیقین۔ ص ۵۰۲)

اور جلاء العیون میں ملا باقر مجلسی نے ایک اور روایت ذکر کی ہے جس میں حضرات شیخین کے بارے
میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ

آں دو مرد اعرابی کہ ہرگز ایمان بخدا و رسول نیاوردہ
بودند یعنی ابوبکر و عمر ۔ (ص ۱۶۰)

وہ دو اعرابی جو خدا اور اس کے رسول پر ہرگز ایمان نہ
لائے یعنی ابوبکر اور عمر۔

(راقم سطور عرض کرتا ہے کہ ملا باقر مجلسی نے یہ روایت "حق الیقین" میں بھی ذکر کی ہے (ص ۵۰۲)

اور جلاء العیون ہی میں مجلسی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے

ہیچ عاقل را مجال آں نیست کہ شک کند در کفر عمر پس
لعنت خدا و رسول بر ایشاں باد۔ و بر ہر کہ ایشاں را
مسلماں داند و ہر کہ در لعن ایشاں توقف نماید
(جلاء العیون ص ۴۵)

کسی صاحب عقل کے لیے اس کی مجال اور گنجائش نہیں
ہے کہ عمر کے کافر ہونے میں شک کرے پس خدا و رسول
کی لعنت ہو عمر پر اور ہر اس شخص پر جو اس کو مسلمان جانے
اور ہر اس آدمی پر جو اس پر لعنت کرنے میں توقف کرے
(یعنی لعنت کرنے سے زبان کو روکے)

ملا باقر مجلسی کی تصانیف جلاء العیون، حق الیقین، زاد المعاد، حیات القلوب وغیرہ سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے متعلق اس طرح کی انتہائی زہریلی اور اشتعال انگیز روایتیں اور عبارتیں بلا مبالغہ سیکڑوں کی تعداد میں نقل کی جا سکتی ہیں لیکن غیر ضروری طوالت ہوگی اس لیے حق الیقین سے صرف ایک روایت اور نقل کی جاتی ہے جو مجلسی نے شیخ مفید کی "کتاب اختصاص" کے حوالے سے شیعوں کے چھٹے امام معصوم جعفر صادق کی روایت سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیان کی حیثیت سے نقل کی ہے۔ واضح رہے کہ شیعوں کے نزدیک شیخ مفید کا مقام یہ ہے کہ ان کے بارھویں امام غائب (امام مہدی) غار میں روپوش ہو جانے اور غیبت صغریٰ کا دور ختم ہو جانے کے بعد بھی شیخ مفید کو خطوط لکھتے تھے جو کسی نامعلوم طریقے سے ان کو مل جاتے تھے شیعوں کی معتبر کتاب "احتجاج طبرسی" میں ان کے نام امام غائب کے وہ خطوط موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام غائب کے خاص معتمدین میں سے تھے [1] اس لیے یہ سمجھنا غلط نہ ہوگا کہ یہ روایت شیعوں کی معتبر ترین روایتوں میں سے ہے۔ اسی لیے اس کی طوالت اور اس کے مضمون کی انتہائی خباثت اور دل آزاری کے باوجود دل پر جبر کر کے اس پوری روایت کو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے (نقل کفر کفر نباشد) ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ

شیخ مفید در کتاب اختصاص از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرمود کہ روزے بیروں رفتم از پشت کوفہ و قنبر در پیش روئے من راہ می رفت ناگاہ ابلیس پیدا شد۔ گفتم من کہ عجب پیر گمراہ شقی ہستی تو، گفت چرا ایں را می گوئی یا امیر المومنین "بخدا سوگند

شیخ مفید نے "کتاب اختصاص" میں حضرت جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ امیر المومنین (حضرت علی علیہ السلام) نے بیان فرمایا کہ ایک دن میں شہر کوفہ کے پیچھے باہر گیا اور قنبر (غلام وخادم) میرے آگے جا رہا تھا کہ اچانک ابلیس میرے سامنے آ گیا، میں نے اس سے کہا کہ عجیب گمراہ، بدبخت ہے تو اس نے کہا اے امیر المومنین آپ یہ بات کیوں کہتے ہیں خدا کی قسم کھا کے

---

[1] امام غائب اور ان کے خطوط کے بارے میں یہ جو کچھ تحریر کیا گیا ہے شیعوں کے عقیدہ کی بنیاد پر لکھا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک تو امام غائب کی شخصیت ہی ایک فرضی شخصیت ہے اس کے لیے راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" کا مطالعہ کیا جائے۔ ص ۱۴۸ تا ۱۷۶۔

شیخ مفید کے نام امام غائب کے جن خطوط کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے وہ احتجاج طبرسی طبع نجف اشرف جلد دوم کے ص ۳۲۲ تا ۳۲۵ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعی دنیا میں ان کے ائمہ معصومین کے بعد شاید شیخ مفید ہی کا درجہ اور مرتبہ ہے۔

ترا حدیثے نقل کنم از خود و از خداوند عزوجل۔ و در ما بین ما ثالثے نہ بود۔ بدرستیکہ چوں مرا برگزید فرستادہ خدا بسبب آں خطائے کہ کردم۔ چوں بآسمانے چہارم رسیدم۔ ندا کردم کہ الٰہی و سیدی گمان نہ دارم کہ از من شقی تر خلق آفریدہ باشی۔ حق تعالیٰ وحی فرمود سوئے من۔ کہ بلکہ آفریدہ ام خلقی را کہ از تو شقی تر است۔ بعدہ بسوئے خازن جہنم تا صورت او را و جائے او را بتو بنماید۔ رفتم بسوئے مالک۔ و گفتم خداوند ترا سلام مے رساند۔ و مے فرماید کہ بمن بنمائے کسے را کہ از من شقی تر است۔ مالک مرا برد بسوئے جہنم و سرپوش بالائے جہنم را برداشت۔ آتشے سیاہ بیروں آمد کہ گمان کردم کہ مرا و مالک را خواہد خورد۔ مالک بآں گفت کہ ساکن شو۔ ساکن شد۔ پس مرا برد بطبقہ دوم آتشے بیروں آمد از آں سیاہ تر و گرم تر پس گفت ساکن شو۔ ساکن شد وہم چنیں کہ ہر مرتبہ اے کہ مے برد از مرتبہ سابق تیرہ تر و گرم تر بود تا بطبقہ ہفتم برد۔ آتشے از آں بیروں آمد کہ گماں کردم کہ مرا و مالک را دیگر آنچہ خدا

میں آپ کو ایک بات سناتا ہوں جو میرے اور خداوند عزوجل کے درمیان ہوئی اور ہمارے درمیان کوئی تیسرا نہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ نے مجھے میری اس خطا کی وجہ سے جو میں نے کی تھی آسمان سے زمین پر بھیج دیا۔ جب میں چوتھے آسمان پر پہنچا تو میں نے خداوند عزوجل سے عرض کیا کہ اے میرا خدا اور میرے مالک و آقا میں گمان نہیں کرتا کہ تو نے مجھ سے زیادہ شقی اور بدبخت کوئی مخلوق پیدا کی ہوگی، تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ میں نے ایسی مخلوق پیدا کی ہے جو تجھ سے بھی زیادہ شقی اور بدبخت ہے تو جہنم کے داروغہ کے پاس جا تاکہ وہ تجھ کو اس مخلوق کی صورت اور اس کی جگہ دکھلا دے تو میں جہنم کے داروغہ کے پاس گیا اور میں نے اس سے کہا کہ خداوند عزوجل تجھ کو سلام کہتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ مجھے اس آدمی کو دکھلا دے جو مجھ سے بھی زیادہ شقی اور بدبخت ہے تو مجھے وہ جہنم کی طرف لے گیا اور جہنم کے اوپر جو سرپوش تھا اس نے اٹھایا اس میں سے سیاہ رنگ کی ایسی آگ باہر نکلی کہ میں نے گمان کیا کہ یہ آگ مجھے اور داروغہ جہنم کو بھی کھا جائے گی داروغہ جہنم نے اس سے کہا کہ ساکن ہو جا تو وہ ساکن ہوگئی پھر وہ مجھے جہنم کے دوسرے طبقہ میں لے گیا تو اس میں سے ایسی آگ نکلی جو پہلی والی آگ سے بھی زیادہ سیاہ اور گرم تھی تو داروغہ جہنم نے اس آگ سے کہا کہ ساکن ہو جا تو وہ ساکن ہوگئی۔ اسی طرح داروغہ جہنم جس طبقے میں لے جاتا اس میں سے ایسی آگ نکلتی جو اس سے پہلے سب طبقوں کی آگ سے زیادہ تیز تر اور زیادہ گرم ہوتی یہاں

آفریدہ است۔ خواہد سوخت پس دست بدیدہ ہائے خود گذاشتم و گفتم۔ اے مالک امر کن او را کہ سرد و ساکن شود و فنا گردد۔ مالک گفت۔ تو نخواہی مرد تا وقت معلوم۔ پس صورت دو مرد را دیدم کہ در گردن ایشان زنجیر ہائے آتش بود و ایشان را بجانب بالا آویختہ بودند۔ و بر سر آنہا گروہے ایستادہ بودند گرزہائے آتش در دست داشتند و بر ایشان می زدند۔ گفتم اے مالک اینہا کیستند؟ گفت مگر نہ خواندی آنچہ در ساق عرش نوشتہ بود۔ و آن دیدہ بودم کہ خدا بر ساق عرش دو ہزار سال پیش از آنکہ دنیا را یا آدم را خلق کند نوشتہ بود "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ و نصرتہ بعلی" اینہا دو دشمن ایشان و ظلم کنندہ بر ایشانند

یعنی ابوبکر و عمر

(حق الیقین ص۵۰۹ و ۵۱۰)

تک کہ وہ مجھے جہنم کے ساتویں طبقے میں لے گیا۔ اس میں سے ایسی آگ نکلی کہ میں نے گمان کیا کہ یہ آگ مجھے اور داروغہ جہنم کو بھی اور اللہ کی پیدا کی ہوئی تمام مخلوقات کو جلا کے بھسم کر دے گی۔ تو میں نے اس آگ کی دہشت اور خوف سے اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے اور اس طرح آنکھیں بند کر لیں۔ اور میں نے داروغہ جہنم سے کہا کہ اس آگ کو حکم دو کہ یہ ٹھنڈی اور ساکن ہو جائے ورنہ میں مر جاؤں گا۔ داروغہ جہنم نے کہا تو ہرگز اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ وقت نہ آ جائے جو تیری موت کے لیے خدا کی طرف سے مقرر اور اس کے علم میں ہے۔ آگے مجلسی بیان کرتا ہے کہ) میں نے جہنم کے اس ساتویں طبقے میں دو آدمیوں کو دیکھا کہ ان کی گردنوں میں آگ کی زنجیریں ہیں۔ اور ان کو اوپر کی جانب لٹکا دیا گیا ہے۔ اور ان کے سر پر وہ گروہ کھڑے ہیں۔ اور آگ کے گرز ان کے ہاتھوں میں ہیں اور وہ ان دونوں آدمیوں پر آگ کے وہ گرز مارتے ہیں میں نے کہا اے داروغہ جہنم یہ دونوں کون ہیں؟ اس نے کہا کہ تو نے وہ نہیں پڑھا جو عرش کے پایہ پر لکھا ہوا تھا؟ (مجلسی کہتا ہے) کہ میں نے دیکھا تھا کہ خدا نے دنیا کے یا آدم کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے لکھا تھا کہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ و نصرتہ بعلی" کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا اور محمد اللہ کے رسول ہیں میں نے محمد کی مدد علی کے ذریعہ کی اور قوت بخشی) یہ دونوں آدمی (جن کے گلے میں آتشی زنجیریں ہیں اور جن پر آگ کے گرزوں کی مار پڑ رہی ہے) یہ دونوں علی کے دشمن اور ان پر ظلم وستم کرنے والے ہیں یعنی یہ ابوبکر اور عمر ہیں۔

راقم سطور حضرات علمائے شریعت و مفتیان عظام سے معذرت خواہ ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے متعلق ایسی خبیث اور دلآزار عبارتیں اور روایتیں ان کے سامنے پیش کیں جن کا مطالعہ یقیناً انتہائی

تکلیف کا باعث ہوگا۔ خود راقم سطور نے کتابوں میں ان کا مطالعہ انتہائی قلبی اذیت کے ساتھ کیا تھا اور شدید کراہت کے ساتھ ان کو اپنے قلم سے لکھا ہے۔ صرف اس لئے کہ شیعہ مذہب کی حقیقت اور اثنا عشریہ کا عقیدہ و مسلک صحیح طور پر سامنے آ جائے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ اس سلسلہ میں یہاں پیش کیا گیا ہے۔ وہ بقول "مشتے نمونہ از خروارے" ہے۔ اس سلسلہ کی اسی طرح کی چند اور انتہائی دل آزار اور خبیث روایات راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" میں صفحہ ۱۹۵ سے صفحہ ۱۹۷ تک دیکھی جا سکتی ہیں۔ جو مجلسی کی تصانیف ہی سے نقل کی گئی ہیں۔ جو باقرار شیعہ مذہب کا ترجمان اعظم ہے۔ اور خمینی صاحب نے جس کی فارسی تصانیف کے مطالعہ کا شیعوں کو اپنی تصنیف "کشف الاسرار" میں مشورہ دیا ہے۔ اور ان پر اپنا اعتماد ظاہر کیا ہے۔ (کشف الاسرار ص ۱۲۱) مجلسی کے بارہ میں پاکستان کے ایک بلند پایہ شیعہ مجتہد کا بیان "آگے" درج کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں خود خمینی صاحب کے فرمودات بھی ملاحظہ ہوں

روح اللہ خمینی صاحب (جو شیعہ عالم اور مجتہد ہونے کے ساتھ اپنے نظریہ "ولایۃ الفقیہ" کے مطابق امام غائب معصوم (امام مہدی) کے نائب (قائم مقام بھی ہیں) ہمارے اس دور میں شیعہ مذہب کے سب سے بڑے نمائندے سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے بھی حضرات شیخین اور ان کے تمام رفقاء سابقین اولین صحابہ کرام کے بارہ میں تقیہ کی ذرہ برابر پرواہ کئے بغیر صفائی سے وہی عقیدہ ظاہر کیا ہے جو کلینی اور مجلسی کی نقل کی ہوئی شیعوں کے ائمہ معصومین کی مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا۔ خمینی صاحب نے اپنی معرکۃ الآراء فارسی تصنیف "کشف الاسرار" میں ص ۱۱۲ سے ۱۲۰ تک اس موضوع پر بحث کی ہے اور مفصل کلام کیا ہے۔ راقم سطور نے اپنی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" میں (ص ۶۳ سے ۶۹ تک) ان کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ اور ان کی بقدر ضرورت وضاحت کی ہے۔ اور آخر میں ان عبارتوں کا حاصل چند نمبروں میں لکھا ہے۔ طوالت سے بچنے کے لئے یہاں صرف اسی کو نقل کر دینا کافی سمجھا ہے۔ خمینی صاحب کی عبارتیں ان کی کتاب "کشف الاسرار" میں یا راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

حضرات شیخین ذوالنورین اور عام صحابہ کرامؓ
کے بارے میں خمینی صاحب کے فرمودات کا حاصل

۱۔ شیخین ابوبکر و عمر اور ان کے رفقاء عثمان، ابوعبیدہ وغیرہ دل سے ایمان ہی نہیں لائے

تھے۔ صرف حکومت و اقتدار کی طمع اور ہوس میں انہوں نے بظاہر اسلام قبول کرلیا تھا۔ اور اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے کو چپکا رکھا تھا۔ (یہ چپکا رکھنا خود خمینی صاحب کی تعبیر ہے۔ ان کے الفاظ ہیں) "آنہائیکہ سالہا در طمع ریاست خود را بدین پیغمبر چسپانده بودند۔ (کشف الاسرار۔ ص ۱۱۳)

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت و اقتدار حاصل کرنے کا ان کا جو منصوبہ تھا۔ اس کے لئے وہ ابتداء ہی سے سازش کرتے رہے اور انہوں نے اپنے ہم خیالوں کی ایک طاقتور پارٹی بنائی تھی۔ ان سب کا اصل مقصد اور مطمح نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت پر قبضہ کرلینا ہی تھا۔ اس کے سوا اسلام سے اور قرآن سے ان کا کوئی سروکار نہیں تھا۔ (کشف الاسرار۔ ص ۱۱۳-۱۱۴)

۳۔ اگر بالفرض قرآن میں صراحت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امامت و خلافت کے لئے حضرت علیؓ کی نامزدگی کا ذکر بھی کردیا جاتا تب بھی یہ لوگ ان آیات قرآنی اور خداوندی فرمان کی وجہ سے اپنے اس مقصد اور منصوبہ سے دست بردار ہونے والے نہیں تھے۔ جس کے لئے انہوں نے اپنے کو اسلام سے اور رسول اللہ سے چپکا رکھا تھا۔ اس مقصد کے لئے جو جیسے اور جو کچھ ان کو کرنے پڑتے وہ سب کرتے۔ اور فرمان خداوندی کی پرواہ نہ کرتے۔ (کشف الاسرار۔ ص ۱۱۴)

۴۔ قرآنی احکام اور خداوندی فرمان کے خلاف کرنا ان کے لئے معمولی بات تھی۔ انہوں نے بہت سے قرآنی احکام کی مخالفت کی اور خداوندی فرمان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اس سلسلہ میں خمینی صاحب نے "مخالفتہا ے ابوبکر بانص قرآنی" اور "مخالفتہا ے عمر با قرآن" کے عنوانات قائم کرکے ان کی مخالفت قرآن کی مثالیں بھی دی ہیں۔ (کشف الاسرار۔ ص ۱۱۵-۱۱۹)

۵۔ اگر وہ اپنا مقصد (حکومت و اقتدار) حاصل کرنے کے لئے قرآن سے ان آیات کا نکال دینا ضروری سمجھتے (جن میں امامت کے منصب پر حضرت علیؓ کی نامزدگی کا ذکر کیا گیا ہوتا) تو وہ ان آیتوں ہی کو قرآن سے نکال دیتے۔ وہ آیتیں ہمیشہ کے لئے قرآن سے غائب ہوجاتیں۔ اور وہ توریت و انجیل کی طرح محرف ہوجاتا۔ (کشف الاسرار۔ ص ۱۱۴)

۶۔ اگر وہ ان آیات کو قرآن سے نہ نکالتے تب وہ یہ کر سکتے تھے اور یہی کرتے کہ ایک حدیث اس مضمون کی گھڑ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے لوگوں کو سنا دیتے کہ آخری وقت میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ امام و خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ شوریٰ سے طے ہوگا۔ اور علیؓ جن کو امامت کے منصب کے لئے نامزد کیا گیا تھا۔ اور قرآن میں بھی اس کا ذکر کردیا گیا تھا ان کو اس منصب سے معزول کردیا گیا۔

(کشف الاسرار۔ ص ۱۱۹)

۷۔ اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ عمرؓ ان آیات کے بارے میں کہہ دیتے کہ یا تو خود خدا سے ان آیتوں کے نازل کرنے میں یا جبرئیل یا رسول خداؐ سے ان کے پہنچانے میں اشتباہ ہوگیا یعنی غلطی اور چوک ہوگئی۔

(کشف الاسرار۔ ص ۱۱۹-۱۲۰)

۸۔ خمینی صاحب نے (حدیث قرطاس کا ذکر کرتے ہوئے) بڑے دردناک نوحے کے انداز میں (حضرت عمرؓ کے بارے میں) لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری وقت میں اس نے آپ کی شان میں ایسی گستاخی کی جس سے روح پاک کو ایسا انتہائی صدمہ پہنچا اور آپ دل پر اس صدمہ کا داغ لے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس موقع پر خمینی صاحب نے صراحت کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ عمر کا یہ گستاخانہ کلمہ دراصل اس کے باطن اور اندر کے کفر و زندقہ کا ظہور تھا۔ اس موقع پر خمینی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

"این کلام یاوہ کہ از اصل کفر و زندقہ ظاہر شدہ" (کشف الاسرار ص ۱۱۹)

۹۔ اگر یہ شیخین (اور ان کی پارٹی والے) دیکھتے کہ قرآن کی ان آیات کی وجہ سے (جن میں امامت کے لئے حضرت علی کی نامزدگی کی گئی ہوتی) اسلام سے وابستہ رہتے ہوئے ہم حصول حکومت کے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے اسلام کو ترک کرنے اور اس سے کٹ کر ہی یہ مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔ تو یہ ایسا ہی کرتے اور (ابوجہل و ابولہب کا موقف اختیار کرتے) اپنی پارٹی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو جاتے۔ (کشف الاسرار ص ۱۱۴)

۱۰۔ باقی صحابہ کا حال یہ تھا کہ یا تو وہ لوگ تھے (شیخین کی) خاص پارٹی میں شریک و شامل، ان کے رفیق کار، اور حکومت طلبی کے مقصد میں ان کے پورے ہم نوا تھے۔ یا پھر وہ تھے جو ان لوگوں سے ڈرتے تھے۔ اور ان کے خلاف ایک حرف زبان سے نکالنے کی ان میں جرات و ہمت نہیں تھی۔ (کشف الاسرار۔ ص ۱۱۹-۱۲۰)

خمینی صاحب کے یہ بیانات جو ان کی کتاب "کشف الاسرار"[1] کے حوالے سے سطور بالا میں آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ ان کے سامنے آ جانے کے بعد اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ حضرات شیخین اور ان کے خاص رفقاء سابقین اولین صحابہ کرام کے بارہ میں ان کا عقیدہ وہی ہے جو کلینی اور مجلسی کی نقل کی ہوئی روایات سے معلوم ہوا تھا کہ یہ سب (معاذ اللہ) کافر و منافق ایمان سے قطعی محروم، خالص دنیا پرست تھے۔ صرف حکومت اور اقتدار کی طمع میں انہوں نے منافقانہ طور پر صرف زبان سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ باطن میں وہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ

---

[1] خمینی صاحب کی یہ تصنیف "کشف الاسرار" فارسی زبان میں قریباً ساڑھے تین سو صفحات کی کتاب ہے جو پہلی دفعہ ایران میں ۱۳۶۳ھ میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد بھی شائع ہوتی رہی ہے۔ خمینی صاحب کے برپا کئے ہوئے انقلاب کے بعد کے طبع شدہ ایڈیشن کا نسخہ بھی خود راقم سطور نے دیکھا ہے۔

عقیدۂ تحریفِ قرآن

شیعہ اثنا عشریہ کی بنیادی اور مسلمہ کتابوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی ایسے یقین کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آئی جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن محرف ہے اس میں اسی طرح تحریف ہوئی ہے جیسی اگلی آسمانی کتابوں توراۃ، انجیل وغیرہ میں ہوئی تھی۔ وہ صحیح "کتاب اللہ" نہیں ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی تھی۔ اثنا عشریہ کی حدیث کی ان کتابوں میں جن میں ان کے ائمہ معصومین کی روایات جمع کی گئی ہیں (جن پر مذہب شیعہ کا دارومدار ہے) خود ان کے اکابر محدثین و مجتہدین کے بیان کے مطابق دو ہزار سے زیادہ ائمہ معصومین کی وہ روایات ہیں جن سے قرآن کا محرف ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور ان کے ان علماء مجتہدین نے جو اثنا عشری مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں اپنی کتابوں میں اعتراف کیا ہے کہ یہ روایات متواتر ہیں اور تحریف قرآن پر ان کی دلالت صاف اور صریح ہے جس میں کوئی ابہام و اشتباہ نہیں ہے اور یہ کہ یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ اسی مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تیسری صدی ہجری کے آخر بلکہ چوتھی صدی کے قریباً نصف تک پوری شیعی دنیا کا یہی عقیدہ رہا۔ اس صدی کے قریباً وسط میں سب سے پہلے صدوق ابن بابویہ قمی (متوفی ۳۸۱ھ) نے اور اس کے بعد پانچویں صدی میں شریف مرتضیٰ (متوفی ۴۳۶ھ) اور شیخ ابو جعفر طوسی (متوفی ۴۶۰ھ) نے اور چھٹی صدی ہجری میں ابو جعفر طبرسی مصنف تفسیر "مجمع البیان" (متوفی ۵۴۸ھ) نے اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ قرآن کو عام مسلمانوں کی طرح محفوظ اور غیر محرف مانتے ہیں۔ لیکن شیعی دنیا نے ان کی اس بات کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ ائمہ معصومین کی متواتر اور صریح روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے رد کر دیا۔ مختلف زمانوں میں شیعوں کے اکابر و اعاظم علماء و مجتہدین نے قرآن کے محرف ہونے کے موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اس سلسلہ کی سب سے اہم کتاب جو مطالعہ میں آئی۔ وہ شیعوں کے ایک بڑے مجتہد اور خاتم المحدثین علامہ حسین محمد تقی نوری طبرسی کی کتاب ہے۔ جس کا نام ہے "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب" یہ عربی زبان میں باریک قلم سے لکھی ہوئی قریباً چار سو صفحات کی کتاب ہے۔ اس کے مصنف نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ قرآن میں ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے۔ دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کتابوں کی طویل فہرست دی ہے جو مختلف زمانوں میں شیعہ اثنا عشریہ کے اکابر علماء و مجتہدین نے موجودہ قرآن کو محرف ثابت کرنے کے لئے لکھی ہیں۔ اس کے مطالعہ کے بعد اس میں شک شبہ نہیں رہتا۔ کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ قرآن پاک کے بارے میں یہی ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے اور ہر طرح کی تحریف ہوئی۔ اور اثنا عشری فرقہ کے جن چار پانچ علماء مصنفین نے تحریف کے عقیدہ سے انکار کیا ہے۔ اس کی کوئی توجیہ سمجھ میں آنے والی اس کے سوا نہیں کی جا سکتی کہ انہوں نے یہ انکار کچھ مصلحتوں کے

تقاضے سے کیا ہے۔ یعنی تقیہ کیا ہے (یہ بات خود شیعوں کے اکابر علماء و مجتہدین نے لکھی ہے۔ جیسا کہ آگے معلوم ہو جائے گا)۔

یہ کتاب مصنف نے تیرہویں صدی کے آخر میں اس وقت لکھی تھی جب شیعہ اثنا عشریہ کے بہت سے علماء نے ازراہ مصلحت یعنی قرآن پاک میں تحریف کے اپنے عقیدہ سے انکار کی پالیسی اختیار کر لی تھی۔ علامہ حسین محمد تقی نوری طبرسی نے اس کو ائمہ معصومین اور اثنا عشری مذہب سے انحراف سمجھا، اور اس کی تردید ضروری سمجھی۔ اور یہ کتاب لکھی یہ کتاب مصنف کی زندگی ہی میں ایران میں طبع ہوئی تھی۔ اسی کا عکس لے کر حال ہی میں پاکستان میں اس کو طبع کر دیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب نے کسی شیعہ کے لئے تحریف کے عقیدہ سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ اس کے چند اقتباسات بھی ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں پیش کئے جائیں گے۔ پہلے اثنا عشریہ کی حدیث کی معتبر ترین کتابوں سے ان کے ائمہ معصومین کے چند ارشادات پیش کئے جاتے ہیں جن میں صراحت کے ساتھ قرآن پاک میں تحریف اور تغییر و تبدیل کا ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن میں تحریف کے بارے میں ”آئمہ معصومین“ کے ارشادات

(۱) سورۂ بقرہ کے شروع ہی میں آیت نمبر ۲۳ ہے۔ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ. اس آیت کے بارے میں شیعوں کی اصح الکتب ”اصول کافی“ میں ان کے پانچویں ”امام معصوم“ امام باقر کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے۔

نزل جبرئیل بھذہ الایة علیٰ محمد صلی اللّٰہ علیہ والہ ھکذا وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فی علیٍ فاتوا بسورة من مثلہ (اصول کافی ص ۲۶۳)

جبرئیل امین یہ آیت اس طرح لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر نازل ہوئے تھے۔ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فِیْ عَلِیٍّ فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ.

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے موجودہ قرآن کو مرتب کیا یا کرایا۔ (یعنی حضرات خلفائے ثلاثہ) انہوں نے اس آیت میں سے ”فی علی“ کے الفاظ نکال دیئے۔

(۲) سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۱۵ اس طرح ہے۔ ”وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ“ اصول کافی میں روایت ہے کہ اثنا عشریہ کے چھٹے ”امام معصوم“ جعفر صادق نے ”قسم کھا کے فرمایا کہ خدا کی قسم یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی۔

”ولقد عھدنا الی ادم من قبل کلمات فی محمد و علی و فاطمة والحسن والحسین والائمة من ذریتھم فنسی . ھکذا واللّٰہ انزلت علی محمد

صلی اللہ علیہ والہ (اصول کافی ۔ص ۲۶۳)

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں سے پورا خط کشیدہ حصہ نکال دیا گیا ہے۔

(۳) سورۃ احزاب کے آخری رکوع میں آیت ہے۔ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا اصول کافی کی میں روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی۔ ومن يطع الله ورسوله في ولاية علي والائمة من بعده فقد فاز فوزا عظيما مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں سے فی علی والائمة من بعده کے الفاظ نکال دیئے گئے۔ (اصول کافی ص ۲۶۲)

(۴) موجودہ قرآن پاک میں سورۃ نساء کی آیت نمبر ۱۷۰ اس طرح ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا۔ اصول کافی میں ہے کہ اس آیت کے بارے میں امام باقر نے ارشاد فرمایا۔

نزل جبرئيل بهذه الاية هكذا يا ايها الناس قد جاء كم الرسول بالحق من ربكم في ولاية علي فامنوا خيرا لكم وان تكفروا بولاية علي فان لله ما في السموات وما في الارض (اصول کافی ۔ص ۲۶۷)

امام باقر کے اس ارشاد کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں "في ولاية علي" اور "بولاية علي" کے الفاظ تھے۔ اور اس طرح اس میں امیر المومنین علی کی ولایت و امامت پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اور اس کے انکار کو کفر قرار دیا گیا تھا۔ لیکن موجودہ قرآن کو مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کرنے والوں (خلفاء ثلثہ) نے آیت میں سے یہ الفاظ نکال دیئے۔

اثنا عشریہ کی اصح الکتب "اصول کافی" سے اس طرح کی روایتیں بڑی تعداد میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ جن میں ان کے ائمہ معصومین نے قرآنی آیات میں اس طرح کی تحریف اور قطع و برید کا کھلا کھلا دعویٰ فرمایا ہے۔ یہاں اس سلسلہ کی صرف ایک ہی روایت اور ملاحظہ فرمائی جائے۔

عن هشام بن سالم عن ابي عبدالله عليه السلام قال ان القرآن الذي جاء به جبرئيل عليه السلام الى محمد صلي الله عليه واله سبعة عشر الف اية (اصول کافی ۔ص ۶۷۱)

ہشام بن سالم سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ قرآن جو جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لے کر نازل ہوئے تھے۔ اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔

موجودہ قرآن پاک میں خود شیعہ مصنفین کے لکھنے کے مطابق کل آیات چھ ہزار سے کچھ ہی اوپر ہیں۔ (ساڑھے چھ ہزار بھی نہیں ہیں) لیکن امام جعفر صادق کا ارشاد ہے کہ اصلی قرآن جو جبرئیل علیہ السلام لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تھے اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔ مطلب یہ ہوا کہ موجودہ قرآن کو مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کرنے والوں نے دو تہائی کے قریب قرآن غائب کر دیا۔ اصول کافی

(احتجاج طبرسی جلداول ص ۲۲۵ طبع نجف اشرف) تھے (منافقین نے وہ سب ساقط اور غائب کر دیا)۔

"احتجاج طبرسی" کی اسی روایت میں ہے کہ اس زندیق کے بعض دوسرے اعتراضات کے جواب میں بھی امیر علیہ السلام نے یہی تحریف والی بات فرمائی لیکن ان سب کا نقل کرنا غیر ضروری ہے۔

تحریف سے متعلق "ائمہ معصومین" کی روایات کے اس سلسلہ کو اسی پر ختم کیا جاتا ہے۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اثنا عشریہ کے اکابر محدثین و مجتہدین کے بیان کے مطابق ان کی حدیث کی کتابوں میں دو ہزار سے زیادہ ائمہ معصومین کی روایات ہیں جو بتلاتی ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے اور ہر طرح کی ہوئی ہے۔

اب اس مسئلہ سے متعلق چند ان اکابر علمائے شیعہ کے بیانات پیش کیے جاتے ہیں۔ جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ شیعوں کے عظیم المرتبت محدث و فقیہ سید نعمت اللہ الموسوی الجزائری نے اپنی کتاب "الانوار النعمانیہ" میں اس مسئلہ پر کسی قدر تفصیل سے کلام کیا ہے اور صفائی اور صراحت کے ساتھ اور مدلل طور پر بتلایا ہے کہ موجودہ قرآن کے بارہ میں اثنا عشریہ کا کیا عقیدہ ہے۔

قرآن مجید کی قراءات سبعہ (وہ سات قراءتیں) جو شیعوں کے علاوہ ساری امت مسلمہ کے نزدیک متواتر ہیں۔ اور ان کا یہ تواتر ہی مسلمانوں کے اس ایمان و یقین کی بنیاد ہے کہ موجودہ قرآن مجید وہی قرآن ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور آپ سے امت کو ملا۔ ان قراءات سبعہ کے تواتر کا انکار کرتے ہوئے شیعوں کے یہ جلیل القدر محدث و فقیہ نعمت اللہ الجزائری تحریر فرماتے ہیں۔

ان تسليم تواترها عن الوحي الالهي و كون الكل قد نزل به الروح الامين يفضي الى طرح الاخبار المستفيضة بل المتواترة الدالة بصريحها على وقوع التحريف في القرآن كلاماً ومادةً و اعراباً مع ان اصحابنا رضوان الله عليهم قد اطبقوا على صحتها والتصديق بها نعم قد خالف فيها المرتضى و الصدوق و الشيخ الطبرسي و حكموا بان ما بين دفتي هذا المصحف هو القرآن المنزل لا غير ولم يقع فيه تحريف و

(مطلب یہ ہے کہ) ان قراءات سبعہ کو متواتر تسلیم کرنے اور ان کو بعینہ وحی الٰہی اور جبرئیل امین کے ذریعہ نازل شدہ مان لینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ائمہ معصومین کی ان تمام مشہور بلکہ متواتر حدیثوں کو جو صفائی اور صراحت کے ساتھ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں اس کی عبارتوں اور اس کے کلمات اور اعراب میں بھی تحریف ہوئی ہے (ان سب حدیثوں کو) نا معتبر قرار دے کر رد کر دینا پڑے گا حالانکہ صورت حال یہ ہے کہ ہمارے اکابر و مشائخ حقہ میں رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں اور تحریف کے بارہ میں جو جو ان میں بتلایا گیا ہے وہ برحق اور واقعہ کے مطابق ہے اور ہم اس کو مانتے ہیں۔ ہاں ہمارے مشائخ متقدمین میں سے شریف مرتضیٰ اور صدوق اور شیخ طبرسی نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہی موجودہ

لا تبديل

قرآن مجید وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا تھا اور اس میں کسی طرح کی تحریف اور تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔

آگے سید نعمت اللہ الجزائری صفائی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ

والظاهر ان هذا القول صدر منهم لاجل مصالح كثيرة . كيف وهؤلاء الاعلام رووا في مؤلفاتهم اخبارا كثيرة تشتمل على وقوع تلك الامور في القرآن وان الآية هكذا انزلت ثم غيرت الى هذا.

اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ہمارے ان حضرات (شریف مرتضیٰ، صدوق، شیخ طبرسی) نے یہ بات بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے (اپنے عقیدہ اور ضمیر کے خلاف کہی ہے) یہ ان کا عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ خود انہوں نے اپنی کتابوں میں بڑی تعداد میں وہ حدیثیں روایت کی ہیں جو بتلاتی ہیں کہ قرآن میں مذکورہ بالا ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے۔ اور یہ کہ فلاں آیت اس طرح نازل ہوئی تھی۔ پھر اس میں یہ تبدیلی کر دی گئی۔

سید نعمت اللہ الجزائری اسی سلسلہ کلام میں (اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے اور موجودہ قرآن مجید وہ کتاب اللہ نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی) آگے لکھتے ہیں۔

انه قد استفاض في الاخبار ان القرآن كما انزل لم يؤلفه الا امير المؤمنين عليه السلام بوصية من النبي صلى الله عليه وآله فبقي بعد موته ستة اشهر مشتغلا بجمعه فلما جمعه كما انزل اتى به الى المتخلفين بعد رسول الله صلى الله عليه وآله فقال هذا كتاب الله كما انزل فقال له عمر بن الخطاب لا حاجة بنا اليك ولا الى قرآنك فقال لهم علي عليه السلام لن تروه بعد هذا اليوم ولا يراه احد حتى يظهر ولدي المهدي عليه السلام وفي ذلك القرآن زيادات كثيرة وهو خال من التحريف

بہت سی حدیثوں میں جو حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں یہ وارد ہوا ہے کہ قرآن جس طرح نازل ہوا تھا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی وصیت کے مطابق صرف امیر المومنین علیہ السلام نے آپ کی وفات کے بعد پورے چھ مہینے اس میں مشغول رہ کر جمع کیا تھا۔ جب آپ نے اس کو جمع کرلیا۔ تو اس کو لے کر ان لوگوں کے پاس آئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد امیر المومنین کی امامت و خلافت سے کٹ کر خلیفہ بن گئے تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ ٹھیک وہ کتاب اللہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل ہوئی تھی۔ تو عمر بن الخطاب نے کہا کہ ہم کو تمہاری اور تمہارے قرآن کی ضرورت نہیں تو امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ آج کے دن کے بعد تم اس کو کبھی نہ دیکھ سکو گے اور کوئی بھی نہ دیکھ سکے گا اس وقت تک کہ جب میرے بیٹے مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ وہ اس قرآن کو ظاہر کرے گا۔ اس میں بہت سی زیادتیاں ہیں اور وہ تحریف سے بالکل خالی ہے۔

رہا ہے۔ اس سلسلہ میں نمبر ۴ پر انہوں نے ان روایات کا حوالہ دیا ہے۔ جو یہ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں اسی طرح تحریف ہوئی ہے۔ جس طرح تورات وانجیل میں ہوئی تھی۔ اس سلسلہ کلام کو شروع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الامر الرابع ذكر اخبار خاصة فيها دلالة او اشارة على كون القرآن كالتوراة والانجيل في وقوع التحريف والتغيير فيه وركوب المنافقين الذين استولوا على الامة فيه طريقة بنى اسرائيل فيهما وهى حجة مستقلة لاثبات المطلوب (فصل الخطاب۔ ص ۷۰)

اور چوتھی بات ہے خاص خبروں کی ان روایات کا ذکر جو صراحۃً یا اشارۃً یہ بتلاتی ہیں کہ تحریف و تغییر و تبدیل کے واقع ہونے میں قرآن تورات اور انجیل ہی کی طرح ہے۔ اور جو یہ بتلاتی ہیں کہ جو منافقین امت پر غالب آگئے اور حاکم بن گئے تھے (ابوبکر، عمر وغیرہ) وہ قرآن میں تحریف کرنے کے بارے میں اسی راستہ پر چلے جس راستہ پر چل کر بنی اسرائیل نے تورات و انجیل میں تحریف کی تھی۔ اور یہ ہمارے دعوے (یعنی تحریف) کے ثبوت کی مستقل دلیل ہے۔

آگے مصنف نے اکابر علماء شیعہ کی کتابوں کے حوالے سے کئی صفحوں میں وہ روایات نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن میں اسی طرح کی تحریف کی گئی۔ جیسی تحریف حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے بعد تورات و انجیل میں کی گئی تھی۔

متقدمین علماء شیعہ سب ہی تحریف کے قائل اور مدعی ہیں
صرف چار وہ ہیں جنہوں نے تحریف سے انکار کیا ہے

علامہ نوری طبرسی نے اسی فصل الخطاب میں زیر عنوان "المقدمة الثالثة" (تیسرا مقدمہ) لکھا ہے کہ ہمارے علماء میں اس مسئلہ میں کہ قرآن میں تحریف اور تغییر و تبدیل ہوا ہے یا نہیں۔ دو قول مشہور ہیں۔ پھر اس کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الاول وقوع التغيير والنقصان فيه وهو مذهب الشيخ الجليل علي بن ابراهيم القمي شيخ الكليني في تفسيره صرح بذلك في اوله وملأ كتابه من اخباره مع التزامه في اوله بان لا يذكر فيه الا عن مشايخه وثقاته ومذهب تلميذه ثقة الاسلام الكليني رحمه الله

پہلا قول یہ ہے کہ قرآن میں تغییر و تبدیل ہوا ہے اور کمی ہوئی ہے (یعنی کچھ حصہ اس کا ساقط اور غائب کیا گیا ہے) اور یہ مذہب ہے ابوجعفر یعقوب کلینی کے شیخ علی بن ابراہیم قمی کا۔ انہوں نے اپنی تفسیر کے شروع ہی میں اس کو صراحت اور صفائی سے لکھا ہے اور اپنی کتاب کو تحریف (ثابت کرنے والی) روایات سے بھر دیا ہے۔ اور انہوں نے اس کا التزام کیا ہے کہ وہ اپنی اس کتاب میں وہی روایات ذکر کریں گے۔

علي من نسبه اليه جماعة لنقله الاخبار الكثيرة الصريحة في هذا المعنى في كتابه الحجة خصوصا في باب النكت والنتف من التنزيل والروضة من غير تعرض لردها او تاويلها (فصل الخطاب۔ ص ۲۵)

جس کو وہ اپنے مشائخ اور ثقہ حضرات سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہی مذہب ہے ان کے شاگرد ثقۃ الاسلام کلینی رحمہ اللہ کا جیسا کہ علماء کی ایک جماعت نے ان کی طرف اس کی نسبت کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب الکافی "کتاب الحجۃ" میں اور بالخصوص اس کے "باب النکت والنتف من التنزیل" اور "کتاب الروضۃ" میں بہت بڑی تعداد میں وہ روایات (اسی مضمون کی) نقل کی ہیں۔ جو صراحۃً تحریف پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر نہ تو انہوں نے ان روایات کو رد کیا ہے اور نہ ان کی کوئی تاویل کی ہے۔

اس عبارت میں علامہ نوری طبرسی نے تحریف کے قائل علمائے متقدمین میں سے سب سے پہلے صرف ان دو کا ذکر کیا ہے (ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے شیخ علی بن ابراہیم قمی) واضح رہے کہ یہ دونوں حضرات وہ ہیں جنہوں نے (شیعی نظریہ کے مطابق) غیبت صغریٰ[1] کا پورا دور پایا ہے۔ بلکہ ان کے تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق ان دونوں نے گیارہویں امام حسن عسکری کا بھی کچھ زمانہ پایا ہے۔[2]

اس کے بعد علامہ طبرسی نے پورے پانچ صفحے میں دوسرے ان متقدمین اکابر علماء شیعہ کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے اپنی تصانیف میں تحریف اور تغیر و تبدل کا دعویٰ کیا ہے۔ ان کی تعداد تیس چالیس سے کم نہ ہوگی۔ زیادہ ہی ہوگی۔ اس سب کے بعد مصنف نوری طبرسی نے لکھا ہے۔

ومن جميع ما ذكرنا ونقلنا بتتبعي القاصر يمكن دعوى الشهرة العظيمة بين المتقدمين وانحصار المخالفين فيهم باشخاص معينين ياتي ذكرهم قال السيد المحدث الجزائري في الانوار ما معناه ان الاصحاب قد اطبقوا على صحة الاخبار المستفيضة

اور ہم نے اپنی محدود تلاش اور محدود مطالعہ سے تحریف کے بارے میں شیعہ اکابر علمائے متقدمین کے جو اقوال نقل کئے ان کی بنیاد پر دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے علمائے متقدمین کا یہی مذہب عام طور سے مشہور تھا (کہ قرآن میں تحریف اور کمی بیشی ہوئی ہے) اور اس کے خلاف ماننے والے بس چند متعین اور معلوم افراد تھے جن کا ناموں کے ساتھ آگے ذکر آ جائے گا۔ (آگے مصنف

---

[1] یعنی وہ زمانہ جبکہ شیعی عقیدہ کے مطابق امام غائب کے پاس ان کے سفیروں اور ایجنٹوں کی خفیہ آمد و رفت ہوتی تھی۔ (تفصیل اس عاجز کی کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" ص ۶۷ پر دیکھی جا سکتی ہے)۔

[2] اصول کافی کے آخر میں اس کے مؤلف محمد بن یعقوب رازی کلینی کا تذکرہ ہے اس میں لکھا ہے کہ "فالظاهر انه رضي الله عنه ادرك تمام الصغرى بل بعض ايام العسكري عليه السلام ايضاً" (اصول کافی طبع لکھنؤ ص ۶۶۵)

بل المتواترة الدالة بصريحها على وقوع التحريف في القرآن كلاماً ومادةً وإعراباً والتصديق بها نعم خالف فيها المرتضى والصدوق والشيخ الطبرسي

(فصل الخطاب۔ ص ۳۰)

نوری طبرسی نے سید نعمت اللہ الجزائری کی کتاب الانوار النعمانیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا) ہمارے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ مشہور بلکہ متواتر روایات جو صراحۃً بتلاتی ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی اس کی عبارت میں بھی اس کے الفاظ اور اعراب میں بھی وہ روایات صحیح ہیں اور ان روایات کی تصدیق (یعنی ان کے مطابق عقیدہ رکھنے) میں بھی ہمارے اصحاب کے درمیان اتفاق ہے۔ ہاں اس میں سید شریف مرتضیٰ اور صدوق اور شیخ طبرسی نے اختلاف کیا ہے۔

آگے اختلاف کرنے والوں میں مصنف نے ان تین حضرات کے علاوہ چوتھا نام ابو جعفر طوسی کا بھی ذکر کیا ہے اور تحریف سے انکار کے سلسلہ میں ان سب کی عبارتیں نقل کر کے مصنف نے سب کا جواب دیا ہے۔

ملحوظ رہے کہ یہ چاروں حضرات ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے شیخ علی بن ابراہیم قمی سے کافی متاخر ہیں۔ پھر ان میں سب سے متاخر ابو علی طبرسی ہیں۔ (ان کا سنہ وفات ۵۴۸ ہے) انہوں نے تحریف سے انکار کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا تھا اس کا جواب دینے کے بعد مصنف علامہ نوری طبرسی نے لکھا ہے۔

وفي طبقته لم يعرف الخلاف صريحاً إلا من هذه المشايخ الأربعة (فصل الخطاب ص ۳۴)

اور ابو علی طبرسی کے طبقہ تک (یعنی چھٹی صدی ہجری کے وسط تک) ان چار مشائخ کے سوا کسی کے متعلق بھی معلوم نہیں ہوا کہ انہوں نے اس مسئلہ میں صراحۃً اختلاف کیا ہو (یعنی قرآن میں تحریف ہونے سے صراحت کے ساتھ انکار کیا ہو)۔

راقم سطور نے عرض کیا تھا کہ مصنف نے اپنے عقیدہ اور نقطۂ نظر کے مطابق قرآن میں تحریف واقع ہونے پر دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔

تحریف کی روایتیں دو ہزار سے زیادہ:

الدليل الثاني عشر الأخبار الواردة في الموارد المخصوصة من القرآن الدالة على تغيير بعض الكلمات والآيات والسور بإحدى الصور المتقدمة وهي كثيرة جداً حتى قال السيد نعمت الله الجزائري

بارہویں دلیل ائمہ معصومین کی وہ روایات ہیں جو قرآن کے خاص خاص مقامات کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ جو بتلاتی ہیں کہ قرآن کے بعض کلمات اور اس کی آیتوں اور سورتوں میں ان صورتوں میں سے کسی ایک صورت کی تبدیلی کی گئی ہے۔ جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور وہ روایات بہت زیادہ

وایضاً من مؤلفاته کتاب حکی فیه
ان الاخبار الدالة علی ذالک تزید
علی الفی حدیث وادعی استفاضتها
جماعة کالمفید والمحقق الداماد
والعلامة المجلسی وغیرهم بل
الشیخ ایضا صرح فی التبیان بکثرتها
بل ادعی تواترها جماعة یاتی ذکرهم
(فصل الخطاب ص ۲۲)

ہے۔ یہاں تک کہا ہے کہ جلیل القدر محدث سید
نعمت اللہ الجزائری نے اپنی بعض تصانیف میں
فرمایا ہے جیسا کہ ان سے نقل کیا گیا ہے کہ قرآن میں
تحریف اور تغییر و تبدیل کو بتلانے والی اہل
بیت کی حدیثوں کی تعداد دو ہزار سے زیادہ
ہے۔ اور ہمارے اکابر علماء کی ایک جماعت نے مثلاً
شیخ مفید اور محقق داماد اور علامہ مجلسی نے ان حدیثوں
کے مستفیض اور مشہور ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور شیخ
طوسی نے بھی تبیان میں بصراحت لکھا ہے کہ ان روایتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ بلکہ ہمارے علماء کی ایک
جماعت نے جن کا آگے ذکر آئے گا۔ ان روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

روایات تحریف کے تواتر کا دعویٰ کرنیوالے اکابر علماء شیعہ

پھر کتاب کے آخر میں ان اکابر و اعاظم علمائے شیعہ کو مصنف نے ذکر کیا ہے جنہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن
میں تحریف اور تغییر و تبدیل کی روایتیں متواتر ہیں، اور یہ ان کا یہ دعویٰ شیعہ حضرات کی کتب حدیث کے لحاظ
سے بالکل صحیح ہے۔ مصنف رقمطراز ہیں۔

وممن ادعی تواترها وادعی تواتر وقوع
التحریف والتغییر والنقص جماعة
منهم المولی محمد صالح فی شرح الکافی
حیث قال فی شرح ما ورد ان القرآن
الذی جاء به جبرئیل الی النبی سبعة
عشر الف اية — وفی روایة سلیم
ثمانية عشر الف اية ما لفظه
واسقاط بعض القرآن وتحریفه ثبت
من طرقنا بالتواتر معنی کما یظهر
لمن تامل فی کتب الاحادیث من
اولها الی آخرها۔
ومنهم الفاضل قاضی القضاة
علی بن عبد العالی علی ما حکی

اور قرآن میں تحریف اور تغییر و تبدیل اور اس کے ناقص
کئے جانے کی روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا
ہے۔ ہمارے اکابر علماء کی ایک جماعت نے ان میں
سے ایک مولانا محمد صالح ہیں۔ انہوں نے کافی کی شرح
میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جس میں ہے
فرمایا گیا ہے کہ جو قرآن رسول اللہ پر جبرئیل لے کر نازل
ہوئے تھے اس میں سترہ ہزار۔۔۔ عام آیتیں تھیں
اور سلیم کی روایت میں بجائے سترہ ہزار
کے اٹھارہ ہزار۔۔۔ آیات بتلائی گئی ہیں۔ اس
حدیث کی شرح میں مولانا محمد صالح نے فرمایا ہے۔
"اور قرآن میں تحریف اور اس کے بعض حصوں کا ساقط
کیا جانا ہمارے طریقوں سے تواتر معنوی ثابت ہے جیسا
کہ ہر اس شخص پر ظاہر ہے جس نے ہماری حدیث کی کتابوں

عنه السيد في شرح الوافية ...

کا اول سے آخر تک نقص سے مطالعہ کیا ہے۔

اور انھی علماء میں جنھوں نے قرآن میں تحریف اور کمی بیشی کی حدیثوں کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے ایک قاضی القضاۃ علی بن عبدالعالی بھی ہیں جیسا کہ جناب سید نے شرح وافیہ کے مقالات سے نقل کیا ہے۔

ومنهم الشيخ المحدث الجليل ابو الحسن الشريف في مقدمات تفسيره

اور انھی میں سے ایک شیخ محدث جلیل ابو الحسن الشریف ہیں انھوں نے بھی اپنی تفسیر کے مقدمات میں ان روایات کے معنوی تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔

ومنهم العلامة المجلسي فقال في مرآة العقول في شرح باب انه لم يجمع القرآن كله الا الائمة عليهم السلام بعد نقل كلام المفيد ما لفظه والاخبار من طرق الخاصة والعامة في النقص والتغيير متواترة وبعضه من نسخة صحيحة من النعماني كان بخط والدي وعليها خطهما في آخر كتاب فضل القرآن عند قول الصادق ان القرآن الذي جاء به جبريل الى محمد سبعة عشر الف آية ما لفظه لا يخفى ان هذا الخبر وكثير من الاخبار الصحيحة صريحة في نقص القرآن وتغييره وعندي ان الاخبار في هذا الباب متواترة معنى وطرح جميعها يوجب رفع الاعتماد عن الاخبار رأسا بل ظني ان الاخبار في هذا الباب لا يقصر عن اخبار الامامة فكيف يثبتونها

اور جنھوں نے انھی علماء کبار میں سے جنھوں نے تحریف کی روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے، ایک علامہ مجلسی بھی ہیں، انھوں نے اپنی کتاب مرآۃ العقول میں اصول کافی کے باب "انہ لم یجمع القرآن کلہ الا الائمہ علیہم السلام" کی شرح میں شیخ مفید کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ قرآن میں کمی اور تبدیلی کیے جانے کے بارے میں احادیث و روایات جو شیعوں اور غیر شیعوں کی سندوں سے روایت کی گئی ہیں، وہ متواتر ہیں۔ اور اصول کافی کے اس نسخہ پر جو انھوں نے اپنے والد کے سامنے پڑھا اور اس پر ان دونوں کے قلم کی تحریر ہے؛ کتاب فضل القرآن کے خاتمہ پر جہاں امام جعفر صادق کا ارشاد روایت کیا گیا ہے کہ جو قرآن جبرئیل محمد کے پاس لائے تھے اس میں سترہ ہزار ۔۔۔ آیتیں تھیں۔ علامہ مجلسی نے اپنے قلم سے لکھا ہے کہ ظاہر ہے کہ یہ حدیث اور اس کے علاوہ بہت سی صحیح حدیثیں صراحت کے ساتھ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں کمی اور تبدیلی کی گئی ہے۔ ۔۔۔ اس کے آگے علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اس باب میں حدیثیں اپنے معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں اور ان سب کو نظر انداز کرنے اور ناقابل اعتبار قرار دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ احادیث و روایات پر سے اعتماد بالکل اٹھ

بالخیر (فصل الخطاب صفحہ ۳۳۳، ۳۴۹) جائے گا (اور احادیث کا سارا ذخیرہ ناقابل اعتبار ہو جائے گا بلکہ بیکار گیا ہے کہ اس باب کی (یعنی قرآن میں تحریف اور کمی و تبدیلی کی) حدیثیں مسئلہ امامت کی حدیثوں سے کم نہیں ہیں۔ پھر جب متواتر حدیثوں کو بھی نظر انداز کیا جا سکے گا۔ تو مسئلہ امامت کو جو مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد ہے) احادیث و روایات سے کیونکر ثابت کیا جا سکے گا۔

علامہ نوری طبرسی کی "فصل الخطاب" سے جو عبارتیں یہاں نقل کی گئیں، ان سے مندرجہ ذیل چند مرتیں ایسی صراحت اور صفائی کے ساتھ معلوم ہوئیں، جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

۱۔ یہ کہ قرآن میں اسی طرح کی تحریف قطع و برید اور تبدیلی ہوئی ہے، جیسی کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی آسمانی کتابوں تورات و انجیل میں کی تھی۔

۲۔ شیعہ اثنا عشریہ کی حدیث کی کتابوں میں تحریف کی روایتیں دو ہزار سے زیادہ ہیں۔

۳۔ متقدمین علمائے شیعہ سب ہی تحریف کے قائل ہیں، صرف چار ہیں جنہوں نے تحریف سے انکار کیا ہے (جن کے بارے میں سید نعمت اللہ الجزائری نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ انکار بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے کیا ہے ان کا مقصود صحیح نہیں ہے، اور نہ ہو سکتا ہے)

۴۔ شیعوں کی اصح الکتب "الجامع الکافی" کے مؤلف ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے شیخ علی بن ابراہیم قمی (جنہوں نے غیبت صغریٰ کا دور زمانہ پایا، اور جن کو زمانہ گیارھویں امام معصوم حسن عسکری کا بھی پایا)، اور ان کے علاوہ عام طور سے شیعوں کے علمائے متقدمین اس کے قائل ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔

۵۔ اثنا عشریہ کے بہت سے ان بلند پایہ علماء و مجتہدین نے جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں تحریف کی حدیثیں متواتر ہیں)، اور مذہب شیعہ کے ترجمان اعظم ملا باقر مجلسی کے بیان کے مطابق ان کی تعداد اثنا عشری مذہب کی اساس و بنیاد مسئلہ امامت کی حدیثوں سے کم نہیں ہے ان کو ناقابل اعتبار قرار دے کر نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پورے حدیث کے سارے ذخیرہ سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ اور امامت کا مسئلہ بھی بے بنیاد ہو جائے گا، کسی طرح اس کو ثابت نہیں کیا جا سکے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ علامہ نوری طبرسی کی اس کتاب "فصل الخطاب" کے مطالعہ کے بعد یہ بات آفتاب نیمروز کی طرح آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے کہ کسی اثنا عشری شیعہ کے لئے اثنا عشری رہتے ہوئے قرآن میں تحریف کے عقیدہ سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے اس فرقہ کے جو لوگ تحریف کے عقیدہ سے انکار کرتے ہیں، ان کے انکار کی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جا سکتی کہ یا تو وہ تقیہ کرتے ہیں (جو اثنا عشری مذہب میں صرف جائز نہیں، بلکہ واجب و فرض اور گویا جزو ایمان ہے)[1] یا اپنے مذہب کی بنیادی کتابوں سے

---

[1] یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اثنا عشری مذہب میں تقیہ کا کیا مقام ہے اور اس کی کیسی تاکید ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہیں نا واقف اور بے خبر ہیں۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہوگا "فصل الخطاب" کے مصنف یہ علامہ طبرسی شیعوں کے بڑے عالی مقام محدث اور مجتہد تھے شیعی دنیا میں ان کو عظمت اور تقدس کا جو مقام حاصل تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ سنہ ۱۳۲۰ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو ان کو نجف اشرف میں "مشہد مرتضوی" کی عمارت میں دفن کیا گیا جو شیعہ حضرات کے نزدیک "اقدس البقاع" یعنی روئے زمین کا مقدس ترین مقام ہے جہاں صرف ایسے ہی شیعہ اکابر و مشائخ دفن ہو سکتے ہیں جن کو شیعی دنیا میں عظمت و تقدس اور مقبولیت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل ہو، اور ان کو ائمہ معصومین کا خاص درجہ کا وارث و نائب مانا جاتا ہو۔

کسی اثنا عشری کیلئے تحریف سے انکار اور اہل سنت کی طرح قرآن پر ایمان از روئے عقل بھی ممکن نہیں!

اثنا عشریہ کے عقیدہ تحریف قرآن کے بارے میں یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ ان کے ائمہ معصومین کی صریح و متواتر روایات اور ان کے متقدمین و متاخرین اکابر علماء و مجتہدین کے تحریری بیانات کی بنیاد پر عرض کیا گیا۔ سب آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ کسی اثنا عشری کے لئے اثنا عشری عقائد رکھتے ہوئے تحریف سے انکار اور اہل سنت کی طرح قرآن پر ایمان از روئے عقل بھی ممکن نہیں ہے اور اس کے سمجھنے کے لئے کسی خاص درجہ کی ذہانت اور باریک بینی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہر معمولی عقل رکھنے والا بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ غور فرمایا جائے۔

گزشتہ صفحات میں حضرات شیخین (صدیق اکبر و فاروق اعظم) نیز ذی النورین حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں اثنا عشریہ کے ائمہ معصومین کی جو روایات اور ان کے اکابر علماء و مجتہدین کے جو بیانات

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) واضح کیا جا چکا ہے نیز ائمہ معصومین کے تقیہ کے واقعات معلوم کرنے کیلئے راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" میں تقیہ کا بیان صفحہ ۱۳۲ سے صفحہ ۱۴۲ تک دیکھا جائے۔ یہاں بھی صدوق بن بابویہ قمی کے رسالہ اعتقادیہ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمائی جائے۔

والتقية واجبة لا يجوز رفعها الى ان يخرج القائم فمن تركها قبل خروجه فقد خرج عن دين الله تعالى وعن دين الامامية وخالف الله ورسوله والائمة

(رسالہ اعتقادیہ ص ۱۰۴ مع شرح باب حادی عشر طبع سرگودھا پاکستان)

تقیہ واجب ہے اور اس کا ترک کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ حضرت القائم (امام مہدی) کا ظہور ہو، تو جو کوئی ان کے ظہور سے پہلے اس کو ترک کرے گا تو وہ اللہ کے دین سے اور امامیہ (یعنی شیعہ اثنا عشریہ) کے دین سے نکل جائیگا۔ اور اپنے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول پاک کی اور ائمہ معصومین کی مخالفت کرنے والا ہوگا۔

ان کی کتابوں سے نقل کئے جا چکے ہیں ان سے معلوم ہو چکا ہے کہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ان حضرات کے بارے میں یہ ہے کہ یہ کافر و منافق تھے اور اگلی امتوں اور اس امت کے بھی خبیث ترین کافروں سے بدتر درجہ کے کافر تھے۔ اور دوزخ میں سب سے زیادہ عذاب انہی پر ہو رہا ہے ۔۔۔ اور گزشتہ صفحات ہی سے یہ بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے اس زمانہ کے شیعوں کے امام اکبر روح اللہ خمینی صاحب نے حضرات خلفائے ثلاثہ اور ان کے خاص رفقاء تمام اکابر صحابہ کے بارے میں اپنی فارسی تصنیف "کشف الاسرار" میں پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ بلکہ ڈھٹائی سے تحریر فرمایا ہے کہ یہ لوگ ایک لمحہ کے لئے بھی دل سے ایمان نہیں لائے تھے، بلکہ صرف حکومت اور اقتدار پر قبضہ کر لینے کی طمع اور ہوس میں منافقانہ طور پر اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو گئے تھے۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور حیات میں برابر اپنے اسی مقصد کے لئے سازشیں کرتے رہے۔ یہ ایسے بدکردار تھے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے قرآن میں تحریف بھی کر سکتے تھے وہ قرآن کی آیتیں اس میں سے حذف اور غائب کر سکتے تھے، جھوٹی حدیثیں گھڑ کے لوگوں کو سنا سکتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کسی وقت یہ لوگ محسوس کرتے کہ اسلام کے ذریعہ حکومت پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اسلام سے رشتہ توڑ کے اور ابوجہل و ابولہب وغیرہ کی طرح اسلام دشمنی کا موقف اختیار کر کے اور اسلام کے خلاف جنگ کر کے ہی یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے تو یہ ایسا ہی کرتے اور اسلام کے کھلے دشمن ہو کر مقابلہ میں آ جاتے ۔۔۔ ؎۱

حضرات خلفائے ثلاثہ اور ان کے رفقاء کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنے کے ساتھ اثنا عشریہ یہ بھی مانتے ہیں۔ اور اس پر نوحہ و ماتم بھی کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی یہ منافق لوگ (جو دل سے آپ کے، آپ کے اہل بیت کے اور آپ کے دین کے دشمن تھے) اپنی سیاسی کاروائی سے خلیفہ بن کر غاصبانہ اور ظالمانہ طور پر حکومت پر قابض ہو گئے۔ پھر خلافت پر قابض ہو جانے کے بعد ہی یہ ایسے بدکردار ہے کہ جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ زہرا پر بھی طرح طرح کے ظلم ڈھائے۔ (ظاہر ہے کہ یہ انتہائی درجہ کی شقاوت تھی) اور خمینی صاحب کے فرمانے کے مطابق یہ ظالمین دور خلافت میں اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق کھلم کھلا قرآنی احکام کو انتہائی بے پروائی سے پامال کرتے رہے (کشف الاسرار ص ۱۱۱ تا ۱۱۴)

اس سب کے ساتھ اثنا عشریہ یہ بھی مانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چوبیس ۲۴ سال تک (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک) بلا شرکت غیرے انہی لوگوں کا اقتدار رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور جانشین اور مسلمانوں کے فرمانروا کی حیثیت سے یہی سب کچھ کرتے رہے انہی کے اہتمام سے قرآن مجید کتابی شکل میں مرتب اور شائع ہوا جس شکل میں وہ آج ہمارے سامنے ہے۔

اب غور فرمایا جائے کہ جب فرقہ شیعہ کا عقیدہ حضرات خلفائے ثلاثہ کے بارے میں وہ ہو جو اثنا عشریہ کا اوپر بیان کیا گیا۔ کیا از روئے عقل یہ ممکن ہے کہ ان کے مرتب اور شائع کئے ہوئے قرآن کے بارے میں ان کا

؎۱ خمینی صاحب کی وہ عبارتیں جن میں یہ سب کچھ فرمایا گیا ہے ان کی تصنیف کشف الاسرار کے صفحہ ۱۱۲ اور ۱۱۴ پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ راقم سطور نے اپنی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" میں بھی یہ عبارتیں نقل کر دی ہیں وہ صفحہ ۶۹ پر

یہ ایمان و یقین ہو کہ یہ بعینہٖ وہی کتاب اللہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ اور اس میں اسکو مرتب اور شائع کرنے والوں نے (جو منافق تھے اور جن کا کردار وہ تھا جو اثنا عشری عقیدہ کے مطابق اوپر بیان کیا گیا) اپنی نفسانی اغراض و خواہشات کے تقاضے سے کوئی تحریف کسی قسم کی قطع برید اور کمی بیشی نہیں کی۔ ظاہر ہے کہ جو عقل رکھنے والا اس کا جواب یہی دیگا کہ ہرگز نہیں۔ یہ سب تو ظاہر ہے کہ ایمان اس یقین اور اسی تصدیق کا نام ہے جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ جس طرح کسی چیز کو آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد شک شبہ کا امکان نہیں رہتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کا درجہ تو بہت اعلیٰ و بالا ہے۔ حضرات خلفائے ثلاثہ کے بارے میں وہ عقیدہ رکھنے کے ساتھ جو اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے قرآن کے بارے میں کسی درجہ کا اعتبار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس مسئلہ کو کسی بھی غیر جانب دار بلکہ کسی بھی باشعور انسان کے سامنے رکھدیا جائے تو وہ یہی جواب دیگا۔

حاصل کلام

اثنا عشریہ کے عقیدہ تحریف قرآن کے بارے میں یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ اثنا عشری مذہب کی بنیادی اور مستند کتابوں یعنی ائمہ معصومین کے ارشادات اور ان کے اکابر علماء و مجتہدین کی تصنیفات کے مطالعہ کے بعد یہ حقیقت آفتاب نیمروز کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہی ہے کہ موجودہ قرآن محرف ہے، اس میں ہر طرح کی تحریف اور قطع و برید ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں ان کے لئے از روئے عقل بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اس کو یقین کریں کہ تحریف و تبدیل سے محفوظ بعینہٖ وہ کتاب اللہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے نبی اکرم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ حضرات خلفائے ثلاثہ اور ان کے رفقاء تمام اکابر صحابہ کے بارے میں ان کے عقیدہ نے قرآن پر ایمان ان کے لئے نا ممکن بنا دیا ہے لہٰذا اب جو شیعہ علماء و مجتہدین تحریف کے عقیدہ سے انکار اور موجودہ قرآن پر اہل سنت ہی کی طرح ایمان کا اظہار کرتے ہیں، ان سے اس کی کوئی معقول اور قابل قبول توجیہ اس کے سوا نہیں کی جا سکتی کہ یہ ان کا تقیہ ہے۔ جو شیعہ مذہب میں ان کے امام غائب (مہدی) کے ظہور کے وقت تک فرض و واجب اور گویا جزو ایمان ہے۔ اس کی ایک روشن دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اپنے شیوخ متقدمین جیسے الجامع الکافی کے مؤلف ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے استاذ علی بن ابراہیم قمی اور کتاب الاحتجاج کے مؤلف احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی وغیرہ ان سب شیوخ متقدمین کو جن کا ذکر فصل الخطاب میں علامہ نوری طبرسی نے قائلین تحریف کی حیثیت سے کیا ہے، اور اسی طرح اپنے علمائے متأخرین میں ملا باقر مجلسی، سید نعمت اللہ الجزائری، علامہ قزوینی شارح اصول کافی اور علامہ نوری طبرسی جیسے ان سب حضرات کو اپنا محسن پیشوا مانتے ہیں۔ جو صراحت کے ساتھ موجودہ قرآن کے محرف ہونے کے قائل ہی نہیں بلکہ اس عقیدہ کے مبلغ و داعی تھے۔ اور جنہوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ جو شخص قرآن کے محرف ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے وہ قرآن پاک پر ایمان سے محروم ہے۔ اسکا شمار تو مومنین میں بھی نہ ہونا چاہیئے۔

اثنا عشریہ کا عقیدۂ امامت ختم نبوت کی نفی کرتا ہے لہٰذا وہ عقیدۂ ختم نبوت کے منکر ہیں۔

اثنا عشری مذہب کی بنیادی اور مستند کتابوں کے مطالعہ کے بعد ایک حقیقت بھی اسی طرح آنکھوں کے سامنے آتی ہے جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ اثنا عشریہ کا عقیدۂ امامت جو اس مذہب کا اساسی بنیاد ہے عقیدۂ ختم نبوت کی قطعی نفی کرتا ہے اور اس بارہ میں ان کا عقیدہ جمہور امت مسلمہ سے بالکل مختلف ہے۔ وہ "ختم نبوت" اور "خاتم النبیین" کے الفاظ کے تو قائل ہیں (جس طرح کہ قادیانی بھی قائل ہیں) لیکن اس کی حقیقت کے منکر ہیں۔ شیعوں اور قادیانیوں کے علاوہ امت کے تمام فرقوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبوت و رسالت جس کی حقیقت اور جس کا مقام و منصب کا عنوان ہے اس کا سلسلہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ پر ختم فرما دیا۔ پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث و مامور اور بندوں کے لئے اللہ کی حجت ہوتا تھا۔ اس پر ایمان لانا نجات کی شرط ہوتا تھا۔ اس کو وحی کے ذریعہ اللہ کے احکام ملتے تھے۔ وہ معصوم ہوتا تھا، بندوں پر اس کی اطاعت فرض ہوتی تھی۔ صرف وہی اور اس کی تعلیم امت کے لئے ہدایت کا سرچشمہ اور مرجع و ماخذ ہوتا تھا۔ اگر وہ صاحب کتاب ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب بھی نازل ہوتی تھی۔ یہی نبوت کی حقیقت اور نبی کا مقام و منصب تھا اور جمہور امت محمدیہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "خاتم النبیین" ہونے کا مطلب یہی ہے کہ آپ کے بعد یہ مقام و منصب کسی کو عطا نہیں ہوگا۔

لیکن شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ مقام و منصب اور یہ سب امتیازات بلکہ ان سے بھی بالاتر مقامات و درجات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے بارہ اماموں کو حاصل ہیں وہ نبیوں کی طرح بندوں پر اللہ کی حجت ہیں۔ ان کے بغیر اللہ کی حجت بندوں پر قائم نہیں ہوتی۔ وہ نبیوں ہی کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور، معصوم اور مفترض الطاعت ہیں۔ ان پر ایمان لانا اسی طرح نجات کی شرط ہے جس طرح نبیوں پر ایمان لانا شرط نجات ہے۔ ان پر فرشتوں کے ذریعہ وحی بھی آتی ہے۔ اللہ کے احکام بھی آتے ہیں۔ ان کو معراج بھی ہوتی ہے۔ ان پر کتابیں بھی نازل ہوتی ہیں۔ یہ تو وہ صفات اور اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات ہیں جن میں یہ "ائمہ معصومین" انبیاء علیہم السلام کے شریک اور ان کے برابر ہیں لیکن اثنا عشریہ کے نزدیک ان کو ان کے علاوہ ایسے بلند مقامات اور کمالات بھی حاصل ہیں جو انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں۔ مثلاً یہ کہ یہ دنیا ان ہی کے دم سے قائم ہے اگر ایک لمحہ کے لئے بھی یہ دنیا امام کے وجود سے خالی ہو جائے تو سب نیست و نابود ہو جائے۔ اور مثلاً یہ کہ ان کی پیدائش اس عام طریقہ اور عام راستہ سے نہیں ہوتی جس طریقہ اور راستہ سے عام انسانوں کی پیدائش ہوتی ہے بلکہ وہ اپنی ماؤں کی ران میں سے نکلتے ہیں۔ اور مثلاً یہ کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر ان کی

تکوینی حکومت ہے۔ یعنی ان کو "کن فیکون" کا اقتدار و اختیار حاصل ہے۔ اور یہ کہ ان کو اختیار ہے کہ جس چیز یا جس عمل کو چاہیں حلال یا حرام قرار دیدیں۔ اور مثلاً یہ کہ تمام ائمہ عالم ماکان و مایکون ہیں۔ کوئی چیز ان سے مخفی نہیں۔ اور مثلاً یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے وہ علوم بھی عطا ہوئے جو نبیوں اور فرشتوں کو بھی نہیں دئے گئے۔ اور مثلاً یہ کہ وہ دنیا اور آخرت کے مالک و مختار ہیں۔ جس کو چاہیں دیدیں، بخش دیں اور جس کو چاہیں محروم کردیں۔ اور مثلاً یہ کہ وہ اپنی موت کا وقت بھی جانتے ہیں اور ان کی موت ان کے اختیار میں ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جمہور امت محمدیہ کے نزدیک یہ شان انبیاء علیہم السلام کی بھی نہیں ہے، بلکہ ان میں بعض تو وہ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں لیکن اثنا عشریہ کے نزدیک ان کے ائمہ کی یہی شان ہے اور یہ سب صفات و مقامات ان کو حاصل ہیں سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون ۰

ائمہ کی صفات و امتیازات اور ان کے بلند مقامات و درجات کے بارے میں یہ جو کچھ لکھا گیا۔ وہ ان کی اصح الکتب "اصول کافی" کتاب الحجۃ" کی روایات اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات کا حاصل اور خلاصہ ہے، ان روایات و ارشادات کا متن اصل کتاب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" میں بھی (صفحہ ۱۰۱ سے ۱۲۵ تک) ان تمام روایات کا متن دیکھا جاسکتا ہے جو اصول کافی ہی سے بحوالہ صفحات نقل کیا گیا ہے۔

اپنے ائمہ کے ان ارشادات اور ان روایات ہی کے مطابق اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے۔ لیکن کے ساتھ وہ مانتے ہیں کہ ان اماموں کے لئے "نبی" کا لفظ نہیں بولا جائے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمادیا گیا ہے۔

ان سب چیزوں کے سامنے آجانے کے بعد کسی صاحب عقل و دانش کو اس میں شک شبہ نہیں رہ سکتا کہ اثنا عشریہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی حقیقت ختم نہیں ہوئی۔ وہ تو امامت کے عنوان سے ترقی کے ساتھ جاری ہے۔ البتہ آپ کے بعد کسی کو نبی نہیں کہا جائے گا۔ بس یہی ان کے نزدیک ختم نبوت کی حقیقت اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دئے جانے کا تقاضا ہے۔ اثنا عشری مذہب کے ترجمان اعظم ان کے خاتم المحدثین علامہ باقر مجلسی نے اپنے ائمہ معصومین کی روایات کے حوالے سے صراحت اور صفائی کے ساتھ لکھا ہے کہ امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے اور اپنے نزدیک اس کو دلیل سے بھی ثابت کیا ہے۔ اپنی کتاب "حیات القلوب" کی تیسری جلد میں (جو صرف امامت ہی کے موضوع پر ہے) تحریر فرماتے ہیں۔

از بعضے اخبار معتبرہ کہ انشاء اللہ بعد ازیں مذکور خواہد شد، معلوم می شود کہ مرتبہ امامت بالاتر از مرتبہ پیغمبری است۔

ائمہ کی بعض معتبر روایات سے جو انشاء اللہ آگے ذکر کی جائیں گی معلوم ہوتا ہے کہ امامت کا مرتبہ نبوت کے مرتبے سے بالاتر ہے۔

کی وجہ سے فی الحقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتب شیعہ کے مطالعہ اور اپنی خداداد فکر و بصیرت سے یقین کے ساتھ سمجھا اور صراحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ "تفہیمات الٰہیہ" میں ارقام فرماتے ہیں۔

امام باصطلاح ایشان معصوم مفترض الطاعۃ منصوب للخلق است و وحی باطنی در حق امام تجویز می نمایند۔ پس در حقیقت ختم نبوت را منکر اند گو بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء می گفتہ باشند۔

(تفہیمات الٰہیہ صفحہ ۲۴۴)

شیعہ اثنا عشریہ کی اصطلاح اور ان کے عقیدہ میں امام کی شان یہ ہے کہ وہ معصوم ہوتا ہے، اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے اور مخلوق کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اور نامزد ہوتا ہے۔ اور شیعہ امام کے حق میں وحی باطنی کے قائل ہیں۔ پس فی الحقیقت وہ ختم نبوت کے منکر ہیں اگرچہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔

اس موضوع سے متعلق راقم السطور نے اوپر جو کچھ عرض کیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد ان شاء اللہ کسی کو بھی حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اس فیصلہ کے بارے میں کوئی شک شبہ نہیں رہے گا کہ شیعہ اپنے عقیدۂ امامت کی وجہ سے ختم نبوت کے منکر ہیں۔ آگے ان شاء اللہ حضرت شاہ صاحب کی تصنیف "مسوّیٰ شرح موطا امام مالکؒ" کی عبارت نقل کی جائے گی جس میں انہوں نے اسی بنیاد پر شیعہ اثنا عشریہ کو زنادقہ اور مرتدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔

حاصل کلام حضرات علماء شریعت و اصحاب فتویٰ کی خدمت میں یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس کا حاصل یہ ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ کی بنیادی اور مستند کتابوں کے مطالعہ سے ان کے یہ تین عقیدے ایسے یقین کے ساتھ جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔

ایک یہ کہ شیخین (حضرت صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ) کے بارہ میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ (معاذ اللہ!) معاذ اللہ یہ کہ کافر و منافق تھے بلکہ اگلی امتوں کے شدید ترین کافروں، نمرود اور فرعون و ہامان، اور اس امت کے خبیث ترین کافروں ابولہب و ابوجہل سے بھی حتیٰ کہ شیطان مردود سے بھی بدتر درجہ کے کافر تھے اور جہنم میں سب سے زیادہ عذاب انہیں پر ہے۔ دوسرا یہ کہ موجودہ قرآن محرف ہے، اس میں ہر طرح کی تحریف اور کمی بیشی ہوئی ہے، یہ بعینہٖ وہ کتاب اللہ نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ تیسرا یہ کہ ان کا بنیادی عقیدہ امامت ختم نبوت کی قطعی نفی کرتا ہے لہٰذا وہ اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے ختم نبوت کے منکر ہیں، اگرچہ زبان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں جس طرح قادیانی

بھی آپ کو خاتم النبیین اور خاتم الانبیاء سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد یہ عاجز راقم سطور متقدمین و متاخرین علماء و فقہاء کی چند عبارتیں بھی آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہے جن میں شیعہ اثنا عشریہ کے عقائد ذکر کر کے ان کے بارے میں شرعی فیصلہ فرمایا گیا ہے۔

شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں متقدمین و متاخرین اکابر علمائے امت اور فقہائے کرام کے فیصلے اور فتوے

امام ابن حزم اندلسیؒ متوفی ۴۵۶ھ

امام ابن حزم اندلسی نے "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" میں امامیہ یعنی شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔

ومن قول الامامیۃ کلھا قدیما وحدیثا ان القرآن مبدل زید فیہ ما لیس منہ ونقص منہ کثیر وبدل کثیر۔ (الفصل فی الملل والاھواء والنحل [illegible])

اور انہی امام ابن حزم نے اپنی اسی کتاب میں دوسری جگہ اسلام اور قرآن پر عیسائیوں کے کچھ اعتراضات نقل کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ:

ان الروافض یزعمون ان اصحاب نبیکم بدلوا القرآن واسقطوا منہ وزادوا فیہ۔

امام ابن حزم نے عیسائیوں کے تمام اعتراضات کا بالترتیب جواب دیا ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں تحریر فرمایا۔

واما قولھم فی دعوی الروافض بتبدیل القراءات فان الروافض لیسوا من المسلمین (الفصل لابن حزم جلد ۲ صفحہ [illegible])

قاضی عیاض مالکیؒ متوفی ۵۴۴ھ

قاضی عیاض مالکیؒ نے "کتاب الشفاء" میں شیعوں ہی کے بارے میں کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

نقطع بتکفیر کل قائل قال قولا یتوصل بہ الی تضلیل الامۃ وتکفیر جمیع الصحابۃ (کتاب الشفاء جلد ۲ صفحہ ۲۸۶)

اور یہی قاضی عیاض اسی کتاب میں آگے تحریر فرماتے ہیں۔

وکذلک من انکر القرآن او حرفا منہ او غیر شیئا منہ او زاد فیہ۔
(ج ۲ ص ۲۸۹)

اسی سلسلہ کلام میں آگے فرماتے ہیں۔

وکذلک نقطع بتکفیر غلاۃ الرافضۃ فی قولھم ان الائمۃ افضل من الانبیاء
(ج ۲ ص ۲۹۰)

اسی سلسلہ کلام میں آگے فرماتے ہیں۔

وقطع طائفة من الفقهاء من اهل الكوفة[1] وغيرهم بقتل من سب الصحابة وكفر الرافضة۔

قال محمد بن يوسف الفريابي وسئل عمن شتم ابابكر قال كافر قيل فيصلى عليه قال لا۔

شیخ الاسلام اسی سلسلہ میں آگے فرماتے ہیں۔

قال ابوبكر بن هانی لا تؤكل ذبيحة الرافضة والقدرية كما لا تؤكل ذبيحة المرتد مع انه تؤكل ذبيحة الكتابي۔ لان هؤلاء يقومون مقام المرتد۔

(الصارم المسلول صفحہ ۵۷۰)

علامہ علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ

علامہ علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں ان عقائد اور ان فرقوں کا بیان کرتے ہوئے جن کے کفر پر ائمہ اور علماء کا اجماع ہے۔ تحریر فرمایا ہے۔

من جحد القرآن اى كله او سورة منه او آية۔

(شرح فقہ اکبر ملا علی قاری صفحہ ۱۶۵)

اور انہی علامہ علی قاریؒ کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے حوالے سے مظاہر حق کے مقدمہ میں نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے زمانے کے روافض اور خوارج کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ

انهم يعتقدون كفر اكثر اكابر الصحابة فضلاً عن سائر اهل السنة والجماعة فهم كفرة بالاجماع بلا نزاع

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بحوالہ مقدمہ مظاہر حق جلد چہارم صفحہ ۳۳)

علامہ بحر العلوم لکھنوی

علامہ موصوف کی "مسلم الثبوت" کی شرح "فواتح الرحموت" کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو شیعوں کے عقیدہ تحریف قرآن کا علم نہیں تھا۔ شیعی عالم ابو علی طبرسی کی تفسیر مجمع البیان کے مطالعے سے ان کو معلوم ہوا کہ شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن کامل مکمل نہیں ہے۔ اس کے جمع کرنے اور ترتیب دینے والے صحابہ کی تقصیر اور کوتاہی سے اس کے کچھ حصے غائب ہوگئے (اگرچہ خود اس مصنف کو اس عقیدہ سے اختلاف ہے) بہرحال ابو علی طبرسی کی اس کتاب کے مطالعے سے جب علامہ بحر العلوم کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے تحریر فرمایا۔

فمن قال بهذا القول فهو كافر لانكاره الضروري فافهم۔

(فواتح الرحموت صفحہ ۶۲۴ (طبع نولکشور لکھنؤ))

---

[1] ملحوظ رہے کہ روافض کے بارے میں کوفہ کے علماء و فقہاء کا فیصلہ و فتویٰ خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ کوفہ رفض اور تشیع کا مرکز رہا ہے۔ اس لئے وہاں کے علماء و فقہاء روافض کے عقائد و احوال سے زیادہ واقف رہے ہیں۔

علامہ کمال الدین المعروف بابن الہمامؒ متوفی ۸۶۱ھ

علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر شرح ہدایہ باب الامامۃ میں تحریر فرمایا ہے۔

وفی الروافض ان من فضل علیا علی الثلاثۃ فمبتدع وان انکر خلافۃ الصدیق او عمر رضی اللہ عنہما فھو کافر (فتح القدیر ج۱ ص [illegible] طبع بیروت)

فتاویٰ عالمگیری

فتاویٰ عالمگیری جو سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دور حکومت میں ان کے حکم سے علماء و اصحاب فتویٰ کی ایک جماعت نے مرتب کیا اس میں ہے۔

الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنھما العیاذ باللہ فھو کافر وان کان یفضل علیا کرم اللہ وجہہ علی ابی بکر رضی اللہ عنہ لا یکون کافرا الا انہ مبتدع۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ

رد المحتار باب المرتد میں علامہ ابن عابدین کا رویہ تکفیر کے بارے میں سخت احتیاط کا ہے۔ جیسا کہ اس کے مطالعہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ تاہم وہ فرماتے ہیں۔

نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا او انکر صحبۃ الصدیق (رد المحتار جلد ۳ ص ۲۹۴)

ایک اہم انتباہ:- شیعوں کی تکفیر کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فقہاء اور اہل فتویٰ کی عبارتوں میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر "قذف" (تہمت لگانے) کا جو ذکر آتا ہے (جو شامی کی مندرجہ بالا عبارت میں کیا گیا ہے) اس سے مراد ایک سخت اور گندے گناہ کی تہمت ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں (در اصل بعض خبیث النفس منافقین کی شرارت سے) حضرت صدیقہ پر لگائی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں حضرت صدیقہ کی براءت نازل فرما کر قیامت تک کے لئے ان کی پاکدامنی کی خداوندی شہادت اسی طرح محفوظ فرما دی جس طرح حضرت مریم صدیقہ کی پاکدامنی کی شہادت محفوظ کر دی گئی ہے، اس لئے ائمہ، فقہاء اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو بدبخت اس گناہ کی نسبت حضرت صدیقہ کی طرف کرے، اس کے کفر و ارتداد میں شک شبہ کی گنجائش نہیں، کیونکہ وہ قرآن کی تکذیب کرتا ہے۔

راقم سطور اس سلسلہ میں حضرات علمائے شریعت کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ حضرات فقہاء نے جس تہمت کو "قذف" کے لفظ سے ذکر کیا ہے وہ ایک گناہ کی تہمت تھی۔ لیکن اثنا عشریہ کے علماء و مصنفین اس سے بھی شدید تر بلکہ خبیث ترین گناہ اور جرم کی تہمت حضرت صدیقہ پر لگاتے ہیں۔ شیعوں کے خاتم المحدثین اور شیعہ مذہب کے ترجمان اعظم علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتابوں میں حضرت صدیقہؓ کو بار بار "منافقہ" لکھا ہے۔ اور اس سے بھی آگے یہ کہ (معاذ اللہ) انھوں نے اور

اُن کے ساتھ دوسری ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے باہم سازش کرکے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو زہر دے کر شہید کیا تھا۔ (اس کی تفصیل راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" کے صفحہ ۲۲۱ و ۲۲۲ پر دیکھی جا سکتی ہے۔)

اس سلسلہ کی ایک مختصر سی روایت یہاں بھی ملاحظہ فرمالی جائے، مجلسی نے "حیات القلوب" میں لکھا ہے۔

"عیاشی بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ عائشہ و حفصہ آنحضرت را بزہر شہید کردند (حیات القلوب ج۲ ص۷۰۰)"	اور عیاشی نے معتبر سند سے امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ عائشہ و حفصہ نے آنحضرت کو زہر دے کر شہید کیا تھا۔

ظاہر ہے کہ یہ تہمت "قذف" والی تہمت سے ہزار درجہ زیادہ شدید و خبیث ہے۔ حضرات علمائے کرام فرمائیں کیا ایسی بات کسی ایسے شخص کے قلم سے نکل سکتی ہے جس کے قلب میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو ——— واضح رہے کہ یہی وہ مجلسی ہیں جن کی کتابیں شیعوں میں سب سے زیادہ مقبول ہیں۔ اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ جناب خمینی صاحب نے اپنی کتاب "کشف الاسرار" میں فرمایا ہے کہ دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے علامہ باقر مجلسی کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ (کشف الاسرار ص۱۲۱)

اور ہمارے ہی زمانے کے ایک بلند پایہ شیعہ مجتہد علامہ محمد حسین نے، جنہوں نے اثنا عشری کی حمایت اور اہلسنت کے رد میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور شیخ صدوق کے رسالہ "الاعتقادات" کی اردو میں شرح بھی لکھی ہے، اسی میں انہوں نے علامہ مجلسی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے "مؤلف بحار الانوار ناشر علوم ائمۂ اطہار سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ"

(احسن الفوائد فی شرح العقائد ص۴۳)

آج کے شیعی دنیا کے امام خمینی اور پاکستان کے ان بلند پایہ مجتہد کے ان بیانات سے سمجھا جا سکتا ہے کہ شیعی دنیا میں علامہ مجلسی کا کیا مقام ہے۔ ہمارے زمانے کے شیعہ بھی حضرت صدیقہ کے بارے میں اپنا یہی عقیدہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مومنہ نہیں منافقہ تھیں۔ (العیاذ باللہ)

ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متعلق یہ بات تو ضروری سمجھ کر جملہ معترضہ کے طور پر عرض کر دی گئی، ورنہ شیعہ اثنا عشریہ سے متعلق متقدمین و متاخرین علماء و فقہاء کے فتاوی پیش کئے جا رہے تھے ——— اب یہ عاجز آخر میں حضرت شاہ ولی اللہ کی تصنیف "موطا امام مالک کی شرح "مسوّی" سے اس مسئلہ سے متعلق ان کا محققانہ کلام، اور اس کے بعد ماضی قریب چودہویں صدی ہجری کے برصغیر پاک کے چند اکابر علماء و اصحاب فتوی کے فتووں کا اجمالی ذکر کرکے اس سلسلہ کو ختم کرتا ہے۔

شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ کا فیصلہ:-

شاہ صاحب نے پہلے بتلایا ہے کہ کافر کئی قسم کے ہیں ——— فرماتے ہیں۔

ان المخالف للدين الحق ان لم يعترف به ولم يذعن له لا ظاهرا ولا باطنا فهو كافر، وان اعترف بلسانه وقلبه على الكفر فهو المنافق، وان اعترف به ظاهرا لكنه يفسر بعض ما ثبت من الدين ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة والتابعون واجمعت عليه الامة فهو الزنديق۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے زندقہ کی چند شکلیں بیان فرمائی ہیں۔ اسی سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

وكذلك من قال في الشيخين ابي بكر وعمر مثلا ليسا من اهل الجنة مع تواتر الحديث في بشارتهما، او قال ان النبي صلى الله عليه وسلم خاتم النبوة لكن معنى هذا الكلام انه لا يجوز ان يسمى بعده احد بالنبي، واما معنى النبوة وهو كون الانسان مبعوثا من الله تعالى الى الخلق مفترض الطاعة معصوما من الذنوب ومن البقاء على الخطاء فيما يرى فهو موجود في الائمة بعده فذلك هو الزنديق، وقد اتفق جماهير المتاخرين من الحنفية والشافعية على قتل من يجري هذا المجرى۔ (مسوی شرح مؤطا امام مالکؒ مطبوعہ دہلی)

ماضی قریب کے برصغیر کے اکابر علماء کے فتوے !-

چودہویں صدی ہجری کے اکابر علمائے اہلسنت میں حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کو اثنا عشری مذہب سے واقفیت کے بارے میں امتیاز و تخصص کا مقام حاصل تھا۔ آپ مذہب کے وسیع و عمیق مطالعہ کے بعد وہ یقین کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کے بعض عقائد اسلام کے بنیادی عقائد سے متصادم ہیں، اس لئے اثنا عشری فرقہ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ اور اہل حدیث کی طرح اسلامی فرقہ نہیں ہے بلکہ اپنے قطعی موجب کفر عقائد کی وجہ سے وہ قادیانیوں کی طرح دائرہ اسلام سے خارج ہے —— پھر انھوں نے اپنا دینی فریضہ سمجھا کہ امت کے عوام و خواص کو جنھوں نے شیعہ مذہب کا مطالعہ نہیں کیا ہے، اس حقیقت سے واقف اور باخبر کرنے کی ممکن کوشش کی جائے توفیق الٰہی ان کی رفیق ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اسی موضوع پر اُن سے وہ کام کرا لیا جو انشاء اللہ ہمیشہ امت کی رہنمائی کرتا رہے گا —— اسی سلسلہ میں انھوں نے اب سے قریباً ۶۰ سال پہلے ایک فتویٰ بھی لکھا جو اُس دور کے دیگر اکابر علماء و اصحاب فتویٰ کی تصدیقات کے ساتھ۔

شیعہ اثنا عشریہ کے کفر و ارتداد سے متعلق اکابر علماء کا متفقہ فتویٰ

کے عنوان سے شائع ہوا تھا —— اس فتوے پر دارالعلوم دیوبند کے اس دور کے مفتی مولانا ریاض الدین صاحب اور صدر المدرسین و شیخ الحدیث حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب، حضرت

مولانا اعزاز علی صاحب ، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اور تمام ہی اساتذہ دارالعلوم کی تصدیقات ہیں ——— ان کے علاوہ مدرسہ عالیہ اسلامیہ امروہہ کے صدر المدرسین حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہوی اور امروہہ کے دیگر حضرات علماء کرام کی بھی تصدیقات ہیں۔ نیز حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی بھی تصدیق ہے۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

اس فتوے کے بارے میں یہ بات بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ یہ فتویٰ جب طبع ہو کر شائع ہوا تو مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی علیہ الرحمہ نے اس فتوے کے بارے میں اپنے کچھ اشکالات لکھ کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجے ، حضرت نے پوری تفصیل سے تمام اشکالات کا جواب تحریر فرمایا اور فتوے کے ہر جزو کی تصویب و تصدیق فرمائی۔ یہ سوال و جواب ایک مختصر رسالہ ہو گیا تھا۔ پہلے یہ اسی زمانہ میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے شائع ہونے والے ماہنامہ "النور" میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد امداد الفتاویٰ میں بھی محفوظ ہو گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ جلد چہارم ص ۵۸۳ تا ۶۰۰ طبع دیوبند)

دَورِ حاضر کے حضراتِ علماءِ شریعت و اصحابِ فتویٰ کی خدمت میں گزارش

آپ حضرات نے شیعہ اثنا عشریہ کے "ائمہ معصومین" کی وہ روایات، ان کی بنیادی اور مستند کتابوں کی وہ عبارات اور ان کے ان اکابر و اعاظم متقدمین و متاخرین علماء و مجتہدین کے جو شیعہ مذہب میں سند کا درجہ رکھتے ہیں وہ بیانات ملاحظہ فرما لئے جن کے مطالعہ کے بعد اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ

(۱) حضرات شیخین صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ (معاذ اللہ) اگلی امتوں کے اور اس امت کے خبیث ترین کافر (فرعون و نمرود اور ابوجہل و ابولہب) سے بھی کر شیطان الغوی ، مردود سے بھی بدتر درجے کے کافر تھے۔

(۲) اور یہ کہ موجودہ قرآن ان کے نزدیک محرف ہے اس میں ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے ، وہ بعینہ وہ کتاب اللہ نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی گئی تھی۔

(۳) اور یہ کہ منصب امامت ، نبوت سے بالاتر منصب ہے۔ اور اسی وجہ سے منصب امامت کے حامل ائمہ کا مقام وہ ہے جس تک کسی نبی یا رسول کی بھی رسائی نہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی حقیقت ختم نہیں ہوئی بلکہ وہ (ترقی کے ساتھ) امامت کے عنوان سے جاری ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کا مطلب اور حاصل صرف یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے احترام و تعظیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی اور کے لئے نبی و رسول کا لفظ استعمال نہیں کیا جائے گا۔

پھر آپ نے شیعہ اثنا عشریہ کے ان عقائد کی بنا پر امت کے متقدمین و متاخرین حضرات علماء و فقہاء کے فیصلے اور فتوے بھی ملاحظہ فرمائے۔

اب آپ حضرات سے درخواست ہے کہ ان سب چیزوں کے سامنے آجانے کے بعد آپ کے نزدیک شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں جو شرعی حکم ہو۔ عام امت مسلمہ کی واقفیت اور رہنمائی کے لئے وہ تحریر فرمایا جائے۔ واجرکم علی اللہ۔

بلا شبہ اپنے کو مسلمان کہنے والے کسی کلمہ گو شخص یا فرقہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کا فیصلہ بڑا سنگین اور خطرناک کام ہے اور اس بارے میں آخری حد تک احتیاط کرنا علماء کرام کا فرض ہے لیکن اسی طرح جس شخص یا فرقہ کے ایسے عقائد یقین کے ساتھ سامنے آجائیں جو موجب کفر ہوں تو عام مسلمانوں کے دین کی حفاظت کے لئے اس کے بارے میں کفر و ارتداد کا فیصلہ اور اعلان کرنا بھی علمائے دین کا فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے نازک ترین وقت میں منکرین زکوٰۃ اور مسیلمہ وغیرہ مدعیان نبوت اور ان کے متبعین کے بارے میں صدیق اکبرؓ نے جو فیصلہ فرمایا اور جو طرز عمل اختیار کیا وہ اس کے لئے ہمارا بہترین رہنما ہے۔

قادیانی صرف یہ کہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور کلمہ گو ہیں، بلکہ انہوں نے اپنے خاص مقاصد کے لئے اپنے نقطہ نظر کے مطابق ایک صدی سے بھی زیادہ مدت سے بڑے پیمانہ پر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا جو کام خاص کر یورپ اور افریقی ممالک میں کیا۔ اس سے باخبر حضرات واقف ہیں اور خود ہندوستان میں قریباً نصف صدی تک اپنے کو مسلمان اور اسلام کا وکیل ثابت کرنے کے لئے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کا انہوں نے جس طرح مقابلہ کیا، تحریری اور تقریری مناظرے یا مباحثے کئے، وہ بہت پرانی بات نہیں ہے، پھر ان کا کلمہ، ان کی اذان اور نماز وہی ہے جو عام امت مسلمہ کی ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں ان کے فقہی مسائل قریب قریب وہی ہیں جو عام مسلمانوں کے ہیں، لیکن جب یہ بات یقین کے ساتھ سامنے آگئی کہ وہ فی الحقیقت عقیدہ ختم نبوت کے منکر ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں اگرچہ زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہتے ہیں۔ اور اسی طرح کے ان کے دوسرے کفریہ عقیدے غیر مشکوک طور پر سامنے آگئے تو علمائے کرام نے ان کے بارہ میں کفر و ارتداد کا فیصلہ اور اس کا اعلان کرنا اپنا فرض سمجھا اور اگر وہ یہ فرض ادا نہ کرتے تو خدا کے مجرم ہوتے۔

لیکن اثنا عشریہ کا معاملہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا موجب کفر عقائد کے علاوہ ان کا کلمہ بھی الگ ہے ان کا وضو، ان کا غسل، ان کی اذان اور نماز مختلف ہے۔ زندگی کے مسائل بھی الگ ہیں۔ حتیٰ کہ موت کے بعد کفن دفن اور وراثت کے مسائل بھی الگ ہیں۔ اگر ان کو تفصیل سے لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

بہرحال اپنے اس دور کے حضرات علماء کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اپنی علمی و دینی ذمہ داری اور عند اللہ مسئولیت کو پیش نظر رکھ کر اثنا عشریہ کے کفر و اسلام کے بارے میں فیصلہ فرمائیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Darul - Ifta
Jamia-tul-Uloom-il-Islamiyyah
Allama Muhammad Yusuf Banuri Town
Karachi-5 Pakistan

P.O. Box
Phone

دار الافتاء
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
کراچی ۵ پاکستان

Ref
Date

الجواب باسمہ تعالیٰ

فاضل مستفتی نے شیعہ اثنا عشریہ کے جن نوادرات کا ذکر کیا ہے وہ ہم نے شیعہ کتابوں میں خود پڑھے ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر شیعوں کی کتابوں میں ایسی عبارات صاف صاف موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ

الف : وہ تمام جماعت صحابہ کو مرتد اور منافق سمجھتے ہیں یا ان زندیق کے عقائد کی کوشش

ب : وہ قرآن کریم کو جو امت کے ہاتھوں میں موجود ہے بعینہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ نہیں سمجھتے بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اصل قرآن جو حضور کی طرف سے نازل ہوا تھا وہ امام غائب کے پاس غار میں موجود ہے اور موجودہ قرآن (نعوذ باللہ) محرف و مبدل ہے اس کا بہت سا حصہ (نعوذ باللہ) حذف کر دیا گیا بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملا دی گئی ہیں۔ قرآن شریف ضروریات دین میں سب سے اعلیٰ وارفع چیز ہے اور شیعہ اسلاف ان کے متقدمین و متاخرین سب کے سب تحریف قرآن کے قائل ہیں اور ان کی کتابوں میں تو اتر سے دو ہزار روایات تحریف قرآن کی موجود ہیں جن میں پانچ قسم کی تحریف بیان کی گئی ہے کمی بیشی تبدیل الفاظ تبدیل حروف تبدیل ترتیب سورتوں، آیتوں، اور کلمات میں بھی،

"اصول کافی" اور اس کا تتمہ الروضہ ملا باقر مجلسی کی کتابیں، جلاء العیون، حق الیقین، حیات القلوب، زاد المعاد، نیز حسین بن محمد تقی النوری الطبرسی کی کتاب " فصل الخطاب،

فی تحریف کتاب رب الارباب " جو ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے " سے قرآن کریم کا محرف ہونا ثابت کیا ہے۔

مولف مذکور نے بزعم خود بے شمار روایات سے قرآن کریم کی تحریف ثابت کی ہے

ج۔ قادیانیوں کی طرح وہ عقلی طور پر ختم نبوت کے قائل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں، لیکن انہوں نے نبوت محمدیہ کے مقابلہ میں ایک متوازی نظام عقیدہ امامت کے نام سے تصنیف کر لیا ہے۔ ان کے نزدیک امامت کا ٹھیک وہی تصور ہے جو اسلام میں نبوت کا تصور ہے، چنانچہ امام نبی کی طرح منصوص من اللہ ہوتا ہے، معصوم ہوتا ہے، مفترض الطاعت ہوتا ہے، اس کو تحلیل و تحریم کے اختیارات ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ بارہ امام تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں

(اصول کافی، تفسیر مقدمہ مرآۃ الانوار)

ان عقائد کے ہوتے ہوئے اس فرقہ کے کافر اور خارج از اسلام ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا صرف انہی تین عقائد کی تخصیص نہیں بلکہ بغور نظر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شیعیت اسلام کے مقابلہ میں بالکل ایک الگ متوازی مذہب ہے جس میں کلمہ طیبہ سے لے کر میت کی تجہیز و تکفین تک تمام اصول و فروع اسلام سے الگ ہیں اسی لئے شیعہ اثنا عشریہ بلاشک و شبہ کافر ہیں علماء امت نے اثنا عشریہ شیعوں کو ہر زمانے میں کافر قرار دیا البتہ

(۱) اس فتویٰ کی اشاعت نہیں ہوئی

(۲) تقیہ اور کتمان کے دبیز پردوں میں شیعہ مذہب چھپا رہا

(۳) خمینی صاحب کے آنے کے بعد شیعہ اثنا عشری نے پہلی بار آزادی طور پر وعدہ ملاقات سابقہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے مذہب کی خوب اشاعت کی، خمینی صاحب خود کو امام غائب کا نائب سمجھتے ہیں اور یہ اپنا حق سمجھتے ہیں کہ مذہب شیعہ کی اصلی طور بلا کتمان اشاعت ہو اس لئے اب صورت حال مختلف ہو گئی۔

فتاوی ھندیہ (فتاوی عالمگیریہ) جو بعہد اورنگ زیب عالمگیر مرتب ہوا جس کی ترتیب و تدوین میں ہندوستان کے اکابر علماء شریک ہوئے جن کے تراجم "نزہۃ الخواطر" میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

اسی فتاوی کے صفحہ ۲۶۳ ج ۲ پر ہے الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما والعیاذ باللہ فهو کافر ... ومن انکر امامة ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فهو کافر وعلی قول بعضهم هو مبتدع ولیس بکافر والصحیح انہ کافر وکذلک من انکر خلافة عمر رضی اللہ عنہ فی اصح الاقوال کذا فی الظهیریة ویجب اکفارهم باکفار عثمان وعلی وطلحة وزبیر وعائشة رضی اللہ عنهم

ویجب اکفار الروافض فی قولهم برجعة الاموات الی الدنیا وبتناسخ الارواح وبانتقال روح الاله الی الائمة وبقولهم ان جبریل علیه السلام غلط فی الوحی الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم دون علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین کذا فی الظهیریة۔

فتاوی الشیخ الامام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن البزاز الکردری المتوفی ۸۲۷ھ وذکر الملا ان علیه التعویل فرغ من تالیفه سنة ثمان عشرة وثمان مائة۔

فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ ص ۳۱۸ ج ۶

ومن انکر خلافة ابی بکر رضی اللہ عنہ فهو کافر فی الصحیح ومن انکر خلافة عمر رضی اللہ عنہ فهو کافر فی الاصح ویجب اکفار الخوارج فی اکفارهم جمیع الامة سواهم ویجب اکفارهم باکفار عثمان وعلی وطلحة وزبیر وعائشة رضی اللہ عنهم

پھر صفحہ ۳۱۹ ج ۶ پر یہ عبارت ہے الرافضی ان کان یسب الشیخین ویلعنهما فهو کافر۔

البحر الرائق شرح کنز الدقائق للعلامة زین الدین الشہیر بابن نجیم ص ۱۳۱ ج ۵

ویقذف عائشة رضی اللہ تعالی عنها من نسائه صلی اللہ علیہ وسلم فقط وبانکاره صحبة ابی بکر

رضی اللہ عنہ کی خلافت وغیرہ و بانکار امامت ابی بکر رضی اللہ عنہ علی الاصح کانکارہ خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ علی الاصح

خلاصۃ الفتاوی للشیخ الاجل الامام ابو کمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبد الرشید البخاری وما یتصل بہذا

الرافضی ان کان یسب الشیخین ویلعنہما فہو کافر ص ۳۸۱ ج ۴

صاحب در مختار فرماتے ہیں۔

او الکافر بسب الشیخین او بسب احدہما فی البحر عن الجوہرۃ معزیا للشہید من سب الشیخین او طعن فیہما کفر ولا تقبل توبتہ وبہ اخذ الدبوسی وابو اللیث وہو المختار للفتوی انتہی

صاحب در مختار کی اسی عبارت پر علامہ ابن عابدین شامی نے طویل کلام کیا ہے۔ لیکن آخر میں واضح طور پر یہ تحریر فرمایا ہے۔

نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا او انکر صحبۃ الصدیق او اعتقد الالوہیۃ فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی او نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن رد المحتار ص ۲۳۶ ج ۴

ترجمہ فتاوی عزیزیہ میں شاہ عبد العزیز فرماتے ہیں

بہ اشتہار فرقہ امامیہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت سے منکر ہیں اور کتب فقہ میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کا جس نے انکار کیا وہ اجماع امت کا منکر ہوا وہ کافر ہو گیا ص ۲

لہذا شیعہ اثنا عشری رافضی کافر ہیں مسلمانوں سے ان کا نکاح و شادی بیاہ جائز نہیں حرام ہے مسلمانوں کے لئے ان کے جنازے میں شرکت جائز نہیں ان کا ذبیحہ حلال نہیں ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں غرض ان کے ساتھ غیر مسلموں جیسا سلوک اور معاملہ کیا جائے

واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم

الجواب صحیح محمد عبد السلام عفا اللہ عنہ ۹/۲/۱۴۰۷ھ

ولی حسن دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۸/صفر ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح محمد ولی غفرلہ ۲۵/۲/۱۴۰۷ھ   الجواب صحیح رضاء الحق غفرلہ

الجواب صواب محمد عبدالرحمٰن غفرلہ متخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

دین اسلام کا منبع و ماخذ دو چیزیں ہیں (الف) قرآن محفوظ (ب) قیامت تک باقی رہنے والی ناقابل تنسیخ تعلیمات نبوی۔ پورا دین انہی دو سے ماخوذ ہے اور ان دونوں (کتاب وسنت) کی نقل و اشاعت کا متواتر قطعی ایک اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے یعنی جماعت صحابہ کرامؓ وہ مقدس گروہ ہے جس نے قرآن وسنت اور پوری شریعت مطہرہ ملفوظات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے وصول کر کے امت میں منتقل کیا۔

اگر ان تینوں چیزوں میں سے کسی ایک کی بھی نفی کردی جائے تو اس سے پورے دین کی نفی ہو جاتی ہے قرآن وسنت کے انکار کو کفر ہونا تو ظاہر ہے اسی طرح صدر اول جماعت صحابہ کرامؓ ان کے ایمان و عدالت کی نفی کرنے کے بعد بھی کوئی شخص مسلمان باقی نہیں رہ سکتا کیونکہ ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان صدر اول کا واسطہ حذف ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ پاک کا بھیجا ہوا دین آسمان سے نازل ہو کر ذات نبوی پر منقطع و ختم ہو گیا جس پر وہ نازل کیا گیا تھا اور اس دین کا کوئی حصہ یا قطعی طور پر امت کے پاس موجود نہیں اور یہ ہدم اسلام اور ابطال شریعت کے مترادف ہے۔

علامہ نووی قاضی عیاض سے شرح مسلم میں نقل فرماتے ہیں۔

قال القاضی ولا شک فی کفر من قال هذا لان من کفر الامة کلها والصدر الاول فقد ابطل نقل الشریعة وهدم الاسلام (ص ۲۷۹ ج ۲)

شیعہ رافضیہ اثنا عشریہ نے اسلام کے ان تین اصل الاصول اور مرکزی بنیادوں پر تیشہ زنی کر کے دین کی پوری عمارت کو متزلزل کر دیا ہے۔ شیعہ مذہب کی انتہائی معتبر اور مستند کتابوں میں ان کے ائمہ کی جانب سے درجہ شہرت و تواتر میں ایسی تصریحات پائی جاتی ہیں جنہیں درست تسلیم کر لینے کے بعد نہ صرف یہ کہ شیعہ دائرہ اسلام سے خارج قرار پاتے ہیں بلکہ سرے سے اسلام کا وجود ہی مشکوک و مشتبہ ہو جاتا ہے۔

(الف) اَلعِیَاذُ بِاللہ مثلاً یہ کہ قرآن کریم محفوظ نہیں بلکہ اس میں ہر قسم کی تحریف ہوئی ہے۔

(ب) قرآن و سنت کی تعلیمات اور ان کے حلال و حرام قیامت تک کے لئے نہیں، بلکہ ان کے بنیادی عقیدہ امامت کی روشنی میں ہر امام کو کسی بھی چیز کے حلال و حرام کرنے کے اختیارات حاصل ہیں اور امام کا درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہے اس پر وحی آتی ہے اور وہ مفترض الطاعۃ ہوتا ہے اس پر ایمان لائے بغیر نجات ممکن نہیں۔ شیعہ امام پر نبی کے لفظ کا اطلاق نہیں کرتے لیکن حقیقت و معنی نبوت اس کے لئے ثابت کرتے ہیں ایسے عقیدۂ امامت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کی نفی لازم آتی ہے اس عقیدۂ امامت کو شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے کفر زندقہ قرار دیا ہے۔

کذالک من قال فی الشیخین ابی بکر و عمر مثلاً لیسا من اھل الجنۃ مع تواتر الحدیث فی بشارتھما۔ او قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوۃ لکن معنی ھذا الکلام انہ لا یجوز ان یسمی بعدہ احد بالنبی واما معنی النبوۃ وھو کون الانسان مبعوثا من اللہ تعالی الی الخلق مفترض لطاعۃ معصوما من الذنوب وعلی الخطاء فیما یری فھو موجود فی الائمۃ بعدہ فذالک ھو الزندیق وقد اتفق جماھیر المتاخرین من الحنفیۃ والشافعیۃ علی قتل من یجری ذالک المجری

(مسوی شرح مؤطا امام مالک ص ۱۱۰ ج ۲)

(ج) دین اسلام کی بنیادیں تو دو عقیدوں تحریف قرآن اور عقیدۂ امامت سے ہی ہل گئی تھیں مزید برآں رافضیہ امامیہ کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ سوائے تین، چار کے سب صحابہ کرامؓ العیاذ باللہ کافر و مرتد ہو گئے تھے۔ گو قرآن و سنت بوقت نزول ہر چند درست و صحیح بھی ہو لیکن صحابہ کرامؓ کے متعلق شیعوں کے اس عقیدہ کی بناء پر قرآن یا دین کے کسی حصہ کا ثبوت وجہ قطعیت و تواتر کے درجہ میں باقی نہیں رہ سکتا۔ تین، چار کی روایت خبر آحاد میں سے ہوتی ہے خبر متواتر نہیں اور خبر آحاد سے قرآن کریم اور عقائد کا ثبوت ممکن نہیں۔ اہل سنت والجماعت اور شیعہ مجتہدین سب کا یہی مذہب ہے۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

اہلِ تشیع سے علم سیکھنے کا حکم: صحیح العقیدہ عالم دین اہلِ تشیع کے مدرسے میں فاضل عربی کی کتب پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ وضاحت مطلوب ہے۔

الجواب: بہت سی وجوہ کی بناء پر ان سے علم حاصل کرنا درست نہیں۔ مثلاً (۱) اگر وہ کتب دینیہ ہیں تو دینی کتب ایسے اشخاص سے پڑھنی درست نہیں۔ کذا قال ابن سیرین رحمہ اللہ۔ مشکوٰۃ

(۲): شاگرد ہونے کی صورت میں ان کی تعظیم بھی کرنی ہوگی واکثرھم لیسوا باھل لھا۔

(۳): ان سے مخالطہ ومجالست کی وجہ سے متاثر ہونے کا اندیشہ بھی ہے۔ وغیر ذالک

الحاصل ان سے پڑھنے کے ساتھ بہت سے نقصانات کا اندیشہ بھی ہے۔ لہٰذا حسب قاعدہ معروفہ کہ دفع ضرر مقدم ہوتا ہے جلب منفعت سے۔ ان سے تعلیمی رشتہ ہرگز نہ رکھا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنے والے کا حکم: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بایں وجہ خارج از اسلام ہیں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی۔ اور دشمنِ سادات تھے اور حکومت کی باگ ڈور یزید کے سپرد کی۔ حالانکہ وہ اس کا اہل نہیں تھا۔ اور سلف صالحین کے خلاف کیا۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دھوکہ کر کے ضیافت کے بہانے چاہ برد کیا۔

الجواب: امیر المؤمنین کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں شیعوں کی یہ ہرزہ سرائی قدیم سے ہے۔ اہلِ تحقیق کے نزدیک قطعاً اس کا کوئی وزن نہیں ہے۔ مذکورہ الزامات میں سے بعض غیر ثابت ہیں اور جو ثابت ہیں ان کو بناء تکفیر قرار دینا غلط ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ لڑ پڑیں تو اس سے ان کا ایمان سلب نہیں ہو جاتا۔ بلکہ وہ اس کے باوجود مؤمن رہتے ہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما (الی ان قال) انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللّٰہ لعلکم ترحمون۔ الآیۃ

پس اسے بناء تکفیر قرار دینا باطل ہے۔

عداوت اور دشمنی کا الزام بھی غلط ہے۔ حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ یہاں تک کہ حضرات حسنینؓ ملاقات کے لئے شام تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور حضرت معاویہؓ ان کی خدمت میں اچھی بیش از بیش ہدایا پیش کرتے تھے۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ قدم الحسن بن علیؓ علی معاویۃ فقال له لاجیزنک بجائزۃ لم یجزھا احد کان قبلی فاعطاہ اربع مائۃ الف الف.

۲۔ ووفد الیه مرۃ الحسن والحسین فاجازھما علی الفور بمائتی الف

۳۔ وفد الحسن وعبداللہ بن الزبیر علی معاویۃ فقال للحسن مرحبا واھلا بابن رسول اللہ وامر له بثلاث مائۃ الف. (البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۳۷)۔ ایسے تعلقات کی موجودگی میں باہمی دشمنی کی رٹ لگانا دیوانگی ہی قرار دی جاسکتی ہے۔

یزید کی ولی عہدی کو بھی بنائے تنقید ٹھہرانا غلط ہے۔ ہم اول تو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ اور اگر اسے بالفرض بنائے تنقید تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت ہی مجروح نہیں ہوتی بلکہ وہ تمام لوگ بھی اس میں شامل ہوں گے جنہوں نے یزید کی ولی عہدی کو قبول کیا۔ اور تاریخ و روایت سے ثابت ہے کہ صرف چند حضرات کے علاوہ باقی اکثر لوگوں نے اسے تسلیم کر لیا تھا۔ پس یہ مسئلہ پوری ملت کی تحقیر کا بن جاتا ہے جسے کوئی منصف مزاج تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ اگر کسی شخص کا دعویٰ ہو کہ اس قسم کی ولی عہدی نص قرآنی یا حدیث نبوی یا اجماع کے خلاف ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسے پیش کرے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چاہ برد کرنے کا واقعہ بھی من گھڑت اور بیہودہ گوئی ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے طبعی موت سے وفات پائی۔ اور وفات سے قبل وصیت بھی فرمائی ہے۔ البدایہ والنہایہ میں ہے۔

عن ذکوان انه جاء عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما یستاذن علی عائشۃ وعند رأسها عبداللہ بن اخیها عبدالرحمن فقال هذا عبداللہ بن عباس یستاذن وهی تموت الی ان قال فقالت ائذن له ان شئت قال فادخله فلما جلس قال ابشری فقالت بماذا فقال ما بینک وبین ان تلقی محمدا والاحبة الا ان تخرج الروح من الجسد

وبعده (الی ان قال) واوصت ان تدفن بالبقيع ليلا وصلی عليها ابوهريرة بعد صلوٰة الوتر اھ (ج ۸: ص ۹۳،۹۴)۔

پس حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف یہ بے بنیاد الزامات ہرگز ثابت نہیں ہیں۔ اور جو ثابت ہیں ان کو موجب طعن وتکفیر قرار دینا غلط ہے۔ حضرت موصوف دشمنوں کے جذبات کے علی الرغم امیرالمومنین، خال المسلمین، کاتب وحی رب العالمین، کامل الایمان صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اندیشہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کی شان میں گستاخی کرنے والے اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ کیونکہ ارشاد نبوی ہے کہ جب غیر مستحق پر لعنت کی جائے تو وہ قائل پر لوٹتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ　　بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

روافض کو سنیوں کی مساجد میں نہ آنے دیا جائے: چک نمبر ۱۰۳/ ای۔ بی میں اکثریت سنیوں کی ہے اور تھوڑے سے گھر شیعہ کے ہیں۔ شروع سے اس میں اہل سنت والجماعت اذان واقامت کے ساتھ نمازیں ادا کرتے آئے ہیں اور پیش امام بھی ہمیشہ سے جب سے مسجد بنی ہے آج تک اہل سنت کا ہوتا ہے۔ چند دن قبل شیعوں نے اسی مسجد میں اپنی اذان واقامت شروع کر دی اور اپنی جماعت بھی کرانی شروع کر دی۔ یعنی دو اذانیں اور دو جماعتیں ہونے لگیں۔ اہل سنت کی بھی اور اہل تشیع کی بھی۔ کچھ فساد سا ہوا تو عدالت نے مسجد سیل کر دی۔ بعد وعدالت پورے ۱۹۸۱ء سے "اے سی صاحب" نے فیصلہ فرمایا کہ مسجد اہل سنت کی ہے۔ وہی اس میں نماز باجماعت ادا کر سکتے ہیں۔ مگر شیعوں نے پھر اپیل کر رکھی ہے کہ ہمیں بھی جماعت کرنے کی اجازت دی جائے۔ اب آپ فرمائیں کہ اہل سنت کی مسجد میں شیعہ اپنی اذان واقامت کے ساتھ دوسری جماعت کرا سکتے ہیں یا کہ نہیں؟ حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ ہم نے چندہ دیا ہوا ہے۔ اس لئے ہمارا حق بنتا ہے۔

الجواب: امداد المفتین: ج ۱۔ ص ۷۰۴۔ میں ہے کہ روافض کو مساجد اہل السنۃ میں آنے سے روکنا جائز ہے۔ نیز ان کو اجازت دینے میں فسادات کا دروازہ کھولنا ہے۔ کیونکہ اہل سنت کے پیشواؤں کو برا کہنا ان کے مذہب کا جزو ہے۔ بنا علیہ شریعت وانتظام کا تقاضا یہی ہے کہ ان کو سنیوں کی مسجد میں آنے سے روکا جائے۔ چندہ دینے سے استحقاق ثابت نہیں ہوتا۔

بکره دخوله لمن اكل ذا ريح كريهة ويمنع منه وكذا كل موذ فيه ولو بلسانه. شامی ج ۲ ص ۳۸۱۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان　　الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

سنی آبادیوں سے ماتمی جلوس گزارنا محض شرارت ہے: دریا خان میں محرم ۱۴۰۶ھ سے کچھ عرصہ پہلے مختلف چوکوں پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام کے کتبے لگا دیئے گئے۔ جس چوک سے شیعوں کے جلوس گزرتے ہیں اس چوک میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام مبارک کا بورڈ لگایا گیا اور بورڈ میں اس چوک کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسم مبارک سے موسوم کیا گیا۔ شیعہ لوگوں نے درخواستیں دیں۔ ضلعی انتظامیہ نے سنی حضرات سے کہا کہ یا بورڈ ہٹا دو یا اس میں سے "چوک" کا لفظ مٹا دو۔ چوک کا نام بغیر گورنمنٹ کی منظوری کے نہیں لکھا جا سکتا۔ سنی حضرات نے چوک کی بجائے "منزل" کا لفظ لکھ دیا۔ محرم میں شیعوں کا جلوس وہاں پہنچا تو اس میں سے کسی نے کیچڑ بورڈ پر پھینک کر اس کی بے حرمتی کی۔ شیعوں نے اس موقع پر ایسی نعرہ بازی کی کہ قریب موجود سنیوں نے جوش میں آ کر جواب دیا۔ دونوں طرف سے پتھراؤ ہوا۔ جس سے کچھ لوگوں کو زخم آئے۔ تحصیل بھکر کی انتظامیہ اور طرفین کے معززین نے درمیان میں پڑ کر معاملہ رفع کیا۔ اب پھر محرم میں تقریباً ڈیڑھ دو ماہ باقی ہیں۔ شیعوں کی طرف سے درخواست بازی شروع ہوئی ہے۔ اور یہ مسئلہ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

سنی حضرات دو قسم کے انداز فکر رکھتے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت امیر معاویہؓ کے اسم مبارک کا کتبہ اس چوک سے ہٹا کر قریب کسی ایسے چوک پر لگا دیا جائے جس سے شیعوں کے جلوس کا کوئی گزر نہ ہوتا ہو اور جلوس کی گزرگاہ میں حضرت سلمان فارسیؓ یا کسی اور صحابیؓ کے اسم مبارک کا کتبہ لگا دیا جائے۔ جن کا احترام شیعہ بھی کرتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ بتایا جاتا ہے کہ بہرحال حضرت امیر معاویہؓ کے اسم مبارک کی توہین نہیں ہوئی۔ اور اس میں فساد کا خطرہ بھی نہیں ہوگا۔ توہین ہو جانے کے بعد کتنا ہی فساد ہو جائے اس سے خونریزی تو ہو سکتی ہے مگر توہین کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

دوسرا انداز فکر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے اسم مبارک کا کتبہ (بورڈ) چوک سے ہرگز نہ ہٹایا جائے۔ اگر یہ بورڈ ہٹا دیا گیا تو اس سے شیعہ لوگوں کی غلط حوصلہ افزائی ہوگی۔ جب کہ چوک کی تمام تر آبادیاں سنی حضرات کی ہیں۔ تو ہر گز یہ بورڈ نہ ہٹایا جائے۔

ان حالات میں شرعی حکم صادر فرمائیں کہ کیا خالص سنی آبادی میں واقع اپنے مکان سے "امیر معاویہ منزل" کی تختی اتار کر شیعوں کو یہ موقع دے دینا چاہئے کہ وہ ہر چیز میں اعتراض کرتے ہوئے اور زیادہ دلیر ہو جائیں اور اسے اپنی کامیابی و مثال بنا کر ہمیشہ سنیوں سے اور انتظامیہ سے معمولی معمولی باتوں پر جھگڑا کریں۔ اور اپنی غلط بات منوانے کے لئے بے جا ضد کریں۔ اور کل کو کوئی مسلمان اپنے بیٹے کا نام بھی اس اسم مبارک پر رکھے یا کسی اور صحابی رسول اللہ علیہ وسلم کے نام پر رکھے تو یہ نام پر معترض ہو کر مسئلہ بنا سکتے ہیں؟

الجواب — اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ماتمی جلوس نکالنا اور سینہ کوبی کرتے ہوئے بازاروں میں پھرنا نہ اہلِ سنت کے نزدیک درست ہے نہ اہلِ تشیع کے نزدیک نہ اہلِ بیت کی تعلیم ہے۔ اور نہ کوئی شریف آدمی اسے اچھا سمجھتا ہے۔ اس کے باوجود بہت سے شیعہ سب سے زیادہ اہمیت اسی کو دیتے ہیں۔ کیونکہ اس کے ذریعہ وہ اپنے چند مذموم مقاصد پورے کرتے ہیں۔ مثلاً اپنے مخالفین کے جذبات مجروح کرنا۔ اپنے نفاق پہ پردہ ڈالنا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان پر طعن و تشنیع کرنا وغیرہ ذٰلک۔ اگر شیعہ لوگ مخلص ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ

ایسی جگہ سے تعزیہ گزارنے پر اصرار کریں جہاں ایک گھر بھی شیعوں کا نہیں۔ حکومت کو بھی ایسے چوک سے تعزیہ گزارنے کی اجازت دیتے وقت اس بات کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اور اگر کہیں ایسی اجازت دے دی گئی ہو تو اس معاملہ میں مخلصانہ نظرثانی کرنی چاہئے۔ اور لائسنس میں اس کے تحت ان اجازتوں کو منسوخ کرنا چاہیے۔ نیز شیعہ لوگ سنیوں میں آکر فساد کریں گے تو لڑائی ہوگی۔ آخر وہ اپنے امام باڑوں میں کیا کچھ نہیں کرتے مگر اس پر فساد نہیں ہوتا۔ فساد اسی وقت ہوتا ہے جب وہ شرارت کے نظریہ سے کچھ کرتے ہیں۔

الحاصل — یا تو اہلِ تشیع کے سمجھدار طبقہ سے باہمی گفتگو کے ذریعہ کوئی مصالحتی صورت اختیار کر لی جائے۔ مثلاً وہ اس چوک سے جلوس گزارنے پہ اصرار نہ کریں۔ راستے اور بھی بہت ہیں۔ اور اگر وہ مصر ہی رہیں تو آئینی اور اخلاقی طور پہ آپ کو اتنا حق تو ملنا چاہیئے کہ آپ اس جگہ کا نام صدیقی چوک رکھ لیں یا اور کچھ لیں۔

اگر ان سے کوئی بات طے نہ ہو سکے تو یہی گزارش حکومت سے کی جائے اور حکام کو بتاکید عرض کیا جائے کہ آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ مذکورہ جگہ سے تعزیہ گزارنا ٹھیک ہے یا نہیں۔ اور یہ بھی سوچیں کہ سنی جس بات کا مطالبہ کرتے ہیں وہ ان کا حق ہے یا نہیں۔ نیز امن قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ نقضِ امن کی بنیاد کو ختم کیا جائے۔

ہمارے خیال میں پہلی قسم کے انداز فکر میں کچھ کم ہمتی کا عنصر بھی ہے۔ وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں اپنے نظریات آپ کے مکانوں کے سامنے بیان کریں تو کچھ نہیں۔ اور آپ صرف اظہارِ عقیدت کی حد تک اپنی آبادی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لکھنا خلافِ مصلحت سمجھتے ہیں۔ مگر تنازع کا اندیشہ ہے تو آپ اکثریت میں ہوتے ہوئے اپنی اتنی حیثیت بھی پیدا نہیں کر سکتے کہ آپ کی آبادی میں آکر آپ کے بڑوں کی توہین کرنے کی کسی کو جرأت ہی نہ ہو۔ جو کہ مذہباً، عقلاً، شرعاً، قانوناً کسی

طریقہ درست نہیں ہے

؎

وہ لئے ہاتھ میں تلوار جو بے باک پھریں
ہم دعا کے لئے بھی ہاتھ اٹھایا نہ کریں

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان شہر

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار مفتی خیر المدارس ملتان شہر

۴ / ۱۲ / ۱۴۰۰ھ

مودودی صاحب کے ساتھ علمائے کرام کے اختلاف کی وجہ

علمائے کرام کے ابوالاعلیٰ مودودی صاحب پر جو اعتراضات ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ جماعت اسلامی والے کہتے ہیں کہ یہ محض ذاتی عناد ہے۔ اور ہر اچھا کام کرنے والے کی مخالفت ہوتی ہے۔

الجواب وہ خصوصی اعتراضات جن کے بارے میں آپ ہماری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں اصل تو یہ تھا کہ ان کی تفصیل سوال میں تحریر کی جاتی تاکہ بالیقین ان کے بارے میں اپنے عندیہ کا اظہار کر دیا جاتا۔ لیکن سوال میں چونکہ ابہام و اجمال سے کام لیا گیا ہے لہٰذا ہم بھی اجمالی جواب پر اکتفا کرتے ہیں۔

جناب مودودی صاحب امور سیاست میں اعلیٰ مقام کیوں نہ رکھتے ہوں، اور رکھتے ہیں اعلیٰ درجہ کے انشا پرداز کیوں نہ ہوں، لیکن دینی امور کے بارے میں ان کا غیر محتاط ہونا، اور ان کے لٹریچر سے "سلف بیزاری" کے رجحانات کا پیدا ہو جانا، علوم دینیہ میں ناپختگی اور سطحیت کی بنا پر اجماعی مسائل میں خلاف کرنا، اور ضرورت کے مطابق محض اپنی خواہش سے مسائل شرعیہ میں لچک پیدا کر لینا، یہ ایسے امور ہیں جو موصوف کی مستقل خصوصیات شمار کی جاتی ہیں۔

اہل بصیرت پر مخفی نہیں کہ ان امور کے بارے میں موصوف سے صرف حضرات علمائے کرام کو ہی اختلاف نہیں بلکہ موصوف کے ان رجحانات کو صرف وہی دین کے لئے خطرناک تصور نہیں کرتے بلکہ مودودی صاحب کے قدیم ترین رفقاء جو اس تحریک کو ایک دینی دعوت خیال کرتے ہوئے شامل ہوئے تھے، ان کو بھی ان امور کی بنا پر موصوف سے شدید ترین اختلاف پیدا ہوا۔ کہ وہ بالآخر مایوس ہو کر جماعت سے الگ ہو گئے۔ جن ارباب بصیرت نے موصوف کے ان رجحانات اور سیاسی قلابازیوں کو دین کے لئے انتہائی خطرناک قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا امین احسن صاحب اصلاحی۔ اور مولانا عبدالرحیم صاحب اشرف کے مضامین خصوصیت سے قابل مطالعہ ہیں۔

اور اس سلسلہ میں ان کی شہادت کافی وزن رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ حضرات گھر کے بھیدی اور عینی شاہد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور عرصہ تک موصوف سے نیاز مندی اور خصوصی خدمت کا تعلق بھی انہیں رہا ہے۔ حضرات علماء کرام کی مخالفت کو اگر ذاتی عناد پر محمول کرکے دفع الوقتی کی جا سکتی ہے تو جماعت کے ان معتمد ترین مرکزی اراکین کی مخالفت کو کیا رنگ دیا جائے گا؟

"اور مولویوں کا کام ہی یہی ہے" حضرات علماء نے دورِ فرنگی کے گمراہ فرقوں کے بارے میں جب بھی ان کے غلط نظریات کی تردید کی اور ان کی جہالتوں اور خیانتوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے عوام کو ان فتنوں سے محفوظ رکھنے کی سعی کی، تو تقریباً اسی قسم کی آوازیں سنی گئیں۔ کہ مولوی کی مخالفت ذاتی عناد پر مبنی ہے۔ مولوی کا مذہب مخالفت فی سبیل اللہ، وغیرہ ذالک۔

مرزائیوں نے علماء کرام کے بارے میں یہی کہا۔ منکرین حدیث نے یہی کہا اور یہی کہہ رہے ہیں مودودی صاحب کے معتقدین بھی حضرات علماء کرام کو ایسی باتیں کہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مرزائی مولوی صاحب سے اس لئے سخت چڑتا یا کہ اس کی ارکب باطل پر نشتر مولوی نے رکھا۔ اگر مولوی نہ ہوتا تو آج تک مرزائیت مسلم معاشرہ کے رگ وریشہ میں سرایت کر چکی ہوتی۔ العیاذ باللہ۔ مگر حضرات علماء نے اس جعلی نبوت کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ اور ملت کو اس سے محفوظ رکھا۔ منکر حدیث مولوی سے اسی سبب سے جل بھن رہا ہے کہ مولوی نے اس کے فتنہ پر ضرب کاری لگائی۔ اسی طرح جماعت اسلامی کے حضرات بھی علماء کرام کے بارے میں اسی قسم کا تبصرہ فرماتے رہتے ہیں۔ اس کا منشاء بھی کچھ اسی قسم کی باتیں ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرات علماء کرام کی مخالفت کسی بھی جماعت سے ذاتی عناد کی بناء پر نہیں بلکہ حفاظت دین کی غرض سے ہے۔ اور جذبۂ خیر خواہی کے تحت ہے۔ مثلاً دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کانے دجال کی آمد کے بارے میں متعدد احادیث میں پیشین گوئی فرمائی ہے۔ جس کی تکذیب ممکن نہیں۔ لیکن جناب مودودی صاحب اس کی آمد کے بارے میں اپنی کوتاہ نظری کے سبب یا نامعلوم کیوں یہ تحریر فرما گئے ہیں کہ۔

"یہ کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں" (رسائل و مسائل)

سوال یہ نہیں کہ آمد دجال کی بحث دورِ حاضر میں مفید ہے یا غیر مفید۔ مقصد یہ ہے کہ یہ انکارِ حدیث ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو موصوف سے حضرات علماء کرام کی مخالفت ایسے ہی امور کی بناء پر ہے اور حفاظت دین کے لئے ہے کسی ذاتی عناد کی بناء پر نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۔ ۲۰ ۔ ۵ ۔ ۱۳۹۵ھ

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۔

مودودی صاحب بعض مسائل و عقائد میں معتزلہ کے ہمنوا ہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ جماعت اسلامی کے بارے میں جو فتاویٰ جات علماء دیوبند کے جاری ہوئے ہیں آپ کے نزدیک بالکل صحیح ہیں یا نہیں؟ جماعت اسلامی کے ساتھ ہم اہلسنت والجماعت کو کیا تعلق رکھنا چاہئے؟ نیز جماعت اسلامی کا جو اصولی اختلاف ہمارے ساتھ ہے واضح فرمائیں۔

الجواب حضرت مدنی مدظلہ العالی اور حضرت قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا احمد علی صاحب زیدمجدہم ۔ ان تینوں حضرات کے جو فتاویٰ مودودی صاحب کے متعلق ہیں وہ ہمارے نزدیک صحیح ہیں اور ان حضرات نے جو بھی مودودی صاحب کے متعلق فرمایا وہ تمام کا تمام مودودی صاحب میں پایا جاتا ہے اور وہ ان سے اکثر اوقات میں ظاہر بلکہ صادر بھی ہو چکا ہے۔

۲ : مودودی صاحب کے عقائد اور نظریات اہل السنۃ والجماعت اسلاف صالحین سے ہٹے ہوئے ہیں ۔ بعض عقائد میں معتزلہ اور خوارج کے ہمنوا ہو جاتے ہیں ۔ تو جیسے دوسرے فرق اہل ہوا و بدعت کا حکم ہے ایسے ہی ان کا ہے ۔ مودودی صاحب خود بھی اس امر کا اعتراف فرماتے ہیں ۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ جماعت اسلامی ایسا اسلام پیش کرتی ہے جو سلف صالحین بالفاظ مودودی قدامت پسند اور منکرین حدیث بالفاظ انکے جدت پسند کے درمیان راہ اعتدال ہے ۔ مودودی صاحب کی جماعت اب صرف سیاسی جماعت نہیں بلکہ اعتزال اور رسمی اسلام کے معجون مرکب کا نیم مذہبی اور نیم سیاسی فرقہ ہے ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جو لوگ عوام المسلمین میں سے نادانستہ ان کے ساتھ شامل ہو چکے ہیں اور ان میں وابستگی اور سلف صالحین پر تنقید کی شان پیدا نہیں ہوئی ۔ ان کے ساتھ بقدر ضرورت میل جول جائز ہے تاکہ ان کو مودودیت کی حقیقت سمجھا کر صحیح اسلام پر باقی رکھا جا سکے اور جو لوگ عقائد و خیالات میں مودودیت کے اندر رنگے جا چکے ہیں اور ان کو جماعت اسلامی کی رکنیت کا سرٹیفکیٹ مل چکا ہے ۔ ان کے ساتھ عوام المسلمین کو اختلاط کرنا سخت مضر ہے ۔ عوام کو ایسے لوگوں سے باز رکھا جائے ۔

فقط واللہ اعلم ۔ بندہ محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان ۔

الجواب صحیح ۔ بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔

مودودی صاحب کی تالیفات

مولانا مودودی نے اپنی تصنیفات میں انبیاء، صحابہؓ، اولیاء اور ائمہ کرام کی توہین لکھی ہے کیا اس قسم کی تمام تصنیفات کو تمام مسلمان مردوں، عورتوں، بچوں، نوجوانوں کو پڑھنا چاہئے؟ یا پڑھانا چاہئے؟ یا پڑھنے کی ترغیب دینا چاہئے؟ ایسے شخص کے بارے میں اسلام نے کیا حکم دیا ہے؟

الجواب حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مودودی صاحب کا بہت سا لٹریچر پڑھنے کے بعد، اور ان کی جماعت کے حالات دیکھنے کے بعد جو رائے دی ہے وہ لفظ بلفظ یہ ہے۔

احقر کے نزدیک مودودی صاحب کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ عقائد اور احکام میں ذاتی اجتہاد کی پیروی کرتے ہیں۔ خواہ ان کا اجتہاد جمہور علماء سلف کے خلاف ہو۔ حالانکہ احقر کے نزدیک منصب اجتہاد کے شرائط ان میں موجود نہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی تحریروں میں علماء سلف یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تنقید کا جو انداز اختیار کیا ہے وہ انتہائی غلط ہے خاص طور سے خلافت و ملوکیت میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جس طرح حرف تنقید ہی نہیں بلکہ ملامت کا ہدف بھی بنایا گیا ہے وہ جمہور علمائے اہل سنت کے طرز کے بالکل خلاف ہے۔ نیز ان کے لٹریچر کا مجموعی اثر بھی اس کے پڑھنے والوں پر بکثرت یہ محسوس ہوتا ہے کہ سلف صالحین پر مطلوب اعتماد نہیں رہتا۔ اور ہمارے نزدیک یہ اعتماد ہی دین کی حفاظت کا بڑا حصار ہے، اس سے نکل جانے کے بعد پوری نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ بھی انسان نہایت غلط اور گمراہ کن راستوں پر پڑ سکتا ہے۔ (جواہر الفقہ: ج ۱ ص ۱۶۱)

اس میں آپ کے تمام سوالوں کا جواب آگیا ہے۔

نوٹ: حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ میری آخری رائے ہے اس سلسلہ میں میری تمام سابقہ آراء اور تحریرات کو منسوخ سمجھا جائے اسے حرف آخر بھی جانئے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۲۳/۱۲/۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

مودودی جماعت کے بارے میں چند سوالات

۱: جماعت اسلامی کے امیر ابوالاعلیٰ مودودی کے عقائد علماء اہل السنت والجماعت کے موافق ہیں یا مخالف؟

۲: کیا اکابر دیوبند اول تا آخر مودودی صاحب سے اختلاف کرتے چلے آرہے ہیں یا نہیں؟

۳: کیا یہ اختلافات مودودی صاحب سے اصولی ہے یا فروعی ہے؟

۴: کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں؟ کیا یہ اہل السنت کا متفق علیہ مسئلہ ہے یا کسی نے اس میں اختلاف بھی کیا ہے؟

۵: مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت میں صحابہ کرام کی حیاتِ طیبہ کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس سے صحابہ کرام کی توہین تو نہیں ہوتی؟

۶: ایسی جماعت سے تعاون کرنا کیسا ہے؟

○ ؟ ؟ ؟ ○

الجواب

۱: مودودی صاحب کے عقائد و نظریات مسلک اہل السنت والجماعت سے بہت ہی مختلف ہیں۔

۲، ۳: اکابر کا اختلاف مودودی صاحب کے ساتھ دین کی وجہ سے ہے، نیز یہ اختلاف اصولی ہے۔ اس بارے میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی تصنیف "حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی" کا مطالعہ کریں بہت مفید رسالہ ہے۔ دفتر خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور سے مل سکتا ہے۔ خود بھی پڑھیں اور زیادہ تعداد میں منگوا کر مفت تقسیم کر کے خدمتِ دین میں حصہ لیں۔

۴: حدیث شریف میں ہے "تفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلهم فی النار الا واحدة قالوا ما هی یا رسول الله قال ما انا علیه واصحابی" (رواہ الترمذی)

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل ہدایت کی شناخت میں فرمایا کہ میرا اور صحابہ کرام رض کا جو طریق کار ہے وہی نجات کا ذریعہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی ہے۔

"من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیه الفتنة اولئك اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم کانوا افضل هذه الامة ابرها قلوبا واعمقها علما واقلها تکلفا اختارهم الله لصحبة نبیه ولاقامة دینه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم علی آثارهم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقهم وسیرهم فانهم کانوا علی الهدی المستقیم" رواہ رزین مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۲۔

اثر مذکور سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ دین کی معرفت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم قرآن پاک کی مراد اور سنت نبویہ کے صحیح طریقے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی اقتداء میں معلوم کریں۔ اگر ہم ان کی اقتداء نہیں کریں گے تو گمراہی کا شکار ہو جائیں گے۔

۵ : حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری کی کتاب " جاء الحق و زہق الباطل " کا مطالعہ فرمائیں۔
۶ : جماعت اسلامی کے ساتھ ان کے مخصوص نظریات و عقائد میں کسی طرح تعاون جائز نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق عفر لہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان

○

جماعت اسلامی کا مکمل رکن بننے کے بعد اپنے فقہی مسلک پر رہنا ناممکن ہے

ایک شخص جو حنفی المذہب درس نظامی کا فارغ اپنے فقہی مسلک پر قائم ہے جماعت اسلامی میں شریک ہو کر اقامت دین کے لئے جماعت اسلامی کے تجویز کردہ نظم کو معمول رکھتا ہے۔ کیا صرف اس بناء پر کہ وہ جماعت کا رکن یا متفق ہے اس کی نماز میں اقتداء ناجائز ہے ؟

۲ : اگر اقتداء ممنوع نہ ہو تو بعض اس جرم میں کوئی شخص اس کی اقتداء کرنا جائز قرار دے کر نماز جمعہ و عیدین علیحدہ قائم کرے تو اس کو تفریق بین المسلمین کہا جائے گا ؟

۳ : مولانا حسین احمد مدنی مد ظلہ کے اعتراضات اور فتوے شائع ہونے کے بعد جب کہ جماعت اسلامی کے پیش کار لوگوں نے اپنے عقائد اور خیالات کو واضح کرتے ہوئے بیانات شائع کئے ہیں ان حالات ان کے بیانات کو نظر انداز کرتے ہوئے مولانا موصوف کا فتوے بدستور درست اور واجب العمل ہوگا یا نہ ؟

الجواب جماعت اسلامی میں شریک یا رکن اور متفق کامل ہو کر رہنے کے بعد اپنے مسلک فقہی پر کار بند ہونا مشکل ہے۔

مولانا مودودی صاحب نے نظر بندی سے رہائی کے بعد سرگودھا وغیرہ مقامات میں جو تقریریں کی ہیں ان میں صاف صاف اعلان کیا ہے کہ جماعت اسلامی ملک میں ایک ایسا مذہب رائج کرنا چاہتی ہے جو کہ قدامت پسندوں اور جدت پسندوں کے درمیان راہ اعتدال ہو۔

قدامت پسندوں میں وہ علماء بتلائے ہیں جو " در مختار اور کتب فقہ " پر عمل کرتے ہیں۔ لہذا یہ بات غلط اور دھوکہ ہے کہ کوئی اپنے مسلک فقہی پر قائم رہ کر جماعت اسلامی کے تجویز کردہ آئین کو اپنا معمول بنا سکتا ہے۔ جماعت اسلامی کا شائع کردہ لٹریچر واضح طور پر بتا رہا ہے کہ تقلید ائمہ گمراہی ہے اور فقہ حنفی کے مسائل

غلط ہیں۔ لہٰذا کچھ علماء یا عوام مسلمان اس مودودی مولوی کو الگ کریں تو تفریق بین المسلمین کے مرتکب مودودی صاحب ہوں گے نہ کہ عوام المسلمین۔

جماعت اسلامی نے اپنے نظریات اور عقائد سے بالکل رجوع نہیں کیا۔ مطلقاً تفریق بین الزوجین وغیرہ مسائل اختلافیہ میں کہاں رجوع کیا ہے۔ لہٰذا حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ صحیح ہیں۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان شہر

جماعت اسلامی کے بارے میں چار سوال

۱: مودودی جماعت کی حیثیت کیا ہے؟
۲: ان سے میل جول رکھنا کیسا ہے؟
۳: ایسے لوگوں کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟
۴: ان کو جماعت اسلامی کہا جا سکتا ہے؟

الجواب مودودی صاحب کے عقائد و نظریات مسلک اہل السنۃ والجماعۃ اور سلف صالحین سے بہت ہی مختلف ہیں۔ بعض عقائد میں معتزلہ اور خوارج کے ہمنوا ہو جاتے ہیں جو حکم اہل ہویٰ و بدع کا ہے وہی ان کا ہے۔

۲: جو لوگ عوام المسلمین سے نادانستہ ان کے ساتھ شامل ہو چکے ہیں اور ابھی تک جماعت اسلامی کی رکنیت کا سرٹیفکیٹ ان کو نہیں ملا، اور ان میں ملاعبانہ اور سلف صالحین پر تنقید کی شان پیدا نہیں ہوئی ان کے ساتھ بقدر ضرورت میل جول جائز ہے تاکہ ان کو مودودیت کی حقیقت سمجھا کر صحیح اسلام پر باقی رکھا جا سکے۔ اور جن کے عقائد و خیالات میں مودودیت رچ چکی ہے ان کے ساتھ عامۃ المسلمین کو اختلاط سخت مضر ہے۔ عوام کو ایسے لوگوں سے باز رکھا جائے۔

۳: وہ ائمہ جو مودودیت کے داعی ہیں اور بزرگان سلف صالحین اور اکابر علماء پر تنقید کرتے ہیں ساتھ ساتھ مودودیت کی تبلیغ بھی کرتے ہیں ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور جو اس قسم کے نہ ہوں ان کے پیچھے نماز جائز ہے۔

۴: اگر اسلام سے مراد وہ اسلام لیا جائے جسے جمہور امت نے پیش کیا ہے تو اثبات میں جواب مشکل ہے۔

فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۔ ۶/۱۱/۱۳۹۶ھ

عصر حاضر کی تحریکات میں شرکت کیلئے ایک اصول

ایک آدمی مسجد نور کی تحریک میں حصہ لیتا ہے اور قبل از فیصلہ ضمانت پر رہا ہو کر آجاتا ہے کیا اس کا یہ فعل ماں بہن کے ساتھ زنا کے مترادف ہے؟

۲: اگر کوئی آدمی غصہ میں اکابر جمعیۃ کو گالیاں دیتا ہے تو کیا اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جا سکتا ہے؟

۳: کیا مسجد نور کی تحریک میں حصہ لینے والے اور قبل از فیصلہ ضمانت کرانے والے جہاد کے منکر ہیں؟

۴: کیا اس تحریک سے از خود ضمانت کرا لینا اسلام کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کے مترادف ہے؟

۵: کیا اس دور میں صرف دیوبندیت اسلام کا نام ہے؟ — سید عبد الواحد بخاری گوجرانوالہ

الجواب: ۱، ۲، ۳: مسجد نور کی تحریک کے سلسلہ میں ہمیں تحقیقی و تفصیلی علم نہیں ہے لہٰذا تحقیق و تفصیل کے ساتھ جواب دینے سے معذور ہیں۔ بطور ضابطہ اور قاعدہ کلیہ کے ایک اصول یاد رکھیں کہ جب بھی کوئی فرد یا جماعت مخلصانہ طور پر دین کے لئے کوئی تحریک برپا کرے تو تمام مسلمانوں کا دینی و ملی فریضہ ہے کہ اس کے ساتھ تعاون کریں۔ لقولہ تعالیٰ وتعاونوا علی البر والتقوی الآیۃ

کسی تحریک میں شرکت کے بعد پاؤں پیچھے ہٹا لینا تحریک کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے اس سے دوسروں کے حوصلے بھی پست ہوتے ہیں اور تحریک جتنی اہم ہوگی اس میں شرکت کے بعد پیچھے ہٹنا اتنا ہی زیادہ جرم ہے۔

۴: گالی دینا کسی بھی مسلمان کو جائز نہیں۔ مگر اس سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا۔ لقولہ علیہ السلام سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔

۵: تجربہ و تحقیق شاہد ہے کہ اہل دیوبند نے جو کچھ کیا وہ خلوص پر مبنی تھا اور ہمیشہ صحیح اسلام کی ترجمانی کی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۔ ۲۵ / ۱۱ / ۱۳۹۶ھ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بریلویوں سے مراسم رکھنے کا حکم

ہمارے کچھ رشتہ دار بریلوی ہو گئے ہیں کبھی خیال آتا ہے کہ دینی غیرت و حمیت کا تقاضا ہے کہ ان کے ساتھ بالکل تعلقات نہ رکھے جائیں۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ صلہ رحمی ضرور کی جائے۔ جو صحیح حکم ہو اس سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب: بریلوی رشتہ داروں کے ساتھ میل جول اور آمد و رفت میں عقائد خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو تعلقات رکھنے جائز ہیں بلکہ کسی حد تک ضروری ہیں۔ اگر اس صلہ رحمی سے ان کے راہ راست پر آنے کی توقع ہو تو اسے ہرگز ترک نہ کیا جائے۔ وعن اسماء بنت ابی بکر قال قدمت

علی امی وھی مشرکۃ فی عہد قریش فقلت یا رسول اللہ ان امی قدمت علی وھی راغبۃ أفأصلھا قال نعم صِلیھا اھ متفق علیہ (مشکوٰۃ ص۴۲۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲ر۲ر۱۴۰۰ھ

ایک دینی جماعت کے بارے میں بے ادبی کے کلمات

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حقارت کی بناء پر کہتا ہے کہ اشاعت التوحید والسنۃ کو اپنے خصیتین پر لکھنا نہیں چاہتا۔ ایسے شخص کے بارے میں شریعت محمدی کا کیا فیصلہ ہے؟

الجواب: شخص مذکور نے سخت بے ادبی کا کلمہ کہا ہے واجب التادیب ہے۔ نیز توبہ و استغفار کثرت سے اس پر لازم ہے۔ اور مفصل حکم قائل کی نیت جاننے کے بعد معلوم کیا جا سکتا ہے۔

فقط واللہ اعلم: محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: محمد صدیق غفرلہ مدرس مدرسہ خیر المدارس ملتان۔ ۳۰ر۴ر۱۳۹۹ھ

وجوب تقلید ائمہ و تقلید کے بارے میں بحث

محترم جناب مولانا مفتی صاحب بندہ کے ذہن میں یہ خلش ہمیشہ رہی کہ بہت سے علماء حنفی مقلدین دوست حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کو فرض جانتے ہیں۔ اور علماء اہل حدیث حضرت الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سمیت ائمہ کی تقلید کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اتنا بڑا فرق کیوں ہے۔ اسی خلش و تذبذب کو دور کرنے کی خاطر بندہ نے آپ کی خدمت میں رجوع کیا تھا۔ جیسا کہ آپ نے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کے جواب لکھنے پر بہت سے دلائل مل سکتے ہیں۔ اسی لئے بندہ آپ کی خدمت میں مختصر طور پر وہی سوال دہرا رہا ہے۔

۱۔ شرعی طور پر تقلید شخصی کا مفہوم سمجھائیں اس کا کیا مقام ہے؟

محترم مولانا مفتی صاحب بندہ کو سمجھانے کے لئے قرآن پاک سے کوئی ایک آیت کریمہ یا احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایک حدیث بطور دلیل پیش کر کے سمجھائیں تو بندہ اس پر غور و فکر کر کے سمجھنے کی مزید کوشش کرے گا۔ انشاء اللہ.....

الجواب: کسی جاہل شخص کو ایک صورت درپیش ہے لیکن اس کا حکم معلوم نہیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ لازمی طور پر اسے کسی عالم کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس سے حکم معلوم کیا جا سکے یہ رجوع کرنے

سے پہلے یہ شخص ضرور یہ سوچے گا کہ میں ایسے عالم سے مسئلہ دریافت کروں جو شریعت کے علم میں کامل ہو۔ اور حق جل شانہ سے ڈرنے والا یعنی متقی و پرہیزگار ہو۔ کیونکہ اگر عالم علم میں کامل نہیں تو جاہل سے کب جواب بن سکے گا۔ اور اگر متقی و پرہیزگار نہیں تو کسی وجہ سے غلط بیانی کا احتمال ہے۔ جب کامل علم رکھنے والا، متقی و پرہیزگار عالم مل جائے تو اس سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرنے کو تقلید کہتے ہیں۔ اگر ایک عالم پر کسی کا اعتقاد پختہ ہو گیا ہے اور اس سے مسئلہ دریافت کرتا ہے تو تقلید شخصی ہے۔ اور متعدد سے پوچھتا ہے تو تقلید غیر شخصی ہے۔ اور ناواقف کا عالم سے دریافت کا حکم قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔

قال اللہ تعالیٰ " فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون "

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ وفی الآیۃ دلالۃ علی وجوب المراجعۃ الی العلماء فیما لا یعلم اھ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"انما شفاء العی السوال" یہ حقیقت بھی ذہن میں رہے کہ سائل معلوم یہی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس صورت کا کیا حکم ہے۔ عالم کی مرضی دریافت نہیں کرتا۔

پس دلائل بالا سے تقلید کی ضرورت عوام کے لئے ثابت ہو گئی۔ اگر کوئی کہے کہ عالم سے دلائل مسئلہ بھی پوچھ لے تاکہ تقلید سے نکل جائے۔ تو جواب یہ ہے کہ اولاً سوال دلیل کی فرضیت کو قرآن و حدیث سے ثابت کیا جائے کہ جاہل کا عالم سے بغیر دلیل طلب کئے مسئلہ پوچھنا حرام ہے۔ اور ثانیاً یہ ہے کہ اگر جاہل دلیل پوچھے بھی، تو بھی اسے عالم کے قول پر اعتماد کئے بغیر چارہ نہیں۔ دلیل کے دلیل بننے تک جاہل کو چھ امور میں عالم کی تقلید کرنا پڑے گی۔

۱ : یہ آیت یا حدیث واقعی آیت یا حدیث ہے۔ خود جاہل یہ بھی نہیں جان سکتا۔

۲ : اس کے ترجمے اور مطلب میں بھی تقلید کرنا ہو گی۔ اپنے جہل سے عامی شخص صحیح و غلط ترجمے میں بھی تمیز نہیں کر سکتا۔

۳ : یہ حدیث یا آیت منسوخ نہیں۔

۴ : یہ دوسری دلیل سے معارض نہیں۔

۵ : یہ حدیث صحیح ہے، ضعیف یا موضوع نہیں۔

۶ : قرآن و حدیث کے پورے ذخیرے میں اس سے راجح یا قوی کوئی دلیل موجود نہیں وغیرہ ذالک۔

ایک مسئلہ میں تقلید سے بھاگے تو چھ مقامات پر تقلید کرنا پڑ گئی۔ فر من المطر وقام تحت المیزاب کی مثل اس پر صادق ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ جو لوگ عوام کو تقلید سے منع کرتے ہیں

وہ ائمہ کی تقلید ترک کرا کر اپنی تقلید کراتے ہیں۔ عامی کو تقلید سے چارہ نہیں خواہ ائمہ کی کرے یا آج کل کے ناقص العلم لا مذہبی مولویوں کی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۳/۳/۱۳۹۱ھ

اس دور میں تقلید ضروری ہے

تقلید اور عدم تقلید کی بحث ایک عرصہ سے چل رہی ہے۔ آپ براہ مہربانی ادلۂ شرعیہ سے ثابت فرمائیں کہ تقلید کیوں ضروری ہے۔

الجواب جو شخص مرتبۂ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو اس پر کسی عالم و مجتہد کی تقلید کرنا ضروری ہے۔ لقولہ تعالیٰ فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون الآیۃ

اور احادیث بھی اس بارہ میں بکثرت وارد ہیں اور اس کا نام تقلید مطلق ہے۔ ایک معین امام کی تقلید کی جائے اور تمام مسائل میں اسی سے رجوع کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس وقت جو مل جائے اس سے پوچھ کر عمل کر لیا جائے۔ چونکہ اس دور میں ہوائے نفسانیہ کا غلبہ ہے اس لئے جمہور علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ تقلید کی پہلی صورت کو اختیار کیا جائے۔ ع یک در گیر و محکم گیر۔ فقط واللہ اعلم۔

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۴/۹/۹۲ھ

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

غیر مقلدین سے اختلاط کا حکم

ایسا غیر مقلد جو فقہ حنفی کو گڑبڑ کا مجموعہ بتلاتے اور ائمہ اربعہ کے متعلق یہ کہے کہ ممکن ہے وہ احادیث جو آج ہم کو پہنچی ہیں ائمہ اربعہ کو نہ پہنچی ہوں۔ اور اپنی رائے کو ائمہ اربعہ سے صائب سمجھے۔ اپنی تقریروں میں لوگوں کو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں احادیث بیان کر کے یہ کہے کہ دیکھو امام اعظم نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فیصلہ کیا ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا اور تعلیم و تعلم کا باقی رکھنا اور اس کی تقریروں میں عوام کا جانا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

عبد الحمید لدھیانوی خادم مدرسہ تعلیم القرآن ام المدارس لائل پور

الجواب ایسا غیر مقلد جو مختلف فیہ مسائل میں مذہب حنفیہ کی رعایت کرتا ہو مثلاً وہ مسائل جن میں حنفیہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے یا پانی کی طہارت و نجاست میں ائمہ مذاہب کی رعایت کرتا ہو تو ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے ورنہ نہیں۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ غیر مقلدوں کی صحبت انسان کے اندر گستاخی اور لاپرواہی، سلف صالحین پر نکتہ چینی کا مزاج پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے ان کی صحبت اور ان کے ہاں سننے جانے سے عوام کو احتراز اولیٰ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ، خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان ۔ ۲۴ محرم ۱۳۹۰ھ

اختلافِ ائمہ کی شرعی حیثیت

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں:

(۱) ائمہ کرام کے پاس قرآن وسنت موجود رہتے ہوئے مسائل کے اندر اختلاف کیوں ہوا ہے؟

(۲) غیر مقلد کب سے پیدا ہوئے، ان کی بنیاد کس نے رکھی اور عرب میں ان کی اکثریت کیوں ہے؟

سائل: شاکر، مدرسہ عربیہ جامعہ رشیدیہ
تحصیل کوٹ ادو، ضلع مظفر گڑھ۔

الجواب (۱) جب دلائل میں یعنی قرآن وحدیث میں اختلاف موجود ہے تو مسائل میں اختلاف لازمی ہے، الا یہ کہ ایک امام کا اتباع کر لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین میں اختلاف کبھی تو ادلہ میں اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسا کہ استقبال واستدبار قبلہ عند قضاء حاجت میں احادیث میں اختلاف ہے۔ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے: اذا جلستم لحاجتکم فلا تستقبلوا القبلۃ بغائط ولا بول ولکن شرقوا او غربوا (الحدیث)۔

حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے: فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی لبنتین مستقبل بیت المقدس لحاجتہ (رواہ الجماعۃ) اس سے استدبار کعبہ اور استقبال بیت المقدس کی ممانعت ثابت ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستقبل القبلتین ببول او غائط (رواہ ابوداؤد)۔ اور بعض احادیث میں صرف استقبال قبلہ کی ممانعت ہے، استدبار کی نہیں۔ کما فی حدیث ابی ایوب مرفوعاً عند ابی داؤد وغیرہ۔ اور حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہی استقبال کا منسوخ ہونا معلوم ہوتا ہے، بلفظ: نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستقبل القبلۃ ببول فرأیتہ قبل ان یقبض بعام یستقبلھا (رواہ الترمذی)۔ یہ صرف ابوداؤد شریف کے ایک باب کی احادیث کا بیان تھا۔ اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ تقریباً ہر باب میں فی الجملہ اختلاف موجود ہے۔ اور حضرات ائمہ قرآن وحدیث اور قواعد واصول کی روشنی میں ان احادیث میں تفسیر وتطبیق یا ترجیح ونسخ کا قول کرتے ہیں۔

مسئلہ بالا میں بعض ائمہ نے حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل کیا کہ استقبال واستدبار قبلہ خواہ صحراء میں ہو یا آبادی میں، مطلقاً ممنوع ہے۔ اور بعض احادیث کے جوابات دیتے ہیں اور بعض

نے جنبان وصحرا میں فرق کیا۔ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تخصیص و تقیید کو مستحب جانا۔ اور دیگر بعض ائمہ نے استدبار کو جائز رکھا۔ لحدیث ابن عمر و لحدیث ابی ایوب۔

اور بعض حضرات نے حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل کیا اور باقی تمام احادیث واردہ فی الباب کو منسوخ قرار دیا۔ اسی طرح تمام ابواب احادیث میں سمجھئے۔

ایک اور سنئے! مکہ مکرمہ میں تین ائمہ (ابو حنیفہؒ، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ) وغیرہم بھی تشریف لے گئے۔ ایک سائل نے ایک امام سے پوچھا کہ بیع میں شرط جائز ہے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ نا جائز ہے شرط بھی اور بیع بھی۔ دوسرے سے پوچھا۔ اس نے کہا کہ بیع صحیح اور شرط باطل ہے۔ تیسرے سے پوچھا اس نے کہا کہ بیع جائز اور شرط بھی جائز۔ اس پر سائل نے سارا قصہ اختلاف سنایا کہ آپ یوں کہتے ہیں اور فلاں یوں کہتا ہے۔

ایک امام صاحب نے کہا کہ ان کا مجھے علم نہیں۔ میری دلیل حدیث جابر رضی اللہ عنہ ہے۔ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں اونٹ خریدا اور مدینہ تک سواری کی شرط منظور فرمائی۔

دوسرے امام نے فرمایا کہ میری دلیل حدیث بریرہ ہے کہ ان کی خریداری میں شرط ولاء کو باطل اور بیع کو صحیح قرار دیا گیا تھا۔

اور امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ میری دلیل یہ حدیث ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع و شرط۔

یہ تو ائمہ حدیث و فقہ کا احسان عظیم ہے کہ ہر باب کی مختلف احادیث میں ایک واضح فیصلہ فرما گئے اور امت کو گمراہی سے بچا لیا۔ یہ دوسری قوم ان اختلاف کو دیکھ کر اپنا ایمان کھو بیٹھا ہے۔ بہرحال کبھی اختلاف مسائل اختلاف دلائل سے ناشی ہوتا ہے اور کبھی ایک دلیل مختلف معانی کی محتمل ہوتی ہے۔ مجتہد اپنے نور بصیرت سے دیگر نصوص و دلائل کی روشنی میں اس کے ایک معنی کو ترجیح دیتا ہے۔ اور دوسرا دوسرے معنی کو۔ اور کبھی نص کا معنی ظاہر ہوتا ہے لیکن کسی دوسری دلیل (قرآن و حدیث وغیرہ) سے اس کا منسوخ ہونا ہے۔ (یا کنایہ کے لئے حقیقی) ظاہری معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی لیا جاتا ہے۔ اور بعض اس نص کو منسوخ سمجھتے ہیں۔

لہ محلی ابن حزم میں ہے۔ حدثنا عبد الوارث هو ابن سعيد قدمت مكة فوجدت بها ابا حنيفة و ابن ابى ليلى و ابن شبرمة. فكذا نقل من هو عن معجم الطبرانی۔ ج ۸ ص ۴۱۵ - وكذا فی الكفاية لابن الوليد۔

محمد انور عفا اللہ عنہ دار الافتاء خیر المدارس ملتان ۔ ۲۶/۱۱/۱۴۰۰ھ

ایسا اختلاف فہم حدیث اور استنباط مسئلہ کے بارے میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اندر بھی موجود تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کی طرف لشکر روانہ کیا اور فرمایا۔ لا یصلین احدکم العصر الا فی بنی قریظۃ۔ جب عصر کا وقت بہت تھوڑا رہ گیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں اختلاف ہوا کہ بعض نے ظاہری معنی پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ راستہ میں نماز عصر نہیں پڑھیں گے گو قضا ہو جائے اور بعض نے کہا کہ فرمان نبوی سے تعجیل مقصود ہے کہ جلد پہنچو۔ قضاء کی اجازت دینا نہیں۔ کیونکہ یہ قرآن کریم کے خلاف ہے۔ ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا۔ پس انہوں نے نماز عصر راستہ میں پڑھ لی۔ جب بارگاہ رسالت میں معاملہ پیش ہوا تو آپؐ نے فریقین کی تصویب فرمائی۔ اسی طرح کئی مسائل میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اختلاف موجود تھا بلکہ اکابر صحابہ خلفاء راشدین تک یہ اختلاف مسائل موجود رہا۔ حالانکہ وہ شاہدان نزول وحی تھے۔ بصحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و برکات سے فیض یافتہ تھے۔ جب ان کا اختلاف مسائل گمراہی نہیں لقولہ علیہ السلام اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم تو حضرات ائمہ مجتہدین جو بالکل ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں ان کا اختلاف کیونکر باعث اختلاف ہو سکتا ہے؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس قرآن و حدیث نہ تھا؟ کیا ان کو قرآن و حدیث کا علم نہ تھا (العیاذ باللہ) کیا وہ دین کے بارے میں مخلص نہ تھے؟

اختلاف دلائل وغیرہ اسباب اختلاف کی موجودگی میں تقلیل اختلاف کا ایک ہی راستہ ہے کہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کا اتباع کر لیا جائے۔ کہ قرآن و حدیث سے سمجھ کر جو وہ مسئلہ بتائیں اس پر عمل کر لیا جائے۔ ایسا نہ کرنا اختلاف در اختلاف پیدا کرے گا۔

غیر مقلدین کے جتنے عالم "مجتہد" بنتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کا دوسرے کے ساتھ شدید اختلاف ہے۔ مثلاً بعض نے چار نکاح کو جائز رکھا اور بعض نے نو تک۔ اور بعض نے اٹھارہ تک۔

بعض نے کہا کہ پانی کے قریب پیشاب کرنا منع ہے کہ پانی ناپاک ہوگا۔ اور بعض نے کہا کہ برتن میں پیشاب کر کے اگر پانی میں ڈال دیا تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔

قرآن و حدیث کی موجودگی میں غیر مقلدین کے اندر شدید اختلاف موجود ہے جن میں سے اکثر جہل سے ناشی ہیں۔ جب بقول ان کے یہ معذور نہیں۔ تو حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ائمہ مجتہدین کے علمی اختلاف کیونکر قابل اعتراض ہو سکتے ہیں؟ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

اہل کتاب کا حکم اخروی

۱۔ اہل کتاب کی تعریف کیا ہے۔ ۲۔ اہل کتاب کافر ہیں یا نہیں۔ ۳۔ کیا یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے؟ ۴۔ اعراف میں کون لوگ ہوں گے؟۔

عبدالحمید آزاد مصری شاہ لاہور

الجواب

۱۔ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی ایسی کتاب کے ماننے والے اور اس کی اتباع کے دعویدار ہوں جس کا آسمانی ہونا اور وحی الٰہی ہونا نصوص قرآنی وسنت سے ثابت ہو۔

۲۔ اللہ رب العزت نے بندوں کی ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔ كل آمن بالله وملائكته وكتبه ورسله (البقرة) ان الذين يكفرون بالله ورسله ويقولون نؤمن ببعض ونكفر ببعض۔ ان آیات سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے۔

۲۔ جو لوگ بعض پر ایمان لاویں اور بعض پر نہ لاویں وہ کافر ہیں۔

۳۔ اور کافر کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم ہے۔

پس عیسائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے۔ اور یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کافر ہیں۔ اور دوسرے مقام پر بالتخصیص بنی اسرائیل یہود ونصاریٰ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا یا بني اسرائيل اذكروا نعمتي التي انعمت عليكم تو معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل ایمان بالقرآن کے مامور ہیں اور ایمان نہ لانے کی صورت میں کافر ہیں۔ اور کافر کی سزا جہنم ہے۔ ومن يكفر به من الاحزاب فالنار موعده

قرآن کریم اور کتب سابقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی تھی۔ جیسا کہ سورۃ صف میں ہے ومبشرا برسول يأتي من بعدي اسمه احمد۔ لہٰذا آپ پر ایمان لانا تورات وانجیل کی تعلیم کے مطابق بھی ضروری ہے۔

۳۔ اگر ایمان نہ لاویں تو کافر ہیں اور ان کی سزا جہنم ہے اور یہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

۴۔ اعراف میں وہ لوگ ہوں گے جن کی حسنات وسیئات میزان میں برابر ہوں گی۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۴/۲/۱۳۹۹ھ

ما يتعلق
بالتاريخ

سب سے پہلے کیا چیز پیدا کی گئی

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ سب سے پہلے اللہ پاک نے کونسی چیز پیدا کی تھی؟ جب کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے حضور علیہ السلام کے نور کو پیدا کیا تھا کیا یہ واقعی درست ہے؟ کہ اللہ پاک نے تمام مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل نبی علیہ السلام کے نور کو پیدا فرمایا۔ جواب قرآن و حدیث سے عنایت فرمائیں بینوا توجروا۔

الجواب ملا علی قاری رحمہ مرقات ج ۱ ص ۱۴۱ میں فرماتے ہیں کہ ان امور میں اولیت اضافی ہے یعنی انوار میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا گیا۔

فیؤول ان کل واحد مما ذکر خلق قبل ما ھو من جنسہ فالقلم قبل جنس القلام و نورہ قبل الانوار اھ

علامہ موصوف رحمہ کی ایک عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نور میں اولیت حقیقی ہے یعنی مخلوقات میں سب سے پہلے آنحضرت علیہ السلام کے نور کو پیدا کیا گیا۔ والاول الحقیقی ھو النور المحمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام (مرقات ج ۱ ص ۲۴۹) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۱/۲/۱۴۰۴ھ

حضرت آدم علیہ السلام کہاں مدفون ہیں

حضرت آدم علیہ السلام کا مزار مبارک کس جگہ واقع ہے؟

الجواب ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ ص ۱۰۸ ج اول میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کے بارے میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں غار ابی قبیس میں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد آزر تھا یا تارخ

امام صاحب جمعہ کے خطبے میں کہہ رہے تھے کہ اگر ہم آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ مان لیں تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرق آتا ہے۔ آپ کے باپ کا نام تارخ تھا۔ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ حالانکہ حضرت تھانوی اور شاہ رفیع الدین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ترجمہ میں بھی باپ کا لفظ ذکر ہے۔ آپ تعیین فرمائیں کہ آزر باپ تھا یا چچا؟

○

الجواب — قرآن مجید سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام یا لقب آذر تھا۔ قال اللہ تعالیٰ واذ قال ابراھیم لابیہ آزر اھ قال السیوطی فی تفسیرہ ھو لقبہ واسمہ تارخ ۔ یا اس کے برعکس کما ان التاریخ الکبیر للبخاری امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ آذر اور تارخ ایک ہی شخصیت کے نام اور لقب ہیں۔ اور اس سے شانِ نبوی میں فرق آنا غلط ہے۔ علامہ صاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ولا یضر کفر اصول الانبیاء فان اللہ یخرج الحی من المیت او یقال ان آذر لم یتحقق کفرہ الا بعد بعثۃ ابراھیم وحینئذ فقد انتقل منہ النور المحمدی الی ولدہ وھو فی حالۃ الفترۃ اھ

بہرحال مولوی صاحب کا اصرار بھی درست نہیں اور آپ بھی تشدد نہ کریں کیونکہ دوسرا قول بعض مفسرین نے چچا ہونے کا بھی نقل کیا ہے۔ وقیل ھو عمہ واسم ابیہ تارخ اھ (صاوی)۔

فقط واللہ اعلم ۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۲۲/۴/۱۴۰۱ھ

آذر کے مسخ کئے جانے پر ایک سوال کا جواب

مکرم و معظم جناب مولانا مولوی خیر محمد صاحب

السلام علیکم ۔ بعد دعاء فلاح دارین معروض ہوں کہ قرآن شریف میں پارہ ۱۱ ۔ یعتذرون ، سورۃ توبہ ۱۴ر۱۵ر۳ ۔ یعنی عکسی قرآن مجید مترجم و محشیٰ از حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ و حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ، مطبوعہ مدینہ پریس بجنور (یو۔پی ۔ انڈیا) میں صفحہ ۲۶۵ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بطور وعدہ اپنے باپ کے لئے بخشش مانگنا تحریر ہے۔ جب اللہ پاک نے مشرک کے لئے دعا مانگنے سے منع کیا تو آپ نے تعمیل کرلی تفسیر میں ۲۶۶ ۔ حاشیہ نمبر ۴ ۔ پر تحریر ہے ۔ کہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے بجو بنا دیا جائے گا درندہ کی شکل میں جہنم میں داخل کیا جائے گا ۔ تفسیر میں لفظ حدیث کا آتا ہے کہ حدیث میں درج ہے امید ہے کہ آپ اس قرآن شریف کی عبارت عربی و تفسیر اردو کا مطالعہ فرماتے ہوئے اصل مطلب کو سمجھ لیں گے۔ تعجب طلب بات یہ ہے کہ آذر کا قرآن پاک میں مشرک ہونا صاف ظاہر ہے۔ اور ابتداء سے لیکر قیامت تک مشرک کے نام سے رسواء ہوتا رہے گا۔ اللہ پاک کا صورت مسخ کرکے ، پھر جہنم میں داخل کرنے میں کیا راز پنہاں ہے۔ قرآن میں انسان اور جن کا داخلہ جہنم میں لکھا ہے۔ درندہ ، پرندہ وغیرہ کا کہیں مطالعہ میں نہیں گزرا۔ پھر قرآن میں یہ بھی تحریر ہے کہ جب کوئی جنتی کسی دوزخی کو دیکھنا چاہے گا تو اللہ پاک دکھلا دیگا

جب اصل صورت ہی نہ ہوگی تو شناخت کیسے ہوگی۔ تفسیر لکھنے والے حضرات بھی بڑے پایہ کے مشہور بزرگ ہیں۔

الغرض ایک فریق یہ کہتا ہے کہ شاید یہ اہل کتاب سے ماخوذ کیا ہو اور بزرگان دین سے غور و خوض سے رہ گیا ہو۔ اور یہ قرآن پاک کی نص کے خلاف ہے۔

دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ جو حاشیہ نمبر ۲ پر آیت کی تفسیر میں تحریر ہے درست ہے لہٰذا عرض ہے کہ آپ خود چھان بین کے تحقیق فرما کر مفصل معاملہ پر روشنی ڈالیں اور مطلع فرمائیں۔ فقط۔

الجواب فریق ثانی حق پر ہے اور فریق اول غلطی پر ہے۔ فریق اول کے شبہات کا جواب یہ ہے۔

۱۔ صورت کے مسخ کرنے کی حکمت تفسیر میں خود موجود ہے تاکہ ان کی شناخت نہ ہو سکے اور کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ دیکھو وہ ابراہیم علیہ السلام کا والد ہے اور دوزخ میں جل رہا ہے۔ اگرچہ اس طرح جلنے میں قصور والد ابراہیم کا اپنا ہے کہ وہ کفر کی سزا میں جل رہا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت ایسی ہے جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رسوائی اور ندامت محسوس ہوگی۔ اس بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں درخواست فرمائیں گے اور انکی درخواست کو شرف قبولیت بخشا جائے گا اور والد ابراہیم کی شکل کو مسخ کرکے دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ جس کی وجہ سے والد ابراہیم اپنے کفر و شرک کی وجہ سے کیفر کردار کو پہنچ جائیں گے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسوائی بھی نہ ہوگی۔

۲۔ حدیث واضح ہے اس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں۔ معترض کا یہ شبہ کہ اگر دوزخ میں جن و انس داخل ہوں گے لیکن ان کی شکل کو تبدیل کر دیا جائے گا۔ اس تبدیلی شکل سے یہ کیسے سمجھا گیا کہ عام درندے یا پرندے دوزخ میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ تو ایسا ہے کہ جیسا بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو بندر بنا دیا گیا یعنی ان کو بندر کی شکل میں مسخ کر دیا گیا۔ تو کیا وہ حقیقۃً بندر ہو گئے تھے۔ اگر وہ حقیقۃً بندر ہو گئے تھے تو ان کو عذاب کیا ہوا؟ کیا دنیا بھر کے بندر عذاب کو محسوس کرتے ہیں؟ عذاب اس صورت میں ہے کہ انسانی حواس اور شعور کے ہوتے ہوئے شکل تبدیل ہو جائے۔ اور مسخ ہونے والا محسوس کرے کہ میں انسان تھا اب میں ذلیل بندر ہو گیا ہوں۔ اسی طرح والد ابراہیم کی صورت ہوگی کہ وہ انسانی حواس اور شعور کو رکھتے ہوئے کفتار کی شکل میں تبدیل ہو جائے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ حقیقتاً کفتار بن کر انسانی حواس اور شعور سے بھی خالی ہو جائیں گے۔

بہرحال یہ صرف شکل کی تبدیلی ہے نہ کہ پوری ماہیت انسانی کی۔ جیسا کہ دودھ گلاس کے اندر رکھا ہو تو اس کی شکل مکعب ہوتی ہے اور پیالہ میں رکھو تو پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ لیکن دودھ رہتا دودھ ہی ہے یہ نہیں کہ شربت بن جائے۔ افسوس ہے لوگ کم علمی اور ناواقفیت کی بنا پر احادیث نبویہ کا علی الاعلان انکار شروع

کر دیتے ہیں ۔

فریق اول کا دوسرا اعتراض کہ جب کوئی جنتی کسی دوزخی کو دیکھنا چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخی کی شکل دکھا دیں گے۔ حدیث اس کے مخالف بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ قرآن میں یہ کہیں نہیں ہے کہ ہر جنتی ہر دوزخی کو دیکھنے کا مطالبہ کرے گا۔ جنتی اپنے اس آرام و راحت میں جو ان کو جنت میں حاصل ہوگا مست اور خوش ہوں گے کبھی بھولے بھٹکے کا ہی چاہے گا کہ ہم اپنے ان کافر رشتہ داروں کو دیکھیں جو دنیا میں ہمارے ساتھ رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ دکھا دیں گے۔

اس میں یہ کہاں موجود ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے والد ہی کو دیکھنے کا مطالبہ کریں گے۔ کیا دوزخ میں ابراہیم علیہ السلام کے والد کے سوا اور دوزخی کچھ کم ہوں گے؟ اور اگر بالفرض وہ والد ابراہیم ہی کو دیکھنے کا مطالبہ کریں تو کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے یہ محال ہے کہ وہ ان کو بعینہٖ حضرات کو اصل صورت میں دکھا دیں۔ ایسے فضول شبہات کی بھی کوئی حقیقت ہے کہ ہم ان کی وجہ سے حدیث نبوی کی تکذیب کر دیں؟ آج کل بہت سے تعلیم یافتہ احادیث کے متعلق شبہات میں مبتلا ہیں یہ بے سر و پا شبہات ہیں جیسا کہ ہم نے وضاحت کر دی ہے۔ حدیث پر کوئی شبہ یا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان ۔ ۱۳ ۔ ۲ ۔ ۱۴۰۳ھ

مقتول انبیاء بنی اسرائیل کی تعداد وغیرہ

س ۱: بنی اسرائیل میں کم و بیش کتنے نبی ہوئے ہیں؟

۲: بنی اسرائیل نے کتنے انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا؟

۳: کیا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کوئی بھی شہید نہیں ہوا؟

۴: کیا حضرت ایوب علیہ السلام کے بدن میں کیڑے نہیں پیدا ہو گئے تھے؟

۵: کیا زکریا علیہ السلام کی شہادت کا قصہ غلط ہے؟

۶: کیا وقتلہم الانبیاء بغیر حق میں قتل کا معنی مارنے کا ارادہ ہے یا قتل کر دینا؟

الجواب

۱: بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی تعداد سینکڑوں سے بھی زیادہ ہے۔

۲ و ۳: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے کم از کم تین سو انبیاء علیہم السلام کا یہودیوں یعنی بنی اسرائیل وغیرہ کے ہاتھوں مقتول ہونا معلوم ہوتا ہے۔ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قتلت بنو اسرائیل ثلاث مائۃ نبی (ابن کثیر ج ۱ ص ۱۵۵)۔

۴: حضرت ایوب علیہ السلام سخت بیماری و تکلیف میں مبتلا ہو گئے تھے اور بدن میں کیڑے پڑنا بھی

منقول ہے۔ اس اجمال کا اجمالی تذکرہ قرآن مجید سورۃ ص میں موجود ہے۔

۵: حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کیا گیا تھا۔ یہ قصہ غلط نہیں بلکہ درست ہے۔

۶: ویقتلون الانبیاء بغیر حق سے مراد محض ارادہ قتل نہیں بلکہ حقیقۃً قتل کرنا ہے۔ تاویل کی حاجت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم ادارہ ہذا ۲۴ / ۸ / ۱۳۹۹ھ

زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوا یا نہیں

س: ۱: بی بی زلیخا مرتے وقت مسلمہ تھیں یا کافرہ؟ ۲: بی بی زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوا ہے یا نہیں؟ کسی مستند روایت میں ان کا کفر پر انتقال مذکور ہے یا نہیں۔

الجواب: ۱: کسی مستند روایت میں ان کا کفر پر انتقال مذکور نہیں ہے۔

۲: تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۴۰ ، در منثور ، بیان القرآن پ ۱۳ ص ۸۵۔ امداد الفتاوی ج ۴ ص ۱۱ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح ہوا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸ / ۱ / ۱۴۰۲ھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اولاد کرام کی تفصیل

س: ۱: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم پاک کتنے تھے؟ اور نام کیا کیا تھے؟

۲: آپ کے لڑکے اور لڑکیاں کتنی تھیں اور نام کیا کیا تھے؟

۳: کن کن حرم پاک سے تھے۔ کیا چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے یا کہ شادیاں بھی ہوئیں تھیں؟

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں گیارہ عورتیں آئی تھیں۔ جن میں سے دو حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت زینب بنت خزیمہ آپ کے روبرو انتقال کر گئیں۔ اور ان کے نام یہ تھے۔

۱: حضرت خدیجۃ الکبریٰ ۔ ۲: حضرت زینب بنت خزیمہ ۔ ۳: حضرت عائشہ صدیقہ

۴: حضرت حفصہ بنت عمر ۔ ۵: حضرت ام سلمہ ۔ ۶: حضرت زینب بنت جحش

۷: حضرت ام حبیبہ ۔ ۸: حضرت جویریہ ۔ ۹: حضرت میمونہ

۱۰: حضرت صفیہ ۔ ۱۱: حضرت سودہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

۲: آپؐ کی مونث اولاد چار لڑکیاں تھیں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، حضرت فاطمۃ الزہراء رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین۔ اور تین یا چار یا پانچ لڑکے تھے۔ حضرت قاسم حضرت عبداللہ، حضرت طیب، حضرت طاہر۔ اور حضرت ابراہیم۔

۳: چار اولاد حضرت خدیجہؓ سے تھے اور حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہؓ سے تھے جو آپ کی لونڈی تھیں۔ اور جو حضرات کہتے ہیں کہ آپ کے چار لڑکے تھے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کا دوسرا نام طیب تھا۔ یہ الگ لڑکا نہیں تھا۔ اور جو لوگ تین کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ہی کا تیسرا نام طاہر تھا۔ یہ تمام صاحبزادگان بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ تمام صاحبزادیاں جوان ہوئیں اور ان کی شادیاں بھی ہوئیں۔ حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت ابو العاص بن الربیع سے ہوا۔ حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کا عقد یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ سے ہوا۔ اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔ فقط والسلام۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ ۱۰/۳/۱۳۷۷ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

آنحضرت علیہ السلام کی ازواج مطہراتؓ، سن نکاح، کل عمر، مدت مصاحبت وغیرہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کتنی تھیں اور ان کا سن نکاح کیا تھا، اور عمر بوقت نکاح کتنی تھی؟ اور کتنا عرصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت میں رہیں اور ان کی وفات کب ہوئی؟ اور کل عمر کتنی ہوئی اور ان کی مرویات کتنی ہیں، اور ان کا مدفن کہاں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً

نقشہ ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر شمار	نام مع ولدیت	سنہ نکاح	عمر بوقت نکاح	مدت مصاحبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم	سنہ وفات	عمر کل	مدفن	مرویات
۱	خدیجہ بنت خویلد	۲۵ سنہ میلادی	۴۰ سال	۲۵ سال	۱۰ سنہ نبوی	۶۵ سال	مکہ معظمہ	
۲	سودہ بنت زمعہ	۱۰ سنہ نبوی	۵۰ "	۱۳ "	شوال ۵۴ھ	۷۲ "	مدینہ منورہ	۵
۳	عائشہ بنت ابی بکرؓ	شوال ۱۰ سنہ نبوی	۶ "	۹ "	۱۷ رمضان ۵۸ھ	۶۶ "	"	۲۲۱۰
۴	حفصہ بنت عمرؓ	شعبان ۳ھ	۲۲ "	۸ "	شعبان ۴۵ھ	۶۰ "	"	۶۰

نمبر شمار	نام مع ولدیت	سنہ نکاح	عمر بوقت نکاح	مدت صحبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم	سنہ وفات	کل عمر	مدفن	مرویات
۵	زینب بنت خزیمہ	سنہ ۳ھ	۳۰ سال	۳ ماہ	سنہ ۴ھ ربیع الثانی	۳۰ سال	مدینہ منورہ	۰
۶	ام سلمہ بنت ابی امیہ	سنہ ۴ھ	۲۶	۷ سال	۵۹ھ یا ۶۳ھ	۸۴ "	"	۳۷۸
۷	زینب بنت جحش	سنہ ۵ھ	۳۶	۶ "	۲۰ھ	۵۰ یا ۵۳ "	"	۱۱
۸	جویریہ بنت حارث	شعبان سنہ ۵ھ	۲۰	۶ "	۵۰ھ ربیع الاول	۶۵ "	"	۷
۹	ام حبیبہ بنت ابی سفیان	سنہ ۶ھ	۳۶	۵ "	۴۴ھ	۷۳ "	"	۶۵
۱۰	صفیہ بنت حیی بن اخطب	سنہ ۷ھ	۱۷	۳ ½ "	۵۰ھ رمضان	۶۰ "	"	۱۰
۱۱	میمونہ بنت حارث	ذیقعدہ سنہ ۷ھ	۳۶	۳ ½ "	۵۱ھ یا ۶۱ھ	۸۰ "	مقام سرف	۴۶

رضوان اللہ علیہن اجمعین ــــ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

حضرت ماریہ قبطیہ کے بارے میں ایک سوال

س کیا حضور علیہ السلام کے حرم پاک میں ایک خاتون ماریہ قبطیہ بحیثیت کنیز داخل ہوئیں؟ اور ان سے اولاد پیدا ہوئی؟ کیا حضور علیہ السلام نے انہیں آزاد فرما کر نکاح کر لیا تھا یا کنیز ہی رہیں؟

الجواب وفی تہذیب الاسماء والصفات، ص ۳۵۳ (ماریۃ) رضی اللہ عنہا مذکورۃ فی المہذب فی اول باب عتق ام الولد وھی سریۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وام ابنہ ابراہیم أھداھا لہ المقوقس ملک مصر روینا عن ابن خیثمہ وخلیفۃ بن خیاط قال قدم حاطب بن ابی بلتعۃ سنۃ سبع من عند المقوقس بماریۃ ام ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبغلتہ دلدل وحمارہ یعفور وکانت ماریۃ بیضاء جعدۃ جمیلۃ فاسلمت فتسراھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت حسنۃ الدین توفیت سنۃ ست وعشرین فی خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ ھکذا قالہ الواقدی وخلیفۃ وابو عبیدۃ وقیل سنۃ خمس عشرۃ ودفنت بالبقیع۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی

تھیں۔ اور صاحبزادہ ابراہیم اسی کے بطن سے تولد ہوئے۔ لہذا یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ام ولد ہوئیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ، الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

حضرت ام کلثوم کا دوسرا نام

ام کلثوم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کا نام ہے۔ یہ نام نسبتی ہے یا اصلی ہے۔ کیا ام کلثوم صرف عورت کے لئے استعمال ہو سکتا ہے یا مرد کے لئے بھی۔ کیا کلثوم نام رکھنا جائز ہے؟

الجواب ۱: حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے یہ کنیت اولاد کی وجہ سے نہیں ہو سکتی۔ شاید کسی دوسری وجہ سے ہو۔ بہرحال ان کا دوسرا نام معروف نہیں بعضوں نے کہا ہے کہ ان کا نام آمنہ تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۲: کلثوم عربی میں مرد کا نام بھی ثابت ہے۔ کلثوم ابن الحصین وغیرہ (القاموس)

۳: کلثوم نام رکھنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۲۷ / ۱۱ / ۱۳۹۱ھ

آنحضرت علیہ السلام کی سب سے چھوٹی بیٹی کونسی تھیں؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں میں سب سے چھوٹی بیٹی کون سی تھیں۔

الجواب مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے۔ راجح یہی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے چھوٹی تھیں۔ قال ابن ہشام اکبر بنیہ القاسم ثم الطیب ثم الطاہر و اکبر بناته رقیه ثم زینب ثم ام کلثوم ثم فاطمة اهـ (ابن ہشام ج۱)

۲: وهی اصغر بناته فی قول (مرقات ج ۱۱ مرقات)۔

۳: هی واختها ام کلثوم اصغر بنات رسول الله صلی الله علیه وسلم واختلف فی الصغری منهما وقد قیل ان رقیة اصغر منهما ولیس ذلك عندی بصحیح هکذا فی الاستیعاب اهـ (سیرت مصطفیٰ ص۹۹) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹ / ۱ / ۱۳۹۵ھ

آنحضرت علیہ السلام کی پھوپھیاں کتنی تھیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں کتنی تھیں اور ان میں سے کون سی اسلام لائیں۔ ان کا نام کیا تھا؟

الجواب

چھ تھیں۔ ۱: صفیہ۔ ۲: اروی۔ ۳: عاتکہ۔ ۴: ام حکیم البیضاء۔ ۵: برہ۔ ۶: امیمہ ان میں سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ اور کہا جاتا ہے اروی اور عاتکہ بھی ایمان لائیں اور ہجرت مدینہ کی۔ (سیرت ابن ہشام جلد) واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

آنحضرت علیہ السلام کے چچا کتنے تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کتنے تھے اور ان کے نام کیا کیا تھے، اور ان میں کون کون مسلمان ہوئے تھے؟

الجواب

بمطابق ابن ہشام و ابن سعد، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نو چچا تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوطالب اسمہ عبد مناف زبیر، حارث، حجل، المقوم، ضرار، ابولہب اسمہ عبد العزی۔ (سیرت ابن ہشام ص ۸۸: زاد المعاد) اور ابن سعد نے حجل کی بجائے غیداق کو ذکر کیا ہے۔ (طبقات الکبریٰ ج ۱، ص ۹۳)۔ حجل اور غیداق ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

آنحضرت علیہ السلام کا رکانہ سے کشتی لڑنے کا ثبوت

یہاں ایک صاحب سے اس مسئلہ پر بحث ہو گئی کہ آنحضرت علیہ السلام رکانہ پہلوان سے کشتی لڑے تھے یا نہیں۔ فریق مخالف نے کہا کہ یہ واقعہ درست نہیں جو ثابت کر دے اسے انعام دونگا ہم نے صحاح ستہ میں بہت تلاش کیا مگر نہیں ملا۔ ترجمان السنۃ میں یہ حدیث موجود ہے مگر وہ صاحب کہتے ہیں کہ حدیث کی کسی کتاب سے دکھاؤ۔ آپ براہ مہربانی اس حدیث کا صحیح حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب

ابوداؤد شریف، ج ۲، ص ۲۰۹، اصح المطابع میں یہ حدیث موجود ہے۔
ان رکانۃ صارع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصرعہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد سلیمان عفرلہ

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

آنحضرت علیہ السلام کا اہل نجد کیلئے دعا نہ کرنیکا سبب

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام نے عرب کے لئے دعا مانگی لیکن نجد کے لئے دعا نہیں مانگی۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض بھی کیا تھا کہ نجد کے لئے دعا مانگو۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ صحیح ہے یا موضوع؟

الجواب حدیث درست ہے اور حدیث مذکور میں نجد سے مراد "عراق" اور اس کے گرد کا علاقہ ہے۔ اس وقت وہاں کے لوگ کافر تھے۔ نیز بعد میں وہاں سے بہت سے فتنوں کا ظہور ہوا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کے لئے دعا نہیں مانگی۔

والنجد ھو ما ارتفع من الارض ومن کان بالمدینۃ کان نجدہ بادیۃ العراق ونواحیھا وھی فی مشرق اھلھا قیل اھل المشرق کانوا حینئذ اھل کفر وظھور الخوارج فی ارض نجد والعراق اھ (حاشیہ بخاری ص ۱۰۵۰ ج ۲)

فقط واللّٰہ اعلم۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۱۱/ ۱۳۹۰ھ۔

ابوطالب ایمان لے آئے تھے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد ماجد حضرت ابوطالب نے اسلام قبول کر لیا تھا؟ حدیث صحیح سے ثابت ہے؟ بعض یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو قبر سے زندہ کر کے ایمان قبول کرایا تھا۔ بعض نے کہا کہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ ایمان قبول نہیں کیا۔ نیز جو ایمان کے قائل ہیں وہ اہلسنت میں سے ہیں یا رافضی؟

مولانا عبد الرشید صاحب

الجواب اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ یہی ہے کہ ابوطالب کفر پر مرا ہے۔ جیسا کہ آیات و احادیث سے واضح ہوتا ہے۔ حافظ توربشتی لکھتے ہیں کہ ابوطالب کا کفر حد تواتر کو پہنچ چکا ہے۔ علماء سلف اور ائمہ دین کا یہی مسلک ہے۔ مسند احمد، بخاری، مسلم اور نسائی میں ہے کہ جب ابوطالب مرنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس آ گئے۔ ابوجہل، عبد اللہ بن امیہ بھی وہاں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے چچا تم ایک مرتبہ "لا الٰہ الا اللہ" کہہ دو تاکہ خدا کے سامنے تمہاری شفاعت اور سفارش کے لئے مجھ کو ایک حجت اور دلیل مل جائے۔ ابوجہل، عبد اللہ بن امیہ نے کہا کہ اے ابوطالب کیا تم عبد المطلب کی ملت کو چھوڑ تے ہو؟ ابوطالب نے لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ اور آخری کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا کہ علی ملۃ عبد المطلب یعنی عبد المطلب کے دین پر ہوں۔ ابوطالب تو یہ کہہ کر مر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں برابر ابوطالب کے لئے استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ خدا کی طرف سے منع نہ کیا جاؤں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا — الیٰ — اصحٰب الجحیم (سورۃ توبہ)

صحیح مسلم میں ہے کہ یہ آیت انک لا تھدی من احببت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب

کے بارے میں نازل ہوئی۔ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۲۳۳)۔

ابوداؤد و نسائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔ کہ جب ابوطالب مرگئے تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کا گمراہ چچا مرگیا۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ دفن کر آؤ۔ میں نے عرض کیا کہ وہ تو مشرک مرا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں دفن کر آؤ۔ حافظ عسقلانی "الاصابہ" میں فرماتے ہیں کہ ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (فتح الباری، ج ۷، ص ۱۴۴)۔

مسلم شریف، ج ۱، ص ۱۱۵۔ میں آتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے چچا کے کیا کام آئے وہ تو آپ کے حامی اور مددگار تھے آپ نے فرمایا کہ وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے۔ اگر میں شفاعت نہ کرتا تو جہنم کی تہہ میں ہوتے۔

مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے اهون اهل النار عذابا ابو طالب (ج ۱، ص ۱۱۵)۔

اس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہوگئی جو یہ کہتے ہیں کہ قبر سے زندہ کر کے ابوطالب کو ایمان قبول کرایا گیا تھا۔ اگر وہ ایمان پر مرے تھے یا بعد از مرگ ایمان لے آئے تھے تو ان کو عذاب ہونے کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟

سوال میں ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ ایمان قبول کر لیا تھا۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت والجماعت میں جمہور تو کفر ابی طالب کے قائل ہیں مگر بعض اہل سنت کہتے ہیں کہ ایمان قبول کر لیا تھا: مگر یہ صحیح نہیں۔ اہلسنت میں کفر ابی طالب کے متعلق کوئی اختلاف نہیں۔

شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "سیرت مصطفیٰ" (ج ۱ ص ۱۲۹) میں لکھتے ہیں کہ

"یہ کہنا کہ ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے محض تلبیس اور دھوکہ ہے۔ اہلسنت میں ان کے متعلق کوئی اختلاف نہیں۔ روافض ابوطالب کے ایمان کے قائل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ روافض کا اختلاف قابل اعتبار نہیں۔ جو فرقہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلکہ کل صحابہ کو کافر اور منافق کہتا ہو اس کا اختلاف کب قابل اعتبار اور التفات ہو سکتا ہے"

علامہ موصوف ہی (ج ۱ - ص ۲۲۳) میں لکھتے ہیں کہ

"ایمان ابوطالب کے بارے میں جس قدر بھی روایتیں ہیں تقریباً کل کی کل وہ ایسے ہی حضرات سے مروی ہیں جو معاذ اللہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے کفر کے قائل ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی ضعیف اور منقطع روایات صحاح ستہ۔ بخاری و مسلم کی روایات کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتیں"

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے "الاصابہ" ج ۴ - ص ۱۱۰ - البدایۃ والنہایۃ - ج ۳ ص ۱۲۴۔

شرح مواہب - ج ۱ - ص ۲۹۱۔

تنبیہ :- روح المعانی میں ہے کہ ابو طالب کے ایمان اور کفر کے بارے میں بے ضرورت گفتگو اور بحث ومباحثہ سے اور ان کو برا کہنے سے اجتناب کرنا چاہئے ۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی ایذاء کا احتمال ہے ۔ (معارف القرآن ج ۵، ص ۶۳۹) ۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

ہجرت کی رات صدیق اکبرؓ کا آنحضرت علیہ السلام کو کندھوں پر اٹھانے کا ثبوت

ایک مولوی صاحب نے تقریر میں یہ کہا کہ ہجرت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غار ثور کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھوں پر سوار تھے ۔ اور فتح مکہ کے وقت کعبہ سے تصویریں اور بت اتارنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ اے علی تو میرے کندھوں پر چڑھ کر ان کو اتار دے ، تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضور آپ اللہ کے نبی ہیں اور میں آپ کے مبارک کندھوں پر چڑھنے کی بے ادبی کیسے کروں ۔ تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی ۔ میں نبی ہوں اور نبوت کے وزن کی وجہ سے تو مجھ کو اپنے کندھوں پر نہیں اٹھا سکتا ۔ الغرض اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان بلند ہے کہ انہوں نے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا ۔

ایک دوسرے سید صاحب کہتے ہیں کہ مولوی صاحب مذکور نے غلط بیانی کی ہے ۔ نہ ہی ابوبکر صدیقؓ کے کندھوں پر حضور سوار ہوئے اور نہ حضرت علی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تو میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتا ۔ اور ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت کا دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے ۔

اور یہ شاہ صاحب اور وہ مولوی صاحب دونوں اہلسنت والجماعت ہونے کے مدعی ہیں ۔ آپ فرمائیں کہ مولوی صاحب کے بیان کردہ دونوں واقعے سچے ہیں ؟ اور حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت کے دلائل کیا ہیں ؟

الجواب بوقت ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھوں پر اٹھانے کا ذکر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں بحوالہ بیہقی کیا ہے ۔ ان کے الفاظ یہ ہیں لما خرجت حين خرجت برسول الله صلى الله عليه وسلم حمله الصديق على كاهله اھ لیکن آخر میں فرماتے ہیں ۔ وفی هذا السياق غرابة ونكارة ۔ (ج ۱ ۔ ص ۱۸۰) ۔ اور فتح مکہ میں حضرت علی کرم اللہ

وعدہ والا واقعہ بھی بعض سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے۔ (دیکھئے سیرت محمدیہ غزوہ فتح مکہ)۔ لیکن اس کے الفاظ بعینہٖ وہی نہیں جو سوال میں درج ہیں۔ بلکہ اس سے کچھ مختلف الفاظ ہیں۔ پس مستفتی صاحب کا واقعہ اوّل کی تغلیط کرنا بے جا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔ وعن محمد بن الحنفیۃ قال قلت لابی ای الناس خیر بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابوبکر قلت ثم من قال عمر۔ الحدیث رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۵۵۵۔ یہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ تمام لوگوں میں سے بہتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ ہیں۔ اب اس کے بعد نزاع کی کیا ضرورت رہ گئی۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ　　الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ

حضرت عمرؓ کا بنت فاطمہؓ سے نکاح کا ثبوت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دختر مبارکہ سے نکاح کیا یا نہیں؟ اگر کیا ہے تو حضرت بی بی صاحبہ کا نام کیا ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے تھیں یا کسی اور صاحبہ سے؟

الجواب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ثابت ہے جو کہ حضرت علیؓ کی دختر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے تھیں۔ تاریخ اور حدیث کی معتبر کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ مسند ابن حبان میں ہے۔

ثم تزوج عمر رضی اللہ عنہ ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب وھی من فاطمۃ ودخل بھا فی شھر ذی القعدۃ۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں میں چادریں تقسیم کیں ایک بچ رہی اس کے متعلق ان کو تردد تھا کہ کسے دیں۔ ایک شخص نے کہا کہ یا امیر المومنین! اعط ھذا ابنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التی عندک یریدون ام کلثوم۔ صحیح بخاری باب ذکر ام سلیط صفحہ ۴۰۳ مطبوعہ دہلی۔ کتاب المغازی میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ تھیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: خیر محمد عفی عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان شہر

ابو شحمہ ابن عمر رض کا انتقال کوڑے لگنے سے نہیں ہوا تھا

حضرت ابو شحمہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحیح واقعہ کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے شراب پی تھی پھر حد لگائی گئی اور اسی سے انتقال ہوا، باقی کوڑے قبر پر لگائے گئے؟

غلام مرتضیٰ جامعہ اشرفیہ شاہ کوٹ

الجواب صحیح واقعہ صرف اتنا ہے کہ انہوں نے نبیذ پی تھی جس سے کچھ مدہوشی سی ہو گئی۔ حضرت عمرو بن العاص رض سے کہا کہ مجھے حد لگائیں۔ انہوں نے گھر کے اندر ہی سزا دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے حضرت عمرو رض کو تنبیہ کی۔ اور ان کے مدینہ آنے پر خود سزا دی۔ اس کے بعد اتفاقاً ابو شحمہ بیمار ہو گئے اور انتقال ہوا۔ والذی ورد فی هذا ما ذکره الزبیر بن بکار وابن سعد فی الطبقات ان عبد الرحمٰن الاوسط من اولاد عمر رض ویکنی ابا شحمة کان بمصر غازیا فشرب لیلة نبیذا فخرج الی السکة فجاء الی عمرو بن العاص فقال أقم علی الحد فامتنع فقال له أنی اخبر أبی اذا قدمت علیه فضربه الحد فی داره ولم یخرج فکتب الیه عمر رض یلومه ویقول الا فعلت به ما تفعل بجمیع المسلمین فلما قدم علی عمر رض ضربه واتفق انه مرض فمات اھ

(امداد الفتاویٰ، ج ۴، ص ۲۲۴)

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ : الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔

حضرت عثمان رض پر عائد کردہ الزامات غیر معتبر روایات پر مبنی ہیں

خلافت و ملوکیت ص ۹۹

پر تحریر ہے۔ " مزید برآں خلیفۂ دوم نے چھ آدمیوں کی انتخابی شوریٰ کے لئے جو ہدایات چھوڑیں ان میں دوسری باتوں کے ساتھ ایک بات یہ بھی تھی کہ منتخب خلیفہ اس امر کا پابند رہے گا کہ وہ اپنے قبیلے کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہ کرے گا۔ لیکن بدقسمتی سے خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رض اس معاملہ میں معیار مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے۔ ان کے عہد میں بنی امیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے عطیے دیئے گئے "

اگر یہ درست ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے خلیفۂ راشد ہوئے؟ جب کہ حدیث میں ہے کہ وہ عشرۂ مبشرہ سے ہیں؟

الجواب مودودی صاحب کی عبارت میں سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اقرباء پروری وغیرہ کے جو الزامات عائد کئے گئے ہیں وہ ناقابل اعتبار جھوٹی روایات پر مبنی ہیں جن کے بارے میں خود موصوف کو بھی اعتبار نہیں۔ "مگر ان تاریخی واقعات کو روایات کی جانچ پڑتال کے معیاری ضابطوں پر پرکھا جائے تو قرن اول کی تاریخ کا بیشتر کم از کم ۹/۱۰ حصہ غیر معتبر قرار پائے گا"

(خلافت و ملوکیت، ص ۳۱۰)۔

اور خلیفہ راشد سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عادل ہونا اور عشرہ مبشرہ میں سے ہونا احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے لہٰذا ان احادیث صحیحہ کے مقابلے میں ماقبل الذکر جھوٹی روایات کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے؟ علامہ ابن کثیر رح شان صحابہ رض کے خلاف ایسی بے سروپا روایات کے بارے میں لکھتے ہیں:

فهي مردودة على قائلها وناقلها والله أعلم والمظنون بالصحابة خلاف ما يتوهم كثير من الرافضة وأغبياء القصاص الذين لا تمييز عندهم بين صحيح الأخبار وضعيفها ومستقيمها وسقيمها اهـ (البداية ج ۷ ص ۲۷۱)۔

الغرض بیت المال سے خیانت اور اقرباء پروری کا الزام غلط ہے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکات ان الزامات سے قطعاً بری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۳/۴/۱۳۹۰ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد اسحاق غفرلہ

راجح یہی ہے کہ حضرت علی رض نے شروع ہی میں حضرت ابوبکر رض کی بیعت کر لی تھی

ایک شیعہ نے سوال کیا ہے کہ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت علی رض نے حضرت ابوبکر رض کی بیعت چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رض کے انتقال کے بعد کی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت فاطمہ رض حضرت ابوبکر رض سے ناراض تھیں۔

الجواب شیعہ اور سنی مصنفین سب لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کر لی تھی اور تاخیر کی وجہ بھی ذکر کی تھی وہ یہ نہیں جو سوال میں مذکور ہے۔ نیز چھ ماہ تک تاخیر کی روایت راجح نہیں۔ صحیح ابن حبان رح میں روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شروع ہی میں بیعت کر لی تھی۔ عن ابی سعید ان علیا رض بایع ابابکر رض

اوّل الامر صحیحہ ابن حبان وغیرہ (حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۷۶۷) ۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱ / ۶ / ۱۴۰۰ھ : الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنی شادیاں کیں؟

حضرت علیؓ نے کتنی شادیاں کیں؟ نیز وہ نکاح تھے یا متعہ؟

اس قول میں کہاں تک صداقت ہے کہ ان میں سے اکثر متعہ کی تھیں؟ متعہ کیا ہے؟ اور اسلام اس کی کہاں تک اجازت دیتا ہے؟ اس کی وضاحت پر نصوص قرآن واحادیث سے مطلع فرمایا جائے؟

الجواب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا۔ البتہ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدد حسب ذیل نکاح کئے جو کہ سب نکاح تھے ان میں سے متعہ کوئی نہیں تھا۔ ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں، تفصیل کتب تاریخ میں ہے۔

۱: ام البنین بنت حزام۔ ۲: لیلیٰ بنت مسعود۔ ان کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے عبیداللہ اور ابوبکر۔ ۳: اسماء بنت عمیس۔ ان کے بطن سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے۔ ۴: ام حبیبہ بنت زمعہ۔ ان کے بطن سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئے۔ ۵: ام سعید بنت عروہ۔ ۶: امامہ بنت ابی العاص۔ ۷: خولہ بنت جعفر۔

واضح رہے کہ ان ازواج کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اور بھی بیویاں تھیں۔ لیکن جس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی تو ان کی چار بیویاں موجود تھیں۔ یہ بیویاں بعض زندگی میں فوت ہو گئی تھیں بعض کو طلاق دیدی تھی۔ یکے بعد دیگرے نکاح فرماتے رہے۔ اور کچھ باندیاں بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھیں جن کو انہوں نے ام ولد بنایا تھا۔ یہ بھی واضح رہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حرمت متعہ کی روایت ثابت ہے۔ عن علی کرم اللہ وجہہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن متعۃ النساء یوم خیبر وعن اکل لحوم الحمر الانسیۃ۔ اور قرآن مجید سے بھی حرمت متعہ ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ والذین ہم لفروجہم حافظون۔ الا علی ازواجہم او ما ملکت ایمانہم فانہم غیر ملومین۔ فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ہم العادون۔ الآیۃ اس آیت میں اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے صرف دو راستے بیان فرمائے۔ منکوحہ بیوی، یا اپنی مملوکہ زرخرید۔ جن کا آج وجود نہیں ہے اس کے علاوہ اور طریق کو اختیار کرنے کو عدوان فرمایا ہے۔ اس کے حرمت پر امت کا اجماع بھی منعقد ہے کہ متعہ حرام ہے لہٰذا متعہ کو حلال کہنا زنا کو حلال کہنا ہے۔ العیاذ باللہ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفر لہ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ ، مورخہ ۱۸ / ۴ / ۱۳۷۰ھ

محمد حنیف حضرت علی رضؓ کے کوئی صاحبزادے نہیں

عوام میں مشہور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیبر فتح کر کے مرحب کے قتل کے بعد اس کی لڑکی سے سات دن تک کشتی کی اور زیر کیا پھر مسلمان کر کے نکاح کیا۔ ان ہی کے بطن سے محمد حنیف تولد ہوئے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوتیلے بھائی تھے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ دوم حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد لوگ کہتے ہیں کہ حضرت محمد حنیف نے اپنے سوتیلے بھائی حسینؓ کا بدلہ لیا۔ وہ کربلا میں یزید کی فوج سے لڑے اور انتقام لیا۔ کیا یہ صحیح ہے؟ نیز عوام میں مشہور ہے کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ساتھی عمر عیار تھا اس کے پاس ایک زنبیل تھی جتنا مال اس زنبیل میں ڈالتے تھے سب پورا آجاتا تھا حتیٰ کہ اگر بادشاہ کے خزانے بھی ڈالے جاتے تب بھی وہ نہیں بھرتی تھی۔ کیا یہ صحیح ہے یا نہ؟ معترض کہتا ہے کہ حضرت حسین جو کربلا میں لڑ رہے تھے تو اس وقت حضرت حنیف کہاں تھے؟

الجواب مرحب کی لڑکی سے کشتی کرنے اور پھر اس سے نکاح کرنے کا قصہ محض بے اصل ہے تاریخی طور پر ثابت نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی صاحبزادے کا اسم گرامی محمد حنیف نہیں۔ لہٰذا کربلا میں انتقام لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عمر عیار کا افسانہ بھی من گھڑت معلوم ہوتا ہے۔ ایسے قصوں میں الجھنا نہیں چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

شہدائے صفین کے بارے میں شہادت علیؓ

شہید اسے کہتے ہیں کہ جو مسلمان کافر کے ہاتھوں اللہ کی راہ میں لڑتا ہوا شہید ہو جائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان جو جنگ ہوئی کیا وہ اسلام کے لئے تھی؟ اگر تھی تو کونسا گروہ شہید ہے۔ اگر اسلام کے لئے نہیں تھی تو خون بہانا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ براہ کرم اس کا جواب مفصل تحریر فرمائیں تاکہ دل کو تسلی ہو سکے۔

الجواب آپ کے شبہ کا منشاء فریقین کے موقف سے عدم واقفیت ہے۔ اس جنگ کا پس منظر ہر فریق کا دعویٰ ونظریہ، اور فریقین کا اڑائی کے باوجود ایک دوسرے سے سلوک مدنظر ہو تو تمام اشکالات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ اور کسی واقعہ سے نتیجہ اور حکم معلوم کرنے کے لئے ان چیزوں کا معلوم ہونا انتہائی ضروری ہے۔ ہر دو فریق کا دعوےٰ یہ تھا کہ ہم حق پر ہیں اور معاملات کی نوعیت کچھ اس طرح تھی کہ ہر فریق یہ سمجھنے میں حق بجانب بھی تھا۔ لہٰذا یہ جنگ اس خونریزی کے زمرہ میں نہیں آسکتی کہ جو ملک گیری یا ہوس اقتدار کے لئے کی جاتی ہے۔

جب فریقین کے شہداء نے بزعم خویش حق کے لئے جان دی ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کی

نیت کے مطابق معاملہ فرمائیں گے۔ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس جنگ میں فریق غالب تھے یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے مقابل باوجود لڑائی کرنے کے بھی جنتی ہیں کیونکہ وہ اپنے خیال میں حق کے لئے لڑ رہے تھے۔ یاد رہے بات ہے کہ ہمارے نزدیک ان کا موقف صحیح نہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ جنگ جمل اور صفین میں قتل ہونے والوں کا انجام کیا ہوگا؟ تو فریقین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا لا یموتن احد من ھؤلاء وقلبہ نقی الا دخل الجنۃ۔ اھ (البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۲۹۰) ان میں سے جو شخص بھی صاف قلب کے ساتھ مرا ہوگا وہ جنتی ہے۔

دیکھئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انجام کے لحاظ سے فریقین کو برابر سمجھ رہے ہیں کہ ہر ایک کے ساتھ معاملہ اس کی نیت کے مطابق ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر کسی شخص کو ان مقتولین کے بارے میں نامناسب باتیں کہتے سنا تو فرمایا لا تقولوا الا خیرا کہ ان کے بارے میں کلمۂ خیر کے سوا کچھ نہ کہو۔ یہ سمجھتے تھے کہ ہم غلطی پر ہیں، ہم سمجھتے تھے کہ وہ غلطی پر ہیں۔ اھ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۱)

خلاصہ یہ کہ ہر فریق اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر لڑ رہا تھا۔ اگر واقع میں کوئی غلطی پر بھی تھا تو اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ ہم اور آپ یقیناً کسی کو غلط یا صحیح نہیں کہہ سکتے۔ ویسے ہمارا مشورہ آپ کو یہ ہے کہ

تجھے پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

شیعہ کی جو تعریف آپ نے سوال میں لکھی ہے وہ بھی صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۶/۷/۱۴۰۱ھ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار کہاں ہے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مدفن میں اختلاف ہے صحیح روایت کیا ہے؟

الجواب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ میں مسجد کے قریب دفن ہیں۔ قال ابن الجریر الطبری ودفن عند مسجد الجماعۃ فی قصر الامارۃ (ج ۳ ص ۱۶۸)

اس کے بارے میں کچھ اور باتیں بھی مشہور ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ۔

حضرت علیؓ کے برحق ہونے کے باوجود حضرت معاویہؓ کو باغی کہنا جائز نہیں

جو خلیفۂ وقت سے برسر پیکار رہا ہو اس کے متعلق علماء نے کیا فتویٰ دیا ہے؟ کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر نہ تھے؟ اگر تھے تو امیر معاویہ نے

کیوں ان سے جنگ و قتال کیا۔ جو شیعوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رض کی اجتہادی غلطی تھی۔ کیا حضرت معاویہ نے کبھی اس غلطی کا اعتراف کیا ہے؟ اور حضرت علی رض نے اس غلطی کو معاف کر دیا تھا؟

الجواب ـــــ حضرت علی رض خلیفہ برحق تھے اور حضرت معاویہ رض خطا پر۔ لیکن بلاشک یہ خطا اجتہادی تھی۔ آپ نے سوال کیا ہے کہ اس خطا کا انہوں نے بھی اعتراف کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اگر خطا واضح ہوتی تو آپس میں اختلاف اور قتال ہی کیوں ہوتا۔ قتال کا ہونا اس بات پر مبنی ہے کہ ان پر اپنی خطا اور غلطی کا تجزیہ نہیں ہوا۔ اسی لئے حضرت علی رض نے حضرت معاویہ رض کو وہ خط تحریر فرمایا جو نہج البلاغہ میں ہے۔

” کہ میرے ہاتھ پر ان مہاجرین و انصار نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکر رض و عمر رض و عثمان رض کے ہاتھ پر بیعت کی ہے “

اس سے انہوں نے اپنی خلافت کے حق ہونے پر استدلال کیا۔ لیکن حضرت علی رض کے خون عثمان رض کا قصاص نہ لینے کو وجہ بنا کر حضرت معاویہ رض نے بیعت سے انکار کر دیا۔ حضرت علی رض استحکام خلافت کو قصاص سے مقدم سمجھتے تھے۔ اس قسم کے دلائل فریقین کے درمیان چل رہے تھے۔ اس لئے حضرت معاویہ رض پر حقیقت خلافت علی رض واضح نہ ہو سکی۔ اہلسنت چونکہ صحابہ رض کے حق میں حسن ظن رکھتے ہیں اس لئے حضرت معاویہ رض کو معذور سمجھتے ہیں۔ حضرات شیعہ چونکہ صحابہ رض سے بغض و عناد رکھتے ہیں اس لئے وہ ہر بات کو بدظنی اور بدگمانی پر محمول کرتے ہیں۔ کل اناء یترشح بما فیہ۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

حضرت معاویہ رض کاتب وحی اور امین تھے

جب شراب حلال تھی حضرت علی رض نے اس دور حلال میں شراب پی ہو اس کا ثبوت۔ ۲۔ حضرت معاویہ رض کا کاتب وحی ہونا۔

الجواب ـــــ ۱۔ عن علی رض بن ابی طالب قال صنع لنا عبد الرحمن بن عوف طعاما و سقانا من الخمر فاخذت الخمر منا و حضرت الصلوٰۃ فقدمونی فقرأت قل یایها الکافرون لا اعبد ما تعبدون و نحن نعبد ما تعبدون فانزل اللہ یایها الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ و انتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون هذا حدیث حسن غریب صحیح ـ ترمذی ، ج ۲ ، ص ۱۳۲ ۔

۲ : حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کاتب وحی ہونا بہت سی روایات سے ثابت ہے جس کے انکار کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رح نے نقل فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل امین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کہئے اور نیکی کی تلقین کیجئے۔ کیونکہ وہ اللہ کی کتاب اور وحی پر اللہ کے

امین ہیں اور بہترین امین ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ رض کو کاتب وحی بنانے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مشورہ کیا۔ تو آپ نے جواب دیا۔ استکتبہ فانہ امین ان کو کاتب وحی بنا لو کیونکہ وہ امین ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۰) ۔ کان معاویۃ یکتب کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۳۳۸) ۔ اور اسی طرح زاد المعاد میں کاتبین وحی کی فہرست میں حضرت معاویہ رض کو بھی شمار کیا ہے چنانچہ اس میں ہے۔ فصل فی کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی الی ان قال ومعاویۃ بن ابی سفیان (ج ۱ ص ۳۰)

بخاری کی کتاب الفتن کی ایک حدیث کو حضرت معاویہ رض پر منطبق کرنے کا مدلل جواب

آپ کی جانب سے حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے مصرعہ ـــ "دین ملا فی سبیل اللہ فساد" کی مفصل تردید ہو رہی ہے کہ اس تحریر نے خوب سے خوب تر۔ جو شخص ہر کسی پر کفر کے فتوے لگاتا ہو گناہ عظیم ہے۔ بلکہ فتوے ہی لگانے والے ایسے لوگوں کا اپنا ایمان مشکوک ہے۔ آپ نے اس کے بعد ایک اور خط میں بھی فرمایا ہے کہ بعض شیعہ کفریہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ بعض کے عقائد اہل سنت جیسے ہوتے ہیں وہ صرف حضرت علی رض کو خلفاء ثلاثہ سے افضل سمجھتے ہیں اور باقی تمام شیعہ ہیں۔ براہ مہربانی کفریہ عقائد رکھنے والے شیعوں کی پہچان بھی بتا دیں۔ جو لوگ صرف حضرت علی رض کو خلفاء ثلاثہ سے افضل سمجھتے ہیں وہ شیعہ نہیں ہوتے بلکہ اہلسنت میں صوفی حضرات ہوتے ہیں۔ مثلاً خواجہ حسن نظامی دہلوی رح نے اپنی مشہور کتاب " طمانچہ بر رخسار یزید " اور بعض دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ میں تفضیلی سنی ہوں۔ ان کے خلفاء اور مریدین بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ خواجہ صاحب کو میں نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے دیکھا۔ وہ حضرت علی رض کو بعد رسول سب سے افضل سمجھتے اور لکھتے تھے۔

براہ کرم شیعوں کی تو پہچان ہو گئی، اور کفریہ عقائد رکھنے والے شیعوں کی پہچان کیا ہے۔ اور وہ لوگ جو اپنے آپ کو اہل سنت کہتے ہیں مگر یزید، شمر، عمر بن سعد، عبید اللہ بن زیاد وغیرہم کی مدح کرتے ہیں اور امام حسین اور حضرت علی رض کو برا بھلا کہتے ہیں۔ شاید آپ نے کراچی کے محمود عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" پڑھی ہو گی، اس میں ایسی ہی باتیں لکھی تھیں۔ یہ کتاب اب ضبط ہو چکی ہے۔ اب بھی بعض لوگوں کی زبان سے ایسی باتیں وقتاً فوقتاً سننے میں آتی ہیں کہ امیر معاویہ کے حکم سے منبروں پر حضرت علی رض کو لعنتیں کی جاتی تھیں اس بری رسم کو جناب عمر بن عبد العزیز رح نے اپنے دور حکومت میں بند کرایا۔ ایسے سنیوں کے بارے میں بھی کچھ فرمائیے خواجہ حسن نظامی کے ایک خلیفہ اور مرید کا نوشتہ ایک ورقہ برائے مطالعہ ارسال ہے۔

* * *

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرقہ بندی کی کشمکش سے آزاد ہو کر غور و فکر کرنے والے اہل بصیرت حضرات کے لئے بخاری "کتاب الفتن" کی ایک حدیث

حذیفہ بن یمان کہتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے خیر کی بابت پوچھا کرتے تھے اور میں حضرت سے شر کی بابت دریافت کرتا رہتا تھا۔ اس خیال سے کہ میں کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ ایک روز میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم ہم جاہلیت اور شر میں پڑے ہوئے تھے کہ اللہ نے ہم کو یہ خیر یعنی سلسلۂ اسلام عطا فرمایا۔ کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر پیش آنے والا ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں! میں نے عرض کیا اس کے بعد پھر خیر ہوگا؟ فرمایا ہاں! اور اس خیر میں جو شر کے بعد ہوگا، کدورت پائی جائے گی۔ میں نے عرض کیا وہ کدورت کیا ہوگی؟ فرمایا کدورت سے مراد وہ قوم ہے جو میرے طریقے کے خلاف طریقہ اختیار کرے گی۔ اور لوگوں کو میری راہ کے خلاف راہ بتائے گی۔ تو ان میں دین کو بھی دیکھے گا اور دین کے خلاف امور کو بھی۔ میں نے عرض کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہوگا؟ فرمایا ہاں: ایسے لوگ ہوں گے جو دوزخ کی طرف بلانے والے ہوں گے۔ جو شخص ان کی جہنمی دعوت کو قبول کرے گا وہ اس کو جہنم میں دھکیل دیں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صفت بیان فرمائیے۔ فرمایا وہ ہماری قوم میں سے ہوں گے اور ہماری زبان میں گفتگو کریں گے۔

میں نے عرض کیا کہ اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو آپ مجھ کو کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑ لینا۔ میں نے عرض کیا اگر اس وقت ان کی کوئی جماعت اور امام نہ ہو تو کیا کروں؟ فرمایا تو پھر تم تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جانا۔ اگرچہ درخت کی جڑ میں پناہ لینی پڑے۔ یہاں تک کہ تمہیں اسی حالت پر موت آ جائے۔

۱ : جو دشمنان اسلام شروع سے آخر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے تھے اور فتح مکہ کے بعد بادل نخواستہ داخل اسلام ہو گئے تھے۔ اور مؤلفۃ القلوب کہلاتے تھے۔ ان کو اس عہد میں پنپنے کا موقع ملا اور انہوں نے اتنی طاقت حاصل کر لی کہ وہ ان حضرات سے جنگیں لڑنے اور مسجد کے منبر پر ان کو گالیاں دینے کے قابل ہو گئے جن کو آنحضرت نے بچپن سے اپنی آغوش رحمت میں پالا تھا۔ اور خدمت اسلام کے لئے تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا تھا۔ اور بالآخر انہوں نے پروپیگنڈے، تحریص اور جبر و استبداد سے کام لیا کہ کربلا کے میدان میں بہتر (۷۲) سے زیادہ آدمی ان مظلوموں کا ساتھ دینے والے نہ تھے۔

۲ : یہ وہ عہد ہے کہ جب خلیفۂ راشد کے مقابل متوازی حکومت قائم کرنے کی کدورت پیدا ہوئی۔ مرکز ایک نہ رہا۔ گویا اسلام کے بنیادی اصول توحید میں رخنہ پیدا ہو گیا۔

۳ : یہ عہد بانی ملوکیت ہندہ اور ابوسفیان کے بیٹے اور یزید کے باپ معاویہ کا ہے۔ اور ملوکیت سے کتنے شر سے

کو آشیانے میں کبھی حُبِ اہلِ بیت رض کا ڈھونگ رچاتے ہیں ۔ ورنہ ان کی حضرت علی رض ، اہلبیت رض اور ان کی تعلیمات سے جو محبت ہے وہ سب کو معلوم ہے ۔ مثلاً کوئی شیعہ جب یہ کہے کہ میں تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باقی تمام صحابہ رض سے افضل سمجھتا ہوں ۔ تو در پردہ وہ یہی کہنا چاہتا ہے کہ جن لوگوں نے اس افضل ترین شخص کے ہوتے ہوئے خلافت سنبھالی یا جن لوگوں نے حضرت علی رض کے ہوتے ہوئے کسی اور کو خلیفہ بنایا وہ یقیناً غلطی پر تھے ۔ کیونکہ افضل کے ہوتے ہوئے غیر افضل کو مقتدا بنالینا واضح طور پر غلط ہے ۔ شیعہ لوگ اس ساری بات کو بڑی ہوشیاری سے حُبِ علی رض کے پردے میں کہہ جاتے ہیں ۔ لہٰذا اہلِ تشیع کو سمجھنے کے لئے پوری باتوں کو مدِ نظر رکھا جائے ۔ محض ان کے دعوے سے دھوکہ نہ کھایا جائے ۔

رہی بات خواجہ حسن نظامی صاحب کی تو گزارش یہ ہے کہ اگر تو خواجہ صاحب باقی تمام عقائد میں اہلِ سنت والجماعت سے متفق تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی ذہن صاف رکھتے تھے تو ان کا حکم ظاہر ہے ۔ اور اگر تفضیلی بال رفض سے کچھ آگے بھی بڑھ جاتے تھے جیسے کہ ان کے مرید کے نوشتہ پمفلٹ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے تو پھر ان کے پورے معتقدہ عقائد و خیالات لکھ کر حکم معلوم کرلیں ۔

خواجہ صاحب کے مرید کا نوشتہ پمفلٹ نظر سے گزرا اس کے بارے میں چند باتیں عرض کرنی ضروری ہیں ۔ اللہ کرے وہ صاحب پمفلٹ کی نظر سے بھی گزریں ۔

۱ : انہوں نے حدیث میں آنے والے خیر و شر کے الفاظ کا جو مصداق بیان کیا ہے وہ محدثین کے بیان کردہ مطلب کے خلاف ہے ۔ محدثین نے لکھا ہے کہ شرِ اول سے مراد وہ فتنے ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں واقع ہوئے ۔ یعنی گویا کہ شر سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کی مخالفت کی اور خلیفۂ مظلوم کی شہادت کا سبب بنے ۔ اور اس کے بعد جو اچھا دور آیا بھی تو وہ بالکل پاک و صاف اور قابلِ اطمینان نہ تھا جیسا کہ حضرت عثمان رض سے پہلے کا دور تھا ۔ اسی لئے اس دورِ خیر کے بارے میں فرمایا ۔ فیہ دخن ۔ یعنی اس میں کچھ کدورت ہوگی ۔ بعض نے ثانی سے مراد وہ دور لیا ہے جس میں حضرت حسن رض کی حضرت معاویہ رض سے صلح ہوئی ۔ گویا کہ ایک بار پھر نظامِ خلافت متفقہ طور پر قائم ہوگیا ۔ (حوالہ کے لئے دیکھئے ۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ : کتاب الفتن) ۔

۲ : نظامی صاحب نے شرِ اول کے خود ساختہ مصداق کی تشریح میں فتح مکہ کے موقع پر ایمان لانے والوں کے بارے میں لکھا ہے کہ " بادلِ ناخواستہ وہ داخلِ سلسلہ ہوئے " گویا دبے لفظوں میں انہیں منافق کہا ہے ۔ کیونکہ ان کے بارے میں صاف طور پر یہ کہا ہے کہ وہ پہلے بھی اسلام کے مخالف تھے اور بعد میں بھی اسلام والوں کی مخالفت کرتے رہے ۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نظامی صاحب کا اشارہ اس تحریر میں خاص طور پر حضرت معاویہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ کیونکہ عبارت کا سیاق و سباق اس پر صاف دلالت کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات تو یہ عرض ہے کہ گو ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ رض فتح مکہ کے دن اسلام لائے لیکن محققین کے نزدیک یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ علامہ ذہبی رح، ابن عساکر رح، اور ابن تیمیہ رح کی تحقیق کے مطابق آپ سنہ ۷ھ اور سنہ ۸ھ کے درمیان اسلام لائے۔ (المنتقی ص ۲۵۰)۔ علامہ ابن حجر رح "تقریب التہذیب" میں لکھتے ہیں۔ معاویۃ بن ابی سفیان خلیفۃ صحابی اسلم قبل الفتح وکتب الوحی صفحہ ۵۳ (معاویہ از تقی عثمانی ص ۔۔)۔

البدایۃ والنہایۃ ج ۸ میں خود حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا قول منقول ہے۔ اسلمت یوم عمرۃ القضاء ولکنی کتمت اسلامی من ابی الی یوم الفتح۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رح نے فتح الباری شرح بخاری میں اور "الاصابۃ" میں بھی ایسے ہی لکھا ہے۔ لہٰذا صرف یہ کہنا کہ حضرت معاویہ رض فتح مکہ کے دن ہی اسلام لائے محض جہالت کا ثبوت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان کے بارے میں یہ ذہن رکھنا کہ اسلام لانے والے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ بادل نخواستہ حالات کے تقاضے سے مسلمان ہوئے تھے، یہ اللہ اور رسول کی تکذیب ہے۔ اللہ نے قرآن میں ایسے لوگوں کو مومن کہا ہے۔ آنحضرت علیہ السلام نے ان لوگوں کے ایمان پر اعتماد کیا ہے۔ تعجب ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آپ کی خدمت میں رہنے کے باوجود یہ پتہ نہ چل سکا کہ یہ بادل نخواستہ مسلمان ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ نے کتابت وحی کی اہم ترین خدمت بھی ان سے لی اور ان کے حق میں دعائیں بھی فرمائیں۔ اللہم علمہ الکتاب والحساب وقہ العذاب (البدایۃ ج ۸ ص ۱۲۰)۔ اللہم علمہ الکتاب ومکن لہ فی البلاد وقہ العذاب (البدایۃ ص ۱۲۱)۔

ایک روایت میں ہے یا معاویۃ ان ولیت امرا فاتق اللہ واعدل (البدایۃ ص ۱۲۲)

ایک روایت میں ارشاد ہے یبعث اللہ معاویۃ یوم القیامۃ وعلیہ رداء من نور الایمان (کنز العمال ج ۶ ص ۹۰)۔

ان باتوں سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی صلعم میں معاذ اللہ اتنی فراست بھی نہ تھی کہ یہ سمجھ جاتے کہ یہ لوگ دل سے ایمان لائے ہیں یا بادل نخواستہ۔ جب کہ نظامی صاحب نے چودہ سو سال بعد بھی یہ بات سمجھ لی۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ "مسجدوں کے منبروں سے ان کو گالیاں دلوانے کے قابل ہو گئے" صاف جھوٹ ہے اور تاریخ سے انتہائی جہالت ہے۔ شیعہ و سنی تاریخ میں ایک بھی روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس میں یہ لکھا ہو کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبروں سے گالیاں دلوایا کرتے تھے" اگر کوئی غلط ثبوت بھی ہو تو نظامی صاحب وہ روایت لکھیں جس میں یہ ہو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فلاں آدمی کو حکم دیا کہ منبر پر بیٹھ کر حضرت

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گالیاں دو۔ اور پھر اس نے عمل کرتے ہوئے فلاں جگہ پر بیٹھ کر فلاں فلاں الفاظ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بالقول نظامی صاحب ان سب کو گالیاں دی ہوں۔ اور قطع نظر اس سے کہ تاریخ سے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حضرت معاویہ رضہ کے ہاں بار بار آنا ثابت ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صاحبزادگان کی جلالت شان کے پیش نظر ان کی خدمت میں گرانقدر عطیات پیش کرتے اور یہ حضرات بے تکلف خاطر وصول کرتے۔ اگر بقول نظامی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے ساتھ یہ سلوک تھا تو اس کے باوجود ان حضرات کے حضرت معاویہ رضہ کے پاس آنے کی جو حیثیت سامنے آتی ہے اسے عقل سلیم ہرگز قبول کرنے کے لئے تیار نہیں جب کہ تاریخ میں یہ موجود ہے کہ۔

اہل بیت نبوت خصوصی طور پر سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی آپ بڑی ملاطفت اور نیک دلی سے پیش آتے رہے۔ دونوں بھائیوں کو عطائے جزیل سے نوازتے۔ کبھی دس کبھی بیس لاکھ اور کبھی چالیس لاکھ درہم تک عطا فرماتے۔ (البدایہ ج ۸ ص ۱۳۷)۔

آخر میں نظامی صاحب کا کہنا کہ انہوں نے تحریص اور جبر و استبداد سے کام لیا۔ یہ بھی نظامی صاحب کی جہالت و کم فہمی ہے۔ تاریخ میں اس بات کی تکذیب میں سینکڑوں حوالے موجود ہیں۔

۳۔ تیسرے لفظ "شر" پر نظامی صاحب نے جو حاشیہ لکھا ہے اس میں تو وہ بالکل کھل کر سامنے آگئے کیونکہ یہ ہوتا ہے کہ نظامی صاحب بغض معاویہ رضہ میں اس کیفیت کو پہنچ گئے ہیں کہ وہ جہاں کہیں لفظ "شر" دیکھتے ہیں اسے حضرت معاویہ رضہ پر منطبق کر دیتے ہیں خواہ وہ حدیث کے خلاف ہو یا تاریخ کے خلاف ہو یا عقل کے خلاف ہو۔

اگر وہ تھوڑا سا غور کرتے تو بقول ان کے اگر یہ دور شر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور ہے اور ایسے دور کے حکام وہ ہوں گے جو دوزخ کی طرف بلانے والے ہوں گے۔ اور جو ان کی دعوت قبول کرے گا اس کو وہ جہنم میں دھکیل دیں گے۔ اور اسی حدیث کے آخر میں آتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑنا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں میں سے کس کے مصداق ہیں؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا عمل بالخصوص حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حضرت معاویہ رضہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا واضح دلیل ہے کہ ان حضرات نے ان کو مسلمانوں کا امام سمجھا اور یہی بیعت کرنے والے لوگ جماعت مسلمین تھے۔

اور اگر بقول نظامی صاحب ان کو معاذ اللہ تعالیٰ پہلے گروہ کے مصداق بنایا جائے۔ تو جن جن لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا، ان کی بات کو تسلیم کیا تو وہ جہنمی ہو گئے اور معدودے چند کے علاوہ سب جہنمی ہو گئے کیونکہ یہ دور اس وقت تک رہا۔ تو پھر اس عرصہ میں اسلام کہاں تھا؟ اور مسلمان کہاں تھے؟ قیاس کی کیا دعوت ہے۔

"دروغ گو را حافظہ نباشد"

نظامی صاحب پر یہ بالکل صادق آتی ہے۔ انہوں نے آخر میں یہ عجیب سی بات لکھی ہے کہ "یہ باتیں محض میرے خیالات ہیں" اور حقیقت یہ ہے کہ یہ محض نظامی صاحب کے بے بنیاد خیالات ہیں حقیقت کو ان کیساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں۔ بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ بڑا سخت تعجب ہوا یہ دیکھ کر کہ نظامی صاحب اپنے ان جاہلانہ نظریات پر غور و فکر کرنے کی پوری قوم کو دعوت دے رہے ہیں۔ اس حدیث میں یہ جملہ بھی آتا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جہنم کی طرف بلانے والے ہوں گے۔ جو ان کی دعوت کو قبول کرے گا وہ جہنم میں دھکیل دیں گے خدا کرے نظامی صاحب کی غور و فکر کی دعوت ایسی دعوت نہ ہو۔ واللہ یعصمنا وایاکم عن الضلالۃ و الغوایۃ وبیدہ التوفیق واللہ اعلم بالصواب۔

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۴ / ۳ / ۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

حلیمہ سعدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس سواری پر لے گئی تھیں

س: مائی حلیمہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کے لئے لے گئی تھیں تو وہ سواری کیا تھی؟ کیا وہ مادہ گدھا تھا یا خچر یا اونٹ؟ اختلاف روایات کی صورت میں کون سی روایت زیادہ معتبر ہے؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بحوالہ زاد المعاد، نشر الطیب میں تحریر فرمایا ہے۔ چونکہ یہ روایت ابن قیم کی ہے اس لئے بریلوی اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔ اعتراض کرتے ہیں کہ دیوبندی معاذ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے ہیں کہ آپ گدھے پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے۔ کیا گدھے پر سوار ہونا نبی کے لئے معیوب ہے؟ علاوہ ازیں کسی دوسرے موقعہ پر گدھے پر سواری کی ہے یا نہیں؟

شریف الدین سلانوالی سرگودھا

الجواب: علامہ ابن قیم اور ان کے استاذ ابن تیمیہ مسلک حنبلی مذہب کے متبع ہیں اور اکابر اہل السنت والجماعت سے ہیں۔ ابن قیم کی "زاد المعاد" سیرت کی معتبر و مستند کتاب ہے۔ اس لئے حضرت تھانوی نے اس کا حوالہ دیا ہے۔ بریلوی حضرات کے اچھا نہ سمجھنے سے ان دو بزرگوں کی جلالت شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اور گدھے کی سواری کوئی معیوب بات بھی نہیں۔ عرب میں اس کا عام رواج تھا۔ اس لئے آپ صراحت کے ساتھ اس روایت پر قائم رہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ۔

وفات آدم علیہ السلام کے وقت اولاد آدم کی تعداد

س: جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہوئی تو اولاد آدم کی تعداد کتنی تھی؟ جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

حافظ علی محمد بٹ گوجرانوالہ شہر

الجواب: مطابق طبری بوقت وفات آدم علیہ السلام کی اولاد کی تعداد چالیس ہزار تھی۔
عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لم یمت آدم علیہ السلام حتی بلغ ولدہ و ولد ولدہ اربعین الفا۔ (طبری ج ۱ ص ...)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۹/۵/۱۴۰۴ھ

جنگ صفین اور یزید کے بارے میں

زید اور بکر کے درمیان مندرج ذیل سوالات پر گفتگو ہوئی جن کے لئے آپ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ براہ کرم اس بارے میں اہل سنت کے صحیح موقف کو دلائل سے مزین فرما دیں۔

۱: کیا امیر شام معاویہؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جنگ صفین لڑی تھی۔ اس میں ان دونوں فریقوں میں سے کون حق پر تھا؟

۲: جنگ صفین میں حضرت عمار بن یاسرؓ کی شہادت سے کون سا طبقہ باغی قرار دیا جا سکتا ہے؟

۳: کیا امیر شام معاویہؓ نے اپنی زندگی میں یزید لعین کی بیعت کا حکم صادر کیا تھا۔ اگر کیا تھا تو ایک جابر ظالم فاسق بیٹے سے بیعت کرانا جائز تھی یا کہ نہیں؟

۴: خلافت کو ملوکیت میں کس نے تبدیل کیا؟

الجواب: ۱، ۲: حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین جو جنگ صفین ہوئی اس کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصیب ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخطی ہیں۔ لیکن یہ ان کی خطاء اجتہادی تھی جس میں وہ گنہگار نہیں۔ ان کی عدالت و فضیلت پائی جاتی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ واما معاویة رضی اللہ عنہ فهو من العدول الفضلاء والصحابة النجباء واما الحروب التی جرت فكانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب انفسها بسببها وكلهم عدول ومتأولون في حروبهم وغيرها ولم يخرج شيء من ذلك احدا منهم من العدالة لانهم مجتهدون (ج ۲، ص ۲۷۲ - شرح مسلم)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت والی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

هذا الحديث حجة ظاهرة في ان عليا رضي الله عنه كان محقا مصيبا والطائفة الاخرى بغاة لكنهم مجتهدون فلا اثم عليهم لذلك كما قدمناه في مواضع (ج ۲، ص ...)

۳:۴ " ملوکیت " سے سائل کی کیا مراد ہے۔ اگر اس سے مراد ولی عہد بنانا ہے تو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ولی عہد مقرر فرمایا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ حضرات کیلئے یہ معاملہ سپرد فرمایا۔ اسی طرح پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بعد ولی عہد سپرد فرمائی (کمافی البدایہ)۔ لیکن حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات سے یہ جگہ خالی ہوگئی۔ تو یزید کو ولی عہد مقرر کیا گیا۔ پس یہ تو ایسی قابل ملامت بات نہیں۔

اور اگر سائل کی مراد " ملوکیت " سے کچھ اور ہے تو اس کی وضاحت کی جائے۔ بہر حال بادشاہی کوئی حرام چیز نہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔ ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ (سورۃ البقرہ) وجعلکم ملوکا (المائدہ) یزید کے لئے ظالم، جابر، فاسق، ملعون وغیرہ صفات کا اثبات بھی محل نظر ہے۔ خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں تو قطعاً یزید ایسا نہ تھا۔ حقیقت حال یہ ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۳/۱۰/۱۳۹۹ھ

حضرت بلال ؓ کے اذان نہ دینے سے صبح کا طلوع نہ ہونا غلط قصہ ہے

اکثر علماء سے سنا ہے کہ ایک دفعہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان سے روک دیا اور دوسرے مؤذن کو صبح کی اذان کا حکم دیا کیونکہ وہ اشہد کی شین کا تلفظ صحیح ادا نہیں کر سکتے تھے۔ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان نہ دی تو صبح صادق بھی نہ ہوئی۔ صرف ایک دو علماء سے نہیں بلکہ کافی مستند علماء سے سنا ہے۔ لیکن بندہ کا کہنا ہے کہ یہ صرف افسانہ ہے حقیقت نہیں۔ اگر یہ صحیح ہو تو عبارت تحریر فرمادیں اور اگر غلط ہو تو بھی۔

محمد حنیف مدرس جامعہ فاروقیہ تعلیم القرآن چک نمبر ۲۴۳ ج ب ضلع فیصل آباد۔

الجواب یہ بات بہت مشہور ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان بلالاً کان یبدل الشین فی الاذان سینا۔ قال المزی انہ اشتہر علی السنۃ العوام ولم نرہ فی شیء من الکتب اھ (موضوعات کبیر ص ۴۱)۔ سین بلال عند اللہ شین قال ابن کثیر لیس لہ اصل۔ (ایضاً ص ۵۸)۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۲/۴/۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔

حضرت حسنؓ بھی خلیفہ راشد تھے

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار خلفاء راشدین میں ہے یا نہیں؟ نیز لفظ خلافت راشدہ کے جواب میں حق چاریار کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب — حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ راشد ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ الحسن بن علی آخر الخلفاء بنصه (رضی اللہ عنہما) هو آخر الخلفاء الراشدین بنص جده صلی اللہ علیه وسلم خلیفة حق وامام عدل وصدق تحقیقا لما اخبر به جده الصادق المصدوق بقوله الخلافة الخ منصوصا علیها وقام علیه اجماع من ذکر فلا مریة من حقیتها اھ (صواعق محرقہ)۔
اور فقرۂ خلافت راشدہ کے جواب میں حق چاریار ان لوگوں کے رد کے لئے ہے۔ جو شیخین سابقین کو نہیں مانتے ہیں۔ نہ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اخراج کے لئے۔ وہ تو متفق علیہ ہیں۔ نیز فقرہ پر اصرار کرنا بھی درست نہیں۔

فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔
الجواب صحیح : محمد صدیق غفرلہ۔

حضرت حسنؓ نے کتنے نکاح کئے تھے

ایک خطیب صاحب نے بیان کیا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے نوے یا تین سو نکاح کئے تھے جس کا طریقہ یہ تھا کہ رات کو نکاح ہوا اور صبح کو طلاق دے دی جاتی تھی۔ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم اور ان کی بیٹیاں اس نکاح کی خواہش اس لئے کرتی تھیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلوت صحیحہ ملنے پر جہنم سے پناہ ملے گی اور جنت کا حصول ہوگا۔ کیا یہ واقعی درست ہے؟ نیز اس نکاح میں اور متعہ میں کیا فرق ہے؟ محمد قاسم ، احمد پور شرقیہ بہاولپور۔

الجواب — حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حافظ ابن کثیرؒ یہ تحریر فرماتے ہیں۔ — وکان کثیر التزوج وکان مطلاقا ..... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کرنے سے روکا۔ لیکن بعض لوگوں نے یہ جواب دیا لو خطب الینا کل یوم لزوجناه منا من شاء ابتغاء فی صهر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم (البدایہ ج ۸ ص ۳۸) یعنی اگر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں ہر روز منگنی کا پیغام دیں گے تو جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری میں منسلک ہونے کی تمنا ہوگی وہ اسے قبول کرتے رہیں گے۔ مگر نوے یا تین سو نکاح کی کوئی صحیح روایت ہماری نظر سے نہیں گزری۔ اگر خطیب صاحب کا بیان کردہ حوالہ سوال میں تحریر کر دیا جاتا تو اس کی تحقیق کی جا سکتی تھی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲ / ۲ / ۱۳۸۹ھ

حضرت حسینؓ کا قاتل

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے یا نہ؟ اگر ہوئے تو کس نے کیا؟ اور کس مقام پر شہید ہوئے اور کون سی

تاریخ کو شہید ہوئے ہیں ؟

الجواب ــــ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس محرم بروز جمعہ کو کربلا میں شہید ہوئے ۔ سنان بن انس یا شمر نے آپ کو شہید کیا ۔ اور خولی نے آپ کا سر مبارک کاٹ کر عبید اللہ بن زیاد کو پیش کیا ۔

وقتل یوم الجمعۃ یوم عاشوراء سنۃ احدی وستین بکربلا قتلہ سنان بن انس النخعی وقیل قتلہ شمر بن ذی الجوشن واجہز علیہ خولی بن یزید الاصبحی من حمیر حز رأسہ واتی بہ عبید اللہ بن زیاد ۔ اھ کذا فی الاکمال فی آخر المشکوٰۃ ، ص۵۹۵ ۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی مدرسہ ہذا ۔ ۱۴ / ۹ / ۱۴۰۳ھ

حضرت حسین کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے آنے کا ثبوت

ــــ ایک واقعہ مشہور ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک شہادت کے بعد ابن زیاد کے سامنے لایا گیا ۔ اس نے چھڑی ہونٹوں پر ماری ۔ اس پر زید بن ارقم نے منع فرمایا اور فرمایا کہ ان ہونٹوں کو حضور علیہ السلام نے بوسہ دیا ہے ۔ کیا یہ واقعہ درست ہے ؟

الجواب ــــ البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۹۰ ۔ میں علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں ۔ فاذا رأس الحسین موضوع بین یدیہ واذا ہو ینکت فی القضیب بین ثنایاہ ساعۃ فقال لہ زید بن ارقم ارفع ہذا القضیب من ہاتین الشفتین فو اللہ الذی لا الہ الا ہو لقد رأیت شفتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ہاتین الشفتین یقبلہما فقط وکذا فی البصائر واللہ اعلم بالصواب ۔

الاحقر خیر محمد عفی عنہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان ۔ ۱۷ / ۱ / ۱۳۸۵ھ

ماتم کی ابتداء قاتلین حسین سے ہوئی ہے

ــــ دسویں محرم کے دن ایک مخصوص طبقہ جو اپنے آپ کو اثنا عشری مذہب کا پیروکار ظاہر کرتا ہے ایک جلوس شہید کربلا کے غم میں نکالتے ہیں ۔ جلوس میں جھولا ۔ تعزیہ ۔ علم ۔ دلدل ۔ ماتم ۔ سینہ کوبی ۔ نوحہ وغیرہ شامل ہیں ۔ جلوس اور مندرجہ بالا امور کے متعلق اثنا عشری مذہب کی تعلیم کیا ہے ؟ یہ اشیاء اثنا عشری مذہب میں سنت ہیں یا واجب ؟ یا مستحب ہیں ؟ ۔

محمد اسلم خطیب فاروقیہ مسجد ممتاز آباد ملتان

الجواب ــــ اثنا عشری مذہب میں یہ تمام باتیں جو سوال میں درج ہیں حرام ہیں ۔ یہ باتیں خود شیعوں کی معتبر کتب میں ممنوع ہیں ۔ جس طرح ہر مذہب میں پچھلے لوگ بگاڑ پیدا کر دیتے ہیں اسی طرح شیعہ

علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ منعنی ان اقبل منک صدقتک اھ (ابن کثیر ج ۲ ص ۳۷۴) دوبارہ اس لئے کہ جب عمال نے آنحضرت علیہ السلام کا فرمان اس کے پاس بھیجا تو اس نے کہا ان ھذہ الا اخت الجزیۃ اگر وہ صفت صحابیت پر رہتا تو سوال پیدا ہوتا۔ لیکن جب وہ منافق ہو گیا تو سوال کی حاجت ہی نہیں رہی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہ۔

جن صاحب کا قصہ زکوٰۃ کتب تفاسیر وغیرہ میں مذکور ہے اس کا نام ثعلبہ بن ابی حاطب ہے۔ اور جو بدری صحابی ہیں ان کا نام بالاتفاق ثعلبہ بن حاطب ہے۔ غزوۂ احد میں ان کی شہادت ہو گئی تھی۔ جیسا کہ کلبیؒ نے تصریح کی ہے جب یہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس زکوٰۃ لے کر آنے والے کیسے ہو سکتے ہیں۔ الغرض مذکورہ قصہ بدری صحابی کا نہیں۔ نیز خود یہ قصہ بھی صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں، "اصابہ" میں ہے۔ ولا اظنہ یصح۔ والجواب صحیح۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱؍۹؍۱۳۹۰ھ

حضرت اویس قرنیؒ کے بارے میں صحیح روایت

حضرت اویس قرنی کے متعلق اکثر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں ذکر اور تعریف فرمایا کرتے تھے جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ایک ایسے شخص کی تعریف کرتے ہیں جو کبھی آپ کی زیارت تک کے لئے تشریف نہیں لائے۔ تو حضور نے فرمایا تمہیں کیا خبر اس کا کیا مقام ہے اور اس کو میری زیارت تو روز مرہ ہوتی ہے۔ اس کی بوڑھی اور نابینا والدہ ہے جس کی خبر گیری کرنے والا اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے میں نے حکم دیا ہے کہ تم لیں اپنی والدہ کی خدمت کرو۔ میں روزانہ تم کو وہیں زیارت کرا دوں گا۔ کیا یہ سب باتیں درست ہیں یا غلط اور بے بنیاد ہیں؟

الجواب حضرت اویس قرنیؒ کے بارے میں صحیح روایت یہ ہے۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان رجلا یاتیکم من الیمن یقال لہ اویس لا یدع بالیمن غیر ام لہ قد کان بہ بیاض فدعا اللہ فاذھبہ الا موضع الدینار او الدرھم فمن لقیہ منکم فلیستغفر لکم۔ رواہ مسلم۔ وفی روایۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان خیر التابعین رجل یقال لہ اویس ولہ والدۃ وکان بہ بیاض فمروہ فلیستغفر لکم اھ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۸۲)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ "اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ" میں حضرت اویس کے بارے میں ایک دوسری روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

قال ابن حبان باطل محمد بن ایوب کان یضع علی مالک والذی صح فی اویس کلمات یسیرۃ معروفۃ۔ ص ۴۴۹۔ ھکذا فی تذکرۃ الموضوعات۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اویسؓ کے متعلق روایت مسلم میں مذکور منقبت کے علاوہ دیگر کوئی روایت صحیح سند سے ثابت نہیں۔ پس جو روایت سوال میں مذکور ہے محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک غیر معتبر ہے اور کسی معتبر کتاب میں اس کا نشان تک موجود نہیں۔ نیز اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اویس رضی اللہ عنہ کو اپنی زیارت کا شرف اپنی زندگی میں بخشا۔ ایک مرتبہ نہیں بلکہ روزانہ آپ زیارت کراتے تھے۔ اور یہ معلوم ہے کہ آپ کی حیات طیبہ میں جس مسلمان کو زیارت کا شرف حاصل ہو جائے وہ صحابی کہلاتا ہے۔ جبکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ آپ تابعی ہیں صحابی نہیں۔ صاحب اکمال لکھتے ہیں

اویس القرنی ھو اویس بن عامر کنیتہ ابو عمرو القرنی ادرک زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یرہ وبشر بہ وروی عن عمر بن الخطاب ومن بعدہ۔

(مشکوٰۃ ج ۲ ص ۶۰۹)۔

اس سے بھی سوال میں مذکور روایت کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس روایت کا موضوع اور من گھڑت ہونا اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت اویس کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سید التابعین فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت اویس نے حضور کی زیارت نہیں کی۔ جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا تو آپ کے مقابلہ میں کسی اور کی بات کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح ۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔

یزید و مروان کافر تھے یا فاسق و فاجر

یزید اور مروان کے متعلق مختلف باتیں مشہور ہیں ان کے بارے میں صحیح رائے کیا ہے؟ بعض ان کو کافر کہتے ہیں بعض فاسق و فاجر کہتے ہیں؟

الجواب یزید کے بارے میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں لیکن اس کے کفر پر کوئی صحیح دلیل موجود نہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم یزید نے دیا تھا یا نہیں؟ آپ کی شہادت سے اس کو خوشی ہوئی تھی یا رنج؟ اس کے بارے میں دونوں قسم کی روایات ملتی ہیں حقیقت حال اللہ کو معلوم ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ محتاط پہلو اختیار کریں۔

مروان کی طرف تکفیر کی نسبت قطعاً غلط ہے۔ امام بخاریؒ اور امام مالکؒ وغیرہ محدثین نے ان سے روایات لی ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں مروان کی روایت موجود ہے۔ ایسی صورت میں تکفیر کیسے جائز ہو سکتی ہے۔

فقط واللہ اعلم : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ضبط املاک کی حقیقت

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا حضرت عمر بن عبدالعزیز عمر ثانی رح نے اپنے دور حکومت میں عوام کی املاک اور سرمایہ بحق بیت المال ضبط کر لیا تھا۔ اور کیا دین اسلام اس اقدام کی حمایت کرتا ہے؟

نیر الدین ملتان شہر

الجواب — حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے عوام کی املاک اور سرمایہ بحق بیت المال ضبط نہیں کیا تھا کسی تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں۔ کہ حضرت موصوف کے دور میں انفرادی ملکیت کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ جو شخص اس کا مدعی ہے اسے ثبوت پیش کرنا چاہئے۔ بلکہ کتب احادیث و تاریخ سے اس کے برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ حسب سابق انفرادی ملکیت باقی رہی اور زکوٰۃ وعشر اور دیگر صدقات وغیرہ کے احکام پر معاشرہ میں عمل جاری وساری تھا۔ البتہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے بعض لوگوں کے ایسے اموال کو ضبط کر لیا تھا جو ناجائز طور سے ان کے پاس پہنچے ہوئے تھے۔ چونکہ یہ اموال غیر شرعی طور پر بیت المال سے لئے گئے تھے لہٰذا حضرت موصوف نے ان اموال کو لے کر واپس بیت المال میں جمع کر دیا۔ ایسے ناجائز اموال کی ضبطی شرعاً جائز ہے جب کہ یقینی طور پر ان کا ناجائز ہونا ثابت ہو جائے۔ بدون اس کے ایسے اقدام کی اجازت نہیں ہوگی۔ اسلام انفرادی ملکیت کے احترام کا قائل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۷/۴/۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

امام اعظم کا شجرہ نسب

امام اعظم رحمہ اللہ کا شجرہ نسب بیان فرمائیں؟

الجواب — شجرہ نسب حسب ذیل مذکور ہے۔

امام الائمۃ المجتہدین، سراج الامۃ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان بن ثابت بن قیس بن یزدگرد بن شہریار بن پرویز بن نوشیروان بادشاہ۔ (بحوالہ تاریخ ابن خلکان زہدالحق الخفیہ صفحہ ۱)۔

فقط واللہ اعلم بندہ محمد صدیق معین مفتی۔

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ ۔ الجواب صحیح : بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ خادم دار الافتاء ۔ ۲ / ۱۲ / ۱۳۸۵ھ

امام اعظم رحؒ کو ابو حنیفہ کہنے کی وجہ

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو ابو حنیفہ کہنے کی وجہ کیا ہے ۔ اس کنیت کی وجہ مطلوب ہے ۔

(حضرت استاذ القراء مولانا قاری رحیم بخش صاحب دامت برکاتہم صدر مدرس شعبہ قرأت خیر المدارس ملتان)

الجواب

حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو سب سے کٹ کر صرف اللہ کا ہو رہے ۔ اسلام کو دین حنیف اور ملت حنیفہ کہتے ہیں ، کیونکہ اسلام بھی اپنے پیروکاروں کو یہ تعلیم دیتا ہے ۔ امام صاحب نے چونکہ زندگی ہی ملت حنیفہ کی خدمت کے لئے وقف کی ہوئی تھی اس لئے ابو حنیفہ کنیت اختیار فرمائی ۔ جس کا معنی ہے " ملت حنیفہ والا " حقیقت یہی ہے ۔ اس کے علاوہ لوگ جو وجوہ بیان کرتے ہیں وہ درست نہیں ہیں ۔ نہ حنیفہ امام صاحب کی کوئی لڑکی تھی اور نہ ہی حنیفہ نامی کسی لڑکی کی موجودگی میں کوئی سوال و جواب کا قصہ پیش آیا ۔

(الخیرات الحسان : للعلامۃ ابن الحجر المکی الشافعی) فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۔ ۲۶ / ۴ / ۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۔

محمد بن مسلم الزہری مسلّم اہلسنت والجماعت ہیں ان کی طرف رفض کی نسبت کرنا بالکل غلط ہے ۔

جناب مولانا صاحب اس جگہ کئی آدمیوں کا خیال ہے کہ شہاب الدین زہری راوی حدیث شیعہ مذہب رکھتے تھے اور اہل سنت بھی کرتے تھے اس لئے یہاں پر بڑی گڑبڑ ہے آپ برائے مہربانی اس مسئلہ کو حل کرکے تسلی کر دیں کہ وہ واقعی شیعہ تھے یا نہیں ؟ اور بحوالہ کتب صحاح ستہ ان کے فضائل بھی بیان فرما دیں ۔

مولوی اللہ بخش کبیر والا ۔

الجواب

(۱) محمد بن مسلم الزہری الحافظ الحجۃ کان یدلس فی النادر ۔
(میزان الاعتدال للذہبی : ج ۴ ص ۲۱۲)

(۲) وہو ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزہری اتفقوا علی اتقانہ و امامتہ فتح الباری ج ۱ ص ۲۸ ۔ للحافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی ۔

(۳) ہو الامام ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزہری المدنی سکن الشام وہو تابعی صغیر ۔ سمع انسا وربیعۃ وعنہ جماعۃ من کبار التابعین ۔ منہم عطاء وعمر بن عبد العزیز الخ ج ۱ ص ۵۹ ۔ عمدۃ القاری للحافظ بدر الدین العینی ۔

امام ذہبی رح نے امام زہری کو حافظ اور حجۃ فرمایا ہے۔ اور یہ الفاظ توثیق کے عمدہ کلمات سے ہیں۔
حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ محدثین اور ناقدین فن امام زہری رح کی امامت اور اتقان پر متفق ہیں۔ حافظ
عینی حنفی انہیں "حبر الامام" سے ذکر کر رہے ہیں۔ پس ان ائمہ کی توثیق کے مقابلہ میں امام زہری رح کے بارے
میں کسی جرح کو قابل قبول نہیں گردانا جائے گا۔ امام زہری رح یقیناً اکابر اہل السنۃ والجماعت سے ہیں۔ یہ چند
عبارات کہ اس سلسلہ میں کافی سمجھتے ہوئے مزید تتبع کتب کی کاوش نہیں کی گئی۔ امید ہے کہ دیگر کتب فن کی
تصریحات بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہ ہوں گی۔ اگر کسی کتاب میں امام زہری رح کے تشیع کی تصریح مل جائے
تو یہ تشیع ہمارے زمانے کا رفض نہیں جو ہمیں عموماً قریب نظر آرہا ہے۔ بلکہ قرون ثلاثہ اور سلف کا تشیع ہے
جس کا حاصل حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کی رائے سے اتفاق رکھنے والے دیگر صحابہ
کرام رض میں کچھ کلام کرنا، اور حضرت علی رض کو حضرات شیخین رض سے افضل کہنا ہے۔

كما فصله الذهبي في ميزان الاعتدال في ترجمة ابان بن تغلب ونصه
وابان بن تغلب الكوفي شيعي جلد لكنه صدوق فلنا صدقه وعليه بدعته
وقد وثقه احمد بن حنبل وابن معين وابو حاتم وقال كان غاليا
في التشيع فلقائل ان يقول كيف ساغ توثيق مبتدع وجوابه ان
البدعة على ضربين فبدعة صغرى كغلو التشيع او كالتشيع
بلا غلو ولا تحرف فهذا كثر في التابعين وتابعيهم مع الدين
والورع والصدق ثم بدعة كبرى كالرفض الكامل والغلو فيه
والحط على ابي بكر وعمر رضي الله عنهما والدعاء الى ذلك فهذا النوع
لا يحتج بهم فما استحضر الآن في هذا الضرب رجلا صادقا
ولا مأمونا بل الكذب شعارهم والتقية والنفاق دثارهم
فالشيعي الغالي في زمان السلف وعرفهم هو من تكلم في عثمان
والزبير وطلحة ومعاوية والغالي في زماننا هو الذي يكفر هؤلاء السادة
فهذا ضال مفتر ولم يكن ابان بن تغلب يعرض للشيخين اصلا
بل قد يعتقد عليا افضل منهما۔

اور اتنی بات مسلّط ہذا ملت ولقا حجت نہیں جس امام زہری رح بلا شبہ حافظ اور حجت ہیں جیسے کہ پیچھے
گزر چکا ان کے حق میں زبان درازی کرنا اپنی عاقبت خراب کرنے کے مترادف ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان

۱۴ ـــ ۴ ـــ ۱۳۸۰ھ

غنیۃ الطالبین میں "فرقہ ضالہ" سے مراد "فرقہ غسانیہ" ہے احناف نہیں

غنیۃ الطالبین میں شبہ

سوال: شیخ عبدالقادر جیلانی رح حنفیہ کو فرقہ مرجیہ کی شاخ قرار دے کر گمراہ فرقوں میں شمار کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ شیخ صاحب نے کہیں احناف کی تعریف بھی لکھی ہے؟

الجواب حضرت شیخ کی مراد اس عبارت سے "فرقہ غسانیہ" ہے۔ جس کا بانی "غسان بن ابان کوفی" تھا۔ جو اصول میں مرجیہ کا معتقد تھا اور فروع میں امام ابوحنیفہ رح کی اتباع کا دعوے کر کے حنفی کہلاتا تھا۔ چونکہ وہ لوگ اس کے متبعین اعتقاد ارجاء کی وجہ سے اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہونے کے باوجود اپنے آپ کو حنفی مشہور کیا کرتے تھے۔ اس لئے حضرت شیخ رح نے اصول اختلاف کے بیان میں اس فرقہ ضالہ کو ان کے مشہور لقب سے ذکر کیا۔

واما الحنفية فهم اصحاب ابي حنيفة نعمان بن ثابت زعموا ان الايمان هو المعرفة والاقرار بالله ورسوله۔

ورنہ جو لوگ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے اصول و فروع میں امام ابوحنیفہ رح کے مقلد ہیں ان کو حضرت شیخ کیونکر برا کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ جس اکرام و احترام سے دوسرے ائمہ رح کا ذکر کرتے ہیں اسی احترام و اکرام سے امام ابوحنیفہ رح کا اسم گرامی بھی ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ نماز فجر کا وقت ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قال الامام ابو حنيفة الاسفار افضل اھ یہ اجمالی جواب ہے تفصیلی جواب کے لئے دیکھئے رسالہ "الرفع والتکمیل" مؤلفہ مولانا عبدالحی رح از صفحہ ۵۵ تا صفحہ ۶۰ (خیر الاصول ص ۱۱)۔

فقط واللہ اعلم : بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : خیر محمد عفی عنہ۔

صرف، نحو، فقہ، حدیث و تفسیر کب مدون ہوئے؟

سوال: علم صرف و نحو، تفسیر و حدیث اور فقہ کب ایجاد ہوئے تھے؟ دور نزول القرآن میں ان کا وجود تھا یا نہیں؟

الجواب مذکورہ علوم تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں مدون ہوئے۔ علم نحو کو "ابوالاسود دؤلی" نے جسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شرف صحبت حاصل تھا، مدون کیا شروع

کر دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے حکم کیا تھا۔ اور کچھ قواعد بھی بیان فرمائے تھے۔ ایک دفعہ ابوالاسود نے کسی کو قرآن مجید کی ایک آیت اس طرح پڑھتے سنا۔ ان اللہ بری من المشرکین ورسولہ۔ یعنی رسولہ میں لام پر کسرہ پڑھا جس سے معنی بالکل غلط ہو جاتے ہیں۔ یہ واقعہ بھی محرک بنا تدوین نحو کا۔ چنانچہ اس نے کچھ قواعد و ضوابط مرتب کئے۔

علوم حدیث، تفسیر اور فقہ بھی حضرات تابعین، تبع تابعین کے زمانہ میں مدوّن ہونا شروع ہو گئے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ نے محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری کو تدوین حدیث کا حکم دیا۔ یہ ... فن حدیث میں مکہ، مدینہ، اور شام کے بے نظیر عالم تھے۔ علاوہ ازیں ابن جریج نے مکہ میں، ابن اسحاق اور امام مالک رحمہ نے مدینہ میں، ربیع بن صبیح، سعید بن عروبہ اور حماد بن ابی سلمہ نے بصرہ میں، سفیان ثوری نے کوفہ میں، اوزاعی نے شام میں، ہشیم نے واسط میں، معمر نے یمن میں، جریر بن عبدالحمید نے رے میں، اور ابن مبارک نے خراسان میں احادیث کو جمع کرنا شروع کیا۔ یہ سب حضرات زمانہ خیر القرون میں تھے۔ اسی طرح فقہ[1] کی تدوین بھی اسی دور میں ہوئی۔ علم تفسیر، علم حدیث کا ایک جزء ہے۔ کتب حدیث میں باب التفسیر مستقل باب آتا ہے۔ الحاصل یہ تمام علوم دور خیر القرون میں مدوّن ہو گئے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، شیر محمد عفا اللہ عنہ۔ بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ ۳ر۴ر۱۴۰۱ھ

تجدید دین میں علماء دیوبند کا مقام

سوال: حدیث میں ہر صدی کے بعد مجدد کے آنے کا ذکر ہے۔ اس مجدد کی علامات کیا ہیں؟ ہندوستان میں گزشتہ صدی میں مختلف افراد اور جماعتیں مجدد ہونے کی مدعی رہی ہیں۔ ہمارے اکابر رحمہم اللہ کے نزدیک یہ شرف کسے حاصل ہوا ہے؟

مولانا محمد یوسف حقانی خطیب مکی مسجد میاں چنوں۔

الجواب تجدید و احیاء دین کے بارے میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ان اللہ یبعث لہذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لہا دینہا۔ (رواہ ابو داؤد، والطبرانی، والبیہقی وابن عدی، والحاکم)۔

---

[1] اس سمت میں ترتیب فقہ اور مسائل کے استنباط و استخراج کا شرف اولیت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو حاصل ہے۔ اس سے پہلے عام طور پر لوگوں کا دارومدار حافظہ پر تھا۔ امام مالک رحمہ بھی اس سلسلہ میں آپ کے خوشہ چین ہیں۔ ابن حجر شافعی رحمہ نقل کرتے ہیں۔

انہ اول من دوّن علم الفقہ ورتبہ ابوابا وکتبا علی نحو ما ھو علیہ

اليوم وتبعه سالك فى منهاجه ومن قبل انما كانوا يعتقدون علمه ۔

صفحہ ۱۸ - (التحریرات الحسان ص۳) - محمد انور : مرتب خیر القادری ۔

اور یہ شرف کبھی ایک فرد کو حاصل ہوتا ہے اور کبھی ایک جماعت کو۔ بلکہ بعض محدثین نے جماعت کے مجدد ہونے کو ترجیح دی ہے۔ (بذل المجہود ج ۵، ص ۱۲۳) جس جماعت کو یہ شرف حاصل ہوتا ہے اس میں ان صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱ ۔ اس جماعت میں شریک افراد علوم ظاہری و باطنی کے جامع ہوں۔

۲ ۔ ان کی تدریس و تذکیر، تالیف و تصنیف سے عام فائدہ ہو۔

۳ ۔ ایک صدی کے آخر میں اور دوسری صدی کے شروع میں ان کے علم کا عام شہرہ ہو۔

۴ ۔ وہ جماعت سنن کو قائم رکھتے ہیں اور بدعات کو مٹانے میں کوشاں ہو۔ (مجدد تھانوی ج ۱ ص ...)

ان علامات و صفات کی روشنی میں تجدید و احیاء دین میں علماء دیوبند کا مقام بہت واضح نظر آتا ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے حالات تاریخ جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ زندگی کے ہر میدان میں مسلمان تنزل کی طرف جا رہے تھے۔ علمی زوال کا یہ حال تھا کہ بقول حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ "دہلی میں جہاں سلطان محمد تغلق کے دور میں ایک ہزار مدارس قائم تھے انگریزی تسلط کے بعد ایک بھی مدرسہ باقی نہ رہا تھا۔ علماء بھی چار دین تصنیف کے جرم میں، پھانسی چڑھا دیئے گئے تھے یا انہیں کالا پانی بھیج دیا گیا تھا۔ باقی ماندہ حضرات منتشر اور اپنے اپنے حالات میں گرفتار تھے۔

(الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر ص ...)

ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ میل جول کی معاشرت کی وجہ سے مختلف غیر اسلامی اعمال و افعال مسلمانوں کی زندگی کا جزو بن گئے تھے۔ وہ رسوم و بدعات کے دلدادہ تھے۔ پیر پرستی اور قبر پرستی کا فتنہ عام تھا اور جو کچھ تھوڑی بہت موجود تھی ہر جگہ رکھتے تھے وہ بقاعدہ الناس علی دین ملوکہم تیزی سے انگریز اور انگریزی تہذیب کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ مختصر الفاظ میں مسلمانوں کی حالت یہ تھی۔ ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

مزید برآں یہ کہ انگریز حکمران طبقہ یہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو ذہنی طور پر مفلوج کر کے ہمیشہ کے لئے انہیں اپنا غلام بنا لے اور ان کے ذہنوں کو رفتہ رفتہ ایسا بدلا جائے کہ وہ ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے اپنے وجود کو فراموش کر بیٹھیں اور اپنے تابناک ماضی سے غافل ہو جائیں۔ اور ان کی دینی روایات اور تہذیبی اقدار قصۂ پارینہ

ہو جاتی ہیں۔ ذہنی انقلاب لانے کے لئے سب سے موثر اور کامیاب حربہ نظامِ تعلیم ہے۔ چنانچہ مشہور انگریز لارڈ میکالے نے ہندوستانی باشندوں کے لئے جس نظامِ تعلیم کی سفارش کی اس کا مقصد اس کے اپنے الفاظ میں یہ تھا کہ "ہمیں اس وقت ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہئے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض انجام دے سکے جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں۔ ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر مذاق، طرزِ فکر، اخلاق اور فہم و فراست کے لحاظ سے انگریز ہو" اور نتیجہ یہ ہوا کہ جن مسلمان خاندانوں نے انگریز کی اس چال کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس کے نظامِ تعلیم کو اپنایا وہ رفتہ رفتہ اپنے عملی و تہذیبی ورثہ کو بالکل فراموش کر بیٹھے۔

جب اس زوال و انحطاط کی انتہا ہو گئی تو عادۃ اللہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے چند بندوں کو منتخب کر کے انہیں کھڑا کیا وہ سر جوڑ کر بیٹھے، ملک و ملت کے حالات پر غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ موجودہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اور تجدید و احیاءِ دین کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی درس گاہ قائم کی جائے جس میں اسلام اور اسلامی علوم اپنی صحیح شکل و صورت میں محفوظ رہ سکیں، اور اس درس گاہ کے فیض یافتہ مسلمانوں کی فکری و عملی رہنمائی کر سکیں۔

چنانچہ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ کو قصبہ دیوبند کی چھتہ کی مسجد میں جسے مسجد چھتہ کہتے ہیں انار کے درخت کے نیچے اس درس گاہ کا آغاز کیا گیا۔ اس کی بنیاد رکھنے والوں کے خلوص و للہیت کا نتیجہ ہوا کہ تھوڑے عرصہ بعد یہ سادہ سی درس گاہ ایک بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گئی، اور یہاں علم و فضل کے ایسے ایسے آفتاب و ماہتاب چمکے کہ جنہوں نے ایک دنیا کو جگمگا دیا۔

اس درس گاہ میں صرف نصاب و الفاظ کی تعلیم نہیں دی جاتی تھی بلکہ یہ ایک عملی تربیتی درس گاہ بھی تھی۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم کے قرن اول کے طلباء میں سے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ

> "ہم نے دارالعلوم کا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ جب اس کے ایک چپڑاسی سے لے کر صدر مدرس و مہتمم تک ہر شخص ولی کامل تھا۔ دن کے وقت یہاں علوم و فنون کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت اس کا گوشہ گوشہ ذکر اللہ اور تلاوت قرآن پاک سے گونجتا تھا۔"

اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ دارالعلوم سے فارغ ہونے والے علماء اسلام کی تعلیم کا مجسم ہوتے تھے اور وہ جہاں جا کر بیٹھے ایک جہان کو سچا مسلمان بنا کر اٹھے۔ ان لوگوں نے عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، سیاست اور اجتماعی امور میں وہ تابناک کردار ادا کئے جو آنے والوں کے لئے ہمیشہ مشعلِ راہ رہیں گے۔ بقول حسرت

اس عرصہ میں دارالعلوم کو عالمگیر شہرت حاصل ہو گئی جس کا ثبوت دارالعلوم کی وہ روئیدادیں ہیں جن میں دور دراز کے ممالک سے آنے والے طلباء کی تفصیلات، فضلاء کی تعداد اور ملک اور بیرون ملک سے آنے والے فقہی استفسارات ہیں۔ دارالعلوم نے ۱۲۸۳ھ سے ۱۳۸۳ھ تک کے عرصہ میں ۱۱۶۴ مشائخ طریقت، ۵۸۸۸ مدرسین، ۱۲۸۴ مصنفین، ۱۶۴۲ مفتی، ۱۵۴ مناظر، ۴۲۸۸ صحافی، ۵۸۴۲ خطیب و مبلغ اور ۴۸۸ طبیب پیدا کئے۔ ان میں بعض حضرات بہت اونچے درجے کے تھے اور اپنے اپنے فن میں امام مسند کی حیثیت رکھتے تھے۔ دنیا کے کسی دینی یا دنیاوی ادارے نے اتنے عرصہ میں معمولی خرچ میں اتنا قیمتی سرمایہ پیدا کیا ہوگا۔ اولٰئک آبائی فجئنی بمثلہم، اذا جمعتنا یا جریر المجامع۔

علماء دیوبند کی خدمات میں بڑا حصہ ان کی تصانیف ہیں۔ چنانچہ تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، عقائد و کلام، تاریخ و معاشرت، سیاست، اصلاح رسوم، احسان و تصوف اور دیگر علوم عصریہ ضروریہ میں سے کوئی ایسا موضوع نہیں جس پر علماء دیوبند کی گراں قدر تصانیف موجود نہ ہوں۔ صرف حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ کی چھوٹی بڑی تصانیف ایک ہزار سے زائد ہیں۔ جن میں زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق راہنمائی موجود ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق مشہور و معروف تصانیف کو شمار کیا جائے تو قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر اور اس کے متعلقات پر علماء دیوبند کی ستائیس تصانیف ہیں۔ جن میں سے بعض آٹھ اور بعض بارہ جلدوں پر مشتمل ہیں۔

ایسے ہی حدیث اور اس کے متعلقات پر چالیس سے زائد تصانیف معروف و مشہور ہیں جن میں بعض شروح حدیث بہت مفصل اور ضخیم ہیں۔ ان میں "تکملہ اعلاء السنن" جو اٹھارہ جلدوں پر مشتمل ہے ایک ایسی عظیم کتاب ہے جو پورے ہندو پاک کے لئے باعث فخر ہے۔

ایسے ہی فقہ اور اس کے متعلقات پر بڑی بڑی کتابیں تیس سے زائد ہیں جن میں سے بعض فتاویٰ کی کتب بارہ جلدوں پر بھی مشتمل ہیں۔ عقائد و کلام کے موضوع پر تقریباً ستر کتب متداول ہیں۔ جن میں بعض کی متعدد جلدیں ہیں۔ ادب و لغت میں ۲۱ تصانیف موجود ہیں۔ تاریخ و سیرت پر سنتر سے زیادہ کتب عوام و خواص میں مقبول ہیں۔ علماء دیوبند کے اس علمی ذخیرہ کو دیکھتے ہوئے عالم اسلام کے ایک جلیل القدر عالم شیخ عبدالفتاح ابوغدہ استاذ ریاض یونیورسٹی (سعودی عرب) نے فرمایا۔

علم و تقویٰ کے اساطین سے مالا مال اس عظیم الشان ادارے کے علماء عظام کی خدمات جلیلہ کا ذکر کرتے ہوئے میں درخواست کرنا چاہتا ہوں بلکہ نذرانہ جرأت کروں گا، وہ یہ کہ ان علماء کرام کا فریضہ ہے کہ اپنے منفرد انہ عقول کے نتائج فکر اور بیش بہا علمی فیوض و تحقیقات کو عربی زبان

کا جامہ پہنا کر عالم اسلام کے دوسرے علماء کے لئے استفادے کا موقع فراہم کریں۔ ان حضرات کی بعض کتب تو وہ ہیں جن میں ایسی چیزیں آ گئیں جو متقدمین علماء اکابر، مفسرین، محدثین، اور حکماء کے یہاں بھی دستیاب نہیں ہوتیں۔"

الغرض تیرہویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی کے شروع میں ان حضرات کی علمی و عملی فضیلت کا عام شہرہ تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ورثہ نبوت کی حفاظت انہی بوریہ نشینوں نے کی ہے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ دارالعلوم کے ایک فرزند جلیل، محدث کبیر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے آج سے تقریباً چالیس سال قبل ایک مضمون میں لکھا تھا کہ

"جو حقائق میری آنکھوں کے سامنے ہیں وہ مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ میں علی رؤس الاشہاد دعویٰ کروں کہ اگر سر زمین دیوبند سے یہ چشمہ صافیہ نہ نکلتا تو تیرہویں صدی کے آخر میں ہندوستان سے قرآن و سنت کے علوم کا خاتمہ ہو گیا ہوتا"

دارالعلوم نے اپنی تدریس و تذکیر اور تالیف و تصنیف کے ذریعہ بے دینی کی ہر تحریک کا مقابلہ کیا۔ ہندوستان میں قادیانیت کی تحریک اٹھی تو علماء دیوبند اور ان کے متعلقین کی ایک سو اکتیس تصانیف میدان میں آگئیں اس سلسلہ میں ان حضرات نے جو علمی جد و جہد کی اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں وہ بھی تاریخ کا ایک ناقابل فراموش باب ہے۔ علماء دیوبند کی خدمات اس کی محتاج نہیں کہ ان پر کوئی شہادت پیش کی جائے تاہم ایک مغربی مفکر کی رائے پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں جس نے اس وقت کی ایک اور مذہبی اصلاحی تحریک کا اور دارالعلوم کی خدمات کا منصفانہ موازنہ کیا ہے۔ ع والفضل ما شہدت بہ الاعداء۔

"دارالعلوم دیوبند دنیائے اسلام کا ایک اہم ترین ادارہ ہے قدرتی طور پر اس کا اثر ہندوستان میں بہت زیادہ ہے بالخصوص اس وجہ سے کہ دیوبند نے ہندوستان کی معاشی ترقی میں اپنی قدیم روایات کے مطابق کافی دلچسپی لی ہے۔ اور ان قدیم روایات کا مبدا شاہ ولی اللہ دہلوی کی تحریک ہے۔ ان ہی روایات کے پیش نظر دیوبندی علماء نے مختلف انقلابی تحریکوں میں حصہ لیا ہے۔ بریلوی طرز فکر کے برعکس دیوبندی طرز فکر اس سے مطمئن نہیں کہ حالات جوں کے توں رہیں بلکہ وہ حالات کو ترقی دینے کی جد و جہد میں بڑے عزم اور جوش کے ساتھ کوشاں ہیں۔ اس کا نقطہ نظر حقیقی اسلام کا احیاء ہے یعنی مسلمانوں کو مذہبی تنگی کی بداعمالیوں، رسم و رواج کی پستیوں اور اس مادی دست برد سے نجات دلانا ہے جس کے وہ برطانوی تسلط کے وقت سے شکار ہو رہے تھے۔" (ماڈرن اسلام ان انڈیا)

مصنف ڈاکٹر کانٹول اسمتھ، ڈائرکٹر اسلامک انسٹیٹیوٹ میکگل یونیورسٹی کناڈا

الحاصل حقائق و واقعات کی رو سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہندوستان میں تجدید و احیاء دین کے سلسلہ میں علماء دیوبند کی خدمات سب سے زیادہ ہیں۔ اگر کوئی اور فرد یا جماعت بھی اس کی مدعی ہے تو مذکورہ بالا علامات تجدید کی روشنی میں اس کے دعوے کی صداقت معلوم کی جاسکتی ہے۔ وللہ در القائل ۔

بنما بصاحب نظرے گوہر خود را
عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور نائب مفتی خیر المدارس ملتان شہر

حضرت مدنی رح اور علامہ اقبال کا اختلاف اخبارات کی غلط رپورٹ کی وجہ سے ہوا۔

حکیم الامت حضرت علامہ اقبال کے فرمودہ درج ذیل اشعار پیش خدمت ہیں براہ مہربانی مطلع فرمائیں کہ علامہ موصوف نے یہ اشعار کب اور کس ضرورت کے تحت کہے تھے؟

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ ٭ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است ٭ چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ٭ اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

۲: اس کے علاوہ علامہ موصوف کا یہ بھی قول ہے۔ "دین ملا فی سبیل اللہ فساد" یہ علامہ نے کس موقعہ پر کہا تھا؟

الجواب ۸ جنوری ۱۹۳۸ء کو صدر بازار دہلی میں منعقد ہونے والے ایک جلسے میں حضرت اقدس حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک تقریر فرمائی جس میں آپ نے فرمایا "موجودہ زمانے میں قومیں وطن سے بنتی ہیں نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں۔ دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک قوم شمار کیے جاتے ہیں حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں اور نصرانی بھی۔ پروٹسٹنٹ بھی ہیں، کیتھولک بھی۔ یہی حال امریکہ جاپان فرانس وغیرہ کا ہے" (مکتوبات حضرت مدنی رح بنام علامہ طالوتؒ)

حضرت اقدس رح کی یہ تقریر دہلی کے اخبار "تیج" اور "انصاری" میں چھپی۔ اخبار "الامان" اور "وحدت" نے بھی اس تقریر کے اقتباسات شائع کیے۔ مؤخر الذکر دونوں اخباروں سے "انقلاب" اور "زمیندار" نے نقل کیا۔ "الامان" میں نقل کرنے والا مظہر الدین شیرکوٹی حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا سخت مخالف تھا اس نے "الامان" میں یہ الفاظ لکھے۔

"رات کے جلسے میں مولانا مدنی نے کہا کہ قومیں وطن سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں بنتیں"

"انقلاب" اور "زمیندار" نے لکھا۔

"حسین احمد دیوبندی نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ چونکہ اس زمانے میں قومیں وطن سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں بنتیں۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ بھی اپنی قومیت کی بنیاد وطن کو بنائیں۔"

واضح رہے کہ اخبار "انقلاب" اور "زمیندار" لاہور کے تھے جب یہ اخباری اطلاع ملی کہ حضرت مدنی نے یہ کہا ہے تو انہوں نے وہ تین اشعار سپرد قلم کئے جن میں اس نظریے کی تردید کی گئی تھی کہ "قومیں وطن سے بنتی ہیں" اور ساتھ ہی حضرت مدنی پر بھی طنز کیا گیا تھا۔ علامہ کے یہ اشعار اخبار "احسان" میں چھپے۔ ہر دو شخصیتیں ملک کی ممتاز ہستیاں تھیں۔ اس لئے اخبارات میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ تائید و تردید کے بیانات شروع ہو گئے۔ علامہ طالوت مرحوم نے حضرت اقدس مدنی رح کو لکھا کہ اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ آپ نے کہا ہے "قومیں وطن سے بنتی ہیں" اور آپ نے مسلمانانِ ہند کو مشورہ دیا ہے کہ مسلمانانِ ہند کو بھی ایسا کرنا چاہئے۔ اس پر علامہ اقبال نے اشعار بھی لکھ دیئے۔ حضرت رح نے جواب میں علامہ طالوت کو لکھا

"الفاظ پر غور کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق و سابق پر نظر ڈالی جائے۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں یہ اس زمانے کی جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ ہم کو ایسا کرنا چاہئے یہ خبر ہے انشا نہیں۔ اس کو مشورہ قرار دینا کس قدر غلط ہے۔"

(اقتباس از مکتوب حضرت اقدس رح)

علامہ طالوت رحمہ اللہ تعالیٰ نے خط کا یہی اقتباس ڈاکٹر محمد اقبال رح کو لکھ بھیجا۔ ساتھ ہی حضرت مدنی کا یہ بیان اخبارات میں شائع ہوا کہ "میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیت اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیا۔" علامہ اقبال پر جب یہ حقیقت حال منکشف ہوئی کہ واقعہ کچھ تھا اخبارات نے کچھ لکھا۔ اور حضرت مدنی رحمہ اللہ نے وہ بات نہیں کہی جو ان سے منسوب کی گئی ہے اور جس پر انہوں نے تنقید کی ہے، تو انہوں نے اخبار "مدینہ" بجنور اور "احسان" لاہور میں معذرت شائع کی جس میں یہ فرمایا کہ

"مجھے اس کے بعد ان پر اعتراض کرنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔" (احسان)

"مجھے غلط خبر پہنچی تھی جس کی وجہ سے میں نے برافروختہ ہو کر ان پر تنقید کی۔ اب اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہو گئی اس لئے میں مولانا مدنی سے خواستگار معافی ہوں۔ امید ہے کہ مولانا مجھے معاف فرمائیں گے۔" (مدینہ بجنور)

یہ تو ان اشعار کا پس منظر اور ان اشعار کی حیثیت تھی۔ اس کے ساتھ ایک ضروری گزارش یہ بھی ہے کہ جب علامہ مرحوم نے اپنا یہ اعتراض واپس لے لیا اور ان اشعار کو کالعدم قرار دے دیا تو ناشر جیسے " ارمغان حجاز " جس میں یہ اشعار درج ہیں، کو چاہیے تھا کہ یا تو ان اشعار کو قلمزن کر دیا جاتا، اور اگر چھاپنے بہت ہی ضروری تھے تو ان اشعار کے ساتھ تصریح کر دی جاتی کہ علامہ مرحوم نے حقیقت حال معلوم ہونے پر یہ اعتراض واپس لے لیا تھا۔ تاکہ قارئین کرام بالخصوص نئی نسل حضرت اقدس رح کے بارے میں بدظنی سے محفوظ رہے۔ کیوں کہ پس منظر سے ناواقف ان اشعار کو پڑھنے والا تو اب بھی یہی سمجھے گا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کا یہی نظریہ تھا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر علامہ مرحوم اپنی زندگی میں " ارمغان حجاز " شائع کرتے تو ان اشعار کو ضرور قلمزن کر دیتے۔ اخبار " احسان " میں بیان دینے کے تقریباً تین ہفتے بعد وہ دنیا سے رحلت فرما گئے اور " ارمغان حجاز " بعد میں ترتیب دے کر شائع کی گئی۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید " سرگزشت اقبال صفحہ " میں لکھتے ہیں۔

" اگر وہ " ارمغان حجاز " کی ترتیب اپنی زندگی میں کرتے تو شاید وہ تین اشعار درج نہ کرتے جن میں مولانا حسین احمد مدنی پر چوٹ کی گئی تھی "

خواجہ عبدالوحید " اقبال ریویو صفحہ " میں لکھتے ہیں۔

" ارمغان حجاز اگر حضرت علامہ علیہ الرحمۃ کی زندگی میں چھپتی تو یہ نظم اس میں شامل نہ ہوتی "

زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو دیکھئے کتاب " اقبال کے ممدوح علماء " مرتبہ قاضی افضل حق قرشی۔ اور ماہنامہ " الرشید " جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا " مدنی و اقبال نمبر "۔

تھا یہ کہ تڑپا سکے تیرے دل میں بسی میری بات

(اقبال)

۲ : خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد جب ہندوستانی علمائے اسلامیہ نے سوچا کہ برصغیر کو انگریز سے آزاد کرایا جائے جب یہ لوگ سر بکف ہو کر میدان میں اترے تو ایک مخصوص گروہ نے ان کے خلاف محاذ بنا لیا اور ان پر طرح طرح کے اعتراضات شروع کر دیئے حتیٰ کہ ان کے خلاف علانیہ کفر کے فتوے دیئے۔ بریلویوں کی کافرگری کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ اکثر رہنمایان ملت کو انہوں نے کافر قرار دے دیا۔ اس سلسلہ میں تفصیل مطلوب ہو تو مندرجہ ذیل کتب دیکھئے۔

۱ : قہر القادر علی الکفار اللئام ملقب بہ لیڈروں کی سیہ کاریاں۔ مصنفہ مولوی محمد طیب قادری فاضل حزب الاحناف لاہور۔

۲ : مسلم لیگ کی زرین بخیہ دری۔ مصنفہ مولوی اولاد رسول قادری۔

۳ ۔ احکام نوریہ شرعیہ ، مصنفہ مولوی حشمت علی خان ۔

۴ ۔ تجانب اہل السنۃ ، مصنفہ مولوی محمد طیب قادری فاضل حزب الاحناف لاہور ۔

۵ ۔ الدلائل القاہرہ علی الکفرۃ النیاچرہ ، مولوی احمد رضا خان ۔

اسی دور میں علامہ اقبال ؒ کے افکار تازہ ملت اسلامیہ کے سامنے آ گئے ۔ اور حق یہ ہے کہ علامہ مرحوم نے اپنے پُر حکمت کلام سے جو ملت کی خدمت کی ہے ملت اسلامیہ اسے قیامت تک فراموش نہیں کر سکتی علامہ مرحوم دل و دماغ سے ایک سچے اور پکے مسلمان تھے ۔ ان کافر گروں کی مشق ستم سے علامہ جیسی شخصیت بھی نہ بچی ۔ " ذکر اقبال " میں عبدالمجید سالک لکھتے ہیں ۔

" مولانا ابو محمد دیدار علی خطیب مسجد وزیر خان نے نہ صرف اقبال کی تکفیر کی بلکہ تمام مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ وہ ان سے ملنا جلنا ترک کر دیں ورنہ سخت گناہ گار ہوں گے ۔ " (ذکر اقبال ص[illegible])

محمد طیب قادری اپنی مشہور کتاب " تجانب اہل السنۃ " میں علامہ اقبال ؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " یہ ترجمانی حقیقت ہے یا ترجمانی ابلیسیت " ص ۲۲۲ ، صفحہ ۲۴۴ پر لکھتے ہیں " ڈاکٹر صاحب کی زبان پر ابلیس بول رہا ہے ۔ "

اس کتاب پر بڑے حضرت احمد رضا خان صاحب کی جماعت سے چالیس علماء کی تصدیق موجود ہے ۔ اعلیٰحضرت کے ایک سوانح نگار نے اپنی کتاب " سوانح اعلیٰ حضرت " میں ایک مستقل عنوان باندھا ہے " نام نہاد مفکر اسلام " اس کے تحت لکھتے ہیں ۔ " ڈاکٹر اقبال نے بھی اپنی شاعری کے بل بوتے پر اسلام کو کچھ کم دھکا نہیں پہنچایا ہے " آخر میں لکھتے ہیں " میری طرف سے گزارش ہے کہ وہ ابھی کچھ نہیں تو کم از کم مسلمان بھی نہیں " ص ۹۳

علامہ مرحوم علماء کے اس طبقے سے بہت بد دل اور مایوس تھے ۔ ملت اسلامیہ میں جب ان فتووں کی بدولت فتوے بازی شروع ہوئی اور لوگ آپس میں دست و گریباں ہونے لگے اور اصل مقصد سے توجہ ہٹ گئی تو علامہ مرحوم نے ایسے علماء کو بے نقاب کرنے کے لئے چند اشعار کہے ۔ جن کی ابتداء میں اس گروہ کی مشہور علامت کافر گری سے کی ۔ ؎

دین حق از کافری رسوا تر است ؛ زانکہ ملا مومن کافر گر است

اس کے بعد ساتویں شعر میں فرماتے ہیں ؎

دین کافر فکر و تدبیر جہاد ؛ دین ملا فی سبیل اللہ فساد

(کلیات اقبال ، ص ۶۹۹)

اس پس منظر سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ علامہ مرحوم کا اشارہ کن علماء کی طرف ہے ۔ کتاب " اقبال کے

مندرج علماء ، حضرات پر تحریر ہے ۔

" یہ وضاحت ضروری ہے کہ بریلوی مکتب فکر کے مولویوں کے سوا برِ اعظم پاک و ہند کے کسی بھی عالم نے تکفیر نہیں کی ۔"

اس کتاب میں ان علماء حق کا بھی ذکر ہے جن کے علم و عمل سے علامہ مرحوم حد درجہ متاثر تھے اور ان سے استفادہ کرتے تھے ۔ بالخصوص علماء دیوبند میں سے حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ سے تو علامہ مرحوم بہت ہی متاثر تھے ۔ ان کی صحبت کو غنیمت سمجھتے بلکہ دوست و احباب کو ساتھ لے کر ان کی مجلس میں شرکت فرماتے ۔ اور علامہ کاشمیری بھی ڈاکٹر صاحب کے ذہن کے قدر دان تھے ۔ واللہ ولی التوفیق

قدرِ جوہر جوہری بداند

فقط واللہ اعلم ، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳ر ۱ر ۱۴۰۱ھ

حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی حضرت مدنیؒ سے عقیدت

حضرت مولانا خیر محمدؒ حضرت مدنی رحمہ کے بارے میں کس قسم کے خیالات رکھتے تھے ۔ حقیقت سے آگاہ فرمائیں کسی صاحب نے اس سلسلہ میں شبہ میں مبتلا کر دیا ہے ۔

الجواب آپ کو حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے متعلق غلط اطلاع ملی ہے انہوں نے کبھی دوران درس ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں نہ نجی گفتگو میں بلکہ ان کے متعلق ایسے الفاظ کبھی سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے جہاں تک ہماری معلومات ہیں وہ حضرت مدنیؒ کی تعریف فرمایا کرتے تھے ہیں ۔ حضرت کی تصنیف " نقش حیات " کو ملفوظات کی طرح اپنے حلقہ میں پڑھتے پڑھاتے رہے ہیں ۔ بلکہ حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ اور حضرت مدنیؒ کا اختلاف بھی صرف سیاسی تھا اس میں مذہبی رنگ ہرگز نہ تھا دونوں حضرات ایک دوسرے کا اکرام کرتے تھے ۔ پھر ان کے مریدین کس طرح اس اختلاف کو کوئی اور رنگ دے سکتے ہیں ۔ حضرت مولانا خیر محمدؒ تو بڑے محتاط بزرگ ہیں اور صلح کل مسلک رکھتے ہیں ۔ یہ سوءِ ظن دانستہ کسی دشمن نے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے وہ قطعاً اس سے بری ہیں ۔ یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی ۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۶ر ۹ر ۱۳۷۴ھ

نوٹ ! جامعہ خیر المدارس کے ناظم اعلیٰ استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ نے ازراہِ کمالِ شفقت اکثر فتاویٰ کو نقل محفوظ رکھا ہے اور یہ فتاویٰ ان کی تصدیق و تصحیح کے بعد

شائع کئے جا رہے ہیں۔

اس فتوی کی خواندگی کے دوران انہوں نے فرمایا کہ جب ہم خیر المدارس جالندھر میں پڑھتے تھے تو جالندھر کے مضافات میں حضرت مدنی قدس سرہ کسی تقریب میں تشریف لائے تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ نے باقاعدہ مدرسہ میں تعطیل کرائی اور کہا کہ جا کر حضرت مدنی قدس سرہ کی تقریر سنیں اور ان کی زیارت کرائیں پھر شاید کبھی یہ موقع میسر آ سکے۔

ایسے ہی ملفوظات سننے کے دوران کسی موقع پر حضرت مولانا خیر محمد نے فرمایا کہ حضرت مدنی قدس سرہ تصوف میں بھی بہت اونچا مقام رکھتے ہیں۔ رحمہما اللہ تعالے واعلی اللہ مقامہما فی اعلی العلیین۔

آمین

رقمہ العبد الفقیر محمد انور عفا اللہ عنہ اخفر خدام اہل العصر

۳ / ۷ / ۱۴۰۳ھ

پرچم نبوی کا رنگ کیا تھا

جمعیت علماء اسلام ۱۹۵۳ء سے چلی آ رہی ہے۔ ۱۹۶۹ء کے آخر میں آ کر دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ اول تھانوی گروپ، دوسرا مفتی محمود گروپ دوسرا گروپ اپنے جھنڈے کو عوام کے سامنے لایا اور کہا کہ یہ پرچم نبوی ہے۔ دلیل میں مشکوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۲۲ کی حدیث پیش کی اور بھی کئی حدیثیں پیش کیں۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے ۱۰ ستمبر ۷۰ء کو قلعہ کہنہ ملتان میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جھنڈا پرچم نبوی نہیں ہے بلکہ انگریزی علماء ہند کا جھنڈا ہے لیکن دلائل سے تعرض نہیں کیا۔ آپ اس معمہ کو حل فرمائیں کہ اصل حقیقت کیا ہے؟

الجواب

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈوں کی احادیث میں مختلف قسمیں آئی ہیں۔ "الرایۃ" بڑا جھنڈا۔ نہایۃ میں ہے "الرایۃ العلم الضخم" یعنی رایۃ بڑے جھنڈے کو کہتے ہیں۔ "اللواء" چھوٹا جھنڈا۔ ابن ماجہ کے حاشیہ میں ہے "اللواء ھو العلم الصغیر" علامہ توربشتی فرماتے ہیں کہ رایۃ وہ بڑا جھنڈا ہوتا تھا جسے جنگ کا سپہ سالار سنبھالے رکھتا تھا اور اس کے ارد گرد معرکہ جنگ برپا ہوتا تھا۔

اب رہی یہ بات کہ آنحضرت علیہ السلام کے جھنڈوں کا رنگ کیا تھا؟ تو مسند احمد، ابو داؤد، ترمذی شریف کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا جھنڈا چوکوشہ سیاہ و سفید دھاریوں والا تھا۔ مشکوۃ جلد دوم صفحہ ۳۲۱ میں ہے۔

عن موسی عن عبیدۃ مولی محمد بن القاسم قال بعثنی محمد بن القاسم

قال البراء بن عازب یسأله عن رایۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال کانت سوداء مربعۃ من نمرۃ رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد وعلی حاشیتہ قولہ سوداء قال ابن الملک ای ما غالب لونہ اسود بحیث یری من البعید اسود لا انہ خالص السواد۔ والنمرۃ بردۃ فیہا تخطیط سواد و بیاض کلون النمر الحیوان المشہور۔

پس ان روایات کی بناء پر جمعیۃ العلماء اسلام کا جھنڈا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جھنڈے کا مصداق ہے۔ اور اسے رنگ میں مشابہ پرچم نبوی کہنا بظاہر درست ہے۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے بارے میں متعدد روایات آئی ہیں۔ ۱۔ سیاہ تھا۔ ۲۔ سفید تھا ۳۔ زرد تھا۔ ۴۔ سرخ جھنڈا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمایا تھا۔ ۵۔ سفید و سیاہ مخلوط دھاری دار چادر سے بنایا گیا تھا۔ ۶۔ اغبر یعنی عمدۃ القاری اور طبقات ابن سعد میں یہ روایات موجود ہیں۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ان روایات میں اختلاف نہ کیا جائے۔ بلکہ یہ اختلاف ازمنہ پر محمول ہے۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

خلافت و ملوکیت غیر مستند کتاب ہے اس کا مطالعہ مضر ہے اور لعلوم شرعیہ :- مودودی صاحب کے لٹریچر کا مطالعہ کرنا عام آدمی کے لئے کیسا ہے؟

۲ : ایک شخص کہتا ہے کہ خلافت و ملوکیت میں جس قدر حوالے ہیں وہ سابقہ تاریخوں سے لئے گئے ہیں چونکہ اس سے قبل یہ حوالہ جات موجود ہیں اور وہی حوالے مودودی صاحب نے نقل کئے ہیں۔ لہٰذا میں اس کتاب کو درست سمجھتا ہوں۔ ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے؟

الجواب ۱ : اس لٹریچر کا مطالعہ عام آدمیوں کے لئے مضر ہے۔

۲ : خلافت و ملوکیت میں بعض حوالے غلط ہیں۔ مثلاً اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۲ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک خط کا تذکرہ بحوالہ "البدایۃ والنہایۃ ص۲۵۶" کیا گیا ہے۔ اس میں مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ "امیر معاویہ نے ایک مدت تک ان کے خط کا کوئی جواب نہ دیا اور انہیں برابر ٹالتے رہے۔ پھر حضرت عمرو بن العاص کے مشورہ سے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت علی کو خون عثمان کا ذمہ دار قرار دے کر ان سے جنگ کی جائے" اھ

حالانکہ "البدایۃ والنہایۃ" میں یہ خط کشیدہ الفاظ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے

برعکس ایسی عبارت موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قاتل عثمان نہیں سمجھتے تھے۔ اس حوالہ میں سراسر بد دیانتی سے کام لیا گیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ دوسری کتابوں میں یہ الزام موجود ہوگا تو جواب یہ ہے کہ "البدایۃ والنہایۃ" کا حوالہ دینا تو سراسر غلط ہے۔ علاوہ ازیں کئی دیگر مقامات میں بھی ایسے ہی غلط حوالے دیئے گئے ہیں۔ تاریخ کی کتابوں میں جہاں وہ روایتیں موجود ہیں جن کی بنا پر خلیفہ مظلوم سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مورد طعن بنایا جاتا ہے انہی کتابوں میں متعلقہ واقعات کے بارے میں ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن کے پیش نظر امام عالی مقام رضہ پر کسی حرف گیری یا نکتہ چینی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

سوال یہ ہے کہ تحقیق کی یہ کون سی قسم ہے کہ تاریخ کے جس مواد سے برأت صحابہ رضہ ثابت ہو اسے قطع نظر انداز کر دیا جائے اور شیعوں کی تقلید میں مطاعن صحابہ والی ناقابل اعتماد روایات کو اچھالا جائے۔ حاصل یہ کہ خلافت و ملوکیت کے بعض حوالے غلط ہیں اور جو صحیح ہیں ان میں صریح جانبداری اور شیعوں کی وکالت کی گئی ہے اور مقابل روایتوں کو بلا وجہ نظر انداز کیا گیا ہے۔ لہذا یہ کتاب مستند اور مفید نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

چودہویں صدی کے علماء کے متعلق ایک من گھڑت قصہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب بھیڑیئے کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے روبرو پیش کیا تو بھیڑیئے نے عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ کے نبی میں تو آپ کے گلے کی بھیڑوں کو نہیں کھا سکتا چہ جائیکہ آپ کے فرزند ارجمند کو کھا جاؤں۔ اگر میں نے یوسف علیہ السلام کو کھایا ہو تو مجھے قیامت کے دن چودہویں صدی کے علماء سے اٹھایا جائے۔ کیا یہ واقعہ درست ہے؟

الجواب مذکورہ واقعہ موضوع اور من گھڑت ہے اس کا بیان کرنا بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں علی الاطلاق علماء کی توہین ہے۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۶/۷/۱۳۹۴ھ

احمد رضا خان صاحب بریلوی پر علامات مجدد صادق نہیں آتیں

بریلوی حضرات احمد رضا خان صاحب کو مجدد مائۃ حاضرہ کہتے ہیں۔ اور حافظ ریاض احمد اشرفی صاحب (جو اب فوت ہو چکے ہیں) نے اخبار "جنگ" میں ایسا ہی لکھا تھا۔ لیکن حضرات دیوبند حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو چودہویں صدی کا

کا مجدد مانتے ہیں۔ سنا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت مجدد الف ثانی رح، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی اپنی صدی کے، پھر حضرت تھانوی رح چودہویں صدی کے مجدد ہوئے ہیں۔ تو یہ حضرات کون کون سی صدی کے مجدد ہوتے ہیں۔ اور کیا ان کے علاوہ اور بھی مجدد ہوئے ہیں؟

الجواب احمد رضا خان پر علامات مجدد صادق نہیں آتیں۔ موصوف کی تجدید و احیائے دین کی مساعی بمنزلہ صفر کے ہیں۔ البتہ تکفیری خدمات نمایاں ہیں۔ جیسا کہ ان کی تصنیفات سے ظاہر ہے۔ اسی طرح رسوم و بدعات کی سرپرستی موصوف اور ان کی جماعت کا طرۂ امتیاز ہے۔ مجدد تو بدعات کا قلع قمع کر کے اسلام کی صحیح صورت و حقیقت امت کے سامنے پیش کرتا ہے۔ نہ یہ کہ بدعات کے ڈھیر میں اسلام کو دفن کرتا ہے۔

پہلی صدی کے مجدد عمر بن عبدالعزیز رح۔ اور دوسری کے امام شافعی رح۔ تیسری کے ابو الحسن الاشعریؒ وغیرہ۔ اور چوتھی صدی کے ابوبکر باقلانی رح۔ پانچویں کے امام غزالی رح۔ چھٹی کے فخر الدین رازی رح۔ ساتویں کے ابن دقیق العیدؒ۔ آٹھویں کے زین الدین عراقی رح۔ نویں کے سیوطی رح۔ دسویں کے شہاب الدین رملیؒ وغیرہ ہیں (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۲۲)۔

گیارہویں صدی کے مجدد الف ثانی رح ہیں۔ یہ ترتیب بعض علماء کی رائے کے مطابق ہے۔ بعض حضرات نے دوسرے حضرات کو مجدد کہا ہے۔ اس میں کوئی بات حرف آخر نہیں۔ اور مجدد کے لئے شخص واحد ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ ایک جماعت بھی اس شرف سے سرفراز ہو سکتی ہے۔ تیرہویں صدی کے آخر اور چودہویں صدی میں تجدید و احیائے دین کی علمی و عملی و روحانی، تبلیغی، رد بدعات، اقامت دین کی جو خدمات علمائے دیوبند سے ظاہر ہوئیں اور پورے عالم میں پھیلیں دنیائے اسلام میں اس کی نظیر نہیں۔ ان دونوں صدیوں کی مجدد یہی جماعت معلوم ہوتی ہے اور اس کے اکابر۔ فقط واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم ولی تھے؟

علامہ اقبالؒ کے بارے میں معلومات فراہم کیجئے۔ وہ مسلمان تھے یا مومن؟ یا ولایت کو پہنچ گئے تھے؟ واضح طور پر تحریر فرمائیں۔ آیا بغیر داڑھی کے انسان ولی ہونے کا مرتبہ حاصل کر سکتا ہے؟

عبدالقدیر ایم اے بی ایڈ کوٹلی نجابت۔

الجواب یوں تو اللہ کے فرمان پر ہر مومن ولی ہے۔ اور ولایت خاصہ جو سلوک کا ایک خاص مقام ہے اس کا خود صاحب ولایت کو پتہ ہونا ضروری نہیں تو دوسرے شخص کیسے فیصلہ کر سکتے ہیں؟

اتنا ضرور ہے کہ ولایت خاصہ کے لئے اتباع سنت شرط ہے۔ اور یہ مقام کروڑوں کے نمازیوں کو ملتا ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

داڑھی منڈانا خلاف سنت ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ ایسے شخص کا ولی ہونا متعذر ہے۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بابا فرید الدین گنج شکر کی طرف ایک غلط واقعہ کی نسبت

حضرت بابا فرید الدین شکر گنج کے بارہ میں مشہور ہے کہ وہ بارہ سال تک بیابانوں میں رہے اور آپ نے اس دوران کچھ نہیں کھایا۔ صرف ایک لکڑی کی روٹی تھی جب کھانے کی خواہش ہوتی تھی تو اسی کو دانتوں میں چبا لیتے۔ اور ایسے ہی ملتان میں ایک آدمی تھا۔ وہ دریا میں داخل ہوا اور بارہ سال تک دریا میں رہا۔ جس کے جسم پر پانی سے بھی اللہ اللہ کی آواز آتی رہی۔ کیا یہ واقعات درست ہیں یا محض بزرگی کو نمایاں کرنے کے لئے جیسے کہ غلط قسم کے خلفاء اپنے پیروں کے لئے کرتے ہیں۔ کما قیل۔ پیراں نمی پرند مریداں می پرانند۔

الجواب: مذکورہ دونوں روایات بے اصل ہیں۔ حضرت بابا صاحب رحمہ اللہ کے صحیح حالات جو معروف و مدون ہیں ان میں کہیں بھی اس واقعہ کا ذکر نہیں۔ نیز عقلاً بھی یہ واقعہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ بزرگوں کی طرف اسی قسم کے بے سروپا واقعات منسوب کرنے سے بچنا چاہئے۔ دوسرا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

بلقیس کی والدہ کون تھی

بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جو بلقیس نامی عورت تھی اس کی والدہ انسانوں کی نسل سے نہ تھی جبکہ اس کا والد انسان تھا۔

الجواب: بعض روایات میں آتا ہے کہ بلقیس کی والدہ جنات میں سے تھی اور اس کا نام بلعمہ بنت شیصان بتلایا گیا ہے (رواہ وھب بن جریر عن الخلیل بن احمد۔ قرطبی) اگر یہ صحیح بھی ہو تو چونکہ بلقیس کے والد شراح بن ہداہد انسان تھے اور اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے لہٰذا بلقیس انسان ہی قرار پائے گی۔ (معارف القرآن، ج ۶، ص ۵۷۲)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ٭ محمد انور عفا اللہ عنہ ۸ / ۲ / ۱۳۹۹ھ

آنحضرت علیہ السلام کی تجہیز و تکفین میں خلفائے ثلاثہ کی شرکت

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ مبارک پر تینوں خلفاء (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم) شامل نہ تھے اگر تھوڑی دیر خلیفہ کا چناؤ نہ ہوتا بلکہ آپ کے کفن اور دفن مبارک کا انتظام کرلیا ہوتا تو کیا حرج تھا ؟

الجواب: یہ غلط بات ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جنازہ مبارک میں خلفائے ثلاثہ شریک نہیں ہوئے تھے۔ آپ کا جنازہ خلفائے ثلاثہ سب نے پڑھا۔ البتہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جنازہ کی نماز باجماعت نہیں ادا کی گئی۔ بلکہ تھوڑے تھوڑے آدمی حجرہ کی گنجائش کے مطابق جاتے تھے اور اپنی اپنی اکیلے اکیلے نماز پڑھ کر واپس آجاتے تھے۔ جماعت نہیں کی گئی۔ ایسے ہی خلفائے ثلاثہؓ نے نماز ادا کی ہے جیسا کہ واقدی نے لکھا ہے۔

قال الواقدی حدثنی موسیٰ بن محمد بن ابراہیم قال وجدت کتابا بخط ابی فیہ انہ لما کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووضع علی سریرہ دخل ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ومعہما نفر من المہاجرین والانصار بقدر ما یسع البیت فقالا السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وسلم المہاجرون والانصار کما سلم ابوبکر وعمر ثم صفوا صفوفا لا یؤمہم احد۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۶۵)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خلفاء ثلاثہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھی ہے لیکن یہ حضرات تجہیز و تکفین میں شریک نہیں ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تجہیز و تکفین کا انتظام کر رہے تھے تو اچانک ایک آدمی آیا اس نے گھر ہی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی کہ ذرا باہر نکلنا جب حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میرے سے ہٹ جاؤ کہ ہم حضور علیہ السلام کی تجہیز و تکفین کے انتظام میں مشغول ہیں۔ تو اس نے کہا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اس لئے جلدی پہنچ کر ان کی خبر لو۔ ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر ڈالیں کہ جس سے لڑائی چھڑ جائے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ آپ چلیں۔ چنانچہ مسند ابی یعلیٰ جو کہ حدیث کی نہایت معتبر کتاب ہے اس میں ہے۔

بینما نحن فی منزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رجل ینادی

من وراء الجدار ان اخرج الی یا ابن الخطاب فقلت الیک عنی فانا عنک مشاغیل یعنی بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انہ قد حدث امر فان الانصار اجتمعوا فی سقیفۃ بنی ساعدۃ فادرکوھم قبل ان یحدثوا امرا یکون فیہ حرب فقلت لابی بکر انطلق ۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا سقیفہ بنی ساعدہ میں جانا اور خلافت کے مسئلہ کو چھیڑنا یہ ان کا فعل نہیں تھا۔ بلکہ یہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کفن دفن کے انتظام میں مشغول تھے۔ چونکہ یہ ایک ایسا نازک مسئلہ تھا کہ سب منافقین و کفار اس بات کے منتظر تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ اٹھے تو ہم اسلام پر حملہ آور ہوں وہ جب یہ فتنہ اٹھنے لگا تو ان حضرات نے اس فتنے کو دبانا زیادہ اہم سمجھا۔ لہٰذا اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس خلافت کی بحث کو چھیڑنا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جانا اپنی خوشی سے نہیں تھا بلکہ اس مجبوری کی وجہ سے تھا کہ اگر یہ حضرات اس طرف توجہ نہ کرتے تو مسلمانوں میں سخت لڑائی اور فتنہ کا خطرہ تھا

کیونکہ اس وقت مسلمان تین گروہ ہو چکے تھے۔ بنی ہاشم، مہاجرین، انصار، بنو ہاشم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، اور مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور انصار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیشوا مان چکے تھے۔ مہاجرین و انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع تھے اور بنو ہاشم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں جمع ہو کر مشورہ میں مشغول تھے۔ اور ہر ایک ان میں سے دوسرے کی بیعت کرنے پر تیار نہیں تھا۔ بلکہ ایک دوسرے پر تلوار چلانے پر تلے ہوئے تھے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ قوم بہت مشتعل ہو رہی ہے تو فوراً اٹھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پہ بیعت ہو گئے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں بیعت ہوتا ہوں اور ساتھ ہی حضرت عثمان ابو عبیدہ بن الجراح اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے تو اس پر عام خلقت ٹوٹ پڑی۔ اس طریق سے اٹھتا ہوا طوفان دب گیا۔

تو اب اگر عقل مند انسان اس کو سمجھ لے یعنی ان حضرات کا ان امور کی طرف متوجہ ہونا درست تھا یا نہیں تو سب اعتراض انشاء اللہ اٹھ جائیں گے۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ جو الزام خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر قائم کیا جاتا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے گئے تھے اور خلافت کے خیال میں پڑ گئے۔ تو یہی الزام پھر بنو ہاشم پر بھی عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں جمع ہو گئے تھے۔ جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایت سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے۔ کہ

وان علیا والزبیر ومن معہما تخلفوا فی بیت فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

دوسری روایت سے صاف طور پر وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکان سے باہر نکلے تو لوگوں نے پوچھا کہ اے علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج کیسا ہے؟ (چونکہ حضور کی ظاہری حالت سنبھل گئی تھی) تو حضرت علی رضہ نے فرمایا کہ خدا کے فضل سے آپ اچھے ہو گئے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے۔ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب اس مرض میں وفات پا جائیں گے۔ کیونکہ مجھ کو اس کا تجربہ ہے کہ خاندان عبد المطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے۔ آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصب خلافت کس کو حاصل ہوگا، اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو حضور علیہ السلام اسی کی وصیت فرمائیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں تو نہ پوچھوں گا۔ کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرت علیہ السلام نے انکار کر دیا تو آئندہ کوئی امید نہیں رہے گی۔

تو دیکھئے اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ یہ حضرات ابھی سے خلافت کی تمنا کر رہے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا یقین تھا اس لئے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس طرف توجہ دلائی۔ لیکن حضرت علی رضہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین نہیں تھا تو انہوں نے اس طرف اقدام مناسب نہ سمجھا۔ بہرحال یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ حضرات بھی خلافت کے خیال میں تھے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی معین مفتی خیر المدارس ملتان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنات اربعہ کے متعلق قیمتی علمی ذخیرہ

۱ : بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد کیا ہے؟

۲ : کتب اہلسنت سے وضاحت مطلوب ہے۔ بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سن ولادت وشادی و وفات کب ہوئی؟ کیا قبل از نبوت یا بعد از نبوت ان کی شادیاں ہوئیں؟

۳ : صحاح ستہ یا دیگر کتب معتبرہ اہلسنت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ کسی اور صاحبزادی کا

کے فضائل بھی ہوں تو بیان فرمائیں ؟

۴ : کیا بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کتب اہلسنت میں اگر فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو کہ یہ بنات اربعہ میری صاحبزادیاں ہیں تو زیب قرطاس فرمائیں ؟

۵ : اگر بنات اربعہ کی شادیاں قبل از نبوت ہوئیں تو کیا پچیس سال کے بعد اور چالیس سال سے قبل یہ چار صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے ان کی ولادت اور شادی ممکن نہیں ہے ۔ اگر ممکن ہے تو ہر ایک ولادت وشادی کے مابین ہر صاحبزادی کے متعلق کتنے سال کا عرصہ واقع ہوتا ہے ۔ ہر صاحبزادی کی بقیہ عمر شادی بیان فرمائیں کہ کس طرح ممکن ہے ؟

۶ : کیا کفار کو رشتہ دینا جائز ہے یا نہیں ؟ حضور علیہ السلام نے عتبہ عتیبہ کافروں کو لڑکیاں کیوں دیں تھیں ؟ اور کیا قرون اولیٰ میں کسی نبی کی شریعت میں کافروں کو رشتہ دینا جائز تھا یا نہیں ؟ کسی نبی نے کافروں کو رشتہ دیا تھا یا نہیں ؟ اور اگر حضرت ابراہیم میں کسی کافر کو رشتہ دینا جائز نہیں تھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عتبہ عتیبہ کافروں کو رشتہ کیوں دیا ؟ کتب اہلسنت سے وضاحت مطلوب ہے ۔

الجواب

۱ :۔ قال اللہ تعالیٰ

یا ایہا النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المؤمنین (پ ۲۲)۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار صاحبزادیاں تھیں جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں ۔

حضرت زینب ، حضرت رقیہ ، حضرت ام کلثوم ، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن ۔

سیرت محمدیہ میں ہے ۔

واما اولادہ الکبار علیہ وعلیہم السلام فقد اجمعوا علیہ ستۃ القاسم وابراہیم وزینب ورقیۃ وام کلثوم وفاطمۃ وکلہن ادرکن الاسلام و ہاجرن معہ ۔

چند سطروں کے بعد تحریر کرتے ہیں واما زینب فہی اکبر بناتہ بلا خلاف ۔

۲ : وعن ابن اسحاق انہا ولدت فی سنۃ ثلاثین من مولدہ الشریف ۔

۳ : حضرت مولانا محمد عنایت اللہ صاحب ، ہدیۃ المزجات لقراء المشکوٰۃ میں ارشاد فرماتے ہیں ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحبزادیاں حضرت بی بی زینب اور بی بی رقیہ اور بی بی ام کلثوم رض اور سیدہ پاک فاطمۃ الزہرا رض حضرت خدیجہ رض کے بطن مبارک سے تھیں ۔

۴۔ امام المؤرخین الامام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی مایہ ناز تصنیف "تاریخ الامم والملوک" میں لکھتے ہیں

تزوج في الجاهلية وهو ابن بضع وعشرين سنة خديجة بنت خويلد وهي اول من تزوج بها وكانت قبله عند عتيق بن عابد (الى ان قال) فولدت لعتيق جارية ثم توفي عنها وخلف عليها ابو هالة فولدت لابي هالة هند بن ابي هالة ثم توفي عنها فخلف عليها رسول الله صلى الله عليه وسلم وعندها ابن ابي هالة فولدت لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثمانية القاسم والطيب والطاهر وعبد الله وزينب ورقية وام كلثوم وفاطمة ۔

(ج ۱۱ ص ۴۱۰ ، ۴۱۱)

امام موصوف کے مندرجہ بالا اقتباس سے ان منکرین کی اس یاوہ گوئی کا جواب بھی ہو جاتا ہے جس کے دامن میں بعض مورخین پر یہ لوگ پناہ لیا کرتے ہیں ۔ یعنی یہ کہ بنات طاہرات زینب ، رقیہ ، اور ام کلثوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ربائب ہیں ۔ وجہ تردید ظاہر ہے کہ امام موصوف نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سابقہ اولاد کی تفصیل بتا کر بالتصریح ان بنات طاہرات کو آنحضرت علیہ السلام کی اولاد قرار دیا ہے ۔

۵۔ ابن الاثیر جزری رح " اسد الغابہ " میں تحریر فرماتے ہیں ۔

وتزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم خديجة قبل الوحي وعمره حينئذ خمس وعشرون سنة وقيل احدى وعشرون (الى ان قال) فولدت لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولده كلهم قبل ان ينزل عليه الوحي زينب وام كلثوم وفاطمة ورقية اھ

(ج ۵ ص ۴۳۵ ، طبع ایران)

۶۔ قال قتادة ولدت له خديجة غلامين واربع بنات (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۵)

۷۔ روى الزبير بن بكار عن عمه ان خديجة ولدت لرسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة وزينب ورقية وام كلثوم ۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۶)۔

۸۔ حافظ الدنیا علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح " اصابہ " کے اندر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے احوال میں ارقام فرماتے ہیں ۔

فولدت له القاسم وعبد الله وبناته الاربع - (الاصابہ ج ۸ ص ۰)۔

۹: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور سیرت " المواہب اللدنیہ " میں مذکور ہے۔

اعلم ان جملة ما اتفق علیه منهم ستة القاسم وابراهیم واربع بنات

زینب ورقیة وام کلثوم وفاطمة وکلهن ادرکن الاسلام (المواہب ۔ ص ۱۹۶)۔

۱۰: مواہب لدنیہ کی طرح سیرت محمدیہ میں بھی اس پر اجماع و اتفاق نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں ہیں اور سب نے ہجرت کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

واجمعوا انها ولدت لہ من خدیجة رضی اللہ عنها له اربع بنات کلهن

ادرکن الاسلام وهاجرن وهن زینب وفاطمة ورقیة وام کلثوم

واجمعوا انها ولدت له ابنا یسمی القاسم هذا ما لا خلاف فیه عند

اهل العلم ۔ (ص ۱۱ و ۱۲)۔

تاریخ و سیر کے قدیم عربی مآخذ کے علاوہ اردو کی سیرتوں میں بھی محققین نے یہی تحریر فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں اور ہر ایک کے لئے مستقل عنوان قائم کر کے ان کے احوال طیبہ کو بیان فرمایا ہے۔ ہم بطور نمونہ ان میں سے صرف دو حضرات کے اسماء گرامی پیش کرتے ہیں۔

۱: مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہشتی زیور آٹھویں حصہ میں ان بنات طاہرات، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت فاطمہ، حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا تذکرہ فرمایا ہے۔

۲: اور اسی طرح محدث الہند شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم نے حکایات صحابہ میں ان چار صاحبزادیوں کے احوال قلم بند فرمائے ہیں۔ اگرچہ مختصر ہیں مگر پر مغز ہیں (ص ۲۰۳ ۔ ۲۱۳)

اسد الغابہ میں ابن اثیر جزری نے اور " الاصابہ " میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے چار بنات طاہرات کے احوال پر الگ الگ ترجمہ قائم کر کے تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور ان کے سوانح حیات قلم بند فرمائے ہیں۔ دیکھئے " اسد الغابہ " ج ۵ ص ۴۶۷ ۔ ترجمہ زینب ج ۵ ص ۴۵۶ ترجمہ رقیہ و ام کلثوم ص

اور الاصابہ میں۔ ترجمہ زینب بنت سید ولد آدم محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۸ ص ۹۲۔

اور ترجمہ حضرت رقیہ ج ۸ ص ۸۳ ۔ اور ترجمہ حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ ج ۸ ص ۔

مسلم مؤرخین کے علاوہ غیر مسلم مؤرخین نے بھی اربعہ بنات کا اقرار و اعتراف کیا ہے۔ مشہور ادیب

مورخ فرانسیس مطلوف اپنی کتاب " منجد " حصہ دوم میں لکھتا ہے ۔

۱ ۔ رقیۃ احدی بنات النبی الاربعۃ من خدیجۃ تزوجہا عثمان بن عفان فرافقتہ فی سفرہ الی الحبشۃ ثم ہاجرت الی المدینۃ (صلا)

۲ ۔ زینب بنت النبی تزوجہا ابو العاص بن الربیع توفیت فی المدینۃ (صلا) ۔

۳ ۔ ام کلثوم (ام) احدی بنات النبی یقال انہا تزوجت احد ابناء ابی اللہب دون ان تعقب ولدا ۔ (صلا) ۔

۴ ۔ فاطمۃ بنت النبی من خدیجۃ تزوجہا علی ابن ابی طالب ورزق منہا الحسن والحسین ۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنات اربعہ کے بارے میں یہ چند حوالے بطور نمونہ مشتے از خروارے نقل کئے گئے ہیں ۔ اگر کوئی شخص انکا مطالعہ کرنا چاہے تو یقینا یہ بات اس کے بس کی نہیں ۔ ایسے حوالہ جات کتب اہل سنت والجماعت نیز کتب اہل تشیع میں بے شمار موجود ہیں جن کا احصاء ممکن نہیں ۔ ان حوالہ جات کی موجودگی میں اگر کوئی بد باطن اس سلسلہ میں کسی شک و ارتیاب کا شکار ہے تو یہ شک و ارتیاب نہیں بلکہ خبث باطن ہے جس کا علاج کسی مستند تاریخی دستاویز تو کیا مشاہدے سے بھی محال ہے ۔ ایک گروہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی الوہیت کا قائل ہوا تو حضرت علی نے ان کو بلا کر اس عقیدے کی تردید کی اور ان کے عقیدہ کو باطل قرار دیا ۔ مگر زنادقہ کا یہ گروہ اپنی بات پر اڑا رہا ۔ بالآخر حضرت علی نے ان کو جلانے کا حکم دیا ۔ آگ میں پھینکے جانے کے بعد بھی وہ اس کا قائل رہا ۔ اور کہنے لگا کہ اب تو ہمیں آپ کی الوہیت کا مزید یقین ہو گیا ہے ۔ کیونکہ لا یعذب بالنار الا رب النار ۔ تو جس عقیدہ پر اصرار ایسا ہو

ہے کہ مشاہدے سے بھی اس کا علاج ممکن نہیں ۔ لہذا زیادہ تطویل کو غیر ضروری سمجھا گیا ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اگر ایسے حوالہ جات اور تواتر اخبار کے باوجود حضرت زینب ، حضرت رقیہ ، حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے بارے میں شک و شبہہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم زوجۂ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے حسنین ہونے کے بارے میں بھی کسی کے پاس کوئی ناقابل تردید غیر مشتبہ قطعی ثبوت موجود نہیں ہے ۔ فما ھو جوابکم فہو جوابنا ۔ بلکہ تمام متواتر کا وجود بھی مشتبہ ٹھہرے گا ۔

سنین ولادت

سنین ولادت کی تفصیل سے پہلے یہ کہنا ضروری ہے کہ کسی شخص کے
موجود کے سن ولادت کا معلوم نہ ہونا اس شخص کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا وجود
منصوص و قطعی ہے۔ لیکن کتنے انبیاء علیہم السلام ہیں جن کی تاریخ ولادت قطعاً آپ متعین نہیں کر سکتے۔
بہت سے انبیاء علیہم السلام کی تاریخ ولادت تاریخ میں مذکور ہی نہیں ہے۔ اور جن بعض کی مذکور ہے ان
میں شدید اختلاف ہے۔ تو کیا عقل و دیانت کا یہی تقاضا ہے کہ ایسے انبیاء علیہم السلام کے وجود کا بھی
انکار کر دیا جائے؟ نعوذ باللہ۔

بے شمار شہری اور دیہاتی آپ کو ایسے ملیں گے جنہیں اپنی ولادت کا حال معلوم نہیں۔ تو کیا آپ ان سے
باتیں کرتے ہوئے، سامنے موجود پاتے ہوئے ان کے وجود کا انکار کر دیں گے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو
عجیب ہے کہ زوال کا یہ حال ہے کہ تاریخی باتوں پر آپ ایسا حکم کیوں کر لگا سکتے ہیں!

نیز مشاہیر کے سنین وفات تو محفوظ ملیں گے لیکن ان کے سنین ولادت معلوم نہیں ہوتے۔ کیونکہ
کسی نومولود بچے کے متعلق یہ قطعی طور پر معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ آئندہ چل کر وہ کس کی بات کا مالک ہوگا۔ اور
بچوں کے سنین ولادت کا ضبط کرنا خصوصاً عرب جیسے جاہل معاشرہ میں یہ تو اور بھی مستبعد ہے۔

بہر حال مقصد یہ ہے کہ اگر بالفرض بنات مکرمات کے سنین ولادت سے تاریخ کے اوراق
ساکت بھی ہوتے تو بھی بنات مکرمات کی نسبی شرافت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ چہ جائیکہ
تاریخ و سیر میں اس کا بیان موجود ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیدائش سنہ ۳۰ مولد نبوی میں ہوئی۔ آپ کی صاحبزادیوں
میں سب سے بڑی ہیں۔ "اسد الغابہ" میں ہے:

زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هي اكبر بناته ولدت ولرسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثون سنة۔ (ج ۵ ص ۴۶۷)

سیرت محمدیہ میں مذکور ہے کہ

وعن ابن اسحاق انها ولدت في سنة ثلاثين من مولده الشريف۔

محدث کبیر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے۔

(حکایات صحابہ ص ۲۰۴)

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت ۳۳ مولد نبوی میں ہوئی۔ مواہب اللدنیہ میں حضرت
رقیہ کے ترجمہ میں مصنف علام تحریر فرماتے ہیں۔

فولدت سنة ثلث و ثلاثين بعد مولده صلی الله علیه وسلم (ج ۱: ص۳۵)۔

—— سیرت محمدیہ میں ہے۔

واما رقیة رضی الله تعالیٰ عنها فولدت سنة ثلث و ثلاثین من مولده

علیه السلام وھکذا حکاه فی حکایات الصحابة مؤلف العلام: ص ۵۰۰۔

حضرت ام کلثوم و حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کون چھوٹی ہیں۔ "الاصابہ" میں ابن حجر عسقلانی یہ تحریر فرماتے ہیں۔

ام کلثوم بنت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم قیل هی اصغر

ام فاطمة (ترجمه ام کلثوم)۔

—— سیرت میں ہے۔

اما فاطمة الزهراء البتول سیدة نساء العالمین فکانت هی و اختها

ام کلثوم اصغر بنات رسول الله صلی الله علیه وسلم واختلف فی الصغری منهما

—— ابن جوزی نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت ۴۱ نبوی میں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

—— ابن اثیر الجزری نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے قبل از نبوت پیدا ہوئی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

فولدت لرسول الله صلی الله علیه وسلم ولده کلهم قبل ان ینزل

علیه الوحی زینب وام کلثوم وفاطمة ورقیة ۔

—— صاحب المواہب نے بھی ابن اسحاق سے یہی نقل کیا ہے۔ اولاده علیه السلام کلهم

ولدوا قبل النبوة الا ابراهیم۔ (مواہب: ج ۱ ص ۱۹۶)۔

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیدائش ۳۳ نبوی کے بعد چالیس نبوی کے درمیان میں ہوئی۔ چونکہ مشہور یہی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے چھوٹی ہیں۔ لہٰذا ظن یہی ہے کہ حضرت ام کلثوم رض حضرت رقیہ رض سے دو تین برس چھوٹی ہوں گی۔

عرب میں نکاح کی تقریب کو وہ اہمیت حاصل نہیں جو اہمیت کہ ہمارے خصوصاً ہندوستانیوں میں اس کو حاصل ہے۔ ایک بچہ یا بچی کی شادی یا نکاح کے لئے عرصہ پہلے سے تیاری کی جاتی ہے اور پھر بڑی دھوم دھام اور رسوم و رواج خاندانی انسانیت کو چھوڑ یا کی کشتی میں یہ تقریب سرانجام دی جاتی ہے۔ یہ

بعثت آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ابولہب کی دشمنی معروف ہے۔ لہٰذا بعد بعثت ایسی رشتہ داری کا ظہور پذیر ہونا نہایت مشتبہ اور مشکوک ہے لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ نکاح صغر سنی میں قبل از بعثت ہو گئے تھے۔ اور پھر بعثت کے ابتدائی سالوں میں طلاق ہو گئی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "اصابہ" میں یہی تسلیم کیا ہے کہ یہ صغر سنی کے نکاح تھے۔ رخصتی سے قبل ہی طلاق ہو گئی تھی۔ (ج ۸، ص ۲۶۳)۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح اپنے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن الربیع سے قبل از نبوت تمام صاحبزادیوں کے نکاح سے پہلے ہوا اور اس کی تحریک حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور فرما لیا تھا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ میں تحریر فرماتے ہیں

وكان في الأصهار أبو العاص بن الربيع ختن رسول الله صلى الله عليه وسلم زوج ابنته زينب وكان ابن هالة بنت خويلد أخت خديجة خالته فسألت خديجة رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يزوجه وكان رسول الله لا يخالفها وذلك قبل أن ينزل عليه الوحي فزوجه وكانت تعده بمنزلة ولدها فلما أكرم الله عز وجل رسوله بنبوته آمنت به خديجة وبناته وثبت أبو العاص على شركه۔ (ج ۲، ص ۳۱۲)

۲۔ صاحب شرح مواہب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے احوال میں لکھتے ہیں۔ (وهي أكبر بناته) وأول من تزوج منهن (ج ۱، ص ۱۹۳)

۳۔ "اصابہ" میں ہے۔

زينب بنت سيد ولد آدم محمد بن عبد الله صلى الله عليه وسلم وهي أكبر بناته وتزوجها ابن خالتها أبو العاص وتوفيت في أول سنة ثمان من الهجرة۔ (ج ۸، ص ۹۲)۔

تفصیل بالا سے ظاہر ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ ہر سہ جنابِ کریماتؓ کے عقدِ نکاح قبل از نبوت صغر سنی میں ہوئے۔

وفات

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سن آٹھ ہجری کے شروع میں ہوئی جیسا کہ ابھی ابھی حوالہ گزرا۔ (اصابہ، ج ۸، ص ۹۲)۔

۲ : اسد الغابہ میں ہے ماتت فی سنۃ ثمان۔ (ج ۵، ص ۴۶۷)۔

۳ : طبری میں ہے۔

فقیھا فیما زعم الواقدی توفیت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ج ۲، ص ۳۱)۔

حضرت رقیہؓ کی وفات ۲ھ غزوہ بدر کے ایام میں ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحکم نبوی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری کے لئے مدینہ منورہ میں ٹھہر گئے تھے۔ مژدہ فتح لے کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد واپس مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت رقیہؓ کو دفن کیا جا رہا تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

۱ : فلما کانت وقعۃ بدر اشتغل بتمریض ابنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضرب لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسھمہ (ج ۷، ص ۱۹۹، البدایہ)۔

۲ : قال اسامۃ بن زید فاتانا الخبر حین سوینا التراب علی رقیۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بدایہ ج ۳، ص ۳۰۲)۔

۳ : سیرت میں ہے۔

وتوفیت والنبی صلی اللہ علیہ وسلم ببدر۔ اھ

اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال شعبان ۹ھ میں ہوا۔ اسد الغابہ میں ہے۔

تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم رقیۃ من عثمان فلما توفیت زوجہ ام کلثوم وکان نکاحہ ایاھا فی ربیع الاول سنۃ ثلاث وبنی بھا فی جمادی الاخری من السنۃ الثالثۃ ولم تلد لہ وتوفیت سنۃ تسع۔ اھ (ترجمہ ام کلثوم)

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب ہجرت فرمائی تو ایک کافر نے انہیں اونٹ سے گرا دیا جس سے اسقاط کی نوبت آئی اور اسی مرض میں ان کی وفات بھی ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو حضرت زینبؓ کے حق میں ارشاد فرمایا۔ یہ میری بنات میں سے افضل ہے، میری وجہ سے انہیں زخمی کیا گیا۔

شرح مواہب میں ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی حق زینب بنتہ لما اوذیت عند خروجھا من مکۃ ھی افضل بناتی اصیبت فیّ۔ (ج ۳، ص ۱۹۴) اخرجہ الحاکم والطحاوی بسند جید)۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے صراحۃً صرف زینب ہی نہیں بلکہ

دیگر کم از کم تین بنات مکرمات رض کا اقرار و اعتراف موجود ہے۔ پس اس میں جمیع جناب مکرمات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار ثابت ہے۔

۲۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات پر ارشاد فرمایا۔

فقال لو ان لنا ثالثة لزوجنا عثمان بها۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۱۲)

اس میں دو بنات یعنی حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں آں حضرت علیہ السلام کا اقرار موجود ہے کہ دو کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یکے بعد دیگرے کیا گیا ہے اگر اس وقت کوئی تیسری بھی قابل نکاح ہوتی تو اس کا نکاح بھی حضرت عثمان رض سے کر دیا جاتا۔ اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بالتصریح اقرار روایت بالا میں موجود ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ کیونکہ دو صاحبزادیوں سے آپ کی شادی ہوئی۔ اکمال میں ہے۔

وسمی ذوالنورین لجمعه بین بنتی رسول الله صلی الله علیه وسلم رقیة وام کلثوم۔ (الاکمال ذیل المشکوٰة ج ۳ ص ۴۰۲ وکذا فی البدایة ج ۷ ص ۲۰۸)۔

حضرت رقیہ رض کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رض سے کرنا چاہا لیکن حضرت عثمان خاموش رہے۔ اس پر حضرت عمر رض کو صدمہ ہوا اور اس کی شکایت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں ایسی صورت نہ تجویز کر دوں کہ جس میں عثمان رض کو حفصہ رض سے بہتر بیوی مل جائے اور حفصہ رض کو عثمان سے بہتر خاوند مل جائے۔ عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیے۔ تو فرمایا کہ زوجنی ابنتك وازوج عثمان ابنتی۔ اخرجه الخيثمي (مواهب : ج ۱ ص ۱۹۶)۔

اس میں حضرت ام کلثوم رض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی تسلیم کیا۔

سمی عثمان ذوالنورین لانه تزوج النبی صلی الله علیه وسلم زوجه رقیة فلما ماتت رقیة زوجه ام کلثوم وکلتاهما من بنات النبی صلی الله علیه وسلم من خدیجة۔

فضائل بنات ثلاثہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں یہ سند صحیح کہ رسالہ گجاوی یہ ارشاد نبوی قرمیہ میں مذکور ہوا ہے کہ هی افضل بناتی اصیبت فیّ۔ (شرح مواهب ج ۱ ص ۱۹۵)۔

دین کے لئے زندگی میں بہت اونچی فضیلت ہے۔ بنات مکرمات میں سے یہ فضیلت صرف حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حصہ میں آئی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا برملا اظہار فرمایا۔

۲: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دفن میں شرکت فرمائی۔ اور ان کے حق میں تسہیل ضیق قبر کے لئے خصوصی دعا فرمائی۔ جو قبول ہوئی اور قبر کی پریشانی کو سہل کر دیا گیا۔ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں کہ بموقعہ دفن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

قال كنت ذكرت زينب وضعفها فسألت الله عز وجل ان يخفف عنها ضيق القبر وغمه ففعل وهون عليها (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۴)۔

یہ بھی ان کی خصوصیت ہے کہ جس میں کوئی دوسری صاحبزادی بظاہر سہیم نہیں۔

۳: اللہ تعالیٰ نے تمام بنات مکرمات کو اسلام اور ہجرت جیسے عظیم الشان فضائل سے سرفراز فرمایا۔ مواہب اللدنیہ میں ہے۔

اعلم انه مما اتفق عليه منهم ستة القاسم وابراهيم وأربع بنات زينب ورقية وام كلثوم وفاطمة وكلهن ادركن الاسلام وهاجرن معه۔ (ج ۱ ص ۱۹۶ ۔ وسیرۃ محمدیہ وغیرہ)۔

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام و ہجرت مدینہ کے علاوہ ہجرت حبشہ کے فضائل سے سرفراز فرمائی گئیں۔ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں۔

فتزوجها عثمان بمكة وهاجرت معه الى الحبشة۔

(اسد الغابہ: ج ۵: ص ۴۵۶)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں ایک مقام پر حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

وهاجر الى الحبشة ومعه زوجته رقية بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (البدایہ ج ۷ ص ۱۹۹)۔

حضرت عثمان و حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کا ساتھی رہے۔ سبحان اللہ۔

در اسد الغابہ مذکور ہے۔

عن انس قال خرج عثمان مهاجرا الى ارض الحبشة ومعه زوجته رقية بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فاحتبس خبرهم عن النبى

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کل چار اولادیں ہوئیں ۔ یہ درمیانی عرصہ کم از کم پندرہ برس ہے اور
ایک قول کے مطابق آں حضرت علیہ السلام کی شادی سلسلہ م ان میں ہوئی ۔ جیسا کہ " اسد الغابہ "
میں ابن اثیر جزری نے نقل کیا ہے ۔ دیکھئے حوالہ نمبرہ ۔ تو اس قول کے مطابق نکاح مبارک اور سن نبوت
میں ۱۸ ، ۱۹ ۔ برس کا طویل عرصہ بن جاتا ہے ۔ اس طویل عرصہ میں چار بچوں کی پیدائش اور ان میں سے
تین صاحبزادیوں کا عقد نکاح ہو جانا آخر ایسی کون سی بات ہے کہ جس کے امکان وعدم امکان پر کسی سنجیدہ
بحث کی ضرورت تسلیم کی جا سکتی ہے ۔ اور اس سوال کو معقول قرار دیا جا سکتا ہے ۔ عام حالات میں دو بچوں کے
درمیان وقفہ دو تین سال ہوتا ہے ۔ لیکن بچوں کی اکثر تعداد ایسی بھی ملے گی جن کی پیدائش کا درمیانی وقفہ
صرف ایک سال یا ڈیڑھ سال ہے ۔ بلکہ اس سے بھی کم ۔ مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ سیدنا حضرت حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے برادر اکرم سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تقریباً صرف دس ماہ چھوٹے
ہیں ۔ الکمال میں ہے ۔

ولد ابو الحسن في النصف من شهر رمضان سنة ثلث من الهجرة
وهذا اصح ما قيل في ولادته .

اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں ۔

ولد لخمس خلون من شهر شعبان سنة اربع .

الحاصل ۱۵ برس کے طویل عرصہ میں چار ، پانچ بچوں کی پیدائش کوئی عجیب نہیں بلکہ ایک عام واقعہ
ہے ۔ آج بھی اپنے گرد و پیش میں نگاہ ڈالنے سے اس کی بے شمار نظیریں مل سکتی ہیں ۔ باقی رہ گیا تین صاحبزادیوں
کا نکاح تو اس کیلئے کسی طویل مدت کی تعیین نہیں ہے ۔ صغر سنی کے نکاح قبل از بعثت بھی ہوتے تھے
اور بعد از بعثت نبوی بھی اسلامی معاشرہ میں عام شائع و ذائع رہے ہیں ۔ خود سیدہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہا کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صغر سنی میں ہوا ۔ کما لا یخفی ۔ بہر حال ان نکاحوں میں
عقلاً و نقلاً کوئی اشکال نہیں ۔

۹ : اب کفار کو رشتہ دینا جائز نہیں ۔ سلسلہ میں اس کی ممانعت ہو گئی تھی ۔ قال تعالیٰ

يا ايها الذين امنوا اذا جاءكم المؤمنات مهاجرات فامتحنوهن
الله اعلم بايمانهن فان علمتموهن مؤمنات فلا ترجعوهن الى
الكفار لا هن حل لهم ولا هم يحلون لهن ۔ الآیۃ پ ۲۸ ، ممتحنہ .

وهكذا نقل حافظ عماد الدين ابن كثير الدمشقي في تاريخه ج ۳ ص ۔

وفیه وفی هذه السنة حرمت المسلمات علی المشرکین ۔ اھ

قبل از بعثت عتبہ و عتیبہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے نکاح ہوئے تھے۔ چونکہ یہ نکاح قبل از بعثت تھے جیسا کہ مفصل گزر چکا ہے۔ لہذا یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس وقت کافر کو لڑکی دینا جائز تھا یا نہیں۔ دیکھیے حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی صاحبزادیوں کے نکاح کی کفار کو پیشکش فرمائی تھی۔ یہ قرآن کریم میں صراحت ہے۔

قال یقوم ھؤلاء بناتی ھن اطھر لکم ۔

ظاہر الفاظ سے یہی سمجھا جاتا ہے۔ مگر مفسرین نے اس کی دوسری تفسیر فرمائی ہے۔

بہرحال بنات طاہرات ؓ کے ان نکاحوں پر اعتراض کرنا غلط ہے۔ کیونکہ یہ نکاح قبل از بعثت کے ہیں اور کفار کے ساتھ مناکحت بعثت کے بعد بھی کم از کم اٹھارہ، انیس ۱۹ برس تک جائز رہی۔ جیسا کہ حوالہ البدایہ والنہایہ ابھی گزرا۔ اشکال تب درست ہے جب کہ یہ نکاح سنہ ۶ ھ کے بعد کئے گئے ہوتے لیکن جب کہ واقعہ ایسا نہیں۔ لہذا اس پر اعتراض کرنا محض حماقت و جہالت یا ضد و عناد پر مبنی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارہا سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا اقرار و اعتراف کیا ہے۔ ایک گفتگو کے دوران حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا

وقد رأیت وسمعت وصحبت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ونلت صهره وما ابن ابی قحافة باولی بعمل الحق منك ولا ابن الخطاب باولی بشیء من الخیر منك وانك اقرب الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم رحما ولقد نلت من صهر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مالم ینالا ۔ اھ

(البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۱۶۸، ابن جریر طبری، ج ۳، ص ۳۷۶)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ملاء اعلیٰ میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذوالنورین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آگئیں۔

عن علی بن ابی طالب انه سئل عن عثمان فقال ذالك امرء یدعی فی الملاء الاعلی ذوالنورین کان ختن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم

علی ابنتیه رواہ ابن عساکر کذا فی حاشیۃ النبراس، صفحہ ۵۵۲۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو یکے بعد دیگرے سب عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیتا۔ یہاں تک کہ ان میں سے کوئی باقی نہ رہتی۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

وروی (ای ابن عساکر) باسناد ضعیف عن علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لو ان لی اربعین ابنۃ لزوجتہن بعثمان واحدۃ بعد واحدۃ حتی لا یبقی منہن واحدۃ۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۲۱۳)۔

مہلب بن ابی صفرہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سوال کیا کہ آپ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ کیوں کہتے ہو کہ وہ ہم پر فوقیت رکھتے ہیں اور اعلیٰ ہیں؟ تو صحابہؓ نے جواب دیا کہ اس لئے کہ اولین و آخرین میں سے عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی شخص کے نکاح میں کسی نبی کی دو صاحبزادیاں نہیں آئیں۔

عن المہلب بن ابی صفرۃ قال سألت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم قلتم فی عثمان اعلانا فوقنا قالوا لانہ لم یتزوج رجل من الاولین والاخرین بنتی نبی غیرہ رواہ ابن عساکر۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۲۱۳)

عثمان بن عفان ثالث الخلفاء الراشدین تزوج برقیۃ بنت النبی (صفحہ)

۱۔ وفصل فی اولادہ صلی اللہ علیہ وسلم اولہم القاسم ثم زینب وقیل ہی اسن من القاسم ثم رقیۃ وام کلثوم وفاطمۃ ثم ولد لہ عبد اللہ بعد النبوۃ او قبلہا فیہ اختلاف وصحح بعضہم انہ ولد بعد النبوۃ۔ (زاد المعاد لابن القیم ج ۱، ص ۵۴)

۲۔ ولد لہ صلی اللہ علیہ وسلم من خدیجۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قبل البعثۃ القاسم ثم ولدت قبل البعثۃ ایضا زینب ثم رقیۃ ثم فاطمۃ ثم ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن وبعد البعثۃ ولد لہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ ویسمی الطیب والطاہر۔

(سیرۃ حلبیہ، ج ۳، ص ۴۳۵)

۳۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان اول من ولد لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ قبل النبوۃ القاسم وبہ کان یکنی ثم ولد لہ زینب ثم رقیۃ ثم فاطمۃ ثم ام کلثوم ثم ولد لہ فی الاسلام عبد اللہ فسمی الطیب والطاہر۔ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۳۳)

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفی اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو بیعت پر مجبور کیا تھا؟

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے گئے اور بہت سخت لہجہ میں بیعت کے لئے پکارا۔ کیا یہ درست ہے یا شیعوں کا بہتان؟ بینوا توجروا۔

الجواب یہ بات بالکل غلط ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بیعت پر مجبور کیا۔ کیونکہ حضرت فاطمہؓ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ سے پہلے وفات پا گئی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی خلافت تو حضور علیہ السلام کے اڑھائی سال بعد ہوئی ہے۔ جبکہ حضرت فاطمہؓ کا انتقال آپ کے چھ ماہ بعد ہوا ہے۔ جب حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ ہی ان کی زندگی میں نہیں آیا۔ تو خلافت پر مجبور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی معین مفتی خیر المدارس ملتان

صحابہؓ کے بارے میں کتاب الخراج لابی یوسف کی ایک عبارت کا جواب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہمارے دل میں بڑی عقیدت ہے اور ہم انہیں ہر عیب سے پاک ایک مکمل انسان سمجھتے ہیں۔ مگر جب میں نے "کتاب الخراج لابی یوسف" کی ایک عبارت دیکھی تو میری حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی۔ کتاب مذکور کے صفحہ ۱۱ پر لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور وصیت یہ کلمات کہے۔

م۔ واعلم ان من ھؤلاء النفر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذین قد انتفخت اجوافہم وطمحت ابصارہم واحب کل

امور شتی منہم لنفسہ وان لہم لحیرۃ عند زلۃ واحد منہم

فایاک ان تکون منہ انتہیٰ

مندرجہ بالا عبارت کا واضح ترجمہ تحریر فرمائیں۔ بظاہر یہ عبارت بعض صحابہؓ کی توہین کرتی ہے یہ عبارت قاضی صاحب کی ہے یا الحاقی ہے؟

الجواب اس عبارت کے پڑھنے سے جو اشتباہ پیدا ہوتا ہے وہ صرف من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ سے ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مخلصین کے بارے میں نص نہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو از راہ نفاق آنحضرت کے زمانہ میں اسلام کو ظاہر کرتے تھے بنا بر ظاہر ان کو بھی مسلمان کہا جاتا تھا عند الناس والعوام یہ لوگ صحابی ہونے کے بھی مدعی تھے اور در حقیقت اسلام و صحبت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ صرف دنیوی منافع ان کو مقصود تھے یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے بعد میں ان کا نفاق کھل گیا۔ اسلام کی شان و شوکت بڑھتی گئی تو ان کی تعداد کم ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت جو تھوڑے بہت ان کی تعداد موجود تھی ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔

واحذر من ھؤلاء النفر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کہ اس جماعت سے بچ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے شمار کی جاتی ہے یعنی جو صحابہؓ میں شامل ہونے کے مدعی ہیں۔

الذین قد انتفخت اجوافھم الخ

جن کے پیٹ متاع دنیوی سے پھولے ہوئے ہیں اور نظریں متاع دنیا کی طرف لگی ہوئی ہیں اور ان میں سے ہر شخص اپنے نفس کے لیے منافع اور مصالح کو پسند کرتا ہے۔

وان لھم لحیرۃ عند زلۃ واحد منھم۔

اور جب ان میں سے ایک شخص کو لغزش ہوتی ہے اس لئے کہ یہ لوگ چونکہ فاسد العقیدہ اور خبیث الباطن ہیں اور اس کا نفاق کھلتا ہے تو وہ سب کو رسوا کرتا ہے اور سب حیران و پریشان ہو جاتے ہیں۔

فایاک ان تکون منہ خیال کرنا ایسا نہ ہو کہ تم بھی ان میں شامل ہو جاؤ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مطابق وصیت صدیقی ان منافقین کا خوب قلع قمع کیا بعض شریر و مفسد لوگوں کو خوب دبایا۔ پس یہ عبارت منافقین کے حق میں فرمائی گئی ہے۔ لفظ من اصحاب سے دھوکہ نہ کھانا

چاہیے کیونکہ یہ منافقین بالعموم از رفقاء مسلمانوں میں شامل تھے کما سبق تحقیقہ ۔

عام حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ان اوصاف رذیلہ سے پاک وصاف تھے ان کی شان اعلیٰ وارفع ہے اور نہ ان کے حق میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اور نہ کوئی قرینہ ایسا موجود ہے۔ بلکہ متن حدیث میں قرینہ ہے اس بات کا کہ یہ عبارت ایک مخصوص جماعت کے بارے میں کہی گئی ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ

جنگ جمل کا محرک حضرت معاویہؓ کو قرار دینا سفید جھوٹ ہے

اہل تشیع کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑایا تھا۔ یہ کہنا کہاں تک درست ہے ؟

الجواب یہ سبائی افسانہ اور جھوٹ ہے۔ اس دوران نہ تو حضرت عائشہ رضہ کی حضرت معاویہؓ سے ملاقات ہوئی نہ ہی حضرت معاویہؓ کے کسی قاصد کا حضرت عائشہ رضہ سے ملنا ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رضہ نے تو حضرت عثمان رضہ کی شہادت کی اطلاع پاتے ہی کہہ دیا تھا۔

واللہ قتل عثمان مظلوماً واللہ لاطلبن بدمہ۔ (البدایہ ج ۷ ص ۲۳۰)

روایات میں واضح طور پر موجود ہے کہ حضرت عائشہ رضہ اور ان کے ساتھی حضرت علی رضہ کے لشکر کے ساتھ صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے بلکہ صلح طے پا گئی تھی۔ اعلان باقی تھا کہ سبائیوں نے دیکھا کہ یہ صلح تو ہمارے لئے موت ثابت ہوگی چنانچہ انہوں نے دھوکہ سے دونوں فریقوں کو لڑا دیا۔ (البدایہ ج ۷ ص ۲۳۹)

اور پھر اپنے مخصوص طریق کار کے مطابق اس کا الزام دوسروں کے سر لگا دیا۔

اتمام الوفاء ص ۱۷۹ میں ہے۔

وظهرت آثار الحقد على أمير المؤمنين من هذا الحادث الجلل الذي لم يكن له فيه مأرب وكذلك على السيدة أم المؤمنين فإنها كانت تود الصلح ولم يجر ما جرى إلا رغماً عن الجميع ۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۵/۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بیت اللہ کو غلاف پہنانے کی ابتدا کب سے ہوئی

ایک مضمون کے سلسلہ میں یہ تحقیق مطلوب تھی کہ بیت اللہ پر غلاف سب سے پہلے کس نے ڈالا تھا۔ اگر معلوم ہو تو مہربانی فرمائیں۔ فاروق مجید حبیب الطفی۔

الجواب: "المعارف" لابن قتیبۃ الدینوری (متوفی ۲۷۶ھ) میں ہے کہ سب سے پہلے اسعد ابو کریب حمیری نے بیت اللہ کو کپڑے اور چادروں کا غلاف چڑھایا، یہ آنحضرت علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً سات سو سال پہلے گزرا ہے۔

اسعد ابو کرب ... وھو اول من کسا البیت الانطاع والبرود اھ

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۵/۱/۱۳۹۸ھ

خاک مدینہ کے شفاء ہونے کا ثبوت

خاک شفاء کے بارہ میں یہ بات مشہور ہے کہ ایک جنگ کے موقعہ پر مسلمانوں میں کسی قسم کی بیماری پھیل گئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ فلاں جگہ کی مٹی لے کر اپنے جسموں پر مل لو انشاء اللہ تعالیٰ شفاء ہو جائے گی کیا یہ بات صحیح ہے؟ اور اس خاک شفاء کے استعمال کا کیا طریقہ ہے اور وہ کون سی جنگ ہے جس میں یہ واقعہ پیش آیا؟ جلیل [illegible]

الجواب: مدینہ طیبہ کی مٹی کے بارہ میں متعدد روایات آتی ہیں، علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں اور علامہ سمہودی رحمہ اللہ نے "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ" میں تفصیل سے ان کو نقل کیا ہے، جملہ روایات کو سامنے رکھنے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مدینہ طیبہ کی عام مٹی کی خاصیت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ اس میں شفاء ہے۔ بالخصوص جذام و برص کے لئے ماده صعیب کی بھی (وادی بطحان میں ایک جگہ ہے) بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا اسے استعمال کرو، پوری حدیث اس طرح ہے کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ قبیلہ بنو حارث کے پاس گئے وہ لوگ بیمار تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا حال ہے؟ کہنے لگے کہ ہم بخار میں مبتلا ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس تو صعیب موجود ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور صعیب کو کیا کریں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی مٹی لے کر پانی میں ڈال کر اس پر یہ پڑھ کر لب ڈالو "بسم اللہ تراب ارضنا بریق بعضنا شفاء لمریضنا باذن ربنا" (الحدیث)۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ فشفاھم اللہ۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ علامہ سمہودی رح نے کچھ واقعات بھی لکھے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تجربہ کی تخصیص ان کی مرض کی بنا پر ہو۔ اصل میں مدینہ طیبہ کی مٹی میں بھی شفاء کا ہونا منقول ہے۔ بعض حدیث میں مدینہ طیبہ کی مٹی کا شفاء ہونا منقول ہے۔ وہ غزوہ تبوک سے واپسی کا واقعہ ہے۔ علامہ سمہودی رح کے الفاظ یہ ہیں۔

عن سعد رضي الله عنه لما رجع رسول الله صلى الله عليه وسلم من تبوك تلقاه رجال من المتخلفين من المؤمنين فأثاروا غبارا فخمر بعض من كان مع رسول الله صلى الله عليه وسلم أنفه فأزال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللثام عن وجهه وقال والذي نفسي بيده إن في غبارها شفاء من كل داء الحديث۔ (وفاء: ص [illegible])

طریقہ استعمال: صہیب کی مٹی کے بارے میں علامہ سمہودی رح نے لکھا ہے کہ مٹی پانی میں ڈال کر پھر اس پر مذکورہ رقیہ پڑھا جائے پھر اسے پیا اور نہایا جائے۔

قلت فينبغي أن يجعل في الماء ثم يتفل عليه ويقال الرقية الواردة ثم يجمع بين المشرب والغسل منه اهـ (وفاء ص [illegible])۔

فقط واللہ اعلم

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی دار الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان شہر

۲۴/۱۰/۱۳۹۷ھ

امام ابو حنیفہ رح کی کثرت عبادت پر اعتراض کا جواب

امام اعظم رح کے حالات میں ایک رسالے میں دیکھا گیا کہ ان کا تقویٰ اس قدر تھا کہ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے رہے۔ یعنی تمام رات عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اور رمضان سال بھر میں ۶۱ ختم کلام پاک کرتے تھے۔ یعنی روزانہ دو ختم کرتے تھے لیکن سیرۃ النعمان سوانح عمری حضرت امام اعظم رح مصنفہ مولانا شبلی نعمانی کے صفحہ ۴۴ پر یہ عبارت ہے۔

مضمون مولانا شبلی نعمانی: جماعت مذکورہ نویسوں نے امام کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں خوش اعتقادی اور مبالغہ کا اس قدر رنگ بھرا ہے کہ امام صاحب رح کی اصلی صورت پہچانی نہیں جاتی۔ مثلاً

○ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔

○ تیس سال تک متصل روزے رکھے۔

○ جہاں وفات کی، وہاں سات ہزار مرتبہ قرآن کا ختم کیا۔

○ نوعمری میں مشتبہ گوشت کا ٹکڑا پڑ گیا تو اس خیال سے کہ مچھلیوں نے کھایا ہوگا ایک مدت تک مچھلی کا گوشت نہیں کھایا۔

○ اسی طرح ایک مشتبہ بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔

○ ان کا لائق حریف صرف دس قسم کا جواز تھا۔

اس قسم کے بہت سے قصّے ان کی نسبت مشہور ہیں اور مقصد یہ ہے کہ ہمارے مؤرخین امام صاحب کے کمالات کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ واقعات نہ تاریخی حوالوں سے ثابت ہیں نہ ان سے کسی کے شرف پر استدلال ہو سکتا ہے۔ الخ۔ اس قسم کے واقعات کے لئے ایسی سند درکار ہے جس میں ذرہ بھی شبہ نہ ہو۔ مذکورہ دونوں روایتوں میں سے کون سی روایت صحیح ہے؟

الجواب امام اعظم ابوحنیفہ کے تذکرہ میں جو حالات ان کی عبادت اور زہد و ورع کے متعلق کتابوں میں اندراج کیا ہے بالکل صحیح ہے۔

○ چالیس سال تک صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھنا بالکل صحیح ہے۔

○ رمضان مبارک میں ساٹھ مرتبہ ختم پڑھنے کی روایت میں نے دیکھی ہے۔

○ اور تیس سال تک متواتر روزہ رکھنے کی روایت میں نے نہیں دیکھی، اگر کسی کتاب میں موجود ہو تو اس کی تکذیب کی کوئی وجہ نہیں۔

بکری کا گوشت چھوڑ دینا بھی صحیح واقعہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ کے شہر میں ایک بکری چوری ہوگئی پس آپ نے بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا، اندیشہ ہوا کہ وہی بکری ذبح کی جائے اور اس کا گوشت جتنے سال بکری زندہ رہ سکتی ہے۔ اور مچھلی نہ کھانے کی روایت میں نے نہیں دیکھی۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ ہمارا مصنف جس زمانہ میں ہو رہا ہے آج کل زہد اور عبادت مفقود ہیں اس لئے ایسی روایات انہیں عجیب و غیر معقول سوجھتی ہیں۔ امام اعظم تابعین میں سے ہیں جن کا زمانہ خیر و برکت کے اعتبار سے عروج پر تھا اس زمانہ میں زہد اور عبادت اتنا تھا کہ بچے اور بوڑھے سب مصروف تھے۔ راتوں کو جاگنا اور دن کو روزہ رکھنا، مجاہدات اور ریاضت کی کثرت تھی چند ایک واقعات زمانہ سلف کے تاریخ کی معتبر کتب سے نقل کئے جاتے ہیں۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ امام اعظم کے تذکرہ میں جو باتیں منقول ہیں وہ حقیقت پر مبنی ہیں۔

○ امام شافعی ہر روز رات دن میں ایک قرآن پاک کا ختم با تدبر کرتے تھے۔ اور رمضان شریف میں دو ختم روزانہ کرتے تھے۔

○ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر رات ختم قرآن مجید ایک رکعت میں کرتے تھے۔

○ حضرت اویس قرنی جو مشہور بزرگ ہیں، کسی دن فرماتے کہ آج کی رات رکوع کرنے کی ہے پس تمام رات رکوع میں گزار دیتے۔ پھر کہتے کہ آج کی رات سجدہ کی ہے تو تمام رات سجدہ میں گزار دیتے۔

○ جب عتبہ غلام تائب ہوئے تو کھانے پینے کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کرتے تھے ان کی والدہ نے ان سے ایک مرتبہ کہا کہ اپنے نفس پر رحم کھا کچھ راحت بھی لے لیا کر۔ کہنے لگے کہ اس پر رحم کھانے ہی کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔ تھوڑے دن کی مشقت ہے پھر ہمیشہ ہمیشہ راحت ہی تیار ہے۔

○ عبد اللہ بن داؤد کہتے ہیں یہ بزرگ حضرات جب کوئی ان میں سے چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو بستر اٹھا کر رکھ دیتا ہے یعنی پھر سونے کا نمبر ختم ہو جاتا ہے۔

○ حضرت کہمس بن حسن رح ہر رات میں ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے اور اپنے نفس کو خطاب کر کے کہتے کہ اے ہر برائی کی جڑ نماز کے لئے کھڑا ہو جا۔ جب ضعف بہت ہو گیا تو روزانہ پانچ سو رکعتیں کر دی تھیں اور اس پر رویا کرتے تھے کہ میرا آدھا عمل جاتا رہا۔

○ حضرت ربیع رح کہتے ہیں کہ میں حضرت اویس قرنی رح کے پاس آیا۔ وہ صبح کی نماز پڑھ کر تسبیح پڑھنے میں مشغول ہو گئے تھے مجھے خیال ہوا کہ اس وقت ان کا حرج ہو گا میں فراغت کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ وہ اسی حال میں بیٹھے پڑھتے رہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا۔ وہ ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور عصر تک نماز پڑھتے رہے۔ پھر عصر کی نماز پڑھ کر اسی جگہ بیٹھے رہے۔ پھر مغرب کی نماز پڑھی پھر عشاء کی نماز پڑھی، پھر صبح تک وہیں جمے رہے۔ دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد بیٹھے تھے کہ اسی حال میں کچھ غنودگی سی آ گئی، ہڑبڑا کر کہنے لگے۔ یا اللہ ایسی آنکھ سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں جو بار بار سوتی ہے اور ایسے پیٹ سے پناہ مانگتا ہوں جو بھرتا ہی نہ ہو۔ میں تمام حالت دیکھ کر وہاں سے یہ کہہ کر چلا آیا کہ مجھے تو عبرت کے واسطے یہی کافی ہے جو میں نے دیکھ لیا ہے۔

○ ابو بکر بن عیاش رح چالیس برس تک بستر پر نہیں لیٹے اور اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اس کوٹھڑی میں معصیت نہ کرنا کہ میں نے اس میں بارہ ہزار قرآن ختم کئے ہیں۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو مکان کے ایک کونے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے اس میں چوبیس ہزار قرآن ختم کئے ہیں۔

○ حضرت سمنون رح پانچ سو رکعت نماز روزانہ پڑھا کرتے تھے۔ اور ان کا ایک قصہ علامہ زبیدی رح نے لکھا ہے کہ بغداد میں ایک شخص نے چالیس ہزار درہم فقراء پر تقسیم کئے۔ سمنون فرمانے لگے کہ دیکھو تو ہمارے پاس ہیں نہیں، چلو ہم ہر درہم کے بدلے ایک رکعت نماز پڑھ لیں۔ یہ کہہ کر مدائن گئے اور وہاں چالیس ہزار رکعتیں پڑھیں۔

○ ابوبکر مطوعی ذکر کرتے ہیں کہ میرا معمول جوانی میں اکتیس ہزار روزانہ "قل ہو اللہ احد" پڑھنے کا تھا۔

○ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں عامر بن عبد القیس رح کے ساتھ چار مہینے رہا۔ میں نے دن میں یا رات میں انہیں سوتے نہیں دیکھا۔

حضرت کرز بن وبرہ رح ہر روز تین قرآن شریف ختم کرتے تھے۔

یہ چند واقعات امام غزالی رح کی کتاب احیاء العلوم اور دوسری مشہور تواریخ سے لئے گئے ہیں۔ یا تو ان تمام روایات پر پانی پھیریئے اور کہہ دیجئے کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم عباد و زہاد سے خالی ہے۔ یا پھر ان تمام واقعات کو تسلیم کیجئے۔ اور اپنے اہل زمانہ کی غفلت و کوتاہی تسلیم کیجئے کہ ہم غافل ہو رہے ہیں۔ قرون اولیٰ میں کثرت سے لوگ عبادت و ریاضت کرتے تھے۔ اس زمرہ میں امام اعظم رحمہ اللہ کا نام نامی اسم گرامی سب سے پہلے ہے۔ امام ابو حنیفہ رح کا چالیس سال تک رات کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنا علامہ سیوطی رح کے "تبییض الصحیفہ" میں بھی موجود ہے۔ "تبییض الصحیفہ" "کشف الاستار عن رجال معانی الآثار" کے ساتھ طبع ہے۔ ہندو پاکستان کے مشہور کتب خانوں سے مل سکتی ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفی عنہ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

۹ محرم الحرام ۱۳۸۱ھ

لعنت بر یزید

ایک واعظ نے علانیہ طور پر یزید پر لعنت کی ہے۔ اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ شرح عقائد میں یزید اور اعوان یزید پر لعنت کی گئی ہے جس کی عبارت ذیل ہے

والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشاره بذلک واهانته اهل بیت النبی علیه السلام مما تواتر معناه وان کان تفاصیله احاداً فنحن لا نتوقف فی شانه بل فی ایمانه لعنة الله علیه وعلی انصاره واعوانه۔

کیا بموجب حوالہ مذکور یزید پر لعنت کرنا جائز ہے؟

محمد امین احمد پور شرقیہ

الجواب یزید پر لعنت کرنے میں علماء محققین کے دو گروہ ہیں۔ بعض جواز کے قائل ہیں اور دلیل میں وہ افعال پیش کرتے ہیں جو سوال میں مذکور ہیں۔ اور ایسے افعال کا مرتکب واقعۃً مستحق لعنت ہے۔ بعض حضرات نے اس میں توقف کیا ہے۔ کیونکہ یزید میں ان جملہ افعال ناشائستہ کا پایا جانا

قطعی اور یقینی نہیں۔ شروع میں وہ بہرحال مسلمان تھا۔ اور مسلمان پر لعنت کرنے کے بارے میں وعید شدید وارد ہے۔ عاقبت کا علم اللہ کو ہے۔ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ سکوت کیا جائے۔ کیونکہ اگر لعنت جائز بھی ہو تو نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ نیز اگر وہ محل لعنت نہ ہوا تو لعنت کرنے والا خود مبتلائے معصیت ہو جائے گا۔ لہٰذا احتیاط و مختار مسلک یہی ہے کہ خاموش رہا جائے۔

حضرت العلام مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۲۰ میں اسی مسلک کو پسند فرمایا ہے۔

سئل الغزالي عمن يصرح بلعن يزيد بن معاوية هل يحكم بفسقه أم يكون مرخصا فيه وهل كان يريد قتل الحسين أم كان قصده الدفع وهل يسوغ الترحم عليه أم السكوت عنه أفضل فأجاب لا يجوز لعن المسلم أصلا ومن لعن المسلم فهو الملعون وقد قال عليه الصلوة والسلام المسلم ليس بلعان وكيف يجوز لعن المسلم وقد ورد النهي عن ذلك وحرمة المسلم أعظم من حرمة الكعبة بنص من النبي صلى الله عليه وسلم ويزيد صح إسلامه وما صح قتله للحسين رضي الله عنه ولا أمره ولا رضاه بذلك ومهما لم يصح ذلك عنه لم يجز أن يظن ذلك به فإن إساءة الظن أيضا بالمسلم حرام قال الله تعالى يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا من الظن إن بعض الظن إثم الآية إلى قوله وأما الترحم عليه فجائز بل مستحب بل داخل في قولنا اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات فإنه كان مؤمنا

(حيوة الحيوان ج ۲ ص ۱۹۹)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۸ / ۱۰ / ۱۳۹۹ھ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

○

مکرمی جناب نائب مفتی صاحب زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
لعنت بر یزید کے متعلق ایک فتویٰ سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ آپ یزید کے متعلق ترحم کے قائل ہیں اس کی وضاحت مطلوب ہے۔ بندہ محمد صدیق غفرلہ ناظم خیر المدارس ملتان

الجواب دراصل سوال تو لعنت کرنے کے متعلق تھا اور اس کے متعلق ہمارے اسلاف و اکابر کا جو مسلک ہے وہ فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے صراحۃً تحریر کر دیا گیا ہے۔ آخر میں موضوع سے متعلق "حیوٰۃ الحیوان" سے ایک طویل اقتباس نقل کیا گیا ہے جس میں امام غزالیؒ کا لعن یزید سے متعلق مشہور فتویٰ تفصیل سے مذکور ہے۔ ہمیں اس فتوے کا جو جزء مقصود تھا وہ وہی ہے جو لعن یزید سے متعلق ہے۔

باقی رہا ترحم کا جواز یا استحباب تو یہ امام غزالیؒ کا اپنا مسلک ہے جیسے کہ عربی عبارت میں تصریح ہے۔ ہم نہ مستقلاً اس کے قائل ہیں نہ ترغیب دیتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اُمِّ یزید کی عیسائیت کی طرف نسبت غلط ہے

س: ۱: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ میسون بنت بحدل کے بارے میں بعض مستشرقین ہٹی اور نکلسن وغیرہ نے لکھا ہے کہ آپ عیسائی قبیلہ سے تھیں۔

۲: یزید انہیں سے پیدا ہوا۔

۳: اسی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت میسون کو طلاق دے دی تھی۔

(ہسٹری آف دی عربز ص۱۹۵ ، ولٹریری ہسٹری آف دی عربز ص۱۹۵ ، بنات الصلیب) الخ

کیا مذکورہ قسم کے بیانات درست ہیں اور ایسی روایات صحیح ہیں یا الزام تراشی ہے۔ اسلامی تاریخی کتب سے بحوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب ۱: مستشرقین اور صاحب بنات الصلیب کا حضرت میسون کو عیسائی قبیلہ سے قرار دینا تحریف اور سوچی سمجھی سازش ہے۔ آپ ہرگز عیسائی قبیلہ سے نہ تھیں بلکہ آپ عرب کے مشہور قبیلہ بنو کلب کے سردار بحدل بن انیف ... بن جناب الکلبی کی صاحبزادی تھیں۔ اللہ نے آپ کو حسن وجمال، عقل و دانش اور اعلیٰ درجہ کی دینداری عطا کی تھی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۸)

۲: یزید آپ ہی سے پیدا ہوا تھا۔ (طبری ج ۴ ص ۲۴۴)

۳: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو گھریلو رنجش کی وجہ سے طلاق دی تھی۔ (طبری ج ۴ ص ۲۴۴)

فقط واللہ اعلم — محمد انور عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان

حدیث قرطاس، وقصہ باغ فدک

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ (۱) جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس وقت حضرت علیؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ہمیں کوئی وصیت فرمائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قلم دوات لاؤ۔ جب علی کاغذ اور قلم لے کر آنے لگے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمرؓ نے حضرت علیؓ کو روک دیا کہ کاغذ اور قلم نہ لاؤ۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت غشی طاری تھی تو حضرت صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے کہنے پر کاغذ اور قلم نہ لائے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ وصال کے بعد دونوں حضرات اور حضرت عثمان غنیؓ خلافت کے بارہ میں مشغول ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک کے پاس اہل بیت اور حضرت علیؓ بیٹھے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لاش مبارک تین دن تک پڑی رہی۔ اور یہ حضرات اپنی خلافت کے مشورے کرتے رہے اور تیسرے دن کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا گیا۔

۲۔ جب حضرت صدیقؓ خلیفہ مقرر ہو گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی کو لیکر حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ صدیق اکبرؓ آپ ہمیں باغ فدک دے دیں تو حضرت صدیق اکبر نے انکار کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں مسافروں کے لئے اور اصحاب صفہ کے لئے وقف کر دیا تھا اس لئے میں یہ باغ تمہیں نہیں دے سکتا۔ تو حضرت فاطمہ رنجیدہ ہو کر واپس آ گئیں اور بی بی نے کہا کہ اگر میں کہیں فوت ہو جاؤں تو حضرت صدیق اکبر میرے جنازہ کے قریب نہ آئیں اسی حالت میں حضرت فاطمہ کا انتقال ہو گیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جنازہ میں شامل نہ ہونے دیا گیا۔

الجواب: روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں وفات سے چار روز قبل اپنے پاس موجود حضرات سے یہ کہا کہ کاغذ لاؤ میں ایک تحریر لکھ کر دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری کی تکلیف زیادہ ہے۔ لہذا آپ کو زحمت نہ دینا چاہیئے ضروری احکام کے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے بعض لوگوں نے کہا لکھوا لینا چاہیئے۔ اس میں بلند آوازی ہوئی تو آنحضرت علیہ السلام نے ان سب کو اپنے پاس سے اٹھ جانے کا حکم دیا اس کے بعد چار روز تک دنیا میں تشریف فرما رہے۔ پھر خالق حقیقی سے جا ملے۔ قصہ تو صرف اس قدر ہے۔ اگر نگاہوں پر بغض و تعصب کی عینک چڑھی ہو تو واضح طور پر معلوم ہو گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا محض آپ کی محبت اور آرام کی خاطر کیا۔ یہ بات تو حضرت عمرؓ کے مناقب و فضائل میں شمار کرنے کے قابل ہے نہ کہ

اس کو باعث اختلاف بنا لیے گئے۔ اتنا تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لکھوانا چاہتے تھے یا تو اس کا تعلق دین کی انہی باتوں سے ہوگا جنہیں آپ پہلے بار بار ارشاد فرما چکے ہوں گے اور انہیں کی طرف اب خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتے ہوں گے اور اگر یہ کوئی نئی بات تھی جس کو آپ نے اب تک بیان نہیں فرمایا تھا۔ اور امت کی ہدایت کا دارومدار اسی بات پر تھا تو پھر دین کے مکمل ہونے کا کوئی معنی نہیں رہ جاتا اگر اتنی اہم بات باقی رہ گئی تھی تو پھر معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیئس سال تک کیا بیان فرماتے رہے؟ اور قرآن حکیم کس بات کی رہنمائی کے لئے نازل ہوا جبکہ اصل ہدایت کی بات آپ نے اب بتائی تھی۔ اگر بالفرض یہ مان بھی لیں کہ کوئی نئی بات بتانا چاہتے تھے جو اب تک آپ نے ارشاد نہیں فرمائی تھی تو پھر اسے لکھوانے سے رکنا اپنی مرضی اور منشاء الٰہی کے مطابق تھا۔ اگر یہ بات نہ تھی تو آپ اس واقعہ کے چار روز بعد تک دنیائے فانی میں رہے آپ پھر کسی وقت لکھوا دیتے یا اسی وقت قطعی حکم دے دیتے کہ نہیں ضرور لکھو۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کو اللہ کی طرف سے کسی بات کے لکھوانے کا حکم ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کے کہنے پر لکھوانے سے رک جائیں۔ جیسے پیغام حق پہنچانے سے عرب کی کوئی طاقت نہ روک سکی۔ جنہوں نے پتھر کھا کے اللہ کا حکم سنایا وہ صرف حضرت عمرؓ کے کہنے پر اللہ کا حکم پہنچانے سے رک جائے ایسا عقل ہرگز تسلیم نہیں کرتی۔ پھر تو نبی کی نبوت پر ہی سے اعتماد اٹھ جانے کا اندیشہ ہے تو لوگوں کے ڈر سے حق بات کہنے سے تقیہ کر سکتے ہیں! نبی کی شان اس کے منافی ہے۔

۲۔ اصل میں باغ فدک مال فئی تھا جو کہ حاجتمندوں کے لئے مخصوص تھا۔ یہی واقعہ جو کتب حدیث و تاریخ کی معتبر کتابوں میں منقول ہے اس طرح ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے باغ فدک کا مطالبہ بطور میراث کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو ایک حدیث سنائی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا تھا کہ ہمارے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی اور پھر فرمایا خدا کی قسم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت مجھے اپنی قرابت سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ مگر اس واقعہ میراث میں حق وہی ہے جو میں نے عرض کیا اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یہ روایت بخاری و مسند احمد میں موجود ہے۔ روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایسی نرمی اور لطافت سے جواب دیا کہ اس وقت حضرت فاطمہؓ راضی ہو کر اٹھیں۔

(ازالۃ الخفاء۔ صفحہ ۲۱ ج ۲)

اہل تشیع کی معتبر کتب اصول کافی احتجاج طبرسی، مرآۃ العقول وغیرہ میں امام جعفرؒ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال پیش کر کے عرض کی کہ سیدہ یہ مال میرا ہے اس میں آپ جس طرح چاہیں تصرف کر سکتی ہیں لیکن مال فئی کے بارے میں آپ کے والد ماجد کا ارشاد گرامی یہ ہے جو میں نے عرض کیا۔ حقیقت فقط اتنی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہ کو راضی کر لیا تھا یہ ان کی کمال نیاز مندی تھی۔

(مدارج النبوۃ، کتاب الوفاء بیہقی اور شرح مشکوٰۃ) میں اس کی تصریح ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جنازہ میں شرکت سے روکنا محض شیعی افسانہ ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں اس کو کذب و افتراء لکھا ہے۔ البتہ جنازہ کی امامت کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ابن سعد اور فصل الخطاب وغیرہ میں ہے کہ جنازہ بھی حضرت صدیق اکبرؓ نے پڑھایا تھا۔ (ھدیۃ الشیعہ ص ۲۲۲)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، عبدالستار

محمد انور نائب مفتی خیرالمدارس، ملتان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۹ ربیع الاول کو ہوئی ہے۔

اکثر کتب تاریخ و احادیث و تذکرہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی و ابی و امی) کی تاریخ پیدائش ۱۲ ربیع الاول اور وفات ۱۲ ربیع الاول کو لکھی ہے۔ ایک تاریخ کے اسکالر نے لکھا ہے کہ جدید و قدیم محققین اس پر متفق ہیں کہ حضور کی پیدائش ۹ ربیع الاول کو اور وفات ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ تصدیق اس بیان کی فرما کر ممنون فرمادیں۔

الجواب: اکثر علماء محققین کی رائے یہی ہے کہ ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول کو ہوئی اور وفات شریف ۱۲ کو ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

۲۲ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ محمد مظفر الدین عفی عنہ خطیب جامع مسجد الصادق بہاولپور

الجواب: اکثر علماء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت تحقیق و تاریخ کے اعتبار سے بروز دوشنبہ مسعود متفق ہے اس کے ساتھ ہی ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بھی اس لحاظ سے متقدمین حضرات نے بھی دوشنبہ ۹ ربیع الاول ہی لکھا ہے۔ اس لئے محققین مؤرخین و متقدمین کے نزدیک تاریخ پیدائش حضور ۹ ربیع الاول ہی ہوتی ہے۔ البتہ وفات بلا اختلاف ۱۲ ربیع الاول کی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

رشید احمد عفی اللہ عنہ نائب خطیب جامع مسجد الصادق بہاولپور۔

الجواب: قدیم تاریخی کتب جو تاریخ میں ماخذ و سند کی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں آنحضرت علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کے بارے میں دو قول زیادہ مشہور ہیں۔ ۸ ربیع الاول یا ۱۲ ربیع الاول۔ ان دونوں میں سے ۸ ربیع الاول کا قول زیادہ صحیح ہے۔

وقيل لثمان خلون منه حكاه الحميدي عن ابن حزم ورواه مالك وعقيل ويونس بن يزيد وغيرهم عن الزهري عن محمد بن جبير بن مطعم ونقل ابن عبد البر عن اصحاب التاريخ انهم صححوه وقطع به الحافظ الكبير محمد بن موسى

اور اس بحث سے متعلق تمام معلوماتی مواد کی فراہمی ۲۔ اس مواد میں سے مستند اور قابل عمل کا پیش نظر رکھنا
۳۔ مورد تنازعہ معاملات اور ہر فریق کے دعویٰ کی مکمل تنقیح ۴۔ متعلقہ آیات و نصوص اور قواعد شرعیہ کا استحضار
۵۔ اجتہاد کا فقہی ادراک ۶۔ سب سے آخری اور کڑی شرط فیصل کی عدالت و تقویٰ اور غیر جانبداری ہے۔ اس کی اہمیت
میں اس وجہ سے مزید اضافہ ہو جاتا ہے کہ یہ شرط پہلی سب شرطوں پر اثر انداز ہو سکتی ہے اگر کسی مرحلہ پر فیصل
کی غیر جانبداری کا تزلزل ہو گیا تو فیصلہ کی صحت مشکوک اور مشتبہ ہو جانے کی اپنی اصل ہے۔ اس فیصلہ کے
لئے کتاب علم اور کتاب دیانت و تقویٰ دونوں امر ضروری ہیں۔ صرف تاریخ دانی کافی نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہر عالم
میں ان امور کا اجتماع اگر مستبعد نہیں تو مشکل ضرور ہے پس اس سلسلہ میں لوگوں کی رائے کا مختلف ہو جانا ایک بدیہی
امر تھا تاریخ شاہد ہے کہ جذبات سے مغلوب ہو کر تمام عقلوں نے اس سلسلہ میں طرح طرح کی بولیاں بولی ہیں
ایک گروہ نے حضرت علیؓ اور ان کے دونوں فریقوں کو مورد الزام ٹھہرایا ہے بلکہ ان کی تذلیل و تفسیق سے بھی ترقی
کر کے تکفیر تک نوبت پہنچائی ہے۔ العیاذ باللہ من ذالک۔ اور ایک فرقہ نے حضرت علیؓ کو حق پر مانا اور
حضرت امیر معاویہ، زبیر، طلحہ رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھیوں کو باطل پر جانا اور ان کی تکفیر کی، ان کو برا بھلا اور ان کے
اعمال میں کیڑے نکالنے کے لئے اپنی بہترین صلاحیتوں کو ضائع کیا۔ جیسا کہ شیعہ اور روافض کرتے ہیں اور ایک فریق
نے اپنے مذہب کی تسکین کے لئے متنازعات سے متعلقہ روایات کا سرے سے انکار کر دیا کہ درحقیقت جمل اور
صفین نام کی جنگیں مسلمانوں میں لڑی ہی نہیں گئیں۔ ان اہل ہوی و اہل زیغ کے مقابلہ میں اہل سنت والجماعت کا
متوازن اور معتدل موقف یہ ہے کہ فریقین کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف نہیں بلکہ خطا و صواب کا اختلاف تھا
جیسا اختلاف مسائل مذہبیہ میں ائمہ مجتہدین کے درمیان پایا جاتا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ہر دو فریق نیک نیت
تھے اور صدق دل سے اتباع قرآن پاک و ارشادات نبویہ فرمانا چاہتے تھے لیکن اس وقت میں منشاء خداوندی
کیا ہے اس کی تعیین میں ہر دو کا اختلاف تھا حضرت زبیر و طلحہ و امیر معاویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا موقف یہ
تھا کہ سیدنا امام مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے فوراً قصاص لینا ضروری ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ
مظلوم کی اعانت اور ظالم کو سزا دینا فرض ہے اور ان لوگوں نے حدود کو توڑا۔ ویسعون فی الارض
فسادا کے مصداق ہیں اور ان پر ان یقتلوا کے تحت حد جاری کرنا ضروری ہے اور حضرت علیؓ بعض مصالح
کی بنیاد پر اس میں تاخیر کرتے تھے یا بعض وجوہ سے نفس قصاص میں متردد تھے علمی زبان میں ایسے اختلاف
کو اجتہادی اختلاف کہتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر فریق کی غلطی کو خطاء اجتہادی سے تعبیر کرتے ہیں اس تفصیل کے
بعد اب ہم ذیل میں چند حوالہ جات تحریر کرتے ہیں جن سے مسلک اہل سنت والجماعت کی وضاحت ہو جائے گی
کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ کی خطاء اجتہادی تھی معاذ اللہ کسی بدنیتی پر مبنی نہ تھی۔ اس سلسلہ میں سب سے
پہلے عقائد کی مشہور کتاب شرح العقائد کی تصریح ملاحظہ ہو:

ان قلتم علی و معاویة کلا هما کانا مجتهدین غایة ما فی الباب ان
معاویة کان یخطی فی اجتهاده فله اجر واحد و قد کان لمخطی
اجران ——— یہ اور اس قسم کی بیسیوں تصریحات اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہیں کہ
حضرت امیر معاویہ، حضرت عائشہؓ، زبیر اور طلحہ کی خطاء اجتہادی تھی اور وہ اس سلسلہ میں معذور ہیں اور
قابل ملامت نہیں ہیں معتمدہ کی تقریباً تمام کتابوں میں بطور عقیدہ اہل سنت والجماعت کی تصریحات موجود ہیں۔ اہل
سنت والجماعت کے اس متفقہ مسلک کی وضاحت کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں خود علیؓ کی
تحقیق رائے سے استفادہ کیا جائے کہ وہ اپنے مقابل فریق کے بارے میں کیا گمان رکھتے تھے۔ ان کے موقف کو بھی
کسی دلیل پر مبنی مانتے تھے یا اسے محض غلط قرار دیتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس کے بارے میں خود حضرت علی کی
شہادت سے بڑھ کر اور کیا شہادت ہو سکتی ہے جنہوں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور لطف یہ ہے
کہ اپنے بارے میں نہیں بلکہ اس فریق کے بارے میں بیان دے رہے ہیں جو ان کا مد مقابل ہے۔ ثقہ راوی کے ایسے
بیان کی صحت میں کیا شک کیا جا سکتا ہے۔ حضرت علیؓ لشکر سمیت بصرہ کے قریب پہنچنے والے تھے
اسی دوران میں آپ کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص اعور بن بنان نامی اور آپ کے مابین ایک مکالمہ ہوا جس میں
حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہم فریق ثانی پر حملہ نہیں کریں گے جب تک وہ حملہ نہ کریں۔ اس نے پوچھا اگر وہ حملہ
کریں تو پھر؟ فرمایا کہ ہم مدافعت کریں گے۔ عرض کیا کہ ان کے پاس بھی اس مقابلہ میں ایسی دلیل موجود ہے
جیسا کہ ہمارے پاس؟ حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! ابو السلام دالانی نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ
کیا ان لوگوں کے پاس دلیل و حجت ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہاں! حضرت علی کی ان تصریحات سے ظاہر
ہے کہ وہ بھی حضرت عائشہؓ، زبیر وغیرہ کا موقف دلیل پر مبنی مانتے تھے اور ان کی دعوت کو کسی طمع نفسانی یا غرض
فاسد سے ناشی نہیں سمجھتے تھے۔ یہی حقیقت ہے خطاء اجتہادی کی گویا کہ حضرت علیؓ بھی ان حضرات کی
دلیل کو محض غلط قرار نہیں دیتے تھے جیسا کہ اہل رفض و تشیع کا مسلک ہے بلکہ ان کے موقف کو مبنی بر دلیل
یقین کرتے تھے جیسا کہ اہل سنت والجماعت اس کے قائل ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ و طلحہؓ کی
معیت میں شہید ہونے والوں کو بھی ویسا ہی جنتی قرار دیتے ہیں جیسا کہ اپنے ہمراہیوں کو۔ ابو السلام دالانی
نے ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ ہم دونوں فریق کل باہم الجھ گئے اور جنگ کی نوبت آئی تو ہمارا کیا حال ہوگا
اور ان کی کیا حیثیت ہوگی؟ ارشاد فرمایا کہ ہم میں سے یا ان میں سے جو شخص اخلاص کے ساتھ جنگ
کرتے ہوئے فوت ہوگا وہ جنتی ہوگا (ملخصاً من البدایة والنہایة صفحہ ۲۳۸) مسلک اہل سنت والجماعت کی
اس تفصیل اور حضرت علیؓ کی اس تصدیق کے بعد اصولی طور پر اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ اس متفقہ

فیصلہ کی تردید کے لیے کیا کسی بھی ایک شخص کی رائے کو کوئی وقعت دی جا سکتی ہے یا نہیں۔ یہ اکابرین اہل سنت والجماعت کے مقابلہ میں تیرھویں یا چودھویں صدی میں تحریر شدہ کسی مجرد ذہنی افسانہ نگاری کو معتقدات کا درجہ و مقام دیا جا سکتا ہے؟ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کی کتابوں کے اندر جو تصریحات پائی جاتی ہیں ملکی عدالتوں کے اعتبار سے ان کو ہائی کورٹ کے فیصلہ کی حیثیت حاصل ہے جس طرح ہائی کورٹ کے فیصلہ کو ماتحت عدالتوں میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا ہے اسی طرح ان فیصلوں کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی قانون دان یا جج اپنے طور پر لب کشائی کرے تو اس سے ہائی کورٹ کے فیصلہ کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے اور نہ ہی اسکی ذاتی رائے کو اہمیت دی جا سکتی ہے البتہ یہ الگ بات ہے کہ کچھ لوگ جہل کی وجہ تعصب میں مبتلا ہو جائیں آخر دوسروں کی معقول بات ہے جسے تسلیم کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو حیوان لا یعقل نہ ہوں گے۔ —— اجتہادی غلطی یا محض غلطی —— اجتہاد کی حقیقت کو ہم نے سطور بالا میں واضح کر دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ محض غلطی کی جدید اصطلاح کی بھی وضاحت کر دی جائے۔ جب یہ لفظ اجتہادی غلطی کے مقابلہ میں بولا جائے گا تو اس کے معنی ایسے غلط عمل کے ہوں گے جسے کرنے والے نے بدون کسی دلیل شرعی کے محض نفسانی کی تکمیل کے لئے سرانجام دیا ہو کیونکہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں خطاء اجتہادی میں غلطی کی نیت درست ہوتی ہے اور ایسے موقف کو دلیل شرعی پر مبنی کرتے ہیں تو اس کے مقابلہ میں محض غلطی کا یہی معنی ہو سکتا ہے کہ ایسا شخص نیک نیت نہیں نیز کسی دلیل شرعی کی بنا پر نہیں بلکہ محض غرض نفسانی مثلاً حصول اقتدار کی بنا پر ایک ناجائز کام کا ارتکاب کر رہا ہے۔ مذکورہ مسئلہ میں اگر اس کا انطباق کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ العیاذ باللہ حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت معاویہؓ نے محض ذاتی عداوت یا حصول اقتدار کے لئے حضرت علیؓ سے جنگ کی اور بظاہر بے گناہ مسلمین کو دھوکہ دینے کے لئے خون عثمانؓ کا ڈھونگ رچایا اور لوگوں کے جذبات کو بھڑکا کر ایک لشکر تیار کیا۔ یہ جنگ بالآخر اس انجام پر منتج ہوئی جسے تاریخ میں جنگ جمل یا جنگ صفین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس اقتدار کی جنگ میں دس ہزار سے زیادہ جانیں کام آئیں سوچیے اگر یہ موقف درست مان لیا جائے کہ یہ محاربات خطاء اجتہادی پر مبنی نہیں تھے بلکہ انتہائی غلط اور حصول اقتدار کے لئے کھیلا گیا تھا تو بتلائیے کہ العیاذ باللہ شرانگیزی کرنے والوں سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا؟ خطاء اجتہادی کا انکار کرتے ہوئے ان محاربات کو محض غلطی قرار دینا کیا یہ تسلیم کر لینا نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ وغیرہ کے بارے

میں اہل تشیع اور روافض کا موقف بالکل ٹھیک ہے اور اہل سنت والجماعت غلطی پر ہیں ان حضرات کے حق میں
جو اہل تشیع تضلیل و تفسیق وسب وشتم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ ان کو سب کہنا چاہیے اور اس
سے آپ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ متجددین کا یہ محض غلطی کا موقف ہرگز ہرگز کوئی جدید تحقیق نہیں۔ بلکہ بعینہ
رافضیوں کا مذہب ہے جسے ماڈرن الفاظ میں پیش کیا جا رہا ہے اور اہل سنت والجماعت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔
صرف الفاظ کے ہیر پھیر کی وجہ سے اس کو جدید تحقیق قرار دینا جہالت ہے ——— الحاصل اہل سنت
والجماعت کا مذہب یہی ہے کہ حضرات صحابہؓ کی غلطی اجتہادی تھی اور سب نیک نیت تھے۔ اس کے مقابلے میں
محض غلطی کا موقف رافضیوں کا مذہب ہے جس میں حضرات صحابہ پر حملہ کیا جاتا ہے اور ان کو صحابیت کے بلند ترین
مقام اور صداقت سے گرا کر ظالم فاسق و مجرمین میں شمار کیا جاتا ہے العیاذ باللہ۔

۲۔ اگر حضرت معاویہؓ نے یزید کو اہل سمجھتے ہوئے بغرض مصلحت نامزد فرمایا تھا تو شرعاً گنجائش تھی جیسے
کہ ابوبکر ابن عربی نے اپنی کتاب میں مفصل تحقیق کی ہے۔ طبری کی روایت قابل استناد نہیں ہے۔ اگر بالفرض
یہ درست بھی ہو تو ضروری نہیں کہ نامزدگی کے وقت یزید ایسا ہی ہو۔ ممکن ہے کہ یہ حالت زمانہ سلطنت
میں ہوگئی ہو جیسے بہت سے لوگ پہلے اچھے ہوتے ہیں بعد میں خراب ہو جاتے ہیں۔

۳۔ <u>جاہلیت</u>:۔ وہ طریقہ زندگی ہے جو بعثت نبویؐ سے قبل رائج تھا۔ جہالت علم کا مقابل ہے علم
کا معنی دانستن ہے اور جہالت کا معنی نادانستن ہے۔ تنقیص کسی کے مسلمہ مقام کو گھٹانا، تکذیب کسی کو اس
دعویٰ میں جھوٹا قرار دینا، تنقید کسی چیز کو پرکھنا مگر آج کل تنقید کے نام سے طعن وسب اور تنقیص کی گرم بازاری
ہے بہت سے لوگ اپنی ناقص معلومات اور ناکافی استعداد اور غلط اعتقادات اور کم نظری کی بناء پر تنقید
کے نام سے لوگوں میں گمراہی پھیلاتے ہیں حالانکہ وہ تنقید کے اہل نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کے شر
سے محفوظ رکھیں۔ جماعت اسلامی میں ہرگز ہرگز شامل نہ ہوں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، محمد عبد اللہ ۱/۱۰/۱۳۹۴ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

◎

ملتان کے شاہ شمس شیعہ فرقہ کے مبلغ تھے

ملتان کے مزارات میں ایک مزار شاہ شمس کا بھی ہے کچھ لوگ ان کو بھی بڑا بزرگ سمجھتے ہیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شیعہ تھے اس کی صحیح حقیقت سے واضح فرمائیں۔

ایم۔ ایم جعفر نواں شہر ملتان

الجواب سید شمس الدین مذکور ایران کے علاقہ سبزوار میں پیدا ہوئے تھے اس لیے سبزواری کہلاتے ہیں۔ ان کا تعلق اہل تشیع کے فرقہ نزاریہ سے تھا اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ حاضر امام خدا کا مظہر ہوتا ہے۔

شمس الدین صاحب مذکور کی اپنی تصنیف کردہ کتاب "گنان برہم پرکاش" میں ہے۔

"اس کلجگ میں خداوند عالم کا مظہر ظہور انسانی جسم میں ہے

اور وہ ساری دھرتوں کا شہنشاہ ہے یعنی حاضر امام"

ان کے نزدیک حاضر امام سب کچھ ہے۔ نیز یہ لوگ اپنی عبادت گاہ کو جماعت خانہ کہتے ہیں ان کا کلمہ یہ ہے۔

"اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ و اشہد ان علیا اللہ"

اس فرقے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ اپنے آپ کو مصلحت کے تحت کبھی سنی ظاہر کرتے ہیں اور کبھی شیعہ۔ کبھی کسی صوفی سلسلہ سے وابستگی ظاہر کرتے ہیں۔ شمس الدین صاحب مذکور کو بھی نزاری سلسلہ کے امام قاسم شاہ نے پیر کا لقب دیکر ایران سے باہر تبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔ یہاں پہنچ کر جب انھوں نے علاقہ پنجاب کی پیر پرستی کو دیکھا تو انھوں نے بھی اپنے آپ کو پیر کے روپ میں ظاہر کیا۔ اور در پردہ اپنے کفریہ عقائد کی تبلیغ کرتے رہے۔ جاہل عوام آج تک ان کو پیر بزرگ سمجھ کر ان کے معتقد چلے آرہے ہیں فقط واللہ اعلم

محمد انور۔

[illegible]ھ

ما يتعلق
بالسنة والبدعة

مروجہ شبینے قابل ترک ہیں

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ اگر شبینہ شرائط کی پابندی کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ نماز باجماعت اور تلاوت قرآن مجید اور یہ اجتماع جائز ہوگا یا نہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ روزہ اور قرآن مجید دونوں میت کے لئے شفاعت کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کی شفاعت قبول بھی کی جاتی ہے۔ رمضان شریف کے مبارک مواقع پر شبینوں کا انعقاد، حفاظ اور قراء حضرات کے لئے قرآن کریم کو یاد رکھنے کا ایک بہترین موقع ہے۔

اور مروجہ شبینوں میں کئی خرافات ہوتی ہیں۔ اور اگر عوام پر حتی الوسع کوشش کریں تو ہوسکتا ہے کہ وہ شرائط کے پابند ہوجائیں۔ وہ شرائط یہ ہیں۔

قرآن کریم شبینہ میں تراویح کے اندر سنائیں۔ اور جب نماز میں قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو اس کے لئے سامع کا انتظام کیا جائے۔ تاکہ پڑھنے والا بھولنے پر پریشان نہ ہو۔ اور شبینوں میں اکثر سامعین سو جاتے ہیں جو مسجد کے تقدس کے منافی ہے اور قرآن مجید کو خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ سنا جائے۔

الجواب شرائط مذکورہ کے ساتھ ان شرائط کا بھی لحاظ رکھا جائے۔ ۱: ترتیل کو ترک نہ کیا جائے۔ ۲: شہرت و ریا مقصود نہ ہو۔ ۳: ضرورت سے زیادہ روشنی کا تکلف نہ کریں۔

اگر مندرجہ بالا شرطوں کی رعایت کی جائے تو نفس مسئلہ کے لحاظ سے تو انعقاد کی اجازت ہے۔ مگر ایک شرط پھر بھی رہ جاتی ہے کہ امام کو تخفیف صلوٰۃ کا حکم ہے؟ اور یہ اس کے خلاف ہے۔ لیکن اگر سامعین اس کے خود شائق ہوں تو اس کی گنجائش ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ آج کل ان شرائط کی پابندی ہوتی نہیں جیسے کہ خود سوال میں بھی اس کا اعتراف ہے۔ لہٰذا منع ہی اولیٰ ہے کما من امداد الفتاویٰ ج۱ ص۳۰۰۔

فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ ۹/۷/۱۴۰۳ھ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قرآن مجید قبر پر پڑھنے کا حکم قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبر کے پاس بیٹھ کر میت کے لئے صرف دعائیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ سورۃ فاتحہ، والاخلاص، تکاثر، ولیسین وغیرہ یہ سورتیں دعا کی نیت سے پڑھی جاسکتی ہیں، تلاوت کے لئے نہیں پڑھی جاسکتیں۔

الجواب قبرستان میں قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ طحطاوی لکھتے ہیں۔
ویؤخذ من ذلک جواز القراءۃ علی القبر والمسئلۃ ذات خلاف
قال الامام تکرہ لان اھلھا جیفۃ ولم یصح فیھا شیء عندہ عنہ صلی
اللہ علیہ وسلم وقال محمد تستحب لورود الآثار وھو المذھب المختار
کما صرحوا بہ فی کتاب الاستحسان ۔ (طحطاوی ص ۳۶۲) ۔
حوالہ بالا سے جواز کی گنجائش نکلتی ہے لیکن بدعات سے احتراز کیا جائے۔ جیسا کہ کرایہ دار قاریوں کو
قبر پہ تلاوت کے لئے بٹھانا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ

قبروں پر آیات قرآنیہ لکھی ہوئی چادر ڈالنا

ہمارا کئی مرتبہ اتفاق ہوا ہے کہ شاہ رکن عالم وغیرہ کے مزار پر ایسی چادریں پڑی دیکھی ہیں کہ جن پر سورۃ اخلاص و دیگر قرآنی آیات لکھی ہوتی ہیں۔ کیا ایسی چادریں قبروں پہ ڈالنی جائز ہیں یا کہ نہیں؟

سائل: محمد عمر فاروق گوجرانوالہ۔

الجواب یہ کتاب اللہ کی توہین ہے۔ قبر پہ ایسی چادر ڈالنا ہرگز جائز نہیں۔ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ ایک ایسے ہی سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔
ھو استھانۃ بالقرآن فان ھذا الثوب انما یلقی تعظیما للمیت و
یصیر ھذا الثوب مستعملا متبذلا وابتذال کتاب اللہ من
اسباب عذاب اللہ اھ (نفع المفتی ص ۳۰) ۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۹ ر ۵ ر ۱۴۰۳ھ

آنحضرت علیہ السلام کے ذکر پر قیام کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و دین اس مسئلہ کہ آج کل رسم ہے کہ جب سیرت پاک کا جلسہ ہوتا ہے تو ساری تقریر اور مدح و نعت پر تو سارا مجمع بیٹھا ہوتا ہے صرف مقرر بعض مرتبہ کھڑا ہوتا ہے بعض مرتبہ بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر جب آخری وقت آتا ہے تو سب کھڑے ہو کر سلام پڑھتے ہیں۔ معلوم نہیں اس کی اصل کیا ہے۔؟

الجواب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون

من كراهيته لذلك. رواه الترمذي وقال حديث حسن صحيح - (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۰۳)۔

اس حدیث صحیح سے ثابت ہوا کہ آنحضرت علیہ السلام اپنے لئے قیام کو ناپسند کرتے تھے۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان باوجود محبت کے آپ کے ناپسند کرنے کی وجہ سے آپ کی آمد پر کھڑے نہ ہوتے تھے۔ یہی حکم آپ کے ذکر کا ہونا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

بارش طلب کرنے کیلئے مزارات پر جانور ذبح کرنا

ہمارے علاقہ میں یہ رسم ہے کہ لوگ مزار پر کسی بیماری یا مصیبت یا کیس اور تکلیف کے سلسلہ میں بکرا یا دنبہ وغیرہ ذبح کرتے ہیں۔ اور مقامی علماء سے سنا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ مگر پارٹی بازی کی وجہ سے ان کے قول کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔

ایک واقعہ ہے کہ نوابزادہ خان المعروف منگے خان نے استسقاء کے لئے قربانی سے جمع شدہ رقم سے ایک گائے کا بچھڑا لے کر بزرگ کے مقبرے کے پاس ذبح کیا۔ میں نے جا کر کہا کہ میاں کیوں کر ذبح کیا۔ انہوں نے جواباً کہا کہ بندوں کے لئے بہت سے صدقے کئے ہیں مگر اس دفعہ ولیوں کا آسرا لے کر آیا ہوں کہ بارش برسے۔ تو اب مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں۔

۱: کسی مقبرہ و مزار پر قربانی (بکرا یا دنبہ وغیرہ) جائز ہے یا نہیں؟

۲: اگر نہیں تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

۳: استسقاء کے موقع پر صدقہ کا بہتر طریقہ کیا ہے؟

الجواب یہ رسم کہ مزارات پر جا کر بکرے یا دنبے وغیرہ بغرض قضائے حاجات و دفع بیماری و استسقاء وغیرہ ذبح کرنا جائز نہیں بدعت ہے۔ قرون مشہود لہا، تابعین وائمہ کرام میں اس کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ اس سے احتراز لازم ہے۔ جانوروں کو ہدی کر کے حرم مکہ میں ذبح کرنا تو ثابت ہے۔ اور کسی مزار کے ساتھ ایسا سلسلہ کرنا جائز نہیں۔

۲: گوشت کا حکم: اگر اس جانور کے ذبح سے تقرب بزرگ مقصود ہے، تب تو یہ گوشت بھی حرام ہے اور کھانا ناجائز ہے۔ اور اگر تقرب مقصود نہ تھا اور اس جانور کو صاحب مزار کے لئے نامزد نہ کیا گیا تھا، بلکہ اللہ کے لئے ذبح کیا ہو، اور اس خیرات کا ثواب صاحب مزار کی روح کو پہنچایا ہو تب یہ گوشت حلال ہے۔

۳: استسقاء کے موقع پر بہتر صورت صدقہ کی یہ ہے کہ جنگل میں نماز استسقاء کے لئے جانے سے پیشتر گھروں میں ہی اغنیاء لوگ فقراء میں خیراتیں دے کر جائیں۔ اس طرح جن لوگوں کے حقوق دبائے ہوئے

ہیں وہ ان کے حقوق ادا کرکے، پھٹے پرانے کپڑوں میں ذلت و مسکنت کے ساتھ سر نیچے کئے ہوئے جائیں۔ کما فی نور الایضاح ص۱۲۵ ویستحب الخروج لہ الیٰ قولہ قبلہا ثم فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ

نمازوں کے بعد اجتماعاً التزاماً درود پڑھنا بدعت ہے

بعد نماز کے اجتماعی حیثیت سے التزاماً درود شریف پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا صحابہ کرامؓ یا ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں مروج تھا یا نہیں؟

الجواب: اس طریق سے درود شریف پڑھنا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا دیگر صحابہ کرامؓ یا تابعین عظامؒ یا ائمہ اربعہؒ سے منقول نہیں ہے۔ علامہ ابن الحاج مالکیؒ "کتاب المدخل" ج ۲ ص ۲۴۲ میں فرماتے ہیں۔

"الصلوٰۃ والتسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یشک مسلم انہا من اکبر العبادات واجلہا وان کان ذکر اللہ تعالیٰ والصلوٰۃ والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حسنا سرا وعلنا لکن لیس لنا ان نضع العبادات الا فی مواضعہا التی وضعہا الشارع فیہا ومضی علیہا سلف الامۃ الاتری الی قول عبد اللہ بن عمرؓ ان اللہ قد بعث الینا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ولا نعلم شیئا وانما نفعل کما رأیناہ یفعل اھ جز ۲ ص ۲۴۵

جلد ۲ صفحہ ۲۵ میں لکھتے ہیں۔

والصلوٰۃ والتسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد ثوابہا فی اربعۃ مواضع لم تکن تفعل فیہا فی عہد من مضی والخیر کلہ فی الاتباع لہم۔

خلاصہ یہ کہ اس طریق ہیئت اجتماعی سے بعد نماز کے التزاماً درود شریف پڑھنا شرعاً ثابت نہیں۔ لہٰذا اس ہیئت اجتماعی کو ترک کرکے انفراداً جس قدر بھی درود شریف پڑھا جائے افضل عبادت ہے اور باعث ثواب ہے۔ اور بہ نیت ثواب ہیئت اجتماعی سے التزاماً پڑھا جاوے بدعت ہے۔

فقط واللہ اعلم

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان شہر

الجواب صحیح، عبدالشکور غفرلہ۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

عید کے دن مبارکباد کہنا بدعت نہیں

کیا عید الفطر کے دن مبارکباد دینا کہیں ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب کوئی ضروری نہیں اور ضروری سمجھنا جائز بھی نہیں۔ اس عقیدے کے بغیر اگر کسی کو روزے مکمل کر لینے کی مبارک باد دی جائے تو کوئی حرج بھی نہیں۔ شامی میں ہے۔

(قوله لا تنكر) خبر قوله والتهنئة وانما قال كذلك لانه لم يحفظ فيها شيء عن ابي حنيفة واصحابه وذكر في القنية انه لم ينقل عن اصحابنا كراهة وعن مالك انه كرهها وعن الاوزاعي انها بدعة وقال المحقق ابن امير حاج بل الاشبه انها جائزة مستحبة في الجملة ثم ساق آثارا باسانيد صحيحة عن الصحابة في فعل ذلك ثم قال والمتعامل في البلاد الشامية والمصرية عيد مبارك عليك ونحوه وقال يمكن ان يلحق بذلك في المشروعية والاستحباب لما بينهما من التلازم فان من قبلت طاعته في زمان كان ذلك الزمان عليه مباركا على انه قد ورد الدعاء بالبركة في امور شتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا ايضا اهـ (شامی ج ۲ ص ...)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۔ ۱۰ / ۹ / ۱۴۰۳ھ

نماز سے پہلے کسی مقصد کیلئے اجتماعی اذانیں

ایک بستی میں عشاء کی اذان کے بعد اقامت سے پہلے روزانہ بلاناغہ امام سمیت تمام نمازی جو اس وقت موجود ہوتے ہیں ایک صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور تمام اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر ایک وقت زور زور سے تین مرتبہ اذانیں کہتے ہیں۔ اور پھر مسجد کے چاروں کونوں کو پھونکتے ہیں۔ اس کے بعد اقامت ہوتی ہے اور نماز پڑھی جاتی ہے۔

دریافت طلب یہ چیز ہے کہ مذکورہ بستی والوں کا یہ عمل قرآن مجید، حدیث شریف، فقہ حنفی سے ثابت ہے یا کہ نہیں۔ اگر ثابت ہے تو باقی اہل اسلام اس کے کیوں تارک ہیں۔ اور اگر از روئے شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت نہیں ہے تو مذکورہ بستی والوں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب قرآن مجید، حدیث شریف اور فقہ حنفی میں مذکورہ بالا رسم و بدعت کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ نہ معلوم ان لوگوں نے کہاں سے اسے گھڑ لیا ہے۔ اس من گھڑت بدعت کو چھوڑنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ

تیجے کے جواز پر پیش کی جانے والی روایت موضوع ہے

کیا ایسی کوئی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لڑکے طیب جب فوت ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وفات کے تیسرے دن دودھ منگوایا اور اس پر کچھ پڑھ کر تقسیم فرمایا۔ تو اس حدیث سے تیسرے دن قل خوانی کا ثبوت ہوتا ہے؟

الجواب تیجہ کو ثابت کرنے والے اس طرح کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اس روایت کو ملا علی قاری رحمہ نے "اوزجندی" میں نقل کیا ہے۔ لیکن مولانا عبدالحی صاحب رحمہ لکھتے ہیں:

"نہ کتاب اوزجندی از تصانیف ملا علی قاری است و نہ روایت مذکور صحیح و معتبر است بلکہ موضوع و باطل ہر آن اعتماد نشاید در کتب حدیث نشانے از ایں روایت یافتہ نمی شود"

(مجموعۃ الفتاویٰ، ج ۲، ص ۷۹)

اس روایت کو بیان کرنا ہرگز جائز نہیں۔ روایت کے الفاظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی بدعتی نے بالکل مطلب کے مطابق روایت تیار کی ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ الحدیث۔

الحاصل یہ روایت جعلی اور من گھڑت ہے۔ کسی صحیح حدیث سے قل خوانی وغیرہ جیسی رسمات ثابت نہیں۔ یہ سب بدعات ہیں جن کا ترک کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۳ر۱ر۱۳۹۰ھ

ختنہ کے موقع پر دعوت بدعت ہے شرکت نہ کی جائے

ختنہ پر دعوت کرنا، نیوتہ کرنا تمام خرافات جو اس زمانہ میں ہیں، خلاف سنت ہیں یا نہ؟ چونکہ ہمارے امام صاحب نے اس کو خلاف سنت کہہ کر بچنے کی ترغیب دی کہ حضور صلی

علیہ وسلم کی ایک سنت زندہ کرنے کا اجر و ثواب ستر شہداء کے برابر ہے ۔ لوگوں نے عمر انی بات ترک کر گئے لیکن چند آدمی جو کسی پیر صاحب کے مرید تھے انہوں نے انکار کیا ۔ امام صاحب نے غنیۃ الطالبین کی عبارت حق دکھائی کہ ختنہ کی دعوت مستحب نہیں جس کو بلایا جائے اس کو چاہئے کہ قبول نہ کرے ۔ پیر صاحب نے کہا کہ "غنیۃ الطالبین" میں یہ مسئلہ وہابیوں نے لکھا ہے ۔ اور کہا کہ تمام اہل سنت کو "غنیۃ الطالبین" میں شبہ ہے کہ یہ خود غوث پاک کی ہے یا وہابیوں نے گھڑی ہے ؟

الجواب خطیب صاحب نے مسئلہ صحیح بتایا ہے کہ یہ تمام چیزیں خلاف سنت اور بدعت ہیں اور پیر صاحب مذکور کا قول بلا دلیل ہے ۔ اور حضرات اکابر پیر اس کا یہ الزام کہ غنیۃ الطالبین جو کہ حضرت عبدالقادر رحمہ اللہ کی تصنیف ہے میں ختنہ کی دعوت کو بدعت لکھنا ، وہابیوں کا لکھا ہوا ہے ، بدترین جھوٹ ہے ۔ اگر پیر صاحب کے پاس اس کے جواز پر کوئی دلیل ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ دلیل لکھ کر دیوے ۔ تاکہ اس پر غور کر کے دیکھا جائے ۔ بلکہ دعوت ختنہ کے بدعت ہونے کی دلیل یہ ہے ۔

عن الحسن قال دعی عثمان بن ابی العاص الی ختان فابی ان یجیب فقیل له فقال انا کنا لا ناتی الختان علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا ندعی له ۔ (مسند امام احمد بن حنبل مصری ، ج ۴ ص ۲۱۷) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

عبدہ محمد عبداللہ عفی عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

تعزیہ مشابہ بعجل سامری ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ محرم الحرام کی دس تاریخ کو شربت بنانا اور بنا کر اور کھچڑا پکانا و کھانا درست ہے یا نہیں ؟ اور تعزیہ کو برا بھلا کہنا مثلاً یہ تعزیہ پیشاب کرنے کے لائق ہے یا اس کو آگ میں جلا دینا چاہئے ۔ یہ الفاظ کہنا درست ہے یا نہ ۔

محمد شفیع کالی موری حیدرآباد

الجواب دسویں محرم کو شربت بنانا کھچڑا پکانا جیسا کہ درج ہے ، بدعت ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ۔ تعزیہ بنانا گناہ ہے کیوں کہ یہ عوام کے بہت سے افعال شرکیہ کا سبب اور باعث بنتا ہے ۔ لوگ اس سے مرادیں مانگتے ہیں ، چڑھاوے چڑھاتے ہیں ، اور اس کے لئے منتیں مانتے ہیں وغیرہ ذلک ۔ اور ان افعال کی قباحت اور شناعت شریعت میں ظاہر ہے ۔ دیگر اہل اسلام کے علاوہ خود شیعوں کے محقق علماء بھی اسے ناجائز اور بدعت قرار دیتے ہیں ۔ چنانچہ شیعہ مفتی جعفر حسین نے

لکھتے ہیں۔

"تعزیہ دلدل نکالنے اور امام باڑہ بنانے کا کوئی شرعی ثبوت نہیں۔ جن کتابوں میں ایسی باتیں درج ہیں وہ یار لوگوں کی تصنیف ہیں"۔ (اخبار اہل سنت لکھنؤ ۳ مارچ ۱۹۵۷ء)

پس تعزیہ شرعاً کوئی قابلِ احترام چیز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ سامری کے بچھڑے کی طرح بمنزلہ ایک بت کے ہے جس کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے "لَنُحَرِّقَنَّهُ" ارشاد فرمایا تھا۔ لیکن ایسے کہنا شرعاً فرض و واجب نہیں اور کہنے میں باہمی منافرت اور کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا اشتعال انگیزی کے مواقع سے بچنا چاہیئے۔ سوال میں مذکور فقرہ خصوصاً تہذیب سے گرا ہوا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۳/۲/۱۳۹۳ھ

گیارھویں بدعت ہے اور ہنود سے لی گئی ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام دریں مسئلہ کہ ۱۔ گیارھویں شریف کی کیا حیثیت ہے۔ کیا یہ فعل بدعت ہے یا شرک ہے۔ مقررہ تاریخ کی بجائے اگر دوسری تاریخ کو مقرر کر دیا جائے؟

۲۔ بدعت کی کیا تعریف ہے؟ بدعت حسنہ و بدعت سیئہ میں تقسیم کی جا سکتی ہے؟ گیارھویں کون سی بدعت میں شامل ہے؟

الجواب ۱۔ مروجہ گیارھویں بدعت ہے۔ زمانہ سلف صالحین میں اس کا وجود نہیں تھا۔ بلکہ مسلمانوں نے یہ رسم اہلِ ہنود سے لی ہے۔ چنانچہ مشہور مؤرخ علامہ بیرونی لکھتے ہیں

"کہ اہلِ ہنود کے نزدیک جو حقوق میت کے وارث پر عائد ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔ کہ ضیافت کرنا اور یوم وفات سے گیارھویں اور پندرھویں روز کھانا کھلانا۔ اسی طرح اختتام سال پر کھانا کھلانا ضروری ہے"۔ (المنہاج ۱ ص ۲۴۳)

۲۔ شامی ص ۳۹۹ ج ۱ میں بدعت کی تعریف یہ ہے۔

"ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دینا قویما وصراطا مستقیما"۔

بدعت وہ چیز ہے جو اس حق کے خلاف ایجاد کی گئی ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیا گیا ہو۔ علم ہو یا عمل یا حال اور کسی شبہ کی بنا پر اس کو اچھا سمجھ کر دین قویم اور صراطِ مستقیم بنا لیا گیا ہو۔

بدعت شرعیہ کی تقسیم حسنہ و بدعت سیئہ کی طرف درست نہیں۔ البتہ بدعت لغویہ کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں

چنانچہ حافظ ابن رجب رح لکھتے ہیں۔

"فکل من احدث شیئا ونسبه الی الدین ولم یکن له اصل من الدین یرجع الیه فهو ضلالة والدین بریٔ منه وسواء فی ذالک الاعتقادات او الاعمال او الاقوال الظاهرة والباطنة واما ما وقع فی کلام السلف من استحسان بعض البدع فانما ذالک فی البدع اللغویة لا الشرعیة" (جامع العلوم والحکم، المنهاج حدیث ۲۸) فقط واللّٰه اعلم۔

بندہ محمد اسحاق نائب مفتی

الجواب صحیح، محمد عبداللّٰہ عفی عنہ خیر المدارس ملتان

جائز نذر و نیاز کے ایک فتویٰ پر مفصل تبصرہ

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نذر، نیاز، منت، منوتی کا ایک ہی معنی ہے یا کئی معنی؟ ایک مولوی صاحب نے اثنائے تقریر میں فرمایا کہ یہ چاروں جملے ہم معنی ان کا ایک ہے یعنی ان چاروں کا معنی ہے "عبادت"۔ اگر اس لفظ کو اللّٰہ کے غیر کے لئے بولا گیا ہے جس طرح عوام کہتے ہیں۔ نیاز حسین پاک یا یہ نذر منوتی غوث پاک کے لئے، تو یہ شرک ہے حرام ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کی وضاحت فرماویں کہ کیا یہ مولوی صاحب کا فرمان صحیح ہے یا غلط؟ حالانکہ عوام اگرچہ یہ لفظ بولتے ہیں اولیاء اللّٰہ کی طرف نسبت کر کے مگر ان کی نیت میں عبادت والا مفہوم نہیں ہوتا۔ بلکہ مقصود ایصال ثواب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب هو الموفق للصواب

صورت مسئولہ میں مذکور مولوی صاحب کا مطلقاً یہ کہنا درست نہیں ہے۔ بلکہ اولیاء کی نذر محض نذر لغوی یا عرفی بمعنی ہدیہ و نذرانہ ہے۔ یا وصال یافتہ بزرگ کے لئے بقصد ایصال ثواب کوئی جانور وغیرہ نامزد کر دیا اور نذر شرعی اللّٰہ کے لئے ہو تو یہ فعل شرعاً جائز اور باعث خیر و برکت ہے۔

واضح رہے کہ نذر لغیر اللّٰہ کا مدار ناذر کی نیت پر ہے۔ اگر ناذر نے تقرب لغیر اللّٰہ علی وجہ العبادت کا قصد کیا ہے اور متصرف فی الامور اللّٰہ تعالیٰ کے بجائے کسی مخلوق کو مانا ہے تو یہ نذر کفر و شرک ہے۔ اور اگر اس کا ارادہ تقرب الی اللّٰہ اور بزرگان دین کو ثواب پہنچانا مقصود ہے تو ایسی نذر اولیاء کے حق میں یقیناً جائز ہے۔ اور

اس کا نذر ہونا جائز ہے جیسا کہ فتاویٰ ابی اللیث میں ہے۔

"المنذور لغیر اللہ ان قصد بالنذر التقرب الی غیر اللہ وظن انہ یتصرف فی الامور کلہا دون اللہ فنذرہ حرام باطل والمنذور ثابت وان قصد بالنذر التقرب الی اللہ وایصال الثواب للاولیاء ویعلم انہ لا یتحرک ذرۃ الا باذن اللہ ویجعل الاولیاء وسائل بینہ وبین اللہ فی حصول مقاصدہ فلا حرج فیہ وذبیحتہ حلال طیبۃ" اھ

مذکورہ عبارت کا ترجمہ غیر اللہ کی نذر ماننے والے نے اگر اپنی نذر سے غیر اللہ کی طرف تقرب کا ارادہ کیا۔ اور گمان کیا کہ وہ غیر ہی تمام امور میں متصرف ہے نہ اللہ تعالےٰ، تو اس کی نذر حرام اور باطل ہے اور اس نذر کا مردود ہونا ثابت ہے۔ اور اگر اس نے نذر سے تقرب الی اللہ کا ارادہ کیا اور اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی نیت کی اور وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے اذن کے بغیر کوئی ذرہ متحرک نہیں ہوتا اور وہ اولیاء اللہ کو اپنے اور اللہ تعالےٰ کے درمیان وسائل قرار دیتا ہے تاکہ اس کے مقاصد حاصل ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کا ذبیحہ حلال و طیب ہے۔

نذر اولیاء کے متعلق حدیقہ ندیہ میں سیدی عبد الغنی نابلسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں

والنذر لہم بتعلیق ذلک علی حصول شفاء او قدوم غائب فانہ مجاز عن الصدقۃ علی الخادمین بقبورھم اھ

یعنی اولیاء اللہ کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے اور اسے مریض کے شفاء حاصل ہونے یا غائب کے آنے پر معلق کیا جاتا ہے تو وہ نذر جائز ہے۔ اس سے اولیاء اللہ کے قبور پر خادمین کے لئے صدقہ کرنا مراد ہوتا ہے۔

طبقات کبریٰ جلد دوم ص [illegible] میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سیدی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے ناقل ہیں۔

وکان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اذا کان لک حاجۃ واردت قضاءھا فانذر للنفیسۃ الطاھرۃ ولو فلسا فان حاجتک تقضی اھ

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا کہ وہ فرماتے ہیں۔ میں نے دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ آپ فرماتے تھے جب تجھے کوئی حاجت درپیش ہو تو اس کے پورا کرنے کا ارادہ کر تو سیدہ نفیسہ طاہرہ کی نذر مان لے اگرچہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو بے شک تیری حاجت پوری ہو جائے گی۔

معلوم ہوا کہ قضائے حاجات کے لئے اولیاء کے لئے نذر ماننا جائز ہے جب کہ کسی قسم کا فساد عقیدہ

اسی طرح تفسیرات احمدیہ ص۴۵ میں تحت آیۂ کریمہ وما اھل بہ لغیر اللہ مرقوم ہے۔

ومن ھھنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب اھ

یعنی اور یہاں سے معلوم ہوا کہ بے شک وہ گائے جس کی نذر اولیاء کے لئے مانی جائے جیسا کہ ہمارے زمانے میں رسم ہے حلال و طیب ہے۔

یہ لوگ جو نذر اولیاء کو شرک قرار دیتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس نذر سے مراد نذر شرعی نہیں بلکہ اسے مجازی طور پر عرف میں نذر کہا جاتا ہے اور اس ایصال ثواب اور ہدیہ کی نذر کرنا شرعاً جائز ہے۔ جیسا کہ طبقات کبریٰ ص۸ للامام الشعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل پیش کی گئی ہے اور تفسیرات احمدیہ کا حوالہ بھی مرقوم ہوا۔

آخر میں حضرت شاہ رفیع الدین ؒ کی عبارت مزید نقل کی جاتی ہے وہ اپنے رسالہ نذر میں تحریر فرماتے ہیں

"نذرے کہ اینجا مستعمل میشود نہ بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگاں مے برند نذر و نیاز مے گویند"

یعنی جو نذر کہ اس جگہ مستعمل ہوتی ہے وہ اپنے معنی شرعی پر نہیں ہے بلکہ معنی عرفی پر ہے اس لئے کہ جو کچھ بزرگوں کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں اس کو نذر و نیاز کہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرات منکرین کے نزدیک بھی مسلم ... مخالفین میں سے ہیں۔

"انفاس العارفین ص۴۰" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت ایشاں در قصبہ ڈاسنہ بزیارت مخدوم اللہ دیا رفتہ بودند ہنگام شب بود دراں محل فرمودند مخدوم ضیافت ما میکنند و میگویند چیزے خوردہ روید توقف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد و ملال بر یاران غالب آمد آنگاہ زنے بیامد طبق برنج و شیرینی بر سر و گفت نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہماں ساعت ایں طعام پختہ بانشستگان درگاہ مخدوم اللہ دیا رسانم دریں وقت آمد ایفائے نذر کردم اھ"

یعنی حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ قصبہ ڈاسنہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کو گئے۔ رات کا وقت تھا اس جگہ فرمایا کہ مخدوم ہماری ضیافت کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ کچھ کھا کر جانا۔ حضرت نے توقف فرمایا۔ یہاں تک کہ آدمیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ منقطع ہو گیا ساتھی اکتا گئے۔ اس وقت ایک عورت اپنے سر پر چاول اور شیرینی کا طبق لئے ہوئے آئی اور کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جس وقت میرا خاوند آئے گا اسی وقت کھانا پکا کر

مخدوم الشرف بابا رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں بیٹھنے والوں کو پہنچا دی گئی۔ وہ اس وقت آیا میں نے اپنی نذر پوری کی۔

تحریر المختار رد المحتار جلد اوّل ص ۱۲۸ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ونذر الزيت والشمع للاولياء يوقد عند قبورهم تعظيما لهم ومحبة فيهم جائز ايضا لا ينبغي النهي عنه اهـ

یعنی تیل اور شمع کی نذر ماننا اولیاء اللہ کے لئے کہ چراغ روشن کئے جائیں ان کی قبروں کے نزدیک ان کی تعظیم اور محبت کے لئے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور اس سے منع کرنا مناسب نہیں ہے۔ اھ اور مستکرین جواب لکھتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ صحیح اعتقاد کے ساتھ اولیاء کرام کے لئے لفظ نذر، نیاز، منت، منوتی یعنی عرفی بولنا یا دل میں اس کی نیت کرنا اور اس نیت سے ان کے مزارات پر چیز لانا جائز ہے۔ اس پر متعدد عبارتیں نقل کیں۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط واللہ اعلم۔

العبد احمد سعید کاظمی عفی عنہ

خادم الافتاء۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ خیر المعاد ملتان شریف

الجواب حق والحق احق ان یتبع ۔ محمد عبد الودود غفرلہ مدرسہ رحمانیہ ملتان

الجواب صحیح احقر غلام مصطفیٰ قصوری مفتی

انوار العلوم ملتان

الجواب انسانی فطرت ہے کہ جس کو انسان نفع و نقصان کا مالک سمجھتا ہے یا جس سے نفع و نقصان کا احتمال ہوتا ہے اس کو کسی نہ کسی طرح راضی رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور مختلف ذرائع سے اس کا قرب حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے۔ اسی نظریہ نے انسان کو اپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے بتوں کے سامنے جھکایا، درختوں کو سجدہ کرایا اور طرح طرح کے خرافات میں مبتلا کیا۔

بالخصوص اولیاء اللہ اور مقربان الٰہی کے بارے میں لوگ بہت جلد اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ بھی کچھ نفع و ضرر کی طاقت رکھتے ہیں یا کچھ امور میں تصرف کر سکتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب دونوں اس غلط فہمی کا شکار رہے۔ بت پرستی کی ابتداء اسی نظریہ سے ہوئی۔ چنانچہ وہ بت بھی اپنے اپنے وقت کے بزرگوں اور نیک لوگوں کے مجسمے تھے۔

اسلام نے سارا زور ہی اسی پر صرف کیا کہ خدا پر ایمان لانے والوں کو یہ یقین ہو جائے کہ نفع و ضرر صرف اور صرف اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے اللہ کے سوا کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ کما قال اللہ تعالیٰ

ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ الآیۃ اس آیت کے بعد غور کیجئے کہ
اسلام نے شرک و بت پرستی کے ساتھ ساتھ وہ تمام ذرائع و اسباب بھی ختم کر دیئے جن سے اس کے
خلاف کوئی عقیدہ فاسدہ دل میں جڑ پکڑ سکتا تھا۔ وھذا لا یخفی علی من لہ بصیرۃ فی الشرع و
احکامہا۔

زیر بحث مسئلہ نذر و نیاز کا بھی اس عقیدہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اکثر عوام کی نذر اور منتوں کے پیچھے
منظر میں یہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ انہیں یقین ہوتا ہے کہ فلاں بزرگ کے مزار پر جائیں گے تو یہ کام بن جائے گا
نہ جائیں گے تو یہ کام بگڑ جائے گا۔ داتا صاحب ناراض ہوئے تو کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔ گیارہویں شریف
نہ دی تو بھینس مر جائے گی۔ خود ہمیں ایک ثقہ راوی نے بتایا کہ۔

"ایک عورت کا بچہ فوت ہو گیا۔ تو وہ کہنے لگی کہ دو تین دفعہ گیارہویں نہیں دے سکی۔ اس لئے
پیر صاحب نے یہ بچہ مارا ہے"

اور اس قسم کے کئی جاہلانہ واقعات بار با سننے میں آتے رہتے ہیں۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ شاہ جمال کی رت
کے دربار پر نہ گئے تو سارا سال نحوست میں گزرے گا۔ اور وہ اسی نظریہ کے تحت درباروں اور مزاروں پر جاتے
ہیں۔ دن میں پانچ بار نہیں دفعہ یاد دہانی کے باوجود خدا کا فرض ادا نہیں کرتے۔ لیکن داتا صاحب کے دربار پر
سلام کرنا اہم ترین فریضہ سمجھتے ہیں۔ گھر کے ساتھ مسجد کا دروازہ ہے وہاں زندگی بھر نہیں جاتے۔ لیکن
دور دراز کا سفر کر کے سیہون شریف ضرور پہنچ جاتے ہیں۔ پھر بزعم خویش ان کو خوش کرنے کے لئے مختلف
قسم کی چیزیں لے جاتے ہیں جسے وہ نذر و نیاز کہتے ہیں۔ اور ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اس بزرگ کے
مزار پر دینے سے یہ خوش ہو جائیں گے۔

حالانکہ ان کو سو فیصد علم ہوتا ہے کہ اسے دربار کے ملنگ کھا جائیں گے۔ ان پیسوں سے وہ نشہ آور اشیاء
خریدیں گے، یا مزار کے متولیان ان پیسوں سے عیاشی کریں گے۔ مگر اس کے باوجود وہ لوگ روپے پیسے اور
سونے چاندی کے زیورات ان گلوں میں ڈال آتے ہیں۔ جس سے یہ صاف سمجھ میں آتا ہے کہ ان کا نظریہ یہ ہوتا ہے
کہ بس مزار تک یہ پیسے پہنچا دئیے، صاحب مزار خوش ہو گیا، آگے جہاں چاہے استعمال ہو۔

سوچنا چاہئے کہ اگر وہ یہ نظریہ نہیں رکھتے تو مزارات پر لے جانے کا اتنا التزام کیوں کرتے ہیں؟
اچھا اگر اس کے بارے میں ہم کوئی فرضی تاویل کر بھی لیں۔ تو اس کا کیا جواب ہوگا کہ وہ وہاں جا کر سجدے بھی
کرتے ہیں۔ قبر کے گرد طواف بھی کرتے ہیں۔ مزار کو بار بار بوسہ بھی دیتے ہیں۔

کما ھو مشاھد علی مزار الشیخ السید رکن الدین رکن عالم وجدہ الاکبر

الاکرم بہاء الحق والدین بہاء الحق زکریا ملتانی قدس سرہما ۔

یہ باتیں صاف بتاتی ہیں کہ ان کے ذہن میں یہی بات ہے کہ صاحب مزار بھی ہمارا کچھ بنا اور بگاڑ سکتے ہیں اگر کبھی ان سے کہا جائے کہ میاں ایصال ثواب ہی کرنا ہے تو فلاں غریب و بیمار یا معذور آدمی کو یہ چیزیں دے دو اور اس کا ثواب ان بزرگ کو پہنچا دو تو وہ ہرگز اس کے لئے تیار نہیں ہوں گے ۔ وہاں جا کر چیزیں سڑ گل جائیں، خشک ہو کر یا کٹا کر کھیت میں پھینک دیں وہ گوارا ہے مگر یہاں کسی محتاج و تنگ دست کو دینا منظور نہیں ۔ کیا یہ دیکھنے کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے " کہ ان کا مقصد تو صرف اللہ کے لئے صدقہ کرنا ہے اور بزرگوں کو تو بس ثواب پہنچانا مقصود ہے ؟ کیا اللہ تعالیٰ نے کسی نص میں فرمایا ہے کہ تم بزرگوں کو جب ثواب پہنچاؤ تو جب ان کے مزار پر جا کر تقسیم کرو گے ۔ اور جہاں کرو گے ؟ ھاتو ا برھانکم ان کنتم صادقین ۔

نذر و نیاز کے سلسلہ میں مفتی صاحب موصوف نے جو کچھ رقم فرمایا ہے اس کا ماحصل دو امر ہیں۔

۱ ۔ صحت اعتقاد کے ساتھ غیر اللہ کے لئے بھی لفظ نذر و نیاز کا استعمال جائز ہے ۔ اور اس کے لئے مفتی صاحب نے چند حوالہ جات تحریر فرمائے ہیں ۔ اس بارے میں گزارش ہے کہ اس اطلاق سے نہ تو کوئی انکار کرتا ہے اور نہ یہ کوئی ایسا مسئلہ ہے کہ اس کو بہت سے دلائل سے ثابت کیا جائے ۔

۲ ۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں " معلوم ہوا کہ صحیح اعتقاد کے ساتھ اھ اولیاء کے مزارات پر چیزیں لے جانا جائز ہے اس پر متعدد عبارتیں نقل کیں ۔ " بلفظہٖ ۔

مفتی صاحب کا یہ ارشاد محل نظر ہے ۔ کیونکہ بات ہے " عوام کے فعل اور ان کے نذر و نیاز کی " سوال کی عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سوال کا مقصد عوام کی نذر و نیاز کے بارے میں پوچھنا ہے تو اس سلسلہ میں ہم اوپر گزارش کر آئے ہیں کہ اکثر عوام کی نذر و نیاز تقرب الی غیر اللہ پر مبنی ہوتی ہے اور ان میں اس قسم کے صحت اعتقاد وغیرہ کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا ۔ بلکہ ان کا عمل گواہی دیتا ہے کہ " ان میں فساد اعتقاد " ہوتا ہے ۔ عوام کا انداز تقریباً ایک جیسے ہی ہوتے ہیں ۔ خواہ وہ آج کے عوام ہوں یا دو صدی پہلے کے ۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء متقدمین و متاخرین نے اپنے اپنے دور کی نذر عوام کو حرام و باطل کہا ہے ۔ باوجودیکہ اس دور میں صلاح و صلاحیت آج کے دور سے زیادہ تھی ۔ اس دور کے عوام کے بارے میں جب فقہاء فرماتے ہیں کہ ان کی یہ نذر بوجہ فساد اعتقاد پر مبنی ہیں تو آج کے دور کے عوام کے بارے میں مفتی صاحب کا یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے ۔

" معلوم ہوا کہ قضاء حاجات کے لئے اولیاء کے لئے نذر ماننا جائز ہے "

ہمیں تعجب ہے کہ جو کتب عام طور پر فتاویٰ کی حیثیت سے معروف و متداول نہیں ان سے تو مفتی صاحب

نذر ونیاز کے جواز پر کسی جلیل کے ساتھ مقالہ لکھ رہے ہیں اور جو کتب بحیثیت فتاویٰ معتمد علیہا اور مشہور ہیں ان کی وہ عبارات مفتی صاحب کی نظر سے کیوں رہ گئیں جنمیں بصراحت آتا ہے کہ " نذر عوام حرام و باطل ہے:"

حفاظت شیئا و ثابت مثلث اشیاء

ان میں سے چند حوالے یہ ہیں۔

۱۔ واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراہم والشمع والزیت ونحوہا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیہم فہو بالاجماع باطل وحرام اھ (رد المحتار علی الشامیہ ج ۲ ص ۱۵۵)

للاجماع علی حرمۃ النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا تشتغل الذمۃ بہ لانہ حرام بل سحت اھ بحر (در مختار ج ۲ ص ۱۵۵)۔

اسی قسم کی تصریحات مدارالمہام بحرالرائق اور عالمگیری میں بھی موجود ہیں۔ (در مختار: ج ۲ ص ۱۱۵)

مفتی صاحب موصوف نے آخر میں ایک حوالے سے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ " تیل اور شمع کی نذر ماننا اولیاء اللہ کے لئے کہ چراغ روشن کئے جائیں ان کی قبروں کے نزدیک تو یہ بھی جائز ہے اور منع کرنا مناسب نہیں " مفتی صاحب اثبات جواز میں اس قدر دور نکل گئے کہ یہ بھی نہ سوچا کہ قبروں پر چراغ جلانے والوں پر تو صراحت حدیث میں لعنت کی گئی۔[1] حدیث صریح کے مقابلہ میں ایسی ولایتی بات سے استدلال کرنا شانِ افتاء کے خلاف ہے۔ مفتی بہ اقوال میں اس کی بھی ممانعت مذکور ہے۔ بریقہ شرح طریقہ محمدیہ ج ۴ میں ہے

واقبح البدع عشرۃ وعد منہا طعام المیت وایقاد الشموع علی المقابر والنار علی القبر اھ

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

• قبور اولیاء بلند کردن وگنبد بر آن ساختن وامثال آن وچراغاں کردن ہمہ بدعت است بعضے ازاں حرام۔ اھ (ارشاد الطالبین)

تفسیر مظہری میں ہے۔ لا یجوز ما یفعلہ الجہال بقبور الاولیاء والشہداء من

---

[1] عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج (رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی مشکوٰۃ ج [illegible]) محمود مرتب

السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد عليها اھ وفی ذلك كفاية لمن اراد الهداية ۔

حرفِ آخر ہماری اس تمام گزارش کا حاصل یہ ہے کہ اس دور بدعت وجہالت میں جہاں تک ہو سکے بدعات و سیئات سے روکنے کی سعی کی جائے۔ عوام کو معمولی سی ڈھیل ان کو بڑی باتوں پر جری کر دیتی ہے۔ مفتی صاحب موصوف کے فتویٰ سے چونکہ کافی حد تک جاہل عوام کو سہارا مل سکتا تھا اور وہ اسے جواز نذر و نیاز کی بہت بڑی دلیل بنا سکتے تھے۔ گو مفتی صاحب کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہر قسم کی نذر و نیاز کو جائز کہا جائے۔ لیکن لوگ قیودات وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ اپنے مطلب کی چیز دیکھتے ہیں۔ اور باقی سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ مفتی صاحب کے فتویٰ کے بارے میں جو صحیح بات ہو بلا کم و کاست تحریر کر دی جائے۔ وما ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ ۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۱ ر ۲ ر ۹۴ھ

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۲ ر ۲ ر ۹۴ھ

قیام عند حی علی الفلاح پر اصرار بدعت ہے

ایک جامع مسجد کے خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ مکبر کے حی علی الصلوٰۃ کہنے پر تمام مقتدی کھڑے ہوں اور اس سے پہلے بیٹھے رہیں۔ یہ مسئلہ تمام صحاح ستہ میں موجود ہے لیکن یہ طویلین اور مردودین۔ قبل از تکبیر یا بوقت آغاز تکبیر اٹھ کر صف بندی کرنا احداث فی الدین ہے۔ آیا علامہ محترم کا قول ذکر کردہ مسنون طریقہ ہے اور کوئی نہیں یا صحیح ہے؟ احادیث صحیحہ اور فقہاء کرام کے حوالے سے لکھئے تاکہ ان کی سمجھ میں کچھ بات آجائے۔

۲۔ جن ائمہ مساجد کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء و اولیاء علام الغیوب ہیں، مجیب الدعوات و قاضی الحاجات ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مروجہ رسومات گیارھویں، تیجہ، چہلم وغیرہ کار خیر ہیں ایسے ائمہ کی اقتداء میں نماز درست ہے یا نہ؟

الجواب (ولها آداب) تركه لا يوجب اساءة ولا عتابا كترك سنة الزوائد لكن فعله افضل (نظره الى موضع سجوده حال قيامه الى ان قال) (والقيام) لامام ومؤتم (حين قيل حي على الفلاح) الخ (درمختار شامی ...)

اس سے معلوم ہوا کہ حی علی الفلاح کہنے کے وقت اٹھنا آداب نماز سے ہے نہ سنت مؤکدہ ہے نہ

واجب۔ پس خطیب مذکور کا اسے سنت (طریقہ) قرار دینا غلط ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آداب کے ترک کرنے میں کراہت تو کیا اساءت بھی نہیں۔ جیسا کہ ادب کی تعریف سے ظاہر ہے۔ پس خطیب صاحب کا تارکین و منکرین کو ملعون و مردود قرار دینا محض جہالت اور تعصب پر مبنی ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ یہ لعنت خود قائل کی طرف لوٹے اور اسے اپنا کل بنائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی ایسے شخص پر لعنت کی جائے جو عند اللہ مستحق لعنت نہ ہو تو یہ لعنت قائل کی طرف لوٹتی ہے۔ (او کما قال) خطیب صاحب کے اس طرز بیان [illegible] ہوا کہ قیام مذکور پر انتہائی اصرار اور دوام۔ نیز اس کے تارک پر نکیر شدید سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے قیام مذکور کو کم از کم واجب اور ضروری سمجھ لیا ہے۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی مستحب کے باعث عوام کے فساد عقیدہ کا خطرہ پیدا ہو جائے تو اس مستحب کا ترک کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ (ج ۱ ص [illegible])

وما يفعل عقيب الصلوة مكروه لأن الجهال يعتقدونها سنة او واجبة وكل مباح يؤدي اليه فمكروه هكذا في الزاهدي۔

سورہ سجدہ اور دہر کا جمعہ کی فجر میں اور سورہ جمعہ اور منافقون کا جمعہ میں پڑھنا مستحب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان نمازوں میں یہ سورتیں پڑھنا منقول ہے۔ لیکن تمام فقہاء نے مستقل طور پر سور مذکورہ کو ان نمازوں کے ساتھ خاص کر لینے کو مکروہ لکھا ہے۔ اس کی علت بھی ایہام تعیین وغیرہ تحریر فرمائی ہے چنانچہ یہ مسئلہ تقریباً تمام متون و شروح میں موجود ہے۔ ويكره ان يوقت بشيء من القرآن لشيء من الصلوات۔ (ہدایہ ج ۱ ص [illegible]) هكذا في القدوري وتنوير الابصار وغيره۔

اس مسئلہ پر کلام فرماتے ہوئے صاحب فتح القدیر محقق ابن الہمام تحریر فرماتے ہیں۔

كالسجدة والانسان لفجر الجمعة والجمعة والمنافقين للجمعة قال الطحاوي والاسبيجابي هذا اذا رآه حتما يكره غيره اما لو قرأه للتيسير عليه او تبركا بقرأته صلى الله عليه وسلم فلا كراهة لكن بشرط ان يقرأ غيرها احيانا كيلا يظن الجاهل ان غيرها لا يجوز ولا تحرير في هذه العبارة بعد العلم بان الكلام في المداومة والحق ان المداومة مطلقا مكروهة سواء رآه حتما يكره غيره او لا لان دليل الكراهة لا يفصل وهو ايهام التفضيل وهجر الباقي لكن الهجران انما يلزم لو لم يقرأ الباقي في صلوة اخرى فالحق انه ايهام التعيين

(فتح القدير ج ۱ ص ۲۹۲ مصری)

علامہ شامیؒ رد المحتار میں تحریر فرماتے ہیں:۔

والسنۃ السور الثلاث ای الاعلی والکافرون والاخلاص لکن فی النہایۃ ان التعیین علی الدوام یفضی الی اعتقاد بعض الناس انہ واجب وھو لا یجوز فلو قرأ بما ورد بہ الآثار احیانا بلا مواظبۃ یکون حسنا بحر (شامی ج ۱ ص ۴۴۳)۔

چونکہ مسئلہ قیام مذکور میں لوگوں نے غلو سے کام لیا ہے اور عملاً اسے ضروری سمجھ رکھا ہے پس فقہاء کی تصریحات بالا کے پیش نظر اس مسئلہ پر عمل کرنا درست نہیں ہوگا۔ اس سے بھی بڑھ کر عوام کا یہ گمان ہوگیا ہے کہ قیام مذکور ضروری نہیں بلکہ دین کا شعار سمجھ رکھا ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔ پس اس کی مخالفت اور تشدید کی ضرورت ہے۔ کما صرح الاخرب۔

پہلے نمازی عموماً بیٹھے رہتے ہیں تکبیر شروع ہونے کے وقت بھی نہیں اٹھتے اور حی علی الفلاح پر اٹھتے ہیں اور قد قامت الصلوٰۃ پر امام نماز شروع کر دے گا۔ تو اس حالت میں مقتدی اگر فوراً نماز شروع کر دیں تو صف بندی درست نہیں ہو سکتی۔ اور اگر صف بندی کریں تو تکبیر تحریمہ فوت ہو جاتی ہے۔ حالانکہ صف کو سیدھا کرنا اور مل کر کھڑا ہونا سنت مؤکدہ ہے۔ اور تکبیر تحریمہ کا بے شمار ثواب بیان کیا جاتا ہے۔

پس ان فضائل کو جمع کرنے کی صحیح صورت کیا ہو سکتی ہے؟ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قیام مذکور کا مسئلہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ لوگ صفیں ٹھیک کئے ہوئے بیٹھے ہوں۔ ورنہ اس پر عمل کرنے کے لئے سنن مؤکدہ کو چھوڑنا ہرگز درست نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مسئلہ قیام مذکور سے مراد یہ ہے کہ تاخیر قیام کی آخری حد یہ ہے کہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہو جائے۔ اس سے قیام کو مؤخر نہ کرے۔ تقدیم سے ممانعت نہیں ہے۔ جیسا کہ تفصیل سے ظاہر ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ۔ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

O

سہرا باندھنا رسم کفر ہے

زید نے اپنی دختر کا عقد کرنے کے لئے بکر کو اپنے مکان پر بلایا۔ بکر نے اپنے ماتھے پر سہرا باندھا ہوا ہے کیا اس شکل میں مسلمان شرکت عقد کر سکتے ہیں۔ کیا زید کے ہاں کھانا جائز ہے ؟

قریشی جنرل سٹورز ضلع ملتان

الجواب کفایت المفتی ج ۴ ص ۹۴ ۔ پر ہے کہ سہرا باندھنا ہندوانی رسم ہے۔ انہیں سے لی گئی ہے اور قابل ترک ہے جس شخص کو یہ علم ہے کہ یہ ہندوانہ رسم ہے اور پھر یہ وہ دانستہ اسے کرتا ہے۔ اس کی تقریب میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

تعزیہ بنانا، دیکھنا جائز نہیں اور اسے حاجت روا سمجھنا کفر ہے

مسجد میں تعزیہ، یا تعزیہ کا کوئی حصہ وغیرہ رکھنا شریعت میں جائز ہے یا ناجائز ؟

الجواب اہل السنت والجماعت کے نزدیک تعزیہ بنانا اور اسکی تعظیم کرنا اور اس کو یا اس کے کسی حصہ کو مسجد میں رکھنا ناجائز ہے۔ بلکہ تعزیہ کو دیکھنا اگرچہ بنظر تماشا ہی ہو جائز نہیں۔

دلائل ملاحظہ ہوں۔

۱ : حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتوے ۔ ج ۲ ص ۲۱ ۔ میں تحریر فرماتے ہیں۔

" روضہ مقدسہ نبویہ کی صورت یا شبیہ حصول ثواب کی غرض سے بنانا بدعت اور ناجائز ہے۔ اور اس وجہ سے کہ زمانہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین میں باوجود وقوع ضرورت کے یہ صورت نہیں پائی گئی۔ حالانکہ حضرات صحابہ و تابعین روضہ نبوی کے مشتاق رہتے تھے مگر کسی نے ایسا نہیں کیا کہ آپ کے روضہ کی شبیہ بنا کر اس سے برکت حاصل کر لیتا۔

اولاً : جب روضہ نبویہ کی شبیہ بنانا ناجائز ہوا تو حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ کا شبیہ بنانا اور اس کی صورت بنا کر اس سے مرادیں مانگنا کیسے جائز ہو گا۔

ثانیاً : اس وجہ سے کہ کسی متبرک شئے کی صورت اور شبیہ کو اس شئے کا حکم دے دینا اور حصول ثواب کا طلب کرنا باطل ہے۔ رسالہ ایکلی میں ہے۔

من الاوهام تقرير حكم شئ بشبهه و هذا الوهم قد اضل عبدة الاصنام

من طریق الصواب واوقعہم فی ھاویۃ الجھالۃ۔ انتہی ملخصا۔

۲ : ص ۲۹۳ ۔ میں ہے۔ سوال : تعزیہ کو دیکھنا نہ بنظر اعتقاد بلکہ بنظر تماشا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : تعزیہ میں تماشا ہی کیا ہے۔ اور بدعت کو نہ دیکھنا چاہیئے بلکہ زبان یا ہاتھ سے اس کے دفع کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ اور اگر یہ نہ کر سکیں تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ ضعف ایمان کی دلیل ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

سوال : تعزیہ سے مراد چاہنا درست ہے یا نہیں؟

جواب : نہیں، کیونکہ نہ وہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے اور نہ کم کوئی شخص سے بے پرواہ کر سکتا ہے۔ اگر تعزیہ سے مراد چاہنے والا یہ سمجھے کہ تعزیہ اس کی مراد پوری کر سکتا ہے تو کافر ہے۔

(فتاویٰ مولانا عبدالحئی ، ج ۲ ، ص ۲۹۳)

مولانا عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے " تحفہ اثنا عشریہ " میں لکھا ہے۔

نوروشانزدہم صورت چیزے را حکم آں چیز دادن وایں وہم اکثر را مبتدعہ پرستاں زدہ وآنہا را در ضلالات افگندہ۔ والعیاذ باللہ خورد سال عوام زیں وہم بسیار گرفتار باشند الخ

ان حوالہ جات سے صاف معلوم ہوا کہ تعزیہ بنانا ناجائز ہے۔

۳ : اس کی تعظیم کرنا بھی ناجائز ہے۔

۴ : اس کو مسجد میں تعظیما رکھنا بھی ناجائز ہے۔

۵ : یہ اعتقاد رکھنا کہ تعزیہ ہماری مراد پوری کر سکتا ہے یہ کفر ہے۔ اب شیعہ کی کتابوں سے بھی تعزیہ کا ناجائز ہونا لکھا جاتا ہے۔ اہلسنت بھائیوں کو غور کرنا چاہیئے کہ یہ ایسی بدعت ہے کہ جو حضرات شیعہ کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ صرف جاہل شیعوں نے گھڑ رکھا ہے۔

فی باب النوادر من کتاب من لا یحضرہ الفقیہ عن علی قال من جدد قبرا او مثل مثالا فقد خرج عن ربقۃ الاسلام

ترجمہ : جس نے کوئی بناوٹی قبر یا کسی چیز کی شبیہ وغیرہ بنائی تو وہ شخص دائرہ اسلام و ایمان سے خارج ہو جائے گا۔

شیعہ کی کتابوں سے بہت سی عبارتیں ہیں جو نوحہ و ماتم و سینہ کوبی کی حرمت میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر چونکہ یہ رسالہ اہلسنت کی طرف سے ہے اس لئے پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبد اللہ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : محمد صدیق سعید مفتی خیر المدارس ملتان۔

انسداد تعزیہ کے لئے کوشش کرنا

تعزیہ کی انسداد کی بابت حکام بالا سے فریاد کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

۲ : منظور شدہ تعزیۃ الحسین جانب سرکار کو روکنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب ۱ : انسداد تعزیہ کے لئے آئینی کوشش کرنا ضروری ہے جب کہ اس میں کامیابی کی قوی امید ہو۔

۲ : قانون شکنی درست نہیں البتہ آئین کی حدود میں جتنا احتجاج ہو سکے اس میں کوتاہی نہ کریں۔

فقط واللہ اعلم ۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح : محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

محرم میں سبیل لگانا بدعت ہے

الاستفتاء : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ہر سال محرم میں سبیل لگاتا ہے۔ قابل دریافت یہ ہے کہ اس شخص کا یہ ہر سال کا عمل سبیل لگانا جائز ہے یا نہ ؟

الجواب پانی پلانا کار ثواب اور نیکی کا کام ہے لیکن صرف عشرۂ محرم کی تخصیص اور باقی دنوں میں اس عمل کو ترک کرنا ترجیح بلا مرجح اور روافض کا تشبہ ہے اس لئے یہ عمل بدعت اور قابل رد ہوگا ۔ فقط واللہ اعلم ۔ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ محمد عفا اللہ عنہ ۱۱ / ۱ / ۱۳۹۷ھ

نمازوں کے بعد مصافحہ شیعوں کا شعار ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ عید کے دن نماز عید سے پہلے یا بعد عید مصافحہ یا معانقہ کی دین میں کیا حیثیت ہے ؟ درانحالیکہ اس کو باعث قربت و مسقط گناہ خیال کیا جاتا ہے اور ترک کرنے والے کو شرمندہ کروایا جاتا ہو۔ اور اس کے لئے ہر طرح سے لعن طعن روا رکھیں۔ اگر یہ عمل سنت ہے یا بدعت ؟ سنت ہے تو اس کا ماخذ کون سی کتب ہیں ؟ نمبر صفحات بھی درج فرمادیں تو عین نوازش ہوگی۔

مکتبہ رحیمیہ اکوڑہ خٹک۔

الجواب عیدین یا دوسری نمازوں کے بعد مصافحہ یا معانقہ کرنا بدعت ہے۔ مصافحہ یا معانقہ کی

سنیت صرف ملاقات اور رخصتی کے وقت ہے اور اسی ملاقات ہی کے مصافحہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ موجب تکفیر ذنوب وسقوط گناہ ہے۔

ان المؤمن اذا لقی المؤمن فسلم علیہ واخذ بیدہ فصافحہ تناثرت خطایاہ کما تناثر ورق الشجر رواہ الطبرانی شامی ج ۵ ص۲۴۵ ۔

وایضا فیہ بعد سطور ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انہ تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوۃ بکل حال لأن الصحابۃ رضی اللہ عنہم ما صافحوا بعد اداء الصلوۃ ولانہا من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر من الشافعیۃ انہا بدعۃ مکروھۃ لا اصل لہا فی الشرع وینبہ فاعلہا اولاً ویعزر ثانیا ثم قال ابن الحاج من المالکیۃ فی المدخل انہا من البدع وموضع المصافحۃ فی الشرع انما ھو عند لقاء المسلم لاخیہ لا فی ادبار الصلوات فحیث وضعہا الشرع یضعہا فینہی عن ذلک ویزجر فاعلہ لما اتی بہ خلاف السنۃ اھ

الحاصل مصافحہ نماز کے بعد ہر حال مکروہ ہے۔ نیز یہ روافض کا طریقہ ہے اس سے اجتناب لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ۔

بیعت طریقت کا ثبوت

پیر آج کل کے دو طرح کے ہیں۔ ۱: جو لوگوں کو اپنے پھندے میں پھنسانے کے لئے دورہ کرتے ہیں اور ان سے نانہ وغیرہ بطور قرضہ وصول کرتے ہیں۔ ۲: دوسرا طریقہ کہ جو عام سلسلوں میں مروج ہے کہ مرید سے ان شرائط پر بیعت لیتے ہیں جو سوۃ منتخبہ میں مذکور ہے۔ بیعت کا مقصد یہ ہے کہ اصلاح نفس ہو جائے۔ ایسے مرشدین کو مریدین بطور ہدیہ کوئی چیز پیش کرتے ہیں تو وہ مرشد مرید کے خلوص کی وجہ سے اس کو قبول بھی فرما لیتے ہیں۔ اب بات یہ ہے اس قسم ثانی کے مرشدین کی بیعت کا جو طریقہ ہے۔ اس کا ثبوت سنت وغیرہ سے ہے یا نہ۔ اور کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت علی الجہاد کے علاوہ اس قسم کی بیعت لی تھی یا نہ؟

الجواب جہاد کے علاوہ بھی بیعت لینا احادیث سے ثابت ہے۔

۱: عن ابن عمرؓ کنا نبایع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ ویلقننا فیما استطعتم رواہ ابوداؤد۔

۲: عن عوف بن مالک الاشجعی قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الا تبایعون رسول اللہ فرددھا ثلاث مرات فقدمنا ایدینا فبایعناہ فقلنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بایعناک فعلام؟ قال علی ان تعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا الصلوات الخمس واسر کلمۃ خفیفۃ ان لا تسألوا الناس شیئا الخ رواہ النسائی ج ۱، ص ۔

مشائخ طریقت بھی کفر و شرک اور بدعات و معاصی سے توبہ کرانے یعنی ان کے اتباع پر بیعت لیتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۳ ، ۶ ، ۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح : بندہ محمد اسحاق مدرسہ خیر المدارس ملتان۔

سنن و نوافل کے بعد اجتماعی دعا بدعت ہے

س آج کل جو طریقہ دیہاتوں میں رائج ہے کہ سنت و نوافل پڑھنے کے بعد لوگ دعا کے لئے بیٹھے رہتے ہیں اور امام صاحب فارغ ہو کر دعا منگواتے ہیں کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ شبیر احمد

الجواب سنن و نوافل کے بعد جو مروجہ طور پر اجتماعی دعا مانگی جاتی ہے یہ بدعت ہے اور خلاف سنت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ایسا کرنا ثابت نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ سنن اور نوافل گھر جا کر ادا کرتے تھے۔ لہذا اجتماعی دعا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۱: عن عبد اللہ بن مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما افضل الصلوٰۃ فی البیت او الصلوٰۃ فی المسجد قال الا ترٰی الی بیتی ما اقربہ من المسجد فلأن اصلی فی بیتی احب الی من ان اصلی فی المسجد الا ان تکون صلوٰۃ مکتوبۃ اھ ابن ماجہ ترمذی۔

۲: عن عبد اللہ بن شقیق قال سألت عائشۃ عن صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت کان یصلی فی بیتی قبل الظہر اربعا ثم یخرج فیصلی بالناس الظہر ثم یدخل فیصلی رکعتین ثم یخرج فیصلی بالناس

العصر ويصلى بالناس المغرب ثم يدخل فيصلى ركعتين ثم يصلى بالناس العشاء ثم يدخل لى بيتى فيصلى ركعتين الحديث مسلم، ابوداؤد

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ " النفائس المرغوبہ والصحائف المرقومہ " مؤلفہ حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ ۔ اس میں حضرت موصوف نے دلائل واضحہ کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ یہ اجتماعی دعا بدعت ہے۔ اور اس پر وقت کے تمام جید اکابر علماء کرام کی تصدیقات بھی ہیں ۔ فان یکفیک ویشفیک ان شاء اللہ تعالیٰ ۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

رجب کے کونڈے بعض صحابہؓ کی دلیل ہیں

س ہر سال ۲۲ رجب کو کچھ لوگ اپنے گھروں میں حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو ایصال ثواب کے لئے کونڈوں کا ختم دلواتے ہیں۔ کیا ۲۲ رجب حضرت امام جعفر صادق علیہ الرحمہ کا یوم پیدائش یا وفات ہے یا کہ نہیں ؟ اور اس روز کونڈوں کا ختم کہاں سے جاری ہوا ؟

اگر بفرض محال ۲۲ رجب حضرت امام جعفر صادق رح کا یوم پیدائش یا یوم وفات نہیں ہے لیکن لوگ تو ان کی روح کو ایصال ثواب کی خاطر ہی ختم دلواتے ہیں ۔ کیا ایسی رسم کو برا کہنا جائز ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب ۲۲ رجب نہ امام جعفر رحمۃ اللہ کا یوم ولادت ہے نہ یوم وفات ہے۔ بلکہ یہ دن حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یوم وفات ہے۔ (طبری ۔ استیعاب) اور یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ یہ رسم رافضیوں کی ایجاد کردہ ہے۔ تقیہ اور خصوصیت ان کا شعار خاص ہے۔ پہلے اس تاریخ کو علانیہ خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ جب سنیوں کا غلبہ ہوا تو عام تقسیم بند کر دی اور گھر میں پکا کر رکھ دیتے ہیں اور ایک دوسرے کو بلا کر کھلاتے ہیں۔ جب یہ متحقق ہوا کہ یہ رسم رافضیوں کی ایجاد ہے تو اس امر کی تحقیق کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ کس سن میں ایجاد ہوئی اور موجد کون ہے سنیوں کو ہرگز اس رسم میں شرکت نہیں کرنی چاہئے بلکہ حتی الوسع اسے مٹانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس دن خیرات نیک مقصد کے تحت کرنے کی بھی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ اس میں تشبہ بالروافض ہے نیز ان کے مکروہ ترین عمل کو تقویت دینا ہے جس عمل کی بنیاد ہی بغض صحابہ رضوان اللہ کی توہین ہو

مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرتا ہو اسے رسم بد کہنے پر سوال کرنا تعجب ہے۔ فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

بڑے لوگوں کے دن منانا بدعت ہے

یوم رضا، یوم شیخ السنہ۔ رضا کانفرنس، شیخ الاسلام کانفرنس، میلاد کانفرنس، سیرت کانفرنس جشن

عید میلاد النبی، جشن صد سالہ دیوبند قسم کی مجالس منعقد کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

: بزم رضا، بزم امیر شریعت قسم کی جماعتیں بنانا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب جب آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوئی تو چند علماء یہود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ تمہارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے جو اگر یہود پہ نازل ہوتی تو وہ اس کے نزول پہ ایک جشن عید مناتے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا کہ وہ کونسی آیت ہے تو انہوں نے یہی آیت پڑھ دی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کس جگہ اور کس دن نازل ہوئی۔ اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ وہ دن ہمارے لئے دوہری عید کا دن تھا۔ ایک عرفہ، دوسرے جمعہ۔ فاروق اعظم رضی کے اس جواب میں ایک اسلامی اصول کی طرف بھی اشارہ ہے جو تمام دنیا کی اقوام و مذاہب میں صرف اسلام ہی کا طرۂ امتیاز ہے اور وہ یہ کہ ہر قوم اپنے تاریخی واقعات کے دنوں کی یادیں مناتی ہے۔ اور ان ایام کو ان کے ہاں ایک عید یا تہوار کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ کہیں قوم کے بڑے آدمی کی پیدائش یا موت کا یا تخت نشینی کا دن منایا جاتا ہے۔ کہیں کسی خاص ملک یا شہر کی فتح یا اور کسی عظیم تاریخی واقعہ کا جن کا حاصل اشخاص خاص کی عزت افزائی کے سوا کچھ نہیں۔ اسلام اشخاص پرستی کا قائل نہیں اس نے ان تمام رسوم جاہلیت اور شخصی یادگاروں کو چھوڑ کر اصول و مقاصد کی یادگاریں قائم کرنے کا اصول بنا دیا۔

اسلام میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی موت و حیات یا شخصی حالات کا کوئی دن منانے کی بجائے ان اعمال کے دن منائے گئے جو کسی خاص عبادت سے متعلق ہیں۔ جیسے شب برأت، رمضان المبارک، شب قدر، یوم عرفہ، یوم عاشورہ وغیرہ۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جواب نے بتلا دیا کہ یہود و نصاریٰ کی طرح ہماری عیدیں تاریخی وقائع کے تابع نہیں جیسا کہ جاہلیت اولیٰ کی رسم تھی۔ بلکہ اسلام میں کسی دن کی عید منانے کے لئے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت

پیش کرنا ضروری ہے۔

آج کل کی جاہلیت جدیدہ نے تو اس کو بہت پھیلا دیا ہے یہاں تک کہ دوسری قوموں کی نقل کر کے مسلمان بھی اس میں مبتلا ہو گئے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کی عید منائی، ان کو دیکھ کر کچھ مسلمانوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم پیدائش کے نام سے ایک عید میلاد بنا دی۔ اسی روز بازاروں میں جلوس نکالنے اور اس میں طرح طرح کی خرافات کو اور رات کو چراغاں کرنے کو عبادت سمجھ کر کرنے لگے جس کی کوئی اصل صحابہؓ و تابعینؒ اور اسلاف امت کے عمل میں نہیں ملتی۔

الغرض جوبلی یوم، جلسہ، اور جشن اسی نظریہ جاہلیت کے تحت منایا جاتا ہے وہ دوسری اقوام کی نقالی ہوگی مستقل دینی کوئی خدمت نہ ہوگی۔ واضح رہے کہ دیوبند کسی آدمی کا نام نہیں جس کی ولادت کا جشن منایا گیا ہو۔ بلکہ یہ ایک مدرسہ کا صد سالہ جلسہ تھا۔ تاریخوں کا تعین حاضرین کی سہولت کے لئے تھا۔ اسے صد سالہ جشن کا نام مدرسہ والوں نے نہیں دیا اور نہ ان کے ذہن میں جشن منانے کے جذبات تھے اور نہ ہی جشن کے لوازمات میں سے کسی عمل کا ارتکاب کیا گیا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۰۔۲۔۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح: عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

غم کے موقع پر اہل میت سے کھانا کھانا مکروہ اور ناجائز ہے

۱: کیا غم کے موقع پر کھانا پکا کر دعوت کرنا شرعاً جائز ہے؟

۲: کیا اس دعوت سے میت کو کوئی فائدہ ہوگا؟

۳: ایسی دعوت کرنے والے اور شرکت کرنے والے کیا عاصی ہوں گے؟

۴: کھانے کی دعوت شرعاً کس کس موقع پر جائز ہے؟

الجواب ۱: ایسے موقع پر شریعت نے کھانے وغیرہ کا اہتمام کرنے سے منع کیا ہے بلکہ رشتہ داروں کو کہا گیا ہے کہ اس موقع پر وہ اہل میت کے کھانے کا انتظام کریں۔ خود اہل میت کے اہتمام کرنے میں بہت سے مفاسد ہیں۔ میت کے پسماندگان میں بعض اوقات یتیم بچے بھی ہوتے ہیں۔ اس طرح کی دعوتوں میں ان کا بھی مال کھایا جاتا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

ویکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اہل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وہی بدعة مستقبحة وفی البزازیة ویکرہ اتخاذ الضیافة فی

اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع اھ (شامیہ ج ۱ ص ۶۲۹)۔

۲ : جب اس کا مقصد ہی رسم پوری کرنا ہے تو اس پر کیا ثواب ملے گا ؟

۳ : ناجائز کام کرنے والے معصیت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

۴ : مختلف مواقع ہیں ۔ مثلاً ولیمہ وغیرہ ۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

طعام اہل میت بدعت ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضرات فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ میت کے گھر کی دعوت وضیافت کھانا جائز نہیں بلکہ اہل میت کو کھانا بھیجنا چاہیے ۔ حالانکہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ نماز جنازہ سے واپسی پر آپ اور حضرات صحابہؓ میت کے گھر دعوت کھانے کے لئے تشریف لے گئے۔

ولفظہ فلما رجع استقبلہ داعی امرأتہ فاجاب ونحن معہ فجیٔ بالطعام فوضع یدہ ثم وضع القوم فاکلوا ۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۴۴)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے داعی امرأۃ کی تشریح المتوفی سے کی ہے ۔ اب اس مسئلہ اور حدیث کی تحقیق مطلوب ہے ۔

الجواب قال فی الفتح یستحب لجیران اھل المیت والاقرباء الاباعد تھیئۃ طعام لھم یشبعھم یومھم ولیلتھم لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اصنعوا لآل جعفر طعاماً فانہ قد جاءھم ما یشغلھم حسنہ الترمذی وصححہ الحاکم۔

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اہل میت کے پڑوسیوں اور بعید کی رشتہ داروں کو حکم ہے کہ وہ اہل میت کے لئے صبح وشام کا کھانا تیار کرکے بھیجیں ۔ جیسا کہ ابن الہمام نے لکھا ہے ۔ ابن الہمام نے مزید لکھا ہے کہ اہل میت کی طرف سے کھانے کی دعوت وضیافت کرنا مکروہ ہے ۔ کیوں کہ یہ خوشی کے موقع پر ہوتا ہے نہ کہ شرور ومصائب پر ۔ اور ایسی دعوت بدترین بدعت ہے ۔ امام احمد وغیرہ نے صحیح سند سے جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔

کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ

گویا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عام عرف یہی تھا کہ اہل میت کی طرف سے کھانے کی تیاری جائز نہیں ۔ بلکہ اس کی حیثیت وہی ہے جو ماتم کرنے والے اور میت پر چیخ چلا کر رونے کی ہے اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم ایسی عورتوں پر لعن فرماتے ہیں جو نوحہ کرتی ہیں ۔ عن ام عطیۃ قالت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہانا عن النیاحۃ ۔ وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحۃ والمستمعۃ ۔

ابو داؤد ، ج ۲ ، ص ۹۸ ۔

اور فتاوی بزازیہ میں ہے ۔ ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ۔ کھانے کی دعوت پہلے دن تیسرے دن ساتویں دن کے بعد مکروہ ہے ۔ اگرچہ تیجہ ساتواں حسب ناجائز ہیں احادیث شریفہ اور فقہ حنفی کی تصریحات کے مطابق مذکورہ بالا قسم کی دعوت وضیافت ناجائز ومکروہ ہے ۔ بلکہ علامہ شامی رحمہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ اور حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے ۔ (شامیہ ، ج ۱ ، ص ۶۲۴) ۔

علامہ ابن امیر الحاج المالکی رحمہ لکھتے ہیں ۔ اما اصلاح اھل المیت طعاما وجمع الناس فلم ینقل فیہ شیئ وھو بدعۃ غیر مستحب (مدخل ، ج ۳ ، ص ۲۷۵) ۔

اور حدیث استقبال داعی امرأتہ کے علامہ شامی رحمہ نے تین جوابات دیئے ہیں ۔ جن کا حاصل یہ ہے ۔

۱ ۔ یہ ایک خاص جزئی واقعہ ہے اور حدیث جریر ایک ضابطہ کلیہ اور تشریع کی حیثیت رکھتی ہے جب جزئی واقعہ اور ضابطہ میں تعارض ہو تو ضابطہ کو ترجیح دی جاتی ہے ۔ اور جزئی واقعہ کی توجیہ کی جاتی ہے ۔ نظیرہ حدیث سلمان رضی اللہ عنہ فی نھی الاستقبال والاستدبار ویعارضہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقضی حاجتہ مستقبل بیت المقدس او کما قال ۔

۲ ۔ اس میں خصوصی سبب کا بھی احتمال ہے ۔

۳ ۔ ائمہ مجتہدین نے تمام احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے مسائل کا استنباط کیا ہے ۔ اور حدیث کا صحیح محمل متعین فرمایا ہے ۔ متاخرین کا مقام صرف یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کے علم واخلاص ، دیانت و تقوی اور خدا داد فہم وتفقہ پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی تحقیقات پر عمل کریں ۔ ورنہ نصوص متعارضہ وغیرہ کے بارے میں گمراہی کا سخت اندیشہ ہے ۔ مثلاً قرآن کریم میں وارد ہے ۔ یاایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ ۔ اے ایمان والو سود کو دوگنا چوگنا بڑھا کر کھاؤ ۔ اس آیت کو لے کر کچھ جاہلوں اور گمراہوں نے یہ کہا ہے کہ تھوڑا سود لینا جائز ہے اور دوگنا چوگنا ممنوع ہے حالانکہ ائمہ مجتہدین نے قلیل سود تو کیا طرف دار شبہ ربوا کو بھی ناجائز قرار دیا ہے ۔ اور صحیح یہی ہے ۔

تقسیم شدہ مختلف چھ نسخے موجود تھے ۔ ابوداؤد شریف کے مندرجہ بالا تمام نسخوں (جن کی تعداد کم از کم دس ہے) سے معلوم ہوا کہ حدیث شریف کے اصل اور صحیح الفاظ "داعی امرأۃ" ہیں پس ان الفاظ صحیحہ کی روشنی میں حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جنازہ سے واپسی پر کسی ایک عورت نے آدمی بھیج کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی ۔ مرنے والے کی بیوی نے دعوت نہیں کی ۔ پس ظاہر ہے کہ یہ حدیث حدیث جریر سے معارض ہی نہیں ۔ لہذا مسئلہ زیر بحث کا جو حکم حنفیہ و شافعیہ و حنابلہ نے حدیث کی روشنی میں دیا ہے وہ صحیح اور واجب العمل ہے ۔ کسی دوسری حدیث سے یہ حکم متاثر نہیں ہوتا ۔ اور نہ ہی اس کے معارض کوئی دوسری حدیث موجود ہے ۔

داعی امرأۃ کے صحیح ہونے کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے ۔ ابوداؤد شریف کے علاوہ جن کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے سب میں بغیر اضافت کے یہ الفاظ موجود ہیں ۔ چنانچہ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۴۳۳ ۔ محلی ابن حزم ج ۷ ص ۱۵۸ ۔ وغیرہ کتب ملاحظہ فرمائیے ۔ نیز شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۲ ص ۳۰۳ ۔ مشکل الآثار للطحاوی ج ۲ ص ۱۳۲ ۔ دارقطنی ج ۲ ص ۵۸۵ ۔ سنن الکبریٰ ج ۶ ص ۹۷ ۔ میں بھی یہ حدیث "امرأۃ" کے لفظ کے ساتھ موجود ہے ۔ اور تمام کتابوں میں "امرأتہ" کے لفظ موجود نہیں ہیں ۔

تنبیہ اول : شارح منیہ نے حدیث جریر کا محمل عام ۔ عند الموت کو قرار دینے کی کوشش کی ہے فرماتے ہیں ۔ وانما یدل علی کراھتہ ذلک عند الموت فقط (کبیری : ص ۶۰۸)
لیکن یہ محل نظر ہے کیونکہ عند الموت سے اگر مراد عین خروج روح کا وقت ہے تو اس وقت دعوت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا ۔ عین موت کے وقت دعوت کس کو سوجھتی ہے کہ کون کھاتا ہے اور کون کھلاتا ہے حتی کہ عام عرف کے مطابق گھر والے بھی جنازہ اٹھ جانے کے بعد ہی کھاتے ہیں ۔ اور مرد جنازہ سے واپس آنے کے بعد اور اگر موت کے بعد کھانے کا قریب ترین وقت مراد ہے تو قریبی وقت جنازہ سے واپسی پر ہی کہا جاتا ہے پس حدیث "داعی امرأۃ" سے بداہۃً معارضہ قائم ہے توجیہ کا کیا فائدہ ہے ! اور منتقی الاخبار ص ۲۲ کے الفاظ یہ ہیں ۔ وصنعۃ الطعام بعد دفنہ من النیاحۃ الخ معلوم ہوا کہ حدیث جریر کا محمل طعام عند الموت نہیں بلکہ طعام بعد الدفن ہے ۔ فتنبہ

تنبیہ ثانی : بعض حضرات کراہت تنزیہی کی توجیہ کرتے ہیں لیکن یہ بھی ناروا کوشش ہے کیونکہ جس مقام پہ کراہت کا لفظ مطلق ہے اس سے مراد کراہت تحریمی ہوتی ہے ۔ علاوہ ازیں ابن الہمام جو حنفی محقق اہل میت پر بھی بدعت کا لفظ استعمال کر رہے ہیں فرماتے ہیں ۔ " وہی بدعۃ مستقبحۃ "

لہٰذا اسے مکروہ تنزیہی کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

الحاصل اہل میت کے گھر دعوت و ضیافت مکروہ و بدعت ہے خواہ پہلے دن ہو یا تیسرے دن یا ساتویں دن ملا علی قاری رح نے بھی شرح نقایہ میں اسی کی طرف رجوع فرمایا ہے لکھتے ہیں کہ۔

"میت کے ہاں سے کھانا تناول کرنا مکروہ اور بدعت مستقبحہ ہے" (ترجمہ)

اور یہ مسئلہ اتنا واضح اور بدیہی ہے کہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی بھی اس سے انکار نہیں کر سکے بلکہ بڑے شد و مد سے اصل بدعت کی تردید کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ

"اگر فاضل حلبی اور ملا علی قاری رح ہمارے دیار کا رسم و رواج دیکھتے تو حتمی کی ان دعوتوں پر حرمت قطعی کا حکم لگا دیتے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی اجازت دینے میں شیطان مردود کے لئے ایک دروازہ کھول دینا ہے۔ اور مسلمانوں بالخصوص نادار مسلمانوں کو سخت مصیبت میں ڈال دینا ہے۔ اھ (احکام شریعت، ص ۱۹۰)

فاضل بریلوی ایک دوسرے سوال کے جواب میں۔ دوسرے، تیسرے، چالیسویں دن کے اجتماع اور کھانے پینے کے متعلق لکھتے ہیں۔ "یہ دعوت خود ناجائز و بدعت شنیعہ و قبیحہ ہے"

(احکام شریعت، ص ۱۹۱ و ۱۹۲) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ

اذان کے ساتھ صلوٰۃ و سلام کب سے شروع ہوا

اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنا شریعت کے لحاظ سے کیسا ہے۔ اس کی ابتداء کب سے ہوئی اور کس نے کی؟ ایک مسجد والے لوگ بعض کہتے ہیں کہ پڑھا جائے، بعض کہتے ہیں نہ پڑھا جائے۔ پڑھنے والے ضد پر ہیں۔ اب مسجد میں پڑھنے اور نہ پڑھنے پر جھگڑا اور فساد ہے کیا کیا جائے؟

سید محمد نور شاہ چین بازار گوجرانوالہ

الجواب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام علیہم الرضوان، تابعین کے زمانہ میں اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام بالکل نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے۔ اذان میں سب سے پہلے اہل تشیع نے تحریف کی۔ اس کے بعد محتسب قاہرہ صلاح الدین نے بذریعہ حکومت اذان کے بعد صلوٰۃ و سلام کو ضروری قرار دیا۔ اب کچھ لوگوں نے اسے اذان سے پہلے ضروری سمجھ لیا ہے حتیٰ کہ نہ پڑھنے والوں سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ سب جہالت ہے۔ حق و سچ یہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

(صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور میں تھا۔ اسی پر عمل کیا جا رہا ہے۔ مخالفت کرنے والوں کو شکست اور سرزنش سے کیا جاتا ہے۔ والذی احدث الصلوٰۃ والسلام عقب الاذان هو محتسب القاهرة صلاح الدين بن عبد الله البرلسي امر به في مصر۔ اھ (الابداع: ص...)

نوٹ: زیادہ تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ تحریف الاذان۔ ——— فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴ / ۱۱ / ۱۳۹۹ھ

آخری صدی میں یہ بدعت جاری ہوئی لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔

انگوٹھے چومنے کی کوئی روایت صحیح نہیں

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان میں کلمہ شہادت سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر لگانا جائز ہے یا نہ؟

(۲) کس حدیث سے یہ ثابت ہے اور اس حدیث کو کس محدث نے صحیح اور درست فرمایا ہے؟

(۳) کیا ائمہ اربعہ میں سے کسی امام نے اس عمل کو جائز فرمایا ہے اور اس کے مستحب ہونے کا قول کیا ہے؟

(۴) بعض علماء اس کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ کیا حضور علیہ السلام کے کسی قول یا فعل کے ثابت نہ ہونے کی صورت میں کسی عمل کو مستحب کہا جا سکتا ہے؟ کیا یہ بدعت ہے؟

(۵) بعض علماء فقہ حنفی کی مستند کتاب رد المحتار شامی کے متعلق فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس عمل کو مستحب فرمایا ہے۔ اسی طرح صاحب مقاصد حسنہ اور صاحب مسند الفردوس کے متعلق کہتے ہیں۔ کیا یہ نسبت صحیح ہے یا غلط؟

الجواب: (۱) قرآن کریم، احادیث صحیحہ، اجماع امت، اور ائمہ اربعہ میں سے کسی امام سے اس عمل کا ثبوت نہیں۔ اور جو لوگ اس کو ضروری اور مثل واجب سمجھتے ہیں اس کے تارک پر نکیر کی جاتی ہے۔ لہٰذا موجودہ زمانہ میں جائز قرار دینا تو حدیث صحیح کے خلاف ہے۔ کسی اجماعی امر مستحب کو بھی درجہ واجب میں پہنچا دیا جائے تو اس کا ترک ضروری ہو جاتا ہے۔ تاکہ عوام الناس کا اعتقاد محفوظ رہے۔ حدیث عبد اللہ بن مسعودؓ لا يجعل احدكم نصيبا للشيطان من صلوته ان لا ينصرف الا عن يمينه کے تحت علماء نے لکھا ہے: وفي هذا الحديث دليل على من تعتقد الوجوب في امر ليس بواجب شرعا او عمل معاملة

الواجب مع یکون هذا احظ من الشیطان و بدعة مذمومة (بلفظ ہ‌وشت)

۲ ، صحاح ستہ کی کسی حدیث میں بلکہ ان کے علاوہ بھی کسی صحیح مرفوع حدیث میں اس کا ثبوت نہیں ہے وذکر ذالک العراقی و اطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شئ ۔ (شامی ج ۱ ، ص ۲۹۴)۔

۳ ، کسی امام نے اس کے مستحب ہونے کا قول نہیں کیا۔

۴ ، ثبوت استحباب کے لئے دلیل شرعی ضروری ہے ۔ کیونکہ یہ بھی ایک حکم شرعی ہے ۔ بغیر دلیل شرعی کے ثابت نہیں ہوگا ۔ علامہ شامی رح نقل فرماتے ہیں والمستحب وهو ما ورد به دلیل ندب یخصه کما فی التحریر ۔ ج ۱ ، ص ۹۶)۔ لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ کسی عالم غیر مجتہد نے غیر دلیل کو دلیل سمجھتے ہوئے کسی فعل کو مستحب کہا ہو ۔ جب تحقیق سے اس دلیل کا غیر معتبر ہونا ثابت ہو جائے گا تو فعل مذکور کا مستحب ہونا بھی منتفی ہو جائے گا ۔

بعض علماء کا اسے مستحب کہنا ہو سکتا ہے کہ استحباب لغوی کے قبیل سے ہو ۔ نہ کہ استحباب شرعی کے قبیل سے ہو ۔ کیونکہ دلیل شرعی مقتضی استحباب موجود نہیں ۔ جیسا کہ آگے مذکور ہوتا ہے ۔

۵ ، علامہ شامی رح نے جس جگہ یہ نقل کیا ہے اس مقام پر یہ بھی نقل کیا ہے ولم یصح من کل هذا شئ (ج ۱ ، ص ۲۴۱) کہ اس میں کوئی مرفوع صحیح نہیں ہے ۔ یہ خیال نہ کیا جائے کہ اگرچہ اس میں صحیح حدیث نہیں ہے لیکن استدلال کے لئے حدیث حسن بھی کافی ہے ۔ جواب یہ ہے کہ حدیث حسن موجود بھی تو ہو ۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی حسن بلکہ ضعیف قابل عمل حدیث بھی موجود نہیں ۔ واضح رہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا تین شرطوں سے جائز ہوتا ہے ۔ ورنہ نہیں ۔

۱ ، ضعیف شدید نہ ہو ۔

۲ ، یہ عمل کسی اصل عام کے تحت داخل ہو ۔

۳ ، اس عمل کے سنت ہونے کا اعتقاد نہ کیا جائے ۔

قال فی الدر المختار شرط العمل بالحدیث الضعیف عدم شدة ضعفه وان یدخل تحت اصل عام وان لا یعتقد سنیة ذالک الحدیث واما الموضوع فلا یجوز العمل به بحال ۔ (ج ۱ ، ص ۱۱۹)۔

اور مسئلہ زیر بحث میں یہ تینوں شرطیں تقریباً مفقود ہیں ۔ کیونکہ ایسی روایات میں شدید ضعف ہے بلکہ موضوع ہیں ۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ۔ الاحادیث التی رویت

في تقبيل الأنامل وجعلها على العينين عند سماع اسمه صلى الله عليه وسلم عن المؤذن في كلمة الشهادة كلها موضوعات انتهى۔ (تیسیر المقال للسیوطی)۔

اور عوام سنت بلکہ اس سے بڑھ کر سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرتے ہیں الغرض یہ فعل قرآن کریم، حدیث پاک، تعامل صحابہؓ، اجماع امت، اقوال ائمہ میں سے کسی دلیل کے ساتھ ثابت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ

فرائض کے بعد چیخ چیخ کر کلمہ کا ورد کرنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہماری مسجد شاہ حسین محلہ کرم پورہ میں ہر نماز کے بعد سلام پھیرنے کے فوراً بعد بعض نمازی بلند آواز سے چیخ چیخ کر کلمہ طیبہ دس پندرہ مرتبہ اس کے بعد "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" دس پندرہ مرتبہ پڑھتے ہیں۔ جو نمازی بعد میں شامل ہوتے ہیں وہ جب کھڑے ہو کر نماز پوری کرتے ہیں تو شور کی وجہ سے ان کی نماز خراب ہو جاتی ہے اور نمازی اپنے الفاظ بھول جاتا ہے کیا اس طرح ذکر اور صلوٰۃ و سلام درست ہے۔ مسلک حنفی کے مطابق مسئلہ تحریر فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

مولوی محمد صدیق امام مسجد شاہ حسین محلہ کرم پورہ ملتان۔

الجواب ذکر و صلوٰۃ و سلام کی جس صورت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے وہ بلا شبہ بدعت، ناجائز، موجب گناہ اور بہت سے ممنوعات شرعیہ پر مشتمل ہے۔

(۱) کچھ اذکار و عبادات ایسی ہیں کہ شریعت میں ان کا ایک خاص طریقہ اور وقت مقرر ہے۔ ان عبادات کو اس طریقے یا وقت کی رعایت کے بغیر ادا کیا جائے تو وہ بجائے عبادت و موجب رضاء الٰہی بننے کے ضلالت اور سبب عتاب بن جاتی ہیں۔

کچھ اذکار و عبادات ایسی ہیں کہ شریعت نے ان کے لئے کسی خاص وقت اور طریقے کو ضروری قرار نہیں دیا۔ ان اذکار و عبادات کو ادا کرنے کے لئے اپنی طرف سے کوئی خاص وقت یا کسی ایک طریقے کو لازم قرار دے لینا جہالت و بدعت ہے۔ اور اتباع شریعت کی بجائے اتباع نفس و ہویٰ ہے۔ اور باوجود صدق خلوص اور نیت کے صحیح ہونے کے اس عبادت پر کوئی ثواب نہیں ملتا۔ کیونکہ اگر اس عبادت کو ادا کرنے کے لئے یہی طریقہ بہتر ہوتا تو خود شارع علیہ السلام اس طریقے کو متعین فرما دیتے ورنہ تکمیل دین کا دعوے بے معنی ہو کر رہ جاتا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے طریقوں سے عشق کی حد تک وابستگی تھی۔ اور دین میں نئی صورتوں سے سخت بیزار تھے۔ ان کے سامنے جب بھی کوئی ایسا نیا طریقہ پیش ہوا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا۔ تو انہوں نے شدت کے ساتھ منع کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر زور زور سے کلمۂ طیبہ اور درود پاک کا ورد کر رہے تھے۔ چونکہ یہ ان عبادات میں سے نہ تھا جنہیں بلند آواز سے اجتماعی طور پر ادا کیا جاتا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شدید نکیر فرمائی حتیٰ کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

(فائدہ :- اس سے معلوم ہوا کہ مبتدعین کو مسجد سے بھی نکالنا ضروری ہے۔)

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہ اخرج جماعۃ من المسجد یہللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جہرا وقال لہم ما اراکم الا مبتدعین (شامی ج۵ ص۲۹۳)

کچھ ایسا ہی معاملہ مروجہ و مذکورہ درود و سلام کا ہے جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے آنکھوں سے ضد و تعصب کے پردے ہٹا کر دیکھا جائے تو اس طریقہ پر پڑھنے کا شریعت میں کوئی ایک ضعیف سا ثبوت بھی نہیں ملے گا۔ نہ دورِ نبوی میں، نہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے زمانہ میں، نہ ائمہ کرام کی تعلیمات میں کہیں بھی اس کا یہ طریقہ منقول نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس اس طریقہ پر پڑھنے کی ممانعت منقول ہے۔ جیسا کہ ابھی بحوالہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ گزر چکا ہے۔ پھر بھی اس پر اصرار کیا شریعت تو نہیں بلکہ اپنی بات کچھ ہے۔

اس نماز کی صلوٰۃ وسلام کی ممنوعیت کے لئے تو اتنا ہی کافی تھا کہ خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ مگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو اس میں اور بھی کئی ایسی وجوہ ظاہر ہوں گی جن کی وجہ سے یہ طریقہ واجب الترک والاحتراز ہے۔ بدعت کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ بظاہر خوشنما ہوتی ہے مگر اپنے اندر کئی منکرات کو لئے ہوئے ہوتی ہے۔

۱ :- اگر اسے عبادت و ذکر کی حیثیت سے پڑھا جاتا ہے۔ تو ذکر کے بارے میں شریعت کی تاکید یہ ہے کہ آہستگی کے ساتھ وقار و احترام کے ساتھ کیا جاوے۔ اونچی آواز سے شور کرنا چیخ چیخ کر پڑھنا ادب و احترام کے منافی ہے۔ خود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صحابی کو کافی بلند آواز سے ذکر کرتے ہوئے سنا تو انہیں آہستگی کا حکم فرمایا۔

ا :- اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجہر

من القول۔ (سورۃ اعراف پ۹)

۲: ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ (اعراف)

۳: حدیث میں ہے۔ ایہا الناس اربعوا علی انفسکم انکم لیس تدعون اصم ولا غائبا انکم تدعون سمیعا قریبا وھو معکم ——— (مسلم ج۲ ص۳۴۶)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں۔ ففیہ الندب الی خفض الصوت بالذکر اھ

فقہاء تصریح فرماتے ہیں کہ درود شریف بلند آواز سے اعضاء کو ہلا ہلا کر پڑھنا جہالت ہے۔

واز عاج الاعضاء برفع الصوت جہل وانما ھی دعاء الخ (شامی ج۱ ص۳۴۵)

علامہ حلبی حنفی رح لکھتے ہیں ان رفع الصوت بالذکر بدعۃ مخالف للامر (کبیری ص۵۹۶)

امام نووی رح فرماتے ہیں ۔ اما الدعاء فیسر بہ بلا خلاف اھ (شرح مسلم ج۱ ص۲۱۱)

هل یکرہ رفع الصوت بالذکر والدعاء قیل نعم اھ (شامی ج۵ ص۲۴۳)۔

۴: یہ بلند آوازی اور بے ہنگم شور مسجد میں کیا جائے تو اس کی ممنوعیت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں بے حرمتی مسجد کا گناہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ حاملان شریعت نے مسجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے کو صراحۃً منع کیا ہے۔

مشتے نمونہ از خروارے

یستحب فی الدعاء الاخفاء ورفع الصوت بدعۃ (سراجیہ ص۷۲)

قال ابن حبیب سئل مالک عن رفع الصوت فی المسجد بالعلم فقال لا خیر فی ذلک لا بعلم ولا بغیرہ ولقد ادرکت الناس قدیما یعیبون ذالک علی من یکون بمجلسہ وانا اکرہ ولا اری فیہ خیرا (اوجز المسالک)

قال النووی یکرہ رفع الصوت فی المسجد بالعلم وغیرہ (اوجز المسالک)

قال القاری ان مذھب ابی حنیفۃ کراھۃ رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو کبھی کبھار نمازوں کے بعد جہراً دعا مانگنا منقول ہے۔ وہ تعلیم پر محمول ہے۔ حاشیہ بخاری میں حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شرح میں لکھتے ہیں۔

قال ابن بطال اصحاب المذاھب المتبعۃ وغیرھم متفقون علی عدم استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر حاشا ابن حزم وحمل الشافعی

هذا الحديث على ان جهرهم لعلهم لا انه كان دائماً ۔ (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۱۲۸)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ بلا ضرورت جہر بالدعاء مع الاجتماع بدعت ہے ۔ واذا تعلموا حينئذ يكون جهر القوم بدعة منه ۔ (ج ۴ ص ۹۲) ۔

یہ جہر بالصلوٰۃ والذکر جب ایسے وقت میں کیا جائے کہ کچھ لوگ نماز و تلاوت و عبادت میں مصروف ہوں تو اس کی ممنوعیت میں کچھ کلام باقی نہیں رہ جاتا ہے ۔ ایسی عبادت نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق بن جاتی ہے ۔ ایسے وقت میں اونچا پڑھنے کا جواز کسی سے منقول نہیں ۔ امام شعرانی رح فرماتے ہیں کہ اگر ذکر کی ان سے نمازی یا سوئے ہوئے کو یا تلاوت کرنے والے کو تشویش ہو تو اگر درست نہیں ۔

الا ان يشوش جهرهم على نائم او مصل او قارئ ۔ (لواقح الانوار ج ص ۳۱۲)

شامی ج ۵ ص ۲۴۳ ۔ یہ ہے کہ جہاں ریاء کا خطرہ ہو یا نمازیوں اور سوئے ہوؤں کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو وہاں اخفاء افضل ہے ۔ فالاسرار افضل حيث خيف الرياء او تأذي المصلين او النيام ۔ اھ ۔

حرف آخر مذکورہ بالا آیات ، احادیث ، روایات ، اقوال ائمہ اور فقہی حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ مروجہ طور پر درود وسلام کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے ۔ اس کے باوجود اس پر اصرار کرنا ، نہ کرنے والوں کو برا کہنا ، اصلاح کی کوشش کرنے والوں کو مورد طعن بنانا انتہائی مذموم و مبغوض ہے ۔ دل صاف کر کے تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ یہ طریقہ بدعت وضلالت ہے ۔ وشر الامور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار ۔

وفقنا الله واياكم اتباع السنة السنية على صاحبها الف الف تحية

ههنا تم منا الكلام ۔ وعلى مصطفانا الوف السلام

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفی اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴ / ۱ / ۱۳۹۹ھ

مروجہ میلاد کب ایجاد ہوا کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مناتے ہیں آیا قرآن و حدیث سے ثابت ہے یا کہ نہیں ۔ ہم تاریخ کے حوالے سے بتا رہے ہیں کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا میں تشریف لائے تو ابولہب کو باندی نے آکر خبر دی کہ آپ کے بھائی عبد اللہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے ۔ ابولہب نے یہ کہا کہ اس خوشی

میں تجھے آزاد کرتا ہوں ۔ تو ابولہب نے اپنی خوشی منانے کو باندی کو آزاد کر دیا تو خوشی کے باوجود وہ جہنم میں جائے گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو ابولہب آپ پر ایمان نہیں لایا۔ اس لئے جہنم میں جائے گا۔ آپ یہ بتلائیے کہ دعوئے نبوت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حکم کیا ؟ جو آج کل کے لوگ کرتے ہیں۔ یا صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ایسا کیا ؟ یا کسی بزرگ یا پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے کیا۔ اگر ایسا کام ان میں سے کسی بزرگ نے کیا تو آپ اس کا نام لکھ دیں کہ جس نے سارا کام خلاف سنت کرایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسلمان جس قوم کے پیچھے لگ کر اس قوم کا جشن منائیں گے تو قیامت کے دن انہی کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ جیسے سجاوٹ میں یہ نقل روضہ اور مسجد مینار مسجد نبوی بنوا کر دکھلاتے ہیں یہ طریقہ لوگوں کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عزت و محبت ہے۔ یا کہ نبی کی شان میں گستاخی ہے ؟ اس سجاوٹ کو دیکھنے کے لئے عورتیں، بچے، مرد بھی آتے ہیں اور اس سجاوٹ کو دیکھنے کے لئے آنے والی عورتوں کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے اس سے خدا کی پناہ اس کے بارے میں بتلائیے کہ جو لوگ اس میں شامل ہوتے ہیں یہ لوگ اتنے گنہگار رہیں یا ان سے زیادہ وہ لوگ جو دیکھتے ہیں، آنے والی عورتوں کی عزت دل برے سے کھیلتے ہیں۔ اگر ان تمام چیزوں کا کرنا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جائز نہیں ہے تو آپ لکھ دیجئے وہ ابوجہل جو کہ خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتا تھا اور حاجی صاحبان کو پانی وغیرہ پلاتا تھا، دیکھنے میں کتنا اچھا کام کرتا تھا اس کے باوجود جہنم میں جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کی۔ اور یہ لوگ جو کام میلاد النبی رسول کے سلسلہ میں کرتے ہیں اگر یہ کام اتباع رسول ہے تو فرمائیے ؟ اور اگر یہ کام اتباع رسول نہیں ہے تو پھر ان لوگوں کا ٹھکانا کہاں ہے۔ فتویٰ صحیح جاری کیجئے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی عبداللطیف معاویہ جنرل سٹور لوہاری گیٹ ملتان

الجواب میلاد کے نام پر محفلوں کا انعقاد سنہ ۶۰۴ھ سے ہوا ایک معروف بادشاہ مظفر الدین کوکری بن اربل اس کا موجد ہے وہ ان محافل پر بیش بہا رقم خرچ کرتا تھا۔ موجودہ دور میں ان پر نمائشی جلوسوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اور آئندہ خدا معلوم کیا ہو گا۔ ان جلوسوں میں کیا کچھ ہوتا ہے یہ تو سوال سے ظاہر ہے۔ عورتوں کو جب نماز جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے مسجد میں آنے کی اجازت نہیں تو ان جلوسوں میں شرکت کرنا کیسے روا ہو سکتا ہے ؟ قطع نظر مذہبی ممانعت کے شرافت اور غیرت گوارا نہیں کرتی کہ بہو بیٹیاں ایسے اجتماعات میں شرکت کریں جہاں ان کے ساتھ شہری غنڈے نامناسب حرکتیں کریں۔ اور ایسے جلوسوں کا تعاون بھی شرعاً درست نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ - نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۶/۳/۱۳۹۵ھ

میلاد اور اس میں قیام کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مجلس منعقد کر کے اکثر لوگ ذکر ولادت باسعادت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں۔ اور ایک خاص وقت مقررہ پر سلام پڑھتے ہیں اور فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں ان کا زعم یہ ہوتا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کھڑا نہ ہو تو اس پر طعن و تشنیع کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ کافر تک کہہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اس لئے کھڑا نہیں ہوا کہ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا رسول نہیں سمجھتا یعنی محمد رسول اللہ نہیں سمجھتا بلکہ محمد بن عبداللہ مانتا ہے ایسی ایسی باتیں بنا کر قیام نہ کرنے والے پر الزام تراشے جاتے ہیں اس کے پیچھے نماز بھی ناجائز سمجھتے ہیں۔ تو اس کے متعلق جواب مرحمت فرمائیں کہ حق کیا ہے ؟

الجواب ذکر ولادت باسعادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب بلکہ ان سے زیادہ افضل ہے لیکن اس ذکر خیر میں اپنی طرف سے خلاف طریقہ سنت و سلف صالحین و صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کچھ اضافہ کرنا اور غلط طریق اختیار کرنا - جو صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین سے ثابت نہ ہو بجائے ثواب ہونے کے الٹا موجب گناہ ہو جاتا ہے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد (مشکوٰۃ شریف)

جو شخص دین محمدی میں ایک ایسی چیز کا احداث کرتا ہے جو قرآن و حدیث، اجماع و قیاس مجتہد سے ثابت نہیں ہے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مردود ہے -

۱ : پس یہ خاص طریقہ کہ ایک وقت مقررہ میں لوگوں کو جمع کر کے ان سے سلام پڑھوا کے رہنا پھر یہ خیال و عقیدہ کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں لہٰذا لوگوں کو کہنا کہ کھڑے ہو جاؤ اور جو نہ اٹھے اس کو کافر کہنا اور یہ کہنا کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول نہیں سمجھا - نہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت ہے اور نہ تابعین رحمہم اللہ سے - اور نہ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ، اور نہ کسی کتاب فقہ کے اندر مرقوم ہے - فقہ کی سینکڑوں کتابیں متقدمین اور متاخرین کی موجود ہیں - حنفیہ اصل سے لے کر ہدایہ اور شامی، قاضی خان، عالمگیری وغیرہ کسی حدیث و تفسیر و فقہ کی کتاب تک میں لکھا ہوا نہیں ہے -

۲ : احادیث نبویہ کے اندر یہ آتا ہے کہ درود شریف جو میرے اوپر لوگ بھیجتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ

سے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں وہ تمام عالم میں گشت کرتے رہتے ہیں جہاں بھی لوگ درود پاک پڑھتے ہیں وہ اسے لے کر میرے پاس پہنچا دیتے ہیں اور اگر میری قبر پر درود پاک پڑھا جائے تو میں خود سنتا ہوں۔ لیکن کسی حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہو کہ مجلس میلاد میں، میں خود جاتا ہوں۔

۴۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجالس میلاد میں خود تشریف لے آتے ہیں اسے یا تو حدیث صحیح سے ثابت کرنا چاہیے۔ بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ کتب حدیث شائع اور مشہور ہیں۔ صفحہ، سطر کا حوالہ دے دیا جائے ورنہ بغیر ثبوت کے جو شخص آپ کی طرف ایسی بات منسوب کرتا ہے جو آپ نے ارشاد نہ فرمائی ہو تو اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرماتے ہیں من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ ایسے آدمی کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے۔

اگر کسی مجلس میں ذکر ولادت باسعادت ان تمام منکرات سے خالی ہو تو اس میں شامل ہونا عین ایمان اور موجب برکت وثواب ہے۔ لیکن اگر یہ موجودہ زمانے کے رسومات اور عقائد فاسدہ کے ساتھ ایک مجلس منعقد کی جائے تو اس سے علیحدہ رہنا ہی موجب ثواب ہے۔

اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع اور ذکر رسول کے ساتھ فکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے اور اپنانے کی توفیق ہر مسلمان بھائی کو نصیب فرمائے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب حق والحق احق ان یتبع۔ خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۹۰ھ

بعد الجنازہ، بعد الدفن اور عند التعزیت دعا کی تحقیق

نماز جنازہ پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

اس کے بعد تین دفعہ یا گیارہ دفعہ قل شریف پڑھ کر امام کے بلک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یا خود پڑھ کر بخشنا جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ متوفی کو دفن کرنے کے بعد کل آدمیوں کا مجمع اکٹھے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی جائز ہے یا نہیں؟

۳۔ متوفی کے گھر پر فاتحہ ہاتھ اٹھا کر کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور قل خوانی تیسرے دن کرنی درست ہے یا بدعت؟

الجواب نماز جنازہ کے بعد جمع ہو کر دعا مانگنا بدعت ہے۔ کتب حنفیہ میں بھی اس کی ممانعت

کی گئی ہے۔ فتاویٰ سراجیہ ص ۲۴ میں ہے اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم بالدعاء ۔ اور خود پڑھ کر بخشنا جائز ہے ۔ امام کی تملیک کا ثبوت نہیں ۔ ہر پڑھنے والے کا ثواب میت کو امام کی تملیک کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ پہنچا دیتے ہیں۔

۲ : قبر تیار ہونے کے بعد میت کے لئے دعاء اور ایصال ثواب بغیر ہاتھ اٹھائے کرنا چاہئے اسلئے کہ ہاتھ اٹھانا اس دعاء میں ثابت نہیں ۔

۳ : متوفی کے ایصال ثواب کے لئے کسی مکان کی تخصیص نہیں بلکہ جہاں چاہیں پڑھ کر بخشش دینے سے ثواب پہنچ جاتا ہے ۔ اس لئے میت والے گھر میں آ کر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کو لازم کرنا شریعت سے ثابت نہیں۔

تیسرے روز قل خوانی اور ایسے ہی قبر پر اذان دینا بدعت ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد صدیق معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ۔ خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان ۲۹/۲/۱۳۸۱ھ

مذکورہ فتوے پر مفتی احمد سعید کاظمی صاحب مدرسہ انوار العلوم کچہری روڈ ملتان نے مندرجہ ذیل جواب مع تبصرہ دیا ۔

۱ : نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعاء مغفرت جائز ہے ۔ مبسوط جلد ثانی ص ۶۷ میں ہے۔

عن ابن عباس وابن عمر رضی اللہ عنہما انہما فاتتہما الصلوٰۃ علی جنازۃ فلما حضرا مازادا علی الاستغفار له و عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنه فاتته الصلوٰۃ علی جنازۃ عمر فلما حضر قال ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیه فلا تسبقونی بالدعاء له انتہیٰ۔

جن فقہاء نے منع کیا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ بہیئت صلوٰۃ باقی رکھتے ہوئے دعاء نہ مانگی جائے جب صفیں ٹوٹ گئیں اور لوگ مستقبل قبلہ بہیئت صلوٰۃ نہ رہے تو ناجائز نہیں۔

۲ : نیکی کا ثواب زندہ مردوں کو بخشنا جائز ہے ۔ اگر حاضرین نے تلاوت قرآن کریم کا ثواب حاضرین میں سے کسی مرد صالح کو اس نیت سے بخش دیا کہ وہ اپنا ثواب میت کو پہنچائے گا تو اس کی صالحیت کے باعث قبولیت کی امید قوی ہوگی تو اس کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں ۔ جیسا کہ صالحین سے اپنے حق میں دعا کرانا مستحسن ہے ۔ اسی طرح اپنا ثواب صالح متقی کو بخشنا اور اس مرد صالح کی جانب سے اس کا میت کو پہنچانا بھی مستحسن ہے ۔

۳ : کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں کہ ایصال ثواب کسی زمان یا مکان کے ساتھ مخصوص ہے ۔ ہاں کسی

دمکان کی فضیلت سے فضیلت ضرور متعلق ہے۔ مثلاً رمضان المبارک میں ایک نیکی کا ثواب دس
بلکہ اس سے بھی زیادہ ملتا ہے۔ اسی طرح مسجد حرام یا مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت بہت زیادہ
ہے پس اس کے متعلق اگر ایسا ہی عقیدہ ہو تو بالکل صحیح ہے۔

۴: تیسرے دن کی تعزیت مسنون ہے اگر کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے پاس تعزیت کے
لئے آیا اور اس نے میت کے لئے دعاء مغفرت مانگی تو ارشاد باری تعالیٰ یقولون ربنا
اغفرلنا ولاخواننا الذین الآیۃ پر عمل کرنا ہے۔ اور دعا میں رفع یدین سنت ہے اس لئے
ہاتھ اٹھانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ تیسرے روز قل خوانی اور اذان علی القبر کے متعلق کسی مسلمان
کا عقیدہ التزام کا نہیں۔ ہر کام ایسا ہو کہ اس کی اصل ثابت فی الدین ہو اگرچہ اس کی ہیئت
کذائیہ قرون اولیٰ میں نہ پائی جائے جائز ہے اور حسن نیت کے ساتھ مستحسن ہے۔ کما لا یخفیٰ
علی المتامل واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

دستخط: الفقیر احمد سعید کاظمی مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم ملتان شہر

تتمہ جوابات خیر المدارس

واضح رہے کہ ہم نے اپنے جواب میں لکھا تھا "نماز جنازہ کے بعد جمع ہو کر دعا مانگنا بدعت ہے"
اور مفتی احمد سعید صاحب نے جو جواب تحریر فرمایا ہے اس میں لکھتے ہیں۔ "نماز جنازہ کے بعد میت
کے لئے دعاء مغفرت جائز ہے" پھر اس کے ثبوت میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابن عباس رض اور ابن عمر رض
کو ایک جنازہ میں نماز کی شرکت نہ ہو سکی۔ جب یہ دونوں بزرگ حاضر ہوئے تو انہوں نے استغفار
سے زائد کچھ نہ کیا۔ یعنی دوبارہ جنازہ نہ پڑھا۔ صرف استغفار اور دعائے مغفرت کر دی۔
حضرات اہل علم اور ارباب انصاف غور فرمائیں کہ کیا اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ جنازہ
میں شامل ہو چکے ہوں وہ مل کر بعد جنازہ دعاء مغفرت اجتماعی طور پر کریں۔؟
حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو جنازہ میں شامل نہ ہو سکے تھے اس لئے انہوں
نے دعاء استغفار کر لی اور وہ بھی انفرادی۔ جسے ہم بھی جائز کہتے ہیں۔ حضرات خفا ہونے جو منع کیا ہے
وہ اجتماعی دعا ہے جیسا کہ آج کل رواج پا چکی ہے۔ اور اس کے ترک کرنے پر سخت اعتراض ہوتا ہے۔
حتیٰ کہ فرض نماز کے تارک پر اتنی ملامت نہیں ہوتی جتنی اس دعا کے تارک پر انگشت نمائی ہوتی ہے مگر
حضرات مجیبین بہت زور بھی لگا دیں تو درجہ جواز و استحباب سے زائد ثابت نہیں کر سکتے۔ اور موجودہ

رواج جس نے اس کو وجوب تک پہنچا دیا ہے۔ کہاں سے ثابت ہے؟

اسی طرح دوسری روایت جو پیش کی ہے وہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعالیٰ سے ہے ان کو بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ کی شمولیت نہ ہو سکی تھی۔ تو انہوں نے جنازہ دوبارہ نہیں پڑھا۔ صرف دعا مانگ لی۔ اس میں بھی انفرادی دعاء کا ذکر ہے۔ آج کل کی اجتماعی دعاء کا کہاں ثبوت ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ فقہاء احناف نے جنازہ کے بعد دعاء مانگنے کو منع کیا ہے۔ چنانچہ عبارتیں ملاحظہ ہوں۔ بحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۷ میں ہے۔

۱: قید بقولہ بعد الثالثۃ لانہ لا یدعو ابعد التسلیم کما فی الخلاصۃ۔

۲: فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔ اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم بالدعاء۔

۳: محیط میں ہے لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فیہا۔

ان روایات میں جنازہ کے بعد دعا مانگنے کو منع کیا گیا ہے۔ اس کی علت یہ ظاہر کی گئی ہے کہ اس سے شبہ زیادتی کا لازم آتا ہے۔ تو شبہ زیادتی کا اجتماعی دعاء میں لازم آتا ہے یا انفرادی دعاء میں؟

اب چند سوال پیش کئے جاتے ہیں جن سے مسئلہ حل ہو جائے گا۔

۱: صاحب مبسوط نے جو روایتیں عبداللہ بن سلام اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیش کی ہیں وہ جنازہ دوسری مرتبہ نہ پڑھنے کی پیش کی ہیں۔ اور جو شخص جنازہ میں شامل نہ ہوا ہو وہ صرف دعاء پر اکتفاء کرے اس کے لئے پیش کی ہیں۔ یا اس سے مقصد موجودہ اجتماعی دعاء ثابت کرنا ہے جس طرح کہ رواج ہے بعد نماز جنازہ ہاتھ اٹھا کر مل کر دعا مانگتے ہیں؟

۲: فقہاء کرام میں سے کسی کا قول دکھا سکتے ہو جس نے اس طرح موجودہ اجتماعی دعاء کو بعد از جنازہ مستحب کہا ہو؟

۳: حضرت ابن عباس و ابن عمر و ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کسی روایت میں یہ ثابت ہے یا اور کسی صحابی یا تابعی یا ائمہ دین میں سے کسی امام سے بعد از جنازہ اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر متعارف طریقہ سے کسی نے دعاء مانگی ہو؟

نوٹ: بعد از جنازہ بغیر رفع یدین انفرادی طور پر دعاء مانگنا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ چنانچہ ہمارے جواب میں صراحت موجود ہے۔ " جمع ہو کر دعا مانگنا بدعت ہے اور خود پڑھ کر چلا جاوے"

۴ : مفتی احمد سعید صاحب کاظمی نے جو حدیث پیش کی ہے اگر وہ ان کی دلیل بن سکتی ہے تو انہوں نے کیوں کھلے الفاظ میں یوں تحریر نہیں فرمایا کہ جنازہ کے بعد جمع ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔ تاکہ پتہ چلتا کہ یہ حدیث ان کی کس طرح دلیل بن سکتی ہے صرف یہی لکھا کہ " نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعاء مغفرت جائز ہے " اگر اس کا یہی مطلب ہے جو کہ حدیث سے ثابت ہے کہ اکیلے اکیلے میت کے لئے دعائے مغفرت جائز ہے تو گویا انہوں نے ہماری ہی سچی بات کو مان لیا۔

۵ : جو حدیث انہوں نے پیش فرمائی ہے کیا اس بات کا اس میں ثبوت ہے کہ ان صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے ہاتھ بھی اٹھائے تھے ؟

۶ : نیز اگر یہ حدیث اس دعاء بعد جنازہ کی مستدل ہے تو کیا کسی امام یا مجتہد نے اس کو دلیل قرار دیا ہے یا نہیں ؟ اگر قرار دیا ہے تو تحریر فرمایا جاوے۔

۷ : جن فقہاء نے دعاء بعد نماز جنازہ کو منع کیا ہے اور مفتی صاحب نے ان کا مطلب بدلا ہے کیا اس کا ثبوت کسی فقہ کی کتاب میں ملتا ہے ؟

نمبر۲ : اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ زندوں اور مردوں کو ثواب تملیک کرنا جائز ہے لیکن اس کے لئے کیا ثبوت ہے کہ پڑھنے والے ایک شخص کو تملیک کریں اور وہ شخص پھر اموات کو تملیک کرے ؟ اس امر کے مستحسن ہونے کے لئے فقہ حنفی یا کسی امام سے سند کی ضرورت ہے۔ اگر آپ خود قیاس کریں تو آپ کا قیاس حد وری نہیں کہ ہر مسلمان پر حجت ہو۔ بحیثیت حنفی ہونے کے فقہ حنفی سے اس کے استحسان پر ثبوت پیش کریں ؟

کیا ثواب کی تملیک صرف آیات قرآنی میں ہی مستحسن ہے یا ہر صدقہ و عمل کی تملیک مستحسن ہے ؟ مثلاً ایک شخص حج کرتا ہے اور اس کا ثواب والدین کو بخشنا چاہتا ہے۔ ایک شخص نفلیں پڑھتا ہے ——— مسجد تعمیر کرتا ہے ——— مسافر خانہ تعمیر کرتا ہے ——— کیا ان تمام صورتوں میں تملیک کرنی بھی مستحسن ہے ؟ اگر ان تمام صورتوں میں بھی تملیک مستحسن ہے تو اس کے مستحسن ہونے کا فتویٰ کیوں نہیں دیا جاتا ؟ اور جن صورتوں میں تملیک نہ کرے بلکہ خود ثواب پہنچاوے تو اس پر دو ثواب ہونے کا فتویٰ کیوں نہیں دیا جاتا ؟ جیسا کہ تملیک ثواب قرآن مجید کے ذکر والے پر ؟

نمبر۳ : رمضان شریف میں نیکی پر دس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔ اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں زیادہ اجر ملتا ہے چونکہ احادیث سے ثابت ہے اور وہ فریقین کے نزدیک مسلم ہیں۔ بعد از دفن کے جو وقت ہوا کہ

میں دعا مانگنے کے اندر بھی اختلاف نہیں۔ لیکن اس وقت رفع ایدی کے لئے کیا ثبوت ہے؟
اصل مطالبہ ثبوت رفع ایدی کا ہے؟ اس سے جناب کا بیان خالی ہے۔ اور اس وقت کی
فضیلت کے متعلق کوئی حدیث آتی ہو تو بیان کریں؟ پھر فضیلت وقت کی رفع ایدی کے ساتھ
کیا مناسبت ہے؟

نمبر۲: تعزیت کے مسنون طریقہ میں کوئی اختلاف نہیں اور دعا مغفرت میں بھی۔ اصل اختلاف تو اس
میں ہے کہ جو چیزیں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ دین سے
ثابت نہیں۔ ان کو دین میں داخل کرنا اور ضروری قرار دینا، اور نہ کرنے والوں پر طعن کرنا۔

۱: جناب کس حدیث سے ثابت فرماتے ہیں کہ "قل خوانی" کا اصل احادیث سے ثابت ہے؟

۲: اور اب ہیئت کذائیہ میں جو تفاوت ہو چکا ہے اس میں اور اصل ثابت شدہ میں کیا فرق ہے؟

۳: اذان علی القبر کس روایت سے ثابت ہے؟

۴: قل خوانی اور تیجہ وغیرہ اگر اصل ان کا ثابت ہے تو فقہاء کرام رحمہم اللہ جو کہ احادیث کے ماہر تھے
انہوں نے ان رسوم سے منع کیوں فرمایا ہے؟ حالانکہ انہیں ان امور پر زور دینا چاہئے تھا جب
کہ ان کا ثبوت شرع مبارک میں تھا۔ بطور نمونہ چند عبارتیں درج ہیں۔

۱: فتاوی بزازیہ۔

ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام
الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء
والقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص والحاصل
ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن لاجل الاکل یکرہ۔

(شامی ج ۱ ص ۹۲۹)

۲: قال العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ فی ذلک فی المعراج وقال ہذہ الافعال
کلہا للسمعۃ والریاء فیحترز عنہا لانہم لا یریدون بہا وجہ اللہ تعالیٰ رد المحتار

۳: وقال ایضا ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اہل المیت لانہ شرع فی السرور
لا فی الشرور وہی بدعۃ مستقبحۃ - رد المحتار فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ   ۲۳ / ۲ / ۱۳۷۱ھ

ایصالِ ثواب کے لئے خیرات کرنے کا شرعی طریقہ نیز وفات کی دیگر رسوم کی تفصیل

کسی کی وفات پر اہلِ میت جو جو امور ضروری سمجھتے ہیں ان کے بارے میں زید و بکر میں جھگڑا ہوا بالآخر یہ طے پایا کہ آپ حضرت کی طرف لکھتے ہیں آپ شریعت کی رو سے تفصیل ذکر فرمائیں کہ وفات کے بعد کون کون سے امور کئے جائیں اور کن کن اعمال سے بچا جائے، نیز جن بدعات کو [illegible] ضروری سمجھتے ہیں ان کے استدلالات کے جواب بھی عنایت فرمائیں۔

الجواب: زید اور بکر کا اقرار کرنا کہ شریعت کے تابع ہوں جو حکم دیں گے منظور ہے قابلِ صد تحسین و آفرین فعل ہے کیا اچھا ہو کہ تمام مسلمان اپنے خیالات و خواہشات کو تابع شریعت بنا لیں۔ حضور صلعم اور صحابہؓ کے اسوۂ حسنہ کو قبول کر کے اپنی زندگی اس کے مطابق بنائیں۔ یہ اموات کا سلسلہ حضور صلعم اور صحابہ کرامؓ سے برابر چلا آ رہا ہے یہ امر ناممکن ہے کہ جو رسوم اموات بزعم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتیں وہ مخفی رہ جاتیں اور احادیث پاک اور اقوال ائمہ مجتہدین و سلف صالحین میں ان کا ذکر تک نہ آتا خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ دینِ اسلام کے کامل و مکمل ہوتے ہوئے یہ نہیں ہو سکتا کہ جو رسوم اموات کہ جو ہوتا ہے تشنہ تکمیل رہ جائے یہ امر بعید از عقل ہے۔ بنا بریں ان رسومات موت کو جو شرع مصطفوی سے ثابت ہیں اور جو شریعت سے ثابت نہیں بعد میں لوگوں کے اندر رواج پا گئی ہیں مفصل تحریر کیا جاتا ہے تاکہ جو حضرات اپنی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے طریقہ پر چلانا چاہتے ہیں اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ واللہ ہو الموفق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بیانِ رسومات شرعیہ جو میت کے بعد کی جاتی ہیں (شامی جلد اول صفحہ ۵۸۹ میں ہے (۱) میت کے کفن و دفن میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ (۲) غسل کی جگہ کو پردہ کر کے میت کو پردہ میں غسل دینا مستحب ہے ہو سکے تو غسل دینے والے اور امداد کرنے والے کے سوا کوئی نہ دیکھے (۳) اگر میت کے غسل کے وقت اس سے کوئی مکروہ چیز نظر آئے تو اس کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے (۴) میت کو نقل کر کے ایک دو میل تک لے جا کر دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۵) اس کی موت کی خبر اور اطلاع دینا کہ اس کے جنازہ میں لوگ آئیں اس میں حرج نہیں ہے (۶) کوئی شعر وغیرہ اس قسم کا پڑھنا جس میں اس کی مدح ہو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس میں مبالغہ نہ ہو۔ خصوصاً اس کے جنازہ اٹھانے کے وقت کوئی شعر وغیرہ نہ پڑھا جائے اور آج کل رسم کے شعر پڑھنے والے کو جنازہ کے آگے مقرر کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں ریا اور شہرت ہے یہ تغیر

جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے (۷) اہل میت کے اہل و عیال کو صبر دلانا اور تعزیت کرنا مستحب ہے۔
(۸) میت کے ساتھ والے ہمسائیوں اور پڑوسیوں اور میت کے اقرباء بعید دوروں کو مستحب ہے کہ اہل میت
کے لئے صبح اور شام کا کھانا دیں۔ (۹) اہل میت کے لئے تین دن اپنے کسی مکان یا بیٹھک میں بیٹھنا تاکہ
لوگ تعزیت کے لئے آویں لا بأس بہ یعنی کہ بیٹھنے میں حرج نہیں۔ رد المحتار میں ہے کہ لا بأس اپنے
اصل پر ہے یعنی اس میں حرج نہیں ہے۔ اگرچہ خلاف اولیٰ ضرور ہے۔ یہ سب امور شریعت نبوی
علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں ثابت ہیں۔ حنفی فقہاء کرام نے ان امور کو اپنی کتابوں میں ذکر فرمایا ہے ان
کے ثبوت کے لئے احادیث و اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم موجود ہیں۔

مسئلہ ایصالِ ثواب

علاوہ ان امور کے جو اوپر مذکور ہیں اہل السنت والجماعت کے نزدیک میت کو اعمال صالحہ کے
ذریعہ سے ثواب بھی پہنچایا جا سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ان شرائط کا لحاظ ضروری ہوگا جو شریعت سے
ثابت ہیں جن کا ذکر آگے ہوگا۔ ایصال ثواب کی چند صورتیں ہیں (۱) میت کے وارثوں یا اعزہ یا دوستوں میں
سے کوئی شخص نفل نماز یا نفل روزہ رکھ کرکے اس کا ثواب میت کو تملیک کرے تو وہ ثواب پہنچ جاتا ہے۔
یا قرآن مجید پڑھے اور اس کا ثواب تملیک کرے (۲) کوئی زیادہ عام کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرے پھر
اس کا ثواب میت کے لئے کر دے۔ مثلاً دینی مدارس جاری کرے یا مسجد تعمیر کرے یا کنواں کھدوائے یا اس قسم کوئی
نیک کام کرکے اس کا ثواب میت کو پہنچائے تو پہنچ جاتا ہے (۳) کسی مسکین محتاج فقیر پر خیرات از قسم نقدی
یا پارچہ یا غلہ یا کھانا وغیرہ کھلائے تو اس کا ثواب تملیک کرنے سے پہنچ سکتا ہے۔ ان خیراتوں اور اعمال
صالحہ کے ثواب پہنچانے میں کوئی شرط تیسرے یا چوتھے یا دسویں دن کی نہیں ہے جب بھی کرے تو وہ
ثواب میت کو پہنچ جاتا ہے۔

ضروری مسئلہ میت کے لئے ایصال ثواب سے زیادہ ضروری چیز جس کی طرف لوگوں کی
توجہ نہیں ہوتی۔ ادائے حقوق و دیون سے ثواب کا پہنچانا تو بعد میں مفید ہوتا
ہے۔ اولین فریضہ اہل میت پر یہ ہوتا ہے کہ اگر میت پر کسی کا حق آتا ہو تو اس فرض اور حق کو ادا کرنے کی
کوشش کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کا نماز جنازہ بھی نہیں پڑھاتے تھے۔ جس پر قرض ہوتا
اور اس کا مال اس کی ادائیگی کو مکتفی نہ ہو سکتا۔ بہر حال ایصال ثواب کی جو صورتیں اوپر مذکور ہوئی ہیں

لوگوں نے صرف اطعام (یعنی دیگ چڑھا کر کھانا کھلانا) ہی مقصود سمجھ رکھا ہے۔ جس میں کہ نمائش اور ریا اور دکھلاوے کا قوی احتمال ہے۔ اگر ان حضرات کو یہ کہا جاوے کہ یہ رقم جو اس طرح کھانا پکا کر کھلانے میں صرف ہوگی اور اس میں امیر و غریب تھوڑا تھوڑا کھا لیں گے اور کسی کا ایک وقت کا بھی گذارہ نہیں ہوگا بجائے اس طرح خرچ کرنے کے مستحقین کو بانٹ دو۔ تاکہ ان کے مختلف ضروریات کا حل ہو جائے اور ان کا چند دن کا گذر اوقات ہو جائے تو ہرگز تیار نہیں ہوتے۔ حالانکہ اس صورت میں میت کو بوجہ زیادتی ثواب اور اجر کے زیادہ فائدہ ہے۔ فلہٰذا خیرات کی چند ضروری شرطیں بیان کی جاتی ہیں۔ تاکہ خیرات میں ثواب کافی ہو۔ اور میت کو زیادہ سے زیادہ ثواب اور اجر مل سکے۔

شرائط خیرات جو قرآن مجید اور احادیث سے ماخوذ ہیں

(۱) خیرات جو بھی کی جائے اس میں یتیم کا مال نہ ہونا چاہیئے ورنہ کھانے اور کھلانے والا ہر دو گناہ گار ہوں گے جب ان کو گناہ ہوا تو میت کو کیا ثواب ملے گا۔ لقولہ تعالیٰ ان الذین یاکلون اموال الیتمیٰ ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا۔ (۲) خیرات مستحقین کو دی جائے۔ اگر اغنیاء کھا گئے تو میت کو ثواب نہیں ملے گا۔ لقولہ تعالیٰ وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء الآیہ۔ مولانا عبدالحیٔ صاحب اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔ جو کھانا تصدق کے لئے پکایا جائے تاکہ اس کا ثواب میت کو پہنچے۔ اس کا کھانا فقراء کے سوا دوسروں کے لئے ناجائز ہے۔ کیونکہ تصدق فقراء کے لئے اور ہدیہ اغنیاء کے لئے ہے ص ۱۳۳ جلد اول (۳) ریاء اور دکھلاوا مقصود نہ ہو ورنہ ثواب کی بجائے الٹا گناہ ہوگا۔ لقولہ تعالیٰ یا ایھا الذین آمنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی کالذی ینفق مالہ رئاء الناس ولا یؤمن باللہ والیوم الآخر الآیہ۔ گناہ ہونے کی صورت میں میت کو کوئی ثواب نہیں پہنچیگا۔ (۴) اطعام ہو یا کوئی اور وجہ خیر اس کے لئے تعیین یوم کی اس طرح ذکر ہے کہ ضرور تیسرے روز ہی کرے یا ہفتے کے دن یا جمعہ کے دن اور اس کے علاوہ دیگر دنوں میں کرنے سے ثواب کی کمی محسوس کرے۔ تو ایسا کرنا ناجائز ہے کیونکہ اس کے لئے کوئی اصل نہیں ہے۔ (۵) اطعام مساکین ایک مستقل عبادت موجب ثواب و قرأت قرآن یا فاتحہ ایک مستقل عبادت ہے اور موجب ثواب ہے۔ ان دونوں کو جمع کرنا یعنی کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بھی مسنون نہیں ہے۔ چنانچہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ میں ہے۔

سوال کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے۔

الجواب فاتحہ اس خاص طریقہ سے نہ زمانہ نبوی میں تھی نہ زمانہ خلفاء اور نہ قرون ثلاثہ میں اور اب

حرمین شریفین زادہما اللہ شرفہا میں خواص کی دعوت نہیں ہے بحث ان شرائط کو مدنظر رکھ کر فتاویٰ بزازیہ میں کہا گیا ہے۔ وان اتخذ واطعاماً للفقراء کان حسنا ظاہر بات ہے کہ اس طرح کوئی بہت یا غیر وارث میت کے اپنے مال خاص میں سے خیرات کرے جس میں یتیم کا حق بھی نہ ہو اور باقی شرائط بھی پوری طرح پائی جائیں تو کسی شخص کو انکار نہ ہوگا لیکن موجودہ زمانہ میں جو رسوم رواج پا گئی ہیں ان کے متعلق احناف کے اقوال تحریر کئے جاتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ زمانہ صحابہ و سلف صالحین میں ان کا نام و نشان بھی نہ تھا اور بعد میں یہ چیزیں ایجاد ہوئیں اور علماء ہر زمانہ میں ان کے اوپر نکیر کرتے آئے ہیں۔ واللہ الموفق۔ علامہ شامیؒ صفحہ ۲۴۰ میں تحریر فرماتے ہیں۔ وقال ایضاً ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اہل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وہی بدعۃ مستقبحۃ۔ اہل میت سے ضیافت تیار کرانا مکروہ ہے کیونکہ ضیافت خوشی کے موقع پر کی جاتی ہے نہ کہ غم کے موقع پر اور یہ بدعت قبیحہ ہے۔ اس کلام کے قائل علامہ ابن الہمام محقق ہیں۔ علامہ شامیؒ نے فتح القدیر سے ان کی اس عبارت کو نقل فرمایا ہے۔ اس کے بعد علامہ شامیؒ فرماتے ہیں۔ وروی الامام احمد وابن ماجہ باسناد صحیح عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اہل المیت وصنعہم الطعام من النیاحۃ۔ حضرت جریر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ میت کے اہل کی طرف جمع ہونے اور اہل بیت کے کھانا تیار کرنے کو نیاحہ شمار کرتے تھے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے گویا کہ یہ سب حضرات صحابہؓ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ عمل نیاحہ ہے جس کی حدیث میں سخت ممانعت آئی ہے فتاویٰ بزازیہ جس کا مستفتی نے حوالہ دیا ہے کہ اس میں مرقوم ہے۔ وان اتخذ واطعاماً للفقراء کان حسناً اس فتاویٰ بزازیہ میں سے نقل کرنے والے حضرت علامہ شامیؒ ہیں جن کا فتاویٰ تمام احناف کے نزدیک مسلم ہے صفحہ وفی البزازیۃ ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن لاجل الاکل یکرہ وفیہا من کتاب الاستحسان وان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً مستفتی نے صرف آخری جملہ فتاویٰ بزازیہ سے نقل کر کے باقی تمام عبارت کو حذف کر دیا پھر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں۔ وأطال فی ذلک فی المعراج وقال ہذہ الافعال کلہا للسمعۃ والریاء فیحترز عنہا لانہم لا یریدون بہا وجہ اللہ تعالیٰ یہ تمام رسومات مروجہ ریا و شہرت کے لئے ہوا کرتی ہیں ان سے بچنا چاہئے۔

حدیث عاصم بن کلیب کا جواب علامہ شامی کی قلم سے

عاصم بن کلیب کی حدیث جس کو مستفتی نے اپنے استفتاء میں پیش کیا ہے

ان رسوم و بدعات کے لئے دلیل جواز ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی کیونکہ اول تو یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے جس کے متعلق سائل کو خود اقرار ہے اور اہل علم سے مخفی نہیں کہ مشکوٰۃ شریف میں جو احادیث جمع ہیں وہ صاحب مشکوٰۃ نے ابوداؤد شریف اور دیگر کتب احادیث سے اخذ کی ہیں اور انکو اپنی کتاب میں جمع کیا ہے حدیث مذکور کا صاحب مشکوٰۃ نے ابوداؤد شریف کا حوالہ دیا ہے لہذا ابوداؤد کی طرف مراجعت کرنی ضروری ہے ابوداؤد شریف صفحہ ۱۱۷ میں روایت موجود ہے جس میں یہ الفاظ ہیں فلما رجع استقبله داعی امرأته جب حضور صلعم جنازہ کے دفن سے آئے تو ایک عورت کا داعی آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ اس میت کی بیوہ عورت کا قاصد آیا پس اصل روایت کے دیکھنے سے ثابت ہوا اس حدیث کے نقل میں تصحیف ہو گئی ہے اور ایسا عموماً ہو سکتا ہے جو کہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے اصول حدیث میں تصحیف راوی کے متعلق مستقل بحث آئی ہے وعلی تقدیر التسلیم اگر مان لیا جائے کہ اس میت کی عورت کا داعی حاضر ہوا تو علامہ شامی فرماتے ہیں اقول فیه نظر فانه واقعة حال لا عموم لها یہ ایک جزئی واقعہ ہے جس سے قاعدہ کلیہ ثابت نہیں ہو سکتا اگر اہل میت کا طعام تیار کرنا امر مسنون ہوتا تو حضرات صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین بڑی دھوم دھام سے اس کام کو کرتے اور احادیث میں اس کا مستقل ذکر آتا پھر عورت ہی کا داعی اگر حضور صلعم کے پاس بالفرض آیا تو اس کا آج کل تمام رسوم کیساتھ کچھ بھی تعلق نہیں ہے اس کے بعد علامہ شامی فرماتے ہیں ولا سیما اذا کان فی الورثة صغار او غائب مع قطع النظر عما یحصل عند ذلک غالباً من المنکرات الکثیرة کایقاد الشموع والقنادیل التی توجد فی الافراح وکدق الطبول والغناء بالاصوات الحسان واجتماع النساء والمردان واخذ الاجرة علی الذکر وقراءة القرآن وغیر ذلک مما هو مشاهد فی هذا الزمان وما کان کذلک فلا شک فی حرمته وبطلان الوصیة به ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ حق متلاشی کے لئے فقہاء کی ان عبارات کے بعد تو کچھ گنجائش نہیں کہ وہ عقل سے احادیث کے معانی ایجاد کرے حضرات فقہاء معانی احادیث سے زیادہ واقف ہیں ناسخ و منسوخ اور دیگر امور حدیث سے زیادہ عارف ہیں

حدیث اصنعوا لآل جعفر طعاماً

جس طرح حدیث سابق میں حضرات فقہاء نے تشریح کر کے اس کو واقعہ جزئیہ بتلایا نہ کہ قاعدہ کلیہ اسی طرح اس حدیث کے ماتحت ابن ہمام شارح ہدایہ فرماتے ہیں ویستحب لجیران اهل المیت والاقرباء الاباعد تهیئة طعام لهم یشبعهم یومهم ولیلتهم لقوله علیه السلام اصنعوا لآل جعفر طعاماً ۔ کہ طعام تیار کرنا اہل میت کے ہمسایوں اور دور والے اقرباء کے لئے مستحب ہے اور یہ طعام مختص اہل میت کے لئے ہے نہ اس تمام برادری اور ہمسایوں کے لئے جو تعزیت کے لئے حاضر ہوتے ہیں علامہ ابن الہمام کی تشریح سے چند باتیں مستفید ہوتی ہیں ۱۔ طعام اتنا ہو کہ جو اہل میت کو ایک صبح اور شام کے لئے کفایت

کرنے اور طعام دینے والے ہمسائے اور پڑوسی والے رشتہ دار ہوں ورنہ طعام حضرت اہل میت کو دیا جائے تمام برادری اور ان کے مہمانوں کے لئے جیسا کہ فتاویٰ سے دلالت کرتا ہے ورنہ یہ ضیافت بن جائیگی اور مکروہ بدعت میں داخل ہو جائیگی اس سے معلوم ہوا کہ یہ رسم تقریباً نہ ہے۔ مگر عورت فوت ہو جائے تو اہل میت کے گھر تقریباً ایک من آٹا اور ... بیوہ یا خود عورت کے ماں باپ دیں جو کہ عبارت استفتاء میں مذکور ہے بالکل غلط بنا دی گئی ہے جس سے سمجھا جا سکتا ہے فتاویٰ عزیزیہ کی عبارت جو سائل نے نقل کی ہے بر تقدیر صحت اس کو مفید نہیں کیونکہ اس میں حضرت شاہ صاحب خود تصریح کر رہے ہیں کہ زمان پیغمبر صلعم و خلفاء راشدین نہ بود اگر کسے این طور کنند باک نیست۔ اس کلام کا مطلب یہ لیا جائیگا کہ نفس ایصال ثواب بغیر رسوم و بدعات کے منع نہیں ورنہ حضرت شاہ صاحب کا کلام تمام فقہاء کے خلاف ہو جائیگا جو ان کی شان علمی کے خلاف ہے اسی طرح حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد ختم کلام اللہ شریف کا ہونا ان منکرات سے خالی ہوتے ہوئے کوئی برا نہیں اس لئے ان عبارات سے مروجہ رسوم و بدعات کا اثبات کرنا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا

واللہ اعلم بالصواب عبد اللہ عفی عنہ ... مدرس ...

(ما حققہ الفاضل المجیب فہو حق والحق احق ان یتبع)

بطور رسم مروجہ تیجا وغیرہ کرنے کی نیت سے ایصال ثواب اور میت کے گھر ہمسایوں یا اقرباء کا ایک دو وقت کھانا پکا کر بھیجنا بے شک امر مستحسن اور موجب ثواب ہے البتہ دوسری برادری اور عزیز رشتہ داروں کا اس میں شریک ہونا اور مکرر تعزیت کرنا مکروہ ہے اور تیجا وغیرہ رسموں کا التزام اور کا مرتکب ہونا بھی شرعاً ممنوع ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وصیت نامہ میں لکھتے ہیں (در وصیت نامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مطبوعہ است) دیگر از عادات شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتمہا سوم و چہلم و ششماہی و فاتحہ سالیانہ و این ہمہ در عرب اول وجود نبود مصلحت آنست کہ غیر تعزیت وارثان میت تا سہ روز و طعام ایشان یک شبانہ روزے نباشد اھ۔

(رسالہ جامع تحریر ص ...) حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی مائۃ مسائل ص ... میں تحریر فرماتے ہیں و نیز در نوادر الفتاوی در باب کراہت و استحسان مذکور است اتخاذ الطعام ... مردہ ساختہ باشد مکروہ است ... این طعام اہل میت ... مکروہ است اھ

بہر حال عاصم بن کلیب والی حدیث جو مشکوٰۃ ص ... میں مذکور ہے اس کا اصل ماخذ ابو داؤد ہے یہ حدیث ابوداؤد مصری ص ... ج ۲ اور بیہقی ص ... ج ۱ میں موجود ہے سب میں داعی امرأۃ ہے کسی میں بھی امرأتہ مضاف ہو کر ضمیر نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایک عورت کا داعی بھیجا اس وقت اس حدیث سے استدلال ہی نہیں ہو سکتا بصورت ... ہاں اگر صاحب مشکوٰۃ کو کوئی ماخذ ملا ہو تو ایک جواب وہ ہے جو علامہ ... کی

سے فاضل مجیب نے جواب میں نقل فرمایا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ قبل نہی کا ہو۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ نفس بیان جواز کے لئے ہو جو کراہت کے منافی نہیں چنانچہ بذل المجہود شرح ابوداؤد ص ۲۴۱ ج ۴ میں ہے۔

استقبله وای امر آخر فحصل الی جمیع نسخ ابوداؤد الموجودة عندی من المکتوبة والمطبوعة والی قوله فیمکن ان یجاب عنها لو کانت ما فی نسخ المصابیح صحیحا ان فعل هذه القصة وقعت قبل النهی عنها ویمکن ان یحمل علی بیان الجواز فانها امرت ... اهل البیت لیست بحرمة بل بکراهة اه۔

واللہ تعالیٰ اعلم والعبد

خیر محمد مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان

جانور اللہ کے نام پر چھوڑنا شریعت میں ثابت نہیں اور مالک کی اجازت کے بغیر اسے کھانا جائز نہیں۔

زید طبابت کا کام کرتا ہے اس کے پاس ایک مریض لایا گیا زید نے مریض کے ورثا سے کہا کہ ایک بکرا یہاں لا کر رات کو شہر کے باہر فی سبیل اللہ کر کے چھوڑ دو انہوں نے ایسا ہی کیا وہ بکرا رات کو چھوڑ دیا بکر نے اس بکرے کو پکڑ لیا اور گھر لا کر ذبح کر لیا صحیح مسئلہ پوچھتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ یہ فعل کرنے والا کرانے والا اور پکڑنے والا تینوں مسلمان ہیں ہر ایک کا حکم بیان فرمائیں نیز اب بکرے کا کیا کیا جائے۔

الجواب جانوروں کے نام پر چھوڑنا تو حرام ہے۔ ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ۔ الآیۃ۔ اور اللہ کے نام پر چھوڑنا بھی ثابت نہیں۔ کیونکہ اللہ کے نام پر خیرات کرنا ذبح کرنا وقف کرنا وغیرہ تو شریعت میں ثابت ہیں اور مستحسن ہیں اور اللہ کے نام پر زندہ جانور چھوڑ دینا نہ آنحضرت علیہ السلام سے اور نہ صحابہ کرام سے ثابت ہے اور جو کام شریعت میں ثابت نہ ہو اسے دین میں داخل کرنا بدعت ہے لہذا یہ جانور چھوڑنا بدعت ہے حکم کرنے والا اور عمل میں لانے والا گناہگار ہیں اس گناہ سے بچنے کی یہ صورت ہے کہ چھوڑنے والا مالک اپنی سابق نیت سے توبہ کر کے جانور کو بدستور اپنے ملک میں لے آئے۔

(۲) اس کو پکڑنے والا اس کا مالک نہیں ہو سکتا اور نہ اسے ذبح کر کے بیچ سکتا ہے اور نہ کھا سکتا ہے فتاویٰ مولانا عبدالحی میں مرقوم ہے۔ المختار فی الصید انه لا یملکه آخذه وکذا فی الدابة اذا سیبها کما فی [illegible] الشرنبلالی۔ در مختار میں ہے ان کان [illegible] لعموم [illegible] الغیر فلا یجوز ولا الا باذن صاحبه اھ لہذا صورت مسئولہ میں بکر کو چاہیے کہ یہ بکرا مالک کو واپس کر دے مالک کو چاہیے کہ بکرا اپنے ملک میں رکھے یا بیچ کر پیسے اپنے مصرف میں لے آئے۔

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
۱۴/۵/۰۰ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ
۱۵/۵/۰۰ھ

رسوم مروجہ بعد الموت کے بارے میں اعیانِ اُمّت کی تصریحات

ایک شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس کے رشتہ دار و لواحقین کا ارادہ ہے کہ اس کے ایصالِ ثواب کے لئے خیرات و قرآن خوانی کرائیں تو لوگ انہیں مجبور کرتے ہیں کہ قل (سوئم) دسواں، تیسواں، چالیسواں و جمعرات کرو تو آیا یہ رسومات شریعت میں جائز ہیں یا نہیں، اگر جائز ہیں تو کتب شرعیہ سے دلائل دے کر مطلع فرما دیں۔ اور اگر یہ رسومات شریعت کے مطابق نہیں ہیں تو کیوں، اس کے علاوہ کوئی ایسی صورت تحریر فرمائیں کہ خلاف شرع رسومات سے اجتناب بھی ہو جائے اور ایصالِ ثواب بھی ہو جائے مع دلائل تحریر ۔

۲۔ دیگر میت کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی پر اجرت کے طور پر کھانا کھلانا یا پیسے دینا جائز ہے یا نہیں ——— صحیح جواب سے مطلع فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

الجواب صحیح : بلاشبہ مذکورہ رسومات شرعاً جائز ہیں جن کا مقصد محض ایصالِ ثواب ہے۔ بدنی اور مالی عبادات کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشنا جائز ہے اور سلف صالحین سے یہ بات ثابت ہے۔ اشعۃ اللمعات میں ہے :

" و تصدق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت روز "

اسی طرح اشعۃ ہی میں ہے : ——— " و بعض روایات آمدہ است کہ روح میت مے آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق کنند از وے یا نہ "

حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فتاوی عزیزیہ میں فرماتے ہیں :

" اگر مالیدہ و شیر برائے فاتحہ بزرگے بقصد ایصالِ ثواب بروح ایشان پختہ بخورانند جائز است مضائقہ نیست " ——— شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تیجہ ہوا۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات میں فرمایا ہے :

" روز سوم کثرت ہجوم مردم آں قدر بود کہ بیرون از حساب ہے۔ ہشتاد و یک کلام اللہ بشمار آمدہ و زیادہ ہم شدہ باشند و کلمہ را حصر نیست "

اور بھی بے شمار دلائل کتب معتبرہ میں موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مہر : دار الافتاء ۱۳۹۳ ھ	خادم دار الافتاء
مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم ، ملتان	مدرسہ انوار العلوم ملتان ۱۰/۹/۶

دارالافتاء خیر المدارس سے یہ جواب دیا گیا ہے

الجواب ومنہ الصدق والصواب : سوال میں جن رسوم کا ذکر ہے یہ بلاشبہ ناجائز ہیں۔ تمام فقہاء امت نے ان کے ممنوع و مکروہ ہونے کی تصریح کی ہے۔ یہ بدعات شکم پرست لوگوں کی ایجاد ہیں۔ شریعت غرا میں ان کا کوئی ثبوت نہیں۔ مفتی صاحب کا یہ فرمان "اور بھی بے شمار دلائل کتب مطولہ میں موجود ہیں" بالکل خلاف واقعہ ہے۔ دور خیر القرون میں تصانیف معتمد علیہا سے ان کی ممانعت تو ملے گی ثبوت ہرگز نہیں مل سکتا ـــــ ومن ادعی فعلیہ الدلیل۔

اس سے اندازہ کیجئے کہ مفتی صاحب نے سوئم، چہلم وغیرہ کے ثبوت میں ایک دلیل بھی ذکر نہیں کی جبکہ سوال بالخصوص انہی کے بارے میں تھا۔ جواب میں جو عبارتیں ذکر کی ہیں ان سے مطلق ایصال ثواب کا ثبوت ملتا ہے۔ اور اس کا کوئی منکر نہیں۔ سوال تو یہ تھا کہ یہ مروجہ سوئم و چہلم وغیرہ جائز ہیں یا نہیں! ناظرین انصاف کریں کہ مفتی صاحب نے کوئی ایک حوالہ بھی ان کے جواز کا نقل کیا ہے؟ ایسے ہی بے شمار دلائل کتب مطولہ میں موجود ہوں گے۔ ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

ایک عزیز متعلم افتاء نے ان بدعات کی تردید میں بہت سے حوالے جمع کئے ہیں جو کہ ساتھ منسلک ہیں۔ یہ بہت ہی قیمتی مواد ہے۔ بالخصوص ان حضرات کی تصریحات دیکھنے کے قابل ہیں جن کا نام لے کر مفتی صاحب نے جواز ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ ایک حوالہ انہی میں سے نقل کیا جاتا ہے شاید مفتی صاحب کی نظر سے بھی گزرا ہو۔

"شریعت میں ثواب پہنچانا ہے۔ دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن، جب چاہیں کریں انہی دنوں کی تخصیص ضروری جاننا جہالت و بدعت ہے"

(فتاوی احمد رضا خان صفحہ [illegible])

عزیز محترم نے تمام سوالات کا مفصل جواب لکھ دیا ہے میں اس کے ساتھ متفق ہوں۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس، ملتان

رسومات مسئولہ مذکورہ کا کتب شرعیہ میں بدعت ہونے کے علاوہ اور کچھ ثبوت نہیں۔ حضرت خواجہ معصوم لکھتے ہیں:

ما حصل سوال ششم آنکہ طعام بر روحانیت میت روز سوم یا دہم و گل دادن روز سوم الخ بدعت است!

ولا يباح اتخاذ الطعام ثلاثة ايام هكذا فى التاتارخانية

(عالمگیری صفحہ ۳۴۴ ج ۱، تاتارخانیہ صفحہ ۲۰۱ ج ۴)

امام حافظ الدین محمد بن شہاب کردری الحنفی لکھتے ہیں:

ويكره اتخاذ الضيافة ثلاثة ايام واكلها لانها مشروعة للسرور ويكره اتخاذ الطعام فى اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعياد ونقل الطعام الى القبر فى المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءة سورة الانعام او الاخلاص فالحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الاكل يكره (فتاوی بزازیہ صفحہ ۸۱ ج ۴، شامی صفحہ ۶۰۳ ج ۱)

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

قد صرح اصحاب مذهبنا من انه يكره اتخاذ الطعام فى اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع (مرقاۃ صفحہ ۴۸۲ ج ۵)

اگر اب بھی رضوی صاحب یا ان کے کوئی ہم مسلک ان رسومات کو شرعاً جائز کہیں تو باعث افسوس ہے در حقیقت سے آنکھیں چرانا ہے ورنہ ان کے بزرگوں کے اقوال اور کتب فقہ اور حدیث جو سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ رسومات بدعات ہیں تیسری بات تو یہ ہے کہ جو مسائل تو انہی کتب فقہ سے ثابت کئے جاتے ہیں اور مذکورہ رسومات کو شرعاً ثابت کرنے کے لئے ان کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا کیونکہ انہی کتب مثلاً عالمگیری و شامی وغیرہ سے مذکورہ بدعات کی نفی ہوتی تھی بڑا تعجب ہے کہ حنفی ہو کر بھی ان تمام کتب فقہ کے حوالے پیش کرنے سے گریز کیا جائے ورنہ بنظر تدبر دیکھا جائے تو واضح ہے رضوی صاحب رسومات کو بلا شبہ جائز ثابت کرتے ہوئے قرآن کا ذریں ثبوت پیش کرتے ہوئے راستہ غلطی ہو گئے۔

اور پھر کسی کو مجبور کرکے تیسواں، چالیسواں یا جمعرات کرنے کے بارے میں بھی یہ لکھنا کہ "شرعاً جائز ہیں" شرعاً جائز نہیں کیونکہ ایصال نیت سے ہوگا۔ ورثہ میں کسی کی قسمت نہیں پھر بغیر رضا کے کیسے انجام کو پہنچے؟ دوسرا پہلو نابالغ بچوں کا ہے۔

مفتی احمد یار صاحب لکھتے ہیں:

"میت کی فاتحہ میت کے ترکہ سے کی ہو تو خیال رہے کہ فاتحہ وارث نابالغ کے حصہ سے فاتحہ نہ کی جائے لیکن اولاً مال میت تقسیم ہو جائے پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ

سے یہ امور خصوصیت سے کرے ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہوگا کہ بغیر مالک کی اجازت یا بچہ کا مال کھانا ناجائز ہے یہ ضرور خیال رہے ۔" (جاء الحق ص [illegible])

اور مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں :

"اگر سب نابالغ ہیں تو ترکہ میت سب ان کی ملک ہوگیا، اس کا صرف کر دینا میت کے ایصال ثواب میں جائز نہیں نہ کپڑا نہ کھانا نہ روپیہ نہ پیسہ — فقط تجہیز و تکفین میں جو اٹھے وہی درست ہے اور بس اور اگر بعضے وارث نابالغ ہیں تب بھی نابالغوں کا حصہ کل اشیاء ترکہ میں مشترک ہے اس کا صرف کرنا بھی ایصال ثواب کے لئے جائز نہیں الخ

(انوار ساطعہ ص [illegible])

احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں :

"غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا اور بچہ نابالغ ہوتا ہے یا بعض ورثاء موجود نہیں ہوتے نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا ہے تب تو یہ امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے " الخ

(احکام شریعت ص [illegible])

اور ملا علی قاریؒ کا بیان جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

قال الغزاليؒ ويكره الاكل منه قلت هذا اذا لم يكن من مال اليتيم او الغائب والا فهو حرام بلا خلاف (مرقاة ج [illegible])

قاضی خان میں ہے :

وان اتخذ طعاماً للفقراء كان حسناً اذا كانوا بالغين فان كانت في الورثة صغير لم يتخذوا ذلك من التركة (قاضي خان ج [illegible])

علامہ شامی لکھتے ہیں :

حديث جرير يدل على الكراهة ولاسيما اذا كان في الورثة صغار او غائب (شامی ج [illegible])

جبکہ رضوی صاحب نے مطلقاً سب کو شرعاً جائز بتا دیا حالانکہ علماء و فقہا نے اسے ناجائز اور حرام لکھا ہے یہی نہیں بلکہ علم سے حرام لینے کے بعد دعا کرنے اور آمین کہنے سے دونوں کے کفر کا فتوی ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں دیا ہے۔

ولو علم الفقير انه من الحرام ودعا له وامن المعطي كفرا (شرح فقہ اکبر ص [illegible])

امام نوویؒ شرح منہاج میں لکھتے ہیں :

" الاجتماع علی مقبرۃ فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود والطعام فی الایام المخصوصۃ کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشهر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ "

(بحوالہ انوار ساطعہ صفحہ ۱)

شیخ الاسلام کشف الغطاء میں لکھتے ہیں :

" آنچہ متعارف شدہ از پختن اہل میت در مصیبت طعام را در سوم وقسمت نمودن آں میان اہل تعزیت و اقران غیر مباح و نامشروع است وتصریح کردہ بدیں در خزانہ چہ شرعیت ضیافت نزد سرور است نہ نزد شرور "

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں :

" بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسینی ہیچ نکنند "

(وصیت نامہ [illegible])

ملا علی قاریؒ نے اپنی آخری تصنیف میں لکھا ہے کہ میت کے ہاں سے کھانا تناول کرنا مکروہ اور بدعت مستنکرہ ہے ۔ (شرح نقایہ صفحہ ۱۰۲/۱)

ملا علی قاریؒ اور علامہ طیبیؒ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث " لا یجعل احدکم للشیطان " کی شرح میں لکھتے ہیں :

" فکیف من اصر علی بدعۃ او منکر هذا محل تذکر الذین یصرون علی الاجتماع فی الیوم الثالث للمیت ویرونہ ارجح من الحضور للجماعۃ ۔

بریلویوں کے پیشوا حضرت احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں ۔ اگر فاضل حلبیؒ اور ملا علی قاریؒ ہمارے دیار کا رسم و رواج دیکھتے تو نہ جانے ان دعوتوں پر حرمت قطعی کا حکم لگاتے اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اسکی اجازت دینے میں شیطان مردود کے لئے ایک دروازہ کھول دینا ہے اور مسلمانوں اور بالخصوص نادار مسلمانوں کو سخت مصیبت میں ڈال دینا ہے ——— خدا سے دعا ہے کہ ہم کو صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے ۔ والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و آلہ اجمعین ۔ (احکام شریعت صفحہ ۱۹۶/۱)

رضوی صاحب کا یہ فرمانا کہ "سلف صالحین سے اس کا ثبوت ہے" ان کے ہم مسلک علماء کے حوالوں سے غلط ثابت ہوگیا۔ مندرجہ بالا حوالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسئولہ رسومات بدعات ہیں۔ ان کا شریعت مطہرہ میں کوئی وجود نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ بعد میں دور صحابہ تابعین یا تبع تابعین میں۔ اللہ جل جلالہ نے فرمایا:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (پ۲۱ احزاب رکوع ۲)

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم۔

(پ۳ آل عمران رکوع ۴)

ان آیات کریمہ سے صاف طور سے پتہ چلتا ہے کہ صرف حضور کی پیروی اور نمونہ ہی راہ نجات ہے اور بدعات کے بارے میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل بدعۃ ضلالۃ (مسلم ص۲۸۴ مشکوۃ ص۲۷)

وکل ضلالۃ فی النار (نسائی ص۲۳۴) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی اللہ ان یقبل عمل صاحب بدعۃ حتی یدع بدعتہ (ابن ماجہ ص۶)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقبل اللہ لصاحب بدعۃ صوماً ولا صلوٰۃً ولا صدقۃً ولا حجاً ولا عمرۃً ولا جہاداً ولا صرفاً ولا عدلاً یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرۃ من العجین (ابن ماجہ ص۶)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حجب التوبۃ عن کل صاحب بدعۃ (رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح غیر ہارون بن موسیٰ الفروی وہو ثقۃ) (مجمع الزوائد)

اس لئے فقہاء کرام نے بدعات کو ختم کرنے کی پوری کوششیں کی ہیں۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

بل صح عن جریر کنا نعدہ من النیاحۃ وهو ظاهر فی التحریم قال الغزالی ویکره الاکل منه قلت هذا اذا لم یکن من مال الیتیم او الغائب والا فهو حرام بلا خلاف (مرقاۃ شرح مشکوۃ)

اس قسم کا مضمون مسند احمد، ابن ماجہ، منتقی الاخبار پر بھی موجود ہے۔

علامہ ابن امیر الحاج المالکی المتوفی ۷۳۷ھ لکھتے ہیں:

اما اصلاح اهل المیت طعاماً وجمع الناس فلم ینقل فیه شیء

وهو بدعة وغير مستحب (مدخل ص۲۶۸ ج۳) مما احدثه بعضهم من فعل الثالث للميت وعملهم الاطعمة حتى صار عندهم كانهم امر معمول (ايضاً)

امام ابن حجر مکی شافعیؒ فرماتے ہیں:

عما يعمل يوم الثالث من موته من تهيئة اكل واطعامه للفقراء وغيرهم وعما يعمل يوم السابع الخ ...... جميع ما يفعل مما ذكر في السوال من البدع المذمومة (فتاوى كبرى ص۷ ج۲)

علامہ محمد بن محمد منبجی حنبلیؒ المتوفی ۷۸۵ھ تسلیۃ المصائب ص۹۹ میں اور امام شمس الدین بن قدامہ حنبلیؒ المتوفی ۶۸۲ھ شرح مقنع الکبیر ص۴۱۳ ج۲ میں امام موفق الدین بن قدامہ حنبلیؒ المتوفی ۶۲۰ھ مغنی میں لکھتے ہیں:

فاما صنع اهل الميت طعاما للناس فمكروه لان فيه زيادة على مصيبتهم وشغلا لهم الى شغلهم وتشبها بصنع اهل الجاهلية (مغنى ص۴۹۶ ج۲)

اور علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

مذهبنا ومذهب غيرنا كالشافعية والحنابلة الخ (شامی ص۸۴۳ ج۱)

فقہائے احناف میں علامہ طاہر بن احمد الحنفیؒ لکھتے ہیں:

ولا يباح اتخاذ الضيافة عند ثلاثة ايام لان الضيافة تتخذ عند السرور (خلاصة الفتاوى ص۲۳۴ ج۴) ويكره اتخاذ الضيافة في ايام المصيبة لانها ايام تاسف فلا يليق بها ما كان للسرور (فتاوى تاتارخانیہ ص۱۹۹ ج۳، فتاوى سراجیہ ص۲۳)

علامہ قہستانیؒ لکھتے ہیں:

ويكره اتخاذ الضيافة في هذه الايام وكذا اكلها (جامع الرموز ص۱۹۷ ج۱)

حافظ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة (فتح القدير ص۱۴۲ ج۱)

ملاحظہ فرمائیے، ان بدعات کی خباثت کہاں تک پہنچی اور پھر مروجہ رسوم میں جو کچھ پکایا یا منگوایا جاتا ہے اس کا اکثر حصہ دوست احباب کی نذر ہو جاتا ہے۔

مولوی محمد صالح صاحب ——— مذکورہ جمعرات کے ختم کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ رسم سوائے ہندوستان کے اور کسی اسلامی ملک میں رائج نہیں۔" انتہی (تحفۃ الاحباب ص۳۲)

رضوی صاحب ملاحظہ فرمائیں کہ جو رسم ماسوائے ہندوستان کے اور کہیں رائج نہیں اس کے وجود کو بغیر کسی فقہی حوالہ کے شریعت میں بلاشبہ جائز قرار دینا تحریف دین ہے یا نہیں لیجئے اور ملاحظہ فرمائیں:

احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں:

"وقت فاتحہ کھانے کا قاری کے پیش نظر ہونا اگرچہ بیکار بات ہے" الخ (الحجۃ الفاتحۃ ص۹)

شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن باقی تعینیں عرفی ہیں جب چاہیں کریں۔

انہیں دنوں کی گنتی فرض (حق) جاننا جہالت ہے و بدعت (مجموعہ فتاوی مؤلفہ احمد رضا صاحب ص۳۴)

غور فرمائیے خان صاحب کس چیز کو بیکار جہالت اور بدعت فرما رہے ہیں:

سچ پوچھئے تو یہ سب رسومات شکم پرست جہال کی ایجاد ہیں، شریعت سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

علامہ بیرونی متوفی ۴۴۰ھ نے کیا خوب تحقیق سے ان کو بے نقاب کیا ہے ——— کہ اہل ہنود کے نزدیک جو حقوق میت کے وارث پر عائد ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ضیافت کرنا اور یوم وفات سے گیارھویں اور پندرھویں روز کھانا کھلانا اس میں ہر ماہ کی چھٹی تاریخ کو فضیلت ہے اسی طرح اختتام سال پر بھی کھانا کھلانا ضروری ہے نو دن تک اپنے گھر کے سامنے طعام پختہ و کوزہ آب رکھیں ورنہ میت کی روح ناراض ہو گی اور بھوک و پیاس کی حالت میں گھر کے ارد گرد پھرتی رہے گی پھر عین دسویں دن میت کے نام پر بہت سا کھانا تیار کر کے دیا جائے اور آب خنک دیا جائے اور اسی طرح گیارھویں تاریخ کو بھی .... نیز ماہ پوس میں وہ حلوا پکا کر دیتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ برہمن کے کھانے پینے کے برتن بالکل علیحدہ ہوں (کتاب الہند ص۲۸۲ ملخصا)

اس پر مزید روشنی نو مسلم عالم حضرت مولانا عبید اللہ مالیر کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے ڈالی ہے برہمن کے مرنے کے بعد گیارھواں دن اور کھتری کے مرنے کے بعد تیرھواں دن اور ویش یعنی بنیئے وغیرہ کے مرنے کے بعد پندرھواں دن یا سولھواں دن اور شودر یعنی بازاری وغیرہ کے مرنے کے بعد تیسواں یا اکتیسواں دن مقرر ہے از انجملہ ایک چھ ماہی کا دن ہے یعنی مرنے کے بعد چھ مہینے از ان جملہ برسی کا دن ہے اور اس دن گائے کو بھی کھانا کھلاتے ہیں از ان جملہ ایک دن سدھ کا ہے مرنے کے مر جانے سے چار برس پیچھے۔ از ان جملہ اسوج کے مہینے کے نصف اول میں ہر سال اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچاتے ہیں۔ لیکن جس تاریخ میں کوئی مرا تاریخ میں ثواب پہنچانا ضرور جانتے ہیں اور کھانے کے ثواب پہنچانے کا نام سرادھ ہے اور جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اول ان برہمنوں کو بلا کر کچھ منتر پڑھواتے ہیں جو پنڈت اس کھانے پر منتر پڑھتا ہے

وخل بيتي مؤمنا وللمؤمنين والمؤمنات) وقوله تعالى (ربنا اغفر لنا ولاخواننا
الذين سبقونا بالايمان) وعن سعد بن عبادة رضي الله تعالى عنه انه قال يا رسول
الله ان ام سعد ماتت فاي الصدقة افضل قال عليه الصلوٰة والسلام الماء
فحفر بئرا وقال هذه لام سعد اخرجه ابو داؤد والنسائي وحمهما الله واما
ما وحكى في شرح العقائد من حديث ان العالم والمتعلم اذا مرا على قرية
فان الله تعالى يرفع العذاب عن مقبرة تلك القرية اربعين يوما فقد
صرح الجلال السيوطي انه لا اصل له ... قال القونوي رحمه الله والاصل
في ذلك عند اهل السنة ان للانسان ان يجعل
ثواب عمله لغيره صلاة او صوما او حجا او صدقة او غيرها والشافعي
رحمه الله جوز هذا في الصدقة والعبادة المالية وجوزه في الحج واذا قرئ
على القبر فللميت اجر المستمع ومنع وصول ثواب القرآن الى الميت و
ثواب الصلاة والصوم وجميع الطاعات والعبادات غير المالية وعند ابي
حنيفة واصحابه رحمهم الله تعالى يجوز ذلك ويصل ثوابه الى
الميت وتمسك المانع من ذلك بقوله تعالى وان ليس للانسان الا ما
سعى وبقوله عليه الصلوٰة والسلام اذا مات ابن آدم انقطع عمله
الحديث والجواب ان الاية حجة لنا لان الذي اهدى ثواب عمله
لغيره سعى في ايصال الثواب الى ذلك الغير فيكون له ما سعى بهذه
الاية ولا يكون له ما سعى الا بوصول الثواب اليه فكانت الاية حجة
لنا لا علينا واما الحديث فيدل على انقطاع عمله ونحن نقول به و
انما الكلام في وصول ثواب عمل غيره اليه والموصل الثواب الى الميت هو الله
تعالى سبحانه لان الميت لا يسمع بنفسه والقريب والبعيد سواء في
قدرة الحق سبحانه (شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص ۱۲۶ طبع مصر)

ایصالِ ثواب کے لئے اجتماعات کا اہتمام، قیود و رسوم اور دعوتیں نہ کی جائیں بلکہ اپنے طور پر صدقات نافلہ یا
تلاوت وغیرہ کا ثواب پہنچا دیجئے۔ ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام الخ (رد المحتار ص ۲۴۰ ج ۱)
قال فی الشامیۃ معزیا الی الفتح الخ (رد المحتار ص ۲۴۳ ج ۱)
مال صدقہ میں اختیار افضل ہے اور مساکین کو کھانا پہنچانا ضروری ہے بہتر ہے کہ نقد رقم دے دی جائے
تاکہ وہ ضرورت کی دوسری اشیاء بھی خرید سکیں جس کے علاوہ کسی ایسے کام میں صرف کیا جا سکتا ہے جہاں

صدقہ جاریہ ہے۔ اور میت کو ثواب پہنچتا ہے۔

۲۔ دوسرے سوال کے مطابق قرآن کی اجرت دینا بالکل جائز نہیں حالانکہ رضوی صاحب نے بھی بلاشبہ جائز لکھ دیئے ہیں۔ مروجہ رسوم میں اجرت پہلے سے مقرر بھی کر لی جاتی ہے اس صورت میں میت کو ثواب پہنچنا تو درکنار خود قاری کو بھی ثواب نہیں ملتا۔ پس ایسے اجرت کا وصول کر لینے کی صورت میں واپس کرنا ضروری ہے۔ قال فی رد المحتار ان القاری اذا قرء لاجل المال فلا ثواب له فای شئ یهدیه الی المیت وانما یصل الی المیت العمل الصالح (رد المحتار ص [illegible])

وفی شرح التنویر فی بیان الاجارة الفاسدة (و) لا لاجل الطاعات
وقال فی رد المحتار تحت (قوله ویفتی الیوم) قال تاج الشریعة فی شرح الهدایة
ان القرآن بالاجرة لا یستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری وقال العینی فی
شرح الهدایة ویمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی آثمان فالحاصل ان
ما شاع فی زماننا من قراءة الاجزاء بالاجرة لا یجوز لان فیه الامر
بالقراءة واعطاء الثواب للآمر والقراءة لاجل المال فاذا لم یکن للقاری
ثواب لعدم النیة الصحیحة فاین یصل الثواب الی المستاجر ولولا الاجرة
ما قرأ احد لاحد فی هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسبا ووسیلة
الی جمع الدنیا انا لله وانا الیه راجعون اھ (رد المحتار ص [illegible])

اور مجلس مروجہ رسوم میں کھانا کھلانا بھی اور حصول قاری کو اجرت دینا ہوتا ہے اس سے یہ بھی جائز نہیں۔
حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت متوفی ۷۸۵ھ کے ملفوظات میں ہے۔

"کہ اس زمانہ میں سوئم کے روز میت کی زیارت کے واسطے شربت و دیگ وغیرہ لے جاتے اور کھاتے ہیں۔۔۔۔ صدقہ وقف لے جاتے ہیں اور سیپارہ خوانی کرتے ہیں یہ مکروہ ہے"

(الدر المنظوم ص [illegible])

علامہ محی الدین برکلی نقشبندی الحنفی متوفی ۹۸۱ھ طریقہ المحمدیہ کے آخری صفحہ پر لکھتے ہیں:

"کہ ان بدعات میں سے ایک یہ ہے کہ موت کے دن یا اس کے بعد ضیافت طعام کی وصیت کرنا اور قرآن و کلمہ وغیرہ پڑھنے والوں کو پیسے دینا یا قبر پر چالیس روز تک یا کم و بیش یا حکم آدمی بٹھانا یا قبر پر قبہ بنانے کی وصیت کرنا یہ سب امور منکرہ ہیں۔"

شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

"اگر شخصے را برائے ختم نمودن قرآن بمزدوری بگیرند و ثواب آن ختم بمیت برسند
واین صورت نزد حنفیہ جائز نیست اھ" (فتاوی عزیزی ص [illegible])

تاج الشریعۃ محمود بن احمد الحنفی المتوفی سنہ ۶۷۳ھ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں :

ان القرآن لا یستحق بالاجرۃ الثواب لا للمیت ولا للقاری ۔
(بحوالہ انوار ساطعہ ص ۱۲۱)

احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں :

"تلاوت قرآن عظیم پر اجرت لینا دینا حرام ہے اور حرام پر استحقاق عذاب ہے نہ کہ ثواب الخ" (احکام شریعت ص ۱۲ ج ۱)

علامہ صدر الدین علی بن محمد الاذرعی الدمشقی الحنفی المتوفی سنہ ۷۹۲ھ لکھتے ہیں :

واما استیجار قوم یقرؤن القرآن ویھدونہ للمیت فھذا لم یفعلہ احد من السلف ولا امر بہ احد من ائمۃ الدین ولا رخص فیہ والاستیجار علی نفس التلاوۃ غیر جائز بلا خلاف (شرح عقیدۃ الطحاویہ ص ۴۵۷ طبع مصر)

اور علامہ عینی الحنفی لکھتے ہیں :

ان الآخذ والمعطی آثمان فالحاصل ان ما شاع فی زماننا من قراءۃ الاجزاء بالاجرۃ لا یجوز (بنایہ شرح ہدایہ) ھذا ما عندی فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب ۔

الجواب صحیح : بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ [illegible]

امور مہمہ دینیہ کیلئے بعد از عشاء اجتماع کا جواز

کیا عہد رسالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام وعظ و تبلیغ یا روانگی وفود و جیوش کے لئے نماز عشاء کے بعد بھی کبھی اجتماع فرمایا ہے یا نہیں ؟

الجواب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت شریفہ نماز عشاء کے بعد آرام فرمانے کی تھی لیکن کبھی ضرورت ہوتی تو امور دین میں خصوصی احباب سے مشورہ وغیرہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر و حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بعد از نماز عشاء مشورہ فرمانا ثابت ہے۔

(ترمذی شریف : ج ۱ ص [illegible])

نیز بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو خطاب بھی فرمایا ہے۔

قال البخاری بسندہ عن قرۃ بن خالد قال انتظرنا الحسن وراث علینا حتی قربنا من وقت قیامہ فجاء فقال دعانا جیراننا ھؤلاء ثم قال قال انس بن مالک نظرنا (ای انتظرنا کما ھو فی روایۃ)

النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة حتى كان شطر الليل يبلغه فجاء فصلى لنا ثم خطبنا الحديث : بخاری، ج ۱، ص ۸۴)۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ بوقت ضرورت بعد از نماز عشاء وعظ کا جواز ثابت ہے لیکن غلو اس میں ممنوع ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان مہر

اس دور میں ترک تقلید گمراہی ہے

ہر ایک کے لئے اگر تقلید ضروری ہے تو حضرات مفسرین ومحدثین ومجتہدین مثلاً ابن کثیرؒ، رازیؒ و امام بخاریؒ و مسلمؒ امام اعظم ابو حنیفہؒ و شافعیؒ وغیرہ کن کے مقلد تھے۔

الجواب: جملہ مفسرین ومحدثین ومشائخ عظام ائمہ اربعہؒ میں سے کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے جیسا کہ درج ذیل تفصیل سے معلوم ہوگا البتہ بعض کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کسی امام کے مقلد تھے یا خود مجتہد تھے جیسے امام بخاریؒ کہ بعض نے انہیں شافعی قرار دیا ہے اور بعض نے مجتہد لیکن یہ ان حضرات کی بات ہے جنہوں نے پوری زندگی کتاب اللہ وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کرنے اور ان کی تعلیم و تبلیغ میں صرف کر دی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مرتبہ اجتہاد بھی عطا کیا مگر عوام کے لئے سوائے تقلید ائمہ اربعہ کے چارہ نہیں کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

۱۔ واتبع سبيل من اناب الي (الآية) ۲۔ يا ايها الذين آمنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر منكم (الآية) وغیرہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عامی کے لئے کسی نہ کسی مستند مجتہد کی تقلید کرنا ضروری ہے اور علماء ربانی وسلف صالحین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ائمہ اربعہ چنانچہ ذیل میں ہم معتبر علماء کے اقوال اس بارے میں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ خاتم الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح المبین شرح الاربعین میں فرماتے ہیں:

واما في زماننا فقال ائمتنا لا يجوز تقليد غير الائمة الاربعة الشافعي ومالك وابي حنيفة واحمد بن حنبل۔

ترجمہ: ہمارے ائمہ نے فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں ائمہ اربعہ کے سوا کسی کی تقلید درست نہیں۔

۲۔ شیخ ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

انعقد الاجماع على عدم العمل بالمذاهب المخالفة للائمة الاربعة۔

ترجمہ:- اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ ائمہ اربعہ کے مخالف مذاہب پر عمل نہ کیا جائے۔

۳۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "عقد الجید ص۳۳" پر فرماتے ہیں:

"لما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم۔"

ترجمہ: چونکہ بجز مذاہب اربعہ کے دیگر مذاہب حقہ معدوم ہو گئے ہیں لہذا انکی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہے۔ والخروج عنها خروجا عن السواد الاعظم۔ اور ان سے خروج سواد اعظم سے خروج ہے۔

۴۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی دوسری کتاب "انصاف کے صفحہ ۷۲" پر لکھتے ہیں:

وبالجملة فالمذهب للمجتهدين سر الهمه الله تعالى العلماء وجمعهم عليه من حيث يشعرون او لا يشعرون۔ ترجمہ: غرضیکہ مجتہدین کے مذاہب پر پابند رہنا ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے قلوب میں الہام فرمایا۔

اور ان کو اس پر جمع فرمایا خواہ وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

۵۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ "شرح جمع الجوامع" میں فرماتے ہیں۔

يجب على العامي وغيره ممن لم يبلغ مرتبة الاجتهاد التزام مذهب معين من مذاهب المجتهدين۔

ترجمہ: عامی اور جو شخص مرتبہ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو اس پر مذاہب میں سے کسی مذہب معین کی تقلید ضروری ہے۔

۶۔ مولانا سید اسماعیل شہیدؒ فرماتے ہیں:

در ایں زمان اتباع مذاہب اربعہ کہ رائج در تمام اہل اسلام است بہتر و خوب است (صراط مستقیم)

ترجمہ: اس زمانہ میں مذاہب اربعہ کی وہ اتباع کرنا جیسا کہ تمام اہل اسلام میں مروج ہے یہی درست اور صحیح ہے۔

عقلی طور پر بھی عامی شخص کیلئے اسکے سوا چارہ کار نہیں ہے کیونکہ نہ تو وہ قرآن کا ترجمہ جانتا ہے اور نہ تفسیر، نہ احادیث کا حافظ ہے، نہ صحابہ کے آثار اور فتاویٰ کا، نہ اسے سند یاد ہے نہ احوال سند و روات، نہ اسے عربی لغت اور صرف و نحو کا علم، نہ ناسخ و منسوخ کا، ان امور بالا سے ناواقفیت کی بنا پر وہ صرف موصوف با اوصاف مذکورہ مجتہد کی تقلید ہی کر سکتا ہے۔

جو علوم مذکورہ سے ناواقف ہے اسے قرآن و حدیث کے تراجم دے دینے اور ترک تقلید کا سبق سکھانے سے انکار حدیث اور انکار فقہ کے فتنے کو فروغ دینا ہے۔ ترک تقلید کے جو خطرناک نتائج نکلتے ہیں ان کا اقرار خود غیر مقلدین کو بھی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں تین شہادتیں ذکر کی جاتی ہیں

مولانا محمد حسین بٹالوی غیر مقلد لکھتے ہیں :

پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں

(اشاعۃ السنۃ [illegible] ص [illegible])

۲: قاضی عبد الاحد خانپوری غیر مقلد لکھتے ہیں :

پس اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ما جاء به الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوتے ہیں شیعہ و روافض کے

(کتاب التوحید والسنۃ ص [illegible])

۳: فرقہ اہل حدیث کے مجتہد نواب صدیق حسن خان بھوپالی اپنی جماعت اہل حدیث کے متعلق "الحطہ فی ذکر الصحاح الستۃ" ص [illegible] میں لکھتے ہیں : ——— یعنی اس زمانہ میں ایک فرقہ شہرت پسند اور ریاکار ظہور پذیر ہوا ہے جو باوجود ہر طرح کی خامی کے .... اپنے لئے قرآن و حدیث پر علم و عمل کا مدعی ہے .... حالانکہ اسے علم و عمل اور معرفت کے ساتھ ذرہ کا بھی تعلق نہیں۔

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے ، ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

فقط والله اعلم ۔

تم بحمد الله تعالى الجزء الأول من

خير الفتاوى ويتلوه الجزء الثاني

إن شاء الله تعالى وأوله كتاب

الطهارة والحمد لله أولاً وآخراً ○

کتبہ قاری سیف اللہ خالد قادری غفر اللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ